انقلابِ روس

اور

روس انقلاب کے بعد

مُصنّفہ
محمد مسعود صاحب جوہر (بی۔اے)

ناشر
مکتبہ برہان۔ اردو بازار جامع مسجد دہلی ۶

ربیع الاول ۱۳۷۷ھ مطابق اکتوبر ۱۹۵۷ء

قیمت سات روپے

مطبوعہ
(الجمعیۃ پریس - دہلی)

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱	روس کی عام حالت	۵
۲	الف ۔ روس اور ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم	۶
۳	زار ۔ زارینہ ۔ راسپوٹن	۱۳
۴	فروری کا انقلاب	۳۱
۵	لینن کی آمد	۴۲
۶	انقلابی عناصر کا اقدام	۴۶
۷	بولشیوک کو شکست	۵۳
۸	رجعت پسند عناصر کی جدوجہد	۵۶
۹	بولشیوک کی جدوجہد	۶۳
۱۰	اکتوبر کا انقلاب	۷۰
۱۱	انقلاب کے فوراً بعد کے حالات	۷۶
۱۲	مجلس دستور ساز	۸۵
۱۳	جرمنی سے صلح	۸۸

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۱۴	پرولتاری آمریت اور اقتصادی ابتری	۹۶
۱۵	خانہ جنگی اور سرمایہ دار ممالک کی ریشہ دوانیاں	۱۱۲
۱۶	سیاسی و اقتصادی محاذ	۱۲۳
۱۷	نیا اقتصادی لائحہ عمل یا 'نیپ'	۱۳۳
۱۸	بولشیوک اور وسط ایشیا کی اسلامی ریاستیں	۱۴۶
۱۹	لینن ۔ ٹروٹسکی ۔ اسٹالین	۱۷۰
۲۰	حکمران طبقہ کی تشکیل	۱۹۶
۲۱	برطانیہ اور روس	۲۰۷
۲۲	پیرس کانفرنس	۲۱۰
۲۳	مسٹر کریبین کی آمد	۲۱۸
۲۴	کنیس کانفرنس	۲۲۵
۲۵	جنیوا کانفرنس	〃
۲۶	راپیلو کا معاہدہ	۲۲۶
۲۷	ہیگ کانفرنس	۲۲۷
۲۸	قحط زدہ علاقوں کی مدد	۲۲۹
۲۹	یورپ میں اشتراکی اثرات کی فتح و شکست	۲۳۴
۳۰	حکمران طبقہ کی نشوونما	۲۴۲
۳۱	لینن کی وفات	۲۵۶

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
	روس انقلاب کے بعد	۲۶۳
۳۲	گذارش	۲۶۵
۳۳	لینن کے بعد ـــــ ٹراٹسکی اور اسٹالن میں اختلاف	۲۶۷
۳۴	اکابر ثلاثہ ـــــ زینویف۔ کیمونیف اور ٹراٹسکی میں اختلاف	۲۸۲
۳۵	ٹراٹسکی اور اسٹالن میں اتحاد	۲۸۷
۳۶	بائیں پارٹی ـــــ زینویف۔ کیمونیف اور ٹراٹسکی میں اتحاد	۲۹۰
۳۷	انقلاب چین ـــــ بائیں پارٹی اور حکمران طبقہ میں کشمکش	۳۰۱
۳۸	اسٹالن کی کامیابی ـــ بائیں اور دائیں دونوں پارٹیوں کی بیخ کنی	۳۱۷
۳۹	(الف) بائیں پارٹی پر حملہ	〃
۴۰	(ب) بائیں پارٹی پر فتح	۳۲۳
۴۱	(ج) دائیں پارٹی پر فتح	۳۳۰
۴۲	دورِ استبداد۔ حکمران طبقہ کی حشر انگیزیاں اور سحر کاریاں	۳۳۶
۴۳	مستقل انقلاب کا نظریہ	۳۷۹
۴۴	تیسرا دور ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۲ء	۳۸۳
۴۵	حکمران طبقہ کا استحکام	۳۹۰
۴۶	اقتصادی حالات	۳۹۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۴۷	سوویٹ روس اور مغربی یورپ	۴۲۸
۴۸	بولشیوک حکومت کو تسلیم کرنے کا مسئلہ	؍؍
۴۹	لیبر پارٹی کا استعفاء	۴۳۴
۵۰	زینو ولیف کے خط کا قضیہ	۴۳۵
۵۱	مسٹر بالڈون کی روسی دشمنی	۴۴۰
۵۲	لوکارنو کے معاہدے	۴۴۲
۵۳	انگلستان کے ہڑتالیوں کو روسی امداد	۴۴۴
۵۴	روس اور برطانیہ کے تعلقات میں آشوب	۴۴۶
۵۵	روس کے تجارتی ڈیلی گیٹ کی تلاشی	۴۵۰
۵۶	لیبر پارٹی کی کابینہ کا استعفاء اور مشترکہ حکومت کا قیام	۴۶۰
۵۷	مسٹر میکی کی آمد اور تجارتی معاہدے کی تجدید	۴۶۳
۵۸	روس کو بین الاقوامی لیگ میں شرکت کی دعوت	۴۶۵
۵۹	برطانیہ اور جرمنی کے تعلقات پر روس کی نکتہ چینی	۴۶۸
۶۰	مونٹری کانفرنس	۴۷۲
۶۱	ہسپانیہ کی خانہ جنگی کے دوران میں برطانیہ اور روس کے تعلقات	۴۷۴
۶۲	دوسری جنگِ عظیم ۔۔ (یورپ کی حکومتوں میں سیاسی کشمکش اور اسباب جنگ)	۴۸۴
۶۳	سوویٹ روس کے اقدامات	۵۰۷

نمبر شمار	مضمون	صفحہ
۶۴	روس و جرمنی کی سرحدوں کے تعین کے متعلق معاہدہ	۵۰۸
۶۵	اسٹھونیا اور روس کا معاہدہ	۵۱۰
۶۶	فن لینڈ اور روس کی جنگ	۵۲۰
۶۷	روس جنگ کے دروازہ پر	۵۳۲
۶۸	جرمنی اور روس کی جنگ	۵۵۴
۶۹	دوسرا محاذ ـــــ روس اور برطانیہ کی کشمکش	۵۷۸
۷۰	سُرخ فوج کی فتوحات	۵۹۸
۷۱	اٹلی کا زوال	۶۱۱
۷۲	اتحادیوں کے اختلافات	۶۱۴
۷۳	نازی جرمنی کی شکست	۶۲۱

تقریظ

از۔ ڈاکٹر سید عابد حسین۔ ایم۔ اے۔ پی ایچ ڈی۔ جامعہ نگر۔ دہلی

"انقلاب روس" اور "روس انقلاب کے بعد" م۔ م جوہر صاحب کی قابل قدر تصنیف کے دو حصے ہیں۔ ان میں انھوں نے روس کے معرکتہ الآرا سیاسی اور معاشی تجربے کا، جو کمیونزم کے نام سے موسوم ہے گہرا مطالعہ کیا ہے۔ حصہ کتاب میں انقلاب کے محرکات، اس کے وقوع میں آنے، نشیب و فراز کے مرحلوں سے گذرنے اور لینن کی رہنمائی میں کامیابی تک پہنچنے کا سبق آموز بیان ہے۔ دوسرے میں لینن کی وفات کے بعد یعنی ۱۹۲۵ء سے لے کر اس وقت تک سوویٹ روس کے سیاسی اور معاشی حالات کا جائزہ لیا گیا ہے۔ جہاں تک واقعات کا تعلق ہے جوہر صاحب نے کل شائع شدہ مواد کو چھان کر حتی الامکان مستند بیانات کو منتخب کیا ہے۔ البتہ وہ اپنا ایک خاص نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور اس کے بیان میں نہایت صاف گوئی سے کام لیتے ہیں۔ وہ انقلاب کے اصل نظریے کے، جسے لینن نے مارکس کی تعلیمات کی بنیاد پر قائم کیا تھا، راسخ العقیدہ حامی ہیں اور جس حد تک روس کے موجودہ ارباب اقتدار نے ذاتی اغراض یا مصلحتِ وقت کی بنا پر انحراف کیا ہے۔ اُسے قابل اعتراض بلکہ قابلِ ملامت سمجھتے ہیں۔ بہر حال اُردو داں پبلک کو جوہر صاحب کا شکر گزار ہونا چاہئے کہ انھوں نے ہماری زبان میں زمانۂ جدید کی اہم ترین تحریک کے متعلق دلچسپ اور مفید معلومات کا ذخیرہ فراہم کر دیا ہے۔ مجھے یقین ہے کہ علم دوست حضرات خواہ وہ مصنف کے ہمخیال ہوں یا نہ ہوں۔ کتاب کے ان دونوں حصوں کو شوق سے پڑھیں گے اور ان سے لطف اور فائدہ اٹھائیں گے۔

M. Shafi

روس کی عام حالت

روس کے باشندے بظاہر تنومند اور خوش خو تھے لیکن ذہانت ارتقا کے اعتبار سے وہ ابھی تمدن کے ابتدائی منازل طے کر رہے تھے۔ قدرت نے اپنی فیاضی سے اُن کو جو کچھ بخش رکھا تھا اس پر قانع تھے۔ نہ کبھی اقتصادی ترقی کا خیال ان کے ذہن میں آیا تھا اور نہ تاریخی اقتضا کی طرف اُن کی نظر گئی تھی۔ ہمسایہ ممالک کی جدوجہد اُن کو بےمعنی معلوم ہوتی تھی۔ روس کا مذہب نام کو عیسائیت تھا لیکن نہ وہاں کے باشندوں میں روحانی ترقی کا جذبہ کارفرما تھا اور نہ انسانی برادری کے تخیل سے وہ آشنا تھے جسمانی عیش و آرام اور انفرادی نفع اُن کے ہر عمل کا محرک بنا ہوا تھا۔ چند توہمات اور متعدد رسومات ان کی روحانی زندگی کا کُل سرمایہ تھیں جن پر وہ سختی سے کاربند تھے۔ مزدور اور غریب طبقوں کی کم فہمی کا یہ عالم تھا کہ وہ اپنی خستہ حالت میں یسوع مسیح کی سی بےسروسامانی پا کر اپنے آپ کو پیغمبر کا نمونہ تصور کرتے تھے۔ چونکہ روس صنعتی ملک نہ تھا اس لئے وہاں متوسط طبقہ کم و بیش مفقود تھا اور جو اس طبقے سے متعلق تھے وہ امارت کی ہوس کے شکار امیر اور حکمران طبقے کے شکنجوں میں جکڑے ہوئے اپنی انفرادی زندگی کو خوش حال بنانے میں سرگرداں تھے۔ البتہ شاہی خاندان۔ جاگیردار اور ممتاز مذہبی رہنما اور ان کے متعلقین عیش و عشرت میں غرق تھے۔ ان کی زندگیاں نشاط کاریوں

نہیں گذرتیں۔ دن سیر و شکار کے لئے تھا اور رات بادۂ ناب کے لئے تھی۔ اور انیسویں صدی کے اخیر تک روس مغربی ممالک کی تجارت کے لئے ایک منڈی بنا ہوا تھا۔ اور اس کے شہروں کا کام یہ تھا کہ سرمایہ دار ملکوں کا تجارتی سامان روس کے گوشے گوشے میں پہنچ جائے لیکن بیسویں صدی کے شروع میں جب روسیوں کی نظر مغربی ممالک کے بینکوں کی اُن عالی شان عمارتوں پر پڑی جو روس کے گرجاؤں سے کہیں زیادہ حسین تھیں۔ اور جب بڑے بڑے ہوٹلوں کے سامنے روسی جاگیرداروں کو اپنے محلات ہیچ نظر آنے لگے اُس وقت اُن کے دل میں سرمایہ دارانہ نظام کے رائج کرنے کی خواہش پیدا ہوئی۔ حرص کے اُکسانے پر روس کے امیر طبقے نے اپنے ملک کو بہت بڑے پیمانے پر صنعتی بنانا شروع کر دیا۔ روس میں پہلے جس جگہ ایک دہقان تن تنہا ہل چلایا کرتا تھا اب وہاں آلاتی دُنیا آباد ہو گئی۔ لیکن تاریخ کسی گناہ گار قوم کو بلا انتقام لئے نہیں چھوڑتی سربر آوردہ طبقے کی صدیوں کی خواب غفلت کا انتقام تاریخ نے اس طرح لیا کہ جب ملک کو آلاتی کرنے کے لئے سرمایہ کی ضرورت ہوئی اس وقت روس کو دوسرے سرمایہ دار ملکوں سے نہ صرف کثیر رقم قرض لینی پڑی بلکہ ملک کی بڑی بڑی صنعتوں کے ٹھیکے بھی غیر ملکوں کو دینے پڑے۔ اس طرح روس پر غیر ملکی سرمایہ داروں کا قبضہ ہو گیا۔ اقتصادی اثر اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا چولی دامن کا ساتھ ہوتا ہے چنانچہ وقت گزرنے پر روس نہ صرف اقتصادی بلکہ سیاسی اعتبار سے بھی غیر ملکی سرمایہ داروں کے چنگل میں پھنس گیا۔ اور یہ بیرونی ممالک کے اقتصادی اثرات اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا ہی نتیجہ تھا کہ جب ۱۹۱۴ء میں جنگِ عظیم شروع ہوئی اس وقت روس کو بھی ان ممالک کی طرف سے جنگ میں کودنا پڑا جن کی طلائی زنجیروں میں روس جکڑا ہوا تھا۔

روس اور ۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم

اتحادیوں کے اقتصادی اثر اور سیاسی ریشہ دوانیوں کا شکار ہو کر روس جنگِ عظیم میں ضرور

شریک ہو گیا لیکن جرمنی کی آلاتی فوج کا مقابلہ نہ کر سکا۔ روسی فطری طور پر بہادر تھا لیکن آلاتی ہتھیاروں سے مسلح نہ تھا۔ وہ کامرانی کی ایک شرط پوری کرتا تھا لیکن دوسری مفقود تھی۔ جب ۱۴ اکتوبر ۱۹۱۶ء کو روس کی اسمبلی (ڈوما) میں ممبران نے وزیر جنگ سے فوجی حالات پر تبصرہ کرنے کا مطالبہ کیا جواب ملا فتح کی ساری امیدیں ملک کی وسعت دلدلوں کے ناقابل عبور ہونے اور سینٹ لیو کی شفقت سے وابستہ ہیں۔ یہ چند جملے اس امر کا اعلان تھے کہ کوئی معجزہ ہو جائے تو خیر ورنہ روس کی شکست لازمی ہے۔ اس ناامیدی کے باوجود اتحادیوں کی ساحری روسی حکومت سے برابر فوج تیار کرا رہی تھی۔ اور بھرتی کی تعداد ایک کروڑ جوانوں تک پہنچ گئی تھی۔ حکومت نے دیہات سے نوجوان کسان پکڑ کر ان کو فوجی وردی ضرور پہنادی لیکن نہ ان کی نفسی کیفیت کو سپاہیانہ بنا سکی نہ ان میں فوجی جسارت اور جنگی زاویۂ نظر پیدا کر سکی اور نہ وہ فوجی قواعد اور ہتھیار کا استعمال ہی اس قلیل عرصے میں پوری طرح سکھا سکی۔ جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ روسی نوجوانوں کی کثیر تعداد جرمن توپوں کی آگ میں خاکستر ہو گئی۔ جب پچیس لاکھ کسان حکومت کی غلط سیاست اور فوجی افسروں کی ناتجربہ کاری کا شکار ہو چکے تب باقی ماندہ بددل ہو کر محاذِ جنگ سے فرار ہونے شروع ہو گئے۔ اور کیوں نہ ہوتے۔ جان کو رائگاں ہوتے نہیں دیکھا جاتا جرمنی کی آلاتی فوج کے خلاف جنگ کرنا خودکشی کرنے کے مترادف تھا۔ روسی سپاہی تو جدید طریقہ جنگ سے نابلد تھا ہی، روسی فوج کے افسر بھی اس سے بے بہرہ تھے۔ ان میں بھی فوری فیصلہ اور عمل کی اہلیت، دُوربینی اور خالص فوجی نقطۂ نظر کا فقدان تھا۔ روسی افسروں کی نااہلیت کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے کہ جب جرمن افواج نے کیو کے سامنے ڈیرا جما دیا اس وقت فوج کے افسرانِ اعلیٰ میں یہ مباحثہ شروع ہوا کہ کیو میں جو بزرگانِ دین مدفون ہیں اُن کی میتوں کو کس طرح کسی محفوظ جگہ پہنچایا جائے۔ چار قیمتی گھنٹے اسی ردوقدح میں گزر گئے اور لطف یہ کہ اس پر بھی طریقہ کار طے نہ کر سکے۔ جب یہ

مسئلہ زارِ روس کے سامنے پیش کیا گیا اس کے متعلق شہنشاہ روس کی عقیدت مندانہ رائے یہ تھی "جرمن اس متبرک شہر پر گولہ باری نہ کریں گے۔ اور اگر انھوں نے ایسا کر کے بزرگانِ دین کے مزاروں کی بے حرمتی کی تب ہمارا کیا نقصان ہے انھیں پر قہرِ الٰہی نازل ہو گا" پادریوں کا طبقہ جن کے لئے ان بزرگوں کی قبریں قوت لایموت کا حکم رکھتی تھیں ان کو فوج و بادشاہ کے سپرد کس طرح کر سکتے تھے چنانچہ انھوں نے قبریں کھود کر بزرگوں کی ہڈیاں نکالنی شروع کر دیں وہ کہتے تھے "جب ہم یہاں سے روانہ ہوں گے اپنا متاعِ عظیم بھی اپنے ہمراہ لے جائیں گے ان انسانی توہمات کی تجارت کرنے والے اپنا زرِ اصل کس طرح چھوڑ سکتے تھے۔ دشمن سامنے کھڑا ہوا اور چار گھنٹے قبروں کے مسئلہ پر لگا دئے جائیں۔ فوج کے لئے بے حد تباہ کن ثابت ہو سکتا تھا۔ لیکن فوجی افسروں کے فکری اضمحلال کا یہ عالم تھا کہ ان کو وقت کی قیمت کا مطلق احساس نہ تھا۔ جو امور پہلے سے طے پانے کے محتاج ہوں ان کا حل عین وقت پر سوچنا بُرے نتائج کو دعوت دینا ہوتا ہے۔ چنانچہ افسران سے اکثر غلطیاں سرزد ہو رہی تھیں۔ میدانِ جنگ کی غلطی بھی محشر خیز ہوتی ہے ایک غلطی سے لاکھوں جانیں پامال ہو جاتی ہیں۔ جہاں غلط اقدام کی تعداد صحیح اقدام سے زیادہ ہو۔ وہاں سپاہی کی جان بچ جانا معجزہ ہو جاتا ہے۔ اِن حالات میں سپاہی کا باغی ہو جانا لازمی تھا۔ اس پر طرہ یہ کہ جو انقلاب پسند مزدور گرفتار کیا جاتا اس کو حکومت بطریق سزا محاذِ جنگ پر روانہ کر دیتی۔ وہ وہاں پہنچ کر عام سپاہیوں میں مزید باغیانہ جذبات پھیلاتا تھا۔

زارِ روس نے حالات پر غور کرنے مشکلات کا حل سوچنے اور ایک ذی ہوش انسان کی طرح امید شکن حالات پر قابو پانے کی بجائے شکست کی ساری ذمہ داری اپنے وزیرِ جنگ اور دیگر فوجی افسروں پر رکھ دی نہ صرف یہی بلکہ غدّاری کا الزام لگا کر اُن کو قید میں ڈال دیا۔ خیال یہ تھا کہ اس طرح شاید فوج میں کھوئی ہوئی امید۔ دلیری

تنظیم از سر نو پیدا ہو جاتے۔ اگر یہ ہو جاتا کہ وزیر جنگ کی گرفتاری کے کچھ عرصے بعد شکست فتح میں تبدیل ہونی شروع ہو جاتی ممکن تھا اس حالت میں فوج کے قدم جم جاتے لیکن جب پے در پے شکستیں ہوتی رہی چلی گئیں اور روسی فوج بدستور بڑی تعداد میں جرمن غیظ و غضب کا شکار ہوتی رہی تو فوج کے دستے کے دستے فتح سے ناامید ہو کر میدانِ جنگ سے فرار ہونے شروع ہو گئے۔ سپاہی نے اپنی جان کو امیر طبقے کے مفاد سے زیادہ عزیز سمجھا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ حکومت نے تشدد شروع کر دیا لیکن جہاں زندگی اور موت کا سوال ہو وہاں انسان زندگی کے لئے ہر قسم کا تشدد برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ عدول حکمی اور فرار ہونے کی سعی کی سزا میں سپاہیوں پر کوڑے بھی پڑے اور متعدد طور پر ظلم و ستم بھی ڈھائے گئے لیکن حکومت کی ایک نہ چلی اور سپاہی نے اپنا رویہ نہ بدلا۔ ۱۹۱۶ء کے سرکاری بیان میں اس امر کا اعتراف اس طرح کیا گیا ہے "فوج کی حالت خطرناک ہے، سپاہیوں اور افسروں کے تعلقات کشیدہ ہیں ان میں اکثر کشت و خون کی نوبت آجاتی ہے۔ فوج قابو سے باہر ہے" خفیہ پولیس کا افسر اعلیٰ اپنی رپورٹ میں لکھتا ہے "فوج میں ایسے گروہ پیدا ہو گئے ہیں جو موقع پا کر کامیاب بغاوت کر سکتے ہیں۔"

سرمایہ دارانہ دور افراط و تفریط پر مبنی ہے۔ جنگ کے زمانے میں سرمایہ داری کی یہ بنیادی حقیقت بہت نمایاں ہو جاتی ہے۔ چنانچہ روس میں غریب طبقہ جنگ کے مصائب کا شکار ہو رہا تھا جو فوجی خدمت اختیار کر کے محاذِ جنگ پر چلے گئے تھے انھوں نے حقیقتاً موت کو لبیک کہہ ہی دیا تھا لیکن جو غریب گاؤں یا شہروں میں رہ گئے تھے اُن کے لئے خوراک اور ایندھن کی کمی اور سردی کی شدت موت کا پیغام بنی ہوئی تھی۔ اس کے برخلاف سرمایہ دار طبقہ امیر سے امیر تر ہوتا جا رہا تھا۔ حکومت نے جو کثیر رقم فوج کے ضروری سامان بنانے کے واسطے کارخانہ دار کو دی تھی وہ اصل مقصد کے لئے نہیں بلکہ اپنی حرص و ہوس پورا کرنے پر صرف کی جا رہی تھی۔ جنگ کی وجہ سے ملک میں آمد و رفت بند اور اقتصادی مقابلہ

ختم ہو جانے پر کارخانہ دار نفع کیوں نہ کماتے چنانچہ بعض بعض کارخانوں میں سو فیصدی سے زیادہ نفع ہو رہا تھا۔ زار سینہ کی ہجولی اپنی یادداشت میں تحریر کرتی ہے ۱۹۱۵ء اور ۱۹۱۶ء کی سردی میں میں نے جتنے حسین و بیش قیمت لباس امیر خواتین کو پہنے دیکھے اس سے قبل کبھی نہیں دیکھے تھے۔ اس زمانے میں جواہرات کی خریداری بھی نمایاں طور پر زیادہ ہوئی" حکومت نے خزانے کے دروازے کھول دئے تھے۔ اقتصادی مقابلہ ختم ہو گیا تھا اس لئے دولت مند قارون بن گئے تھے۔

نہ صرف یہی کہ امیر طبقہ اپنے تہہ خانوں میں سیم و زر کا انبار لگا رہا تھا بلکہ افواج کی شکست اور حکومت کی بدحواسی دیکھ کر روس کی تمام برجوازی پارٹیوں نے شہنشاہ کے روبرو ذمہ دار حکومت قائم کرنے کا مطالبہ پیش کر دیا تھا۔ ڈوما کے اس مطالبہ کی قلعی کھولتے ہوئے خفیہ کا افسر اعلیٰ لکھتا ہے "سرمایہ دار جماعت کی مختلف پارٹیاں انقلاب نہیں چاہتیں بلکہ موجودہ انقلابی حالات کو مراعات حاصل کرنے کا آلہ بنانا چاہتی ہیں۔ انقلابی تحریکوں کی حمایت ان کے اپنے مفاد کی حد تک ہے انقلاب میں ان کو خسارہ دکھائی دیتا ہے۔ وہ زار کی مخالفت اس حد تک کرنا چاہتی ہیں کہ ان کو مراعات مل جائیں لیکن انقلاب کا خطرہ پیدا نہ ہو" افسر اعلیٰ ہی کو نہیں بلکہ اس کا علم زار کو بھی تھا چنانچہ شہنشاہ روس پر ذمہ دار حکومت کے مطالبہ کا ردعمل یہ ہوا کہ ڈوما کا اجلاس برخاست کر دیا گیا۔ جنگ میں اگر شکستیں نہ ہو رہی ہوتیں تب زار کی سیاسی سختی شاید کامیاب ہو جاتی لیکن وقار شکن شکستیں انقلابی رجحانات پیدا کر رہی تھیں اور برجوازی طبقہ کا ذمہ دار حکومت کا مطالبہ عام روس کا مطالبہ بنتا جاتا تھا۔ سیاسی بے چینی بڑھنے پر شہنشاہ نے ڈوما کا اجلاس دوبارہ طلب کیا۔ ڈوما کا صدر اس اجلاس کا نقشہ اس طرح کھینچتا ہے "یہ اجلاس مردہ تھا حاضرین کی تعداد کم تھی۔ چونکہ آئینی جدوجہد بے سود معلوم ہوتی تھی۔ عام طور پر غیر آئینی کارروائیاں ہو رہی تھیں اور حکومت کسی کا مشورہ ماننے کے لئے تیار نہ تھی۔ ملک کا رخ تباہی کی طرف تھا" ڈوما کا صدر اس امر کو سمجھ رہا تھا کہ آئینی جدوجہد کی

طرف سے روگردانی اس امر کی دلیل ہوا کرتی ہے کہ انقلابی رجحانات شدید سے شدید تر اور زمین دوز ہوتے چلے جارہے ہیں جو نہ معلوم کس گھڑی پھٹ پڑیں گے۔ اس اجلاس کا کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا البتہ جب شکست کا یقین ہو گیا اس وقت وسیع الخیال جماعت نے شاید زار کے اشارے سے ڈوما کے ایک ڈپٹی پروٹوپوف نامی کو خفیہ طور پر جرمن نمائندے دار برگ سے صلح کی گفت وشنید کرنے اسٹاک ہوم روانہ کر دیا واپسی پر پروٹوپوف نے زار کو گفتگو کا ماجرا سُنایا۔ نہ معلوم زار کو شرائط بہت سخت معلوم ہوئیں یا یہ خدشہ ہوا کہ اگر وسیع الخیال جماعت کے ذریعہ صلح کی گئی تو روس میں اس پارٹی کا وقار بہت بڑھ جائے گا اور اسکی شخصی حکومت خاک میں مل جائے گی۔ کچھ ہی کیوں نہ ہو زار نہ مانا اور پروٹوپوف کی تمام تگ و دَو رائگاں گئی۔ ملک میں سیاسی بے چینی کم نہ ہونے پر زار نے ڈوما کا اجلاس تیسری بار طلب کیا۔ اس زمانے میں چونکہ ملک کی حالت بد سے بدتر ہو چکی تھی اس لئے ڈوما کے ڈپٹیوں کا لب ولہجہ بھی سخت ہو گیا تھا۔ تقریروں میں انھوں نے اپنے غم وغصہ کا اظہار سخت اور تلخ الفاظ میں کیا۔ زار نے تقریروں کو نشر ہونے سے روک دیا نتیجہ یہ ہوا کہ ان تقریروں کا لب لباب افواہ بن کر ملک کے تمام طول وعرض میں پھیل گیا جس کی وجہ سے عوام میں سیاسی بے چینی زیادہ بڑھ گئی اور حکومت کے خلاف مظاہرے ہونے لگے۔ حکومت نے اس پر یہ کیا کہ وزارت بدل دی اور دار السلطنت میں مارشل لا جاری کر دیا۔

تشدد سے سیاسی بے چینی کو فرد کرنا مستقل علاج نہیں ہوا کرتا۔ پختہ کارانِ سیاست کا ہمیشہ یہ مسلک رہا ہے کہ تشدد کے ساتھ ساتھ وہ کچھ مراعات بھی دیا کرتے ہیں اور اس طرح مستقل طور پر سیاسی بے چینی فرو ہو جاتی ہے۔ زار میں یہ پختہ کاری نہ تھی اس لئے صرف تشدد سے کام لیا جس کا یہ خطرناک نتیجہ نکلا کہ برجوازی طبقے کے مشہور ادارے (UNIAN OF CITIES) نے اپنے عام وفادارانہ رویہ کے خلاف یہ تجویز منظور کی کہ غیر ذمہ دار بدمعاش لوگ روس کو ہلاکت کی طرف لے جارہے ہیں ڈوما کو چاہیئے کہ جب تک ذمہ دار حکومت

قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اجلاس جاری رکھے"، شہنشاہ کی منشا کے خلاف ایک برجازی انداز ے کا اس لب و لہجہ میں بولنا حقیقتاً حالات و واقعات کی پکار تھی جس کو زار کے کان سنتے تھے لیکن عقل نہیں سمجھتی تھی۔ ۱۹ فروری ۱۹۱۷ئہ کو زار کے حکم سے ڈوما کا اجلاس دوبارہ ہوا لیکن ان آخری لمحوں میں بھی حکومت کوئی نتیجہ خیز قدم نہ اٹھا سکی۔ بے عملی حکومتی طبقہ کی طبیعتِ ثانیہ بن چکی تھی نشستند۔ گفتند برخواستند۔ یہ تین الفاظ ان کی ساری زندگی کی مکمل تفسیر تھے۔ اللہ اللہ انسانی معصیت اور اس کا ردعمل کہ زار کی حکومت ختم ہونے میں دو ہفتہ باقی ہیں لیکن وہ خواب غفلت سے کروٹ تک نہیں بدلتا۔

زار ۔ زارینہ ۔ راسپوٹن

نیکولاز دوم نے ابھی تعلیم ختم ہی کی تھی اور وہ عملی زندگی میں داخل ہوا ہی تھا کہ والد (شہنشاہ روس) مرض الموت میں گرفتار ہو گئے۔ صحت کی طرف سے ناامیدی ہو جانے پر خیال آیا کہ چند روزہ زندگی کے ختم ہونے سے قبل اپنے لڑکے کی ہونے والی شریکِ حیات کو پہلی اور آخری بار دیکھ لوں اور اس کو الوداعی دعائیں دے لوں۔ چنانچہ ایک تیز رو قاصد ڈچی رف ہلس روانہ کر دیا گیا۔ چند روز بعد نیکولاز دوم کی چشم وچراغ اور مستقبل میں ہونے والی ملکہ روس اپنی سُسرال آ گئیں۔ حالات کی ستم ظریفی دیکھئے کہ ہلس کی شہزادی کو آئے ہوئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ شہنشاہ کا انتقال ہو گیا اور اس مہمان کو سیاہ لباس میں خسر کے جنازہ کے ہمراہ جانا پڑا۔ والد کو گزرے ہوئے چند روز ہی ہوئے تھے کہ نیکولاز دوم کے اضطرابِ وصال نے اس کو فوری شادی پر آمادہ کر دیا۔ بادشاہِ وقت کی فوری شادی پر خویش وبیگانہ سب معترض تھے لیکن کامیاب مزاحمت کا کسی کو یارہ نہ تھا۔ چنانچہ بادشاہ کا عندیہ دیکھتے ہوئے ماتمی لباس اُتار دئے گئے اور تزک واحتشام کے ساتھ شادی ہو گئی۔ جوان عمر والد کی موت اور اس حادثہ کے چند روز بعد اسی محل میں شادی یہ ایک ایسا واقعہ تھا کہ تمام روس کانپ اٹھا اور رعایا اس شادی کو روزِ اوّل ہی سے نامسعود کہنے لگی۔ نیکولاز دوم دنیا کی ان ہستیوں میں سے تھا جس کو حادثہ نے ایک عظیم الشان سلطنت دی اور آخری دم تک وہ حادثات ہی کا شکار رہا۔

زار روس بحیثیت ایک خاوند اور باپ کے ضرور بہت کامیاب انسان تھا لیکن ایک ملک کے حاکم و رہنما ہونے کی حیثیت سے وہ قطعی ناکام رہا۔ ظاہر کا شکار باطن سے بے بہرہ۔ صوم وصلوٰۃ کا پابند لیکن روحانیت سے بے خبر۔ توہمات میں جکڑا ہوا عقل و ارادے سے عاری۔ اقتصادی تقاضوں اور تاریخی رجحانات کا خیال اس سے کوسوں دُور۔ اس کے لئے تاریخ عالم واقعات کی ایک زنجیر تھی اور بس۔ اس کو یہ معلوم نہ تھا کہ واقعات اور حالات کا ایک دوسرے سے گہرا تعلق ہوتا ہے اور وہ اتفاقیہ سرزد نہیں ہوتے۔ سوائے راسپوٹن اور زارینہ کے ہر شخص کے خلوص و نیک نیتی پر اشتباہ۔ جس حاکم کی طینت کا یہ حال ہو اس کے اور اس کی حکومت کے ساتھ جو کچھ بھی ہو جاتا کم تھا۔ زار کی خام خیالی نے اس کے دل میں یہ یقین پیدا کر دیا تھا کہ اس کا پیر و مرشد راسپوٹن اس کو اور اس کے گھر والوں کو ہر بلا سے بچا لے گا

زار کی ڈائری اس تنقید کی تائید کرتی ہے کہ اس کی نظر جس قدر سطحی تھی اس کا فکر بھی اسی قدر خام تھا۔ روسی فوج جرمن سنگینوں کا شکار ہو رہی ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدّت نے مزدوروں اور کسانوں کو بغاوت پر آمادہ کر رکھا ہے۔ برجوازی اور امیر طبقہ سیاسی پیچیدگیاں پیدا کر رہا ہے۔ ہر طرف سے زخمی دلوں کی پکار آ رہی ہے۔ فوج محاذ سے فرار ہو رہی ہے۔ وزراء استعفیٰ دے رہے ہیں۔ ہڑتالیں ہو رہی ہیں۔ شاہی خاندان کے لوگ راسپوٹن کو قتل کرنے کی سازشیں کر رہے ہیں۔ زار و زارینہ کو برطرف کرنے کے مشورے کئے جا رہے ہیں لیکن زار کی اس زمانے کی ڈائری سے کہیں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ اس اللہ کے بندے کو کبھی اِن حالات کا احساس ہوا ہو۔ ڈائری اس منتم کے طفلانہ اندراجات سے لبریز ہے "آج بہت چلا۔ دو کوّے شکار کئے۔ دن چڑھ آیا تب چائے پی۔ کچھ وقت جہاز رانی میں گزرا۔ آج دن بہت گرم تھا سائیکل لی اور سمندر جا کر غسل کیا۔ طوفان آیا اور گزر گیا وغیرہ وغیرہ"

ڈائری میں عبادت اور بزمِ نشاط کا ذکر ایک ہی انداز سے ہے۔ ڈائری کیا ہے زار روس کی طفلانہ ذہنیت کا مرقع ہے ملک کے طول و عرض میں جو ہڑتالیں بدامنیاں اور بلوے

ہو رہے تھے ان پر ڈائری میں صرف ایک تنقیدی جملہ ہے "کیا خوب تماشہ ہو رہا ہے"

زار چونکہ نیک افکار سے مبرا تھا اس لئے فرعونیت۔ حیلہ جوئی۔ سفاکی۔ اہلِ فکر و عمل سے نفرت اور اس قسم کی دیگر مذموم خصوصیات اس میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ کاونٹ وٹ لکھتا ہے "زار میں فرعونیت بدرجہ اتم موجود ہے۔ اس کے نزدیک کسی فعل کے جائز ہونے کی یہ وجہ کافی ہے کہ وہ اس کو کرنا چاہتا ہے" جس روز کسی افسر پر عتاب نازل ہوتا اس روز اس پر خاص طور سے نظرِ عنایت ہوتی۔ اکثر ایسا ہوتا تھا کہ وزیر کو باریابی بخشی۔ اس سے بہت گرم جوشی سے باتیں کیں۔ لیکن جب وزیر واپس گھر پہنچا حکم ملا کہ اپنا استعفیٰ داخل کردو۔ مرشدوں فقیروں۔ مجذوبوں کی دعاؤں یا پُرفن عیار لوگوں کی سیاسی چالوں سے ملکی معاملات درست نہ ہوتے اس وقت بحالتِ مجبوری اہل فکر کو دعوت دیتا اور جب ان کے حُسنِ تدبیر سے حالات روبہ اصلاح ہو جاتے تو پھر ان کو راندہ درگاہ کر دیتا۔ چنانچہ ڈوما کے صدر نے زار کو متنبہ کرتے ہوئے کہا "افسوس کہ آپ کے مشیروں میں ایک بھی پُرخلوص اہل فکر نہیں ہے ملک کے بہی خواہ یا نکال دیئے گئے ہیں یا انھوں نے خود گوشہ نشینی اختیار کر لی ہے آج کل حکومت کی باگ بے حد نا اہل ہاتھوں میں ہے" زار کی فطرت اس قدر مسخ ہو چکی تھی کہ چند فوجی سپاہیوں نے طالب علم لڑکیوں کے کوڑے لگائے اس پر زار بہت خوش ہوا۔ چند سپاہیوں کو ڈوما کی اپوزیشن پارٹی کے لیڈر کے قتل کر دینے پر عدالت سے موت کی سزا ملی زار نے ان کو بچوا دیا۔ ایک لفٹننٹ نے رعایا کو قتل کر دیا صوبے کے گورنر نے زار کو شکایت روانہ کی اس پر شہنشاہ نے صرف یہ تحریر فرما دیا "لفٹننٹ خوب آدمی ہے"

زار کی غلط کاریاں اس درجہ نمایاں ہو گئی تھیں کہ عوام و خواص کو بادشاہ کے صحیح الدماغ ہونے میں شک ہو گیا تھا۔ عام افواہ تھی کہ شراب کی کثرت نے بادشاہ کا دماغ ماؤف کر دیا ہے چند مقربین کو یہ بدگمانی بھی تھی کہ شاید راسپوٹن اپنا اثر بڑھانے کے لئے کسی بہانے سے زار کو کوئی ایسی دوا استعمال کرا رہا ہے جس سے اس کی دماغی کیفیت خراب ہوتی چلی جا رہی ہے

لیکن اصل واقعہ یہ تھا کہ جس سیاسی نظام روایات اور طریقہ فکر و عمل کو تاریخ مسترد کر دے اُن پر کاربند رہنا بربادی کو دعوت دینا ہوتا ہے۔

تاریخ عالم ایسی بہت سی مثالیں پیش کرتی ہے کہ شہنشاہ نااہل ہے لیکن ملکہ ایسی فہیم ہے کہ وہ سلطنت کا کاروبار سنبھالے رکھتی ہے لیکن زار کی بدقسمتی سے یہاں یہ شکل بھی ناپید تھی زارینہ دولہن بھی نہ بننے پائی تھیں کہ خسر رخصت ہو گئے اور خسر کی رحلت کے ایک ہفتہ بعد ہی ملکہ روس کے فرائض کی انجام دہی کا بار اس کمسن لڑکی پر آ پڑا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جرمنی کی یہ سادہ لوح شہزادی جو ہنوز عملی زندگی کے نشیب و فراز سے لاعلم تھی محل کی زندگی کا مرکز بن گئی مجلسی آداب سے ناواقف اگر محفل آرائی کے لئے منتخب ہو جاتے وہ اپنے فرائض کس طرح ادا کر سکتی ہے۔ چنانچہ محفل کا رنگ اُکھڑنا شروع ہو گیا اور ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ درباری ملکہ سے لاپرواہ ہو گئے اور ملکہ درباریوں سے بیزار ہو کر گوشہ تنہائی میں بیٹھ گئی۔ اس زمانہ میں بالکل اتفاقیہ زارینہ کی ملاقات ویروبودا سے ہوئی۔ یہ خاتون زار کے بہت بڑے عہدے دار کی لڑکی تھیں۔ میعادی بخار میں مبتلا ایک ہسپتال میں زیر علاج تھیں کہ انھوں نے خواب دیکھا ملکہ معظمہ تشریف لائی ہیں اور مریضہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ہمراہ لے گئی ہیں۔ خواب کے بعد سے مریضہ کی حالت بہتر ہونی شروع ہو گئی۔ شدہ شدہ جب ملکہ معظمہ کو اس خواب اور اس کے اثر کی اطلاع ہوئی وہ ازراہِ ترحم خسروانہ ویروبودا کی مزاج پرسی کے لئے ہسپتال تشریف لے گئیں۔ ملکہ معظمہ کے کرم فرمانے پر کون ان پر قربان ہونے کو تیار نہ ہو جائے گا۔ چنانچہ ملکہ کی آمد پر بیمار لڑکی بہت خوش ہوئی اور اس وقت سے ملکہ اور ویروبودا میں رشتہ محبت قائم ہو گیا جس طرح ملکہ حادثات کا شکار تھیں اسی طرح بروبودا کو بھی زندگی میں ایک سانحہ پیش آ چکا تھا یعنی اس کی شادی کامیاب ثابت نہیں ہوئی تھی اور وہ طلاق لے کر گھر بیٹھی ہوئی تھی۔ شفا پا کر یہ ناکام محبت ملکہ کی خدمت ہی میں رہنے لگی اور ان کے مزاج میں اس قدر دخیل ہو گئی کہ محل کی زندگی کا جزو بن گئی۔ اب بروبودا کو یہ خواہش ہوئی کہ اس کے سوا ملکہ کی

محبّت وعنایت کا کوئی دوسرا مالک نہ ہونے پاتے۔ اپنے اس فطری رجحان کے مطابق اس نے ہر جائز وناجائز طریقے پر زارینہ کو دوسروں سے اس درجہ علیحدہ کر دیا کہ اس کی زندگی راہبانہ ہوگئی۔ پہلے راسپوٹن کی ملاقات اسی برروبودا سے ہوئی اور اس پیر و مرشد نے اپنے خیال و روح کی طاقتوں سے اول اول برروبودا کو مسخر کیا اور بعد ازاں اس لڑکی کے ذریعے سے زارینہ تک رسائی حاصل کی۔ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ راسپوٹن اور برروبودا شریک کار بن گئے۔ مؤخر الذکر مختلف طریقے سے پیر و مرشد کا وقار زارینہ کے دل میں پیدا کرتی۔ اور یہ مرشد کامل برروبودا کے خلوص و وفاداری کا سکہ ملکہ پر جماتا۔ زارینہ بچپن ہی سے کمزور دل و دماغ اور ناتواں اعصاب کی خاتون تھی شادی کے بعد بھی تندرستی خراب ہی رہی۔ لڑکا پیدا ہونے پر ماں سے ترکہ میں اس کو بھی اعصابی کمزوری ملی اور لڑکا پیدائش کے وقت سے ہی صاحبِ فراش رہنے لگا۔ کہیں ذرا سی چوٹ یا خراش لگ جاتی خون رواں ہو جاتا اور روکے نہ رکتا۔ یہ مہلک بیماری ملکہ کے خاندان میں تھی جو ولیعہد روس کو ترکے میں ملی۔ شہنشاہوں کے یہاں علاج و معالجہ کی کیا کمی ہو سکتی تھی لیکن صحت کی کوئی صورت پیدا نہ ہوئی۔ طبی معالجوں کی سعی ناکام ہونے کے بعد روحانی معالجوں کی تلاش شروع ہوئی۔ برروبودا کی راسپوٹن سے ملاقات ہو ہی چکی تھی۔ چنانچہ اس روحانی طبیب کا علاج شروع ہوا اور اس سے فائدہ ہونے لگا۔

کسی شہنشاہ کے اکلوتا لڑکا ہو۔ ماں باپ کی آنکھوں کا چراغ، سلطنت کا وارث اور وہ اتنا علیل ہو کہ اس کے شفا پانے کی کوئی امید نہ رہے۔ یہ حالات ہوں اور کوئی درویش آکر کسی طرح خواہ اس کو مسمریزم۔ ہپنوٹزم خیال و روح کی طاقت کہیے یا کسی اور نام سے پکاریے لڑکے کے مرض میں تخفیف کر دے۔ ان حالات میں کیونکر ممکن ہے کہ لڑکے کے والدین کو اس درویش کے کامل ہونے پر یقین نہ آجائے۔ جب ایک مرتبہ مشاہدے کی بنا پر کسی شخص کے اہلِ باطن ہونے کا کامل یقین ہو گیا ہو۔ پھر اگر وہ یہ کہے کہ وہ خدا کا فرستادہ ہے

اور شہنشاہ کی رہبری و حفاظت کے لئے آیا ہے کون اس کا یقین نہ کرے گا چنانچہ یہی ہوا راسپوٹن نے کشف و کرامت سے لڑکے کے مرض میں تخفیف کردی اور وہ محل کی دنیا کا ماہتاب بن گیا۔ ملکہ جس کو پیرو مرشد مانے محل میں کس کی مجال تھی کہ اس کے سامنے زانوئے ادب طے نہ کرے۔ قلیل عرصے میں زار و زارینہ پر راسپوٹن کا اثر ہوگیا۔ اس کے بعد ان دونوں کو آلہ کار بنا کر اس نے حکومت کے معاملات میں دخل دینا شروع کر دیا۔ نو برس کے عرصے میں اس پیرو مرشد کا زار و زارینہ اور سلطنت کے حکام اعلیٰ پر اتنا اثر ہوگیا تھا کہ کوئی کام بغیر اس کے مشورے کے نہیں ہوتا تھا۔ دوسروں کا ذکر ہی کیا ہے وزیر اعظم اس روحانی جادوگر کے اشارے سے برطرف اور مقرر ہوتے۔ بڑے بڑے سرمایہ داروں کو اجارے اور ٹھیکے لینے کے لئے راسپوٹن کے در کی جبہ سائی کرنی پڑتی تھی۔ بٹربرگ کے جامع کلیہ کا امام اعظم اس ساحر کے مشورہ سے مقرر ہوتا تھا۔ دارالسلطنت کی حسین معصوم شریف زادیاں اس پیرو مرشد کے قدم چومتی تھیں۔ بظاہر زار روس تخت و تاج کا مالک تھا لیکن حقیقتاً راسپوٹن زارینہ کے ذریعہ سے روس پر حکومت کرتا تھا۔ زارینہ اگر بیدار مغز وقتی تقاضوں اور تاریخی رجحانات کو سمجھنے والی ہوتی تب شاید زار کی توہم پرستی اور اس کے فکری اضمحلال کے برے نتائج کا انسداد ہوجاتا لیکن زارینہ خود شخصی حکومت کی پرستار۔ حاضرات۔ جادو ٹونوں اور ٹوٹکوں میں مستغرق رہتی تھی۔ ملکہ پہلے ایک فرانسیسی حاضرات اور سفلی عمل کرنے والے ڈاکٹر فلیپ کی گرویدہ رہی جس کی بابت یہ مشہور تھا کہ وہ کسی غیر ملک کا جاسوس ہے۔ جب راسپوٹن کی محل میں رسائی ہوگئی اس وقت سے زارینہ اس کی دعاؤں اور عملوں کا سہارا لینے لگی خود ملکہ میں اگر روحانیت ہوتی تو وہ راسپوٹن کی روحانیت اور طاقت و ثروت حاصل کرنے کی ہوس میں تفریق کرتی۔ اس ساحر کی روحانی طاقت سے فائدہ اٹھاتی لیکن اس کو سلطنت کے امور میں اتنا دخیل نہ کرتی کہ اکابر روسیوں کو ناگوار گزرتا۔ مگر زارینہ جیسی سادہ لوح لڑکی میں یہ سلیم الطبعی کہاں سے آتی کہ ہر شے کو اس کے مقام پر رکھے اور حد سے آگے نہ بڑھنے دے۔

زآر و زار ینہ کی کم فہمی اور نا عاقبت اندیشی سے گھبرا کر جب روس کا سر برآوردہ طبقہ نیز شاہی خاندان بددل ہو گیا اس وقت لبرل پارٹی کے ذمہ دار حکومت قائم کرنے کے مطالبے میں زیادہ زور آگیا اور ملک کی فضا یہاں تک مکدّر ہو گئی کہ عام طور پر زآر کو برطرف اور اس کے بھتیجے کو (جو اس وقت روسی فوج کا کمانڈر انچیف تھا) تخت نشین کرنے کا خیال پیدا ہو گیا۔ اس رجحان کی اطلاع پر زآر و زار ینہ اور ان کے پیرو مرشد نے یہ طے کیا کہ شہنشاہ کو فوج کے کمانڈر انچیف کا عہدہ خود سنبھال لینا چاہیئے۔ راسپوٹن علم غیب کی بنا پر مشورہ دے اور اپنی دعاؤں اور درود و ظائف سے دشمن پر فتح پانے کا بھروسہ دلائے۔ پھر زآر کیوں نہ مرشد کا حکم بجالائے۔ سیاسی نقطۂ نگاہ سے یہ قدم نہایت غلط تھا۔ زآر کے کمانڈر انچیف ہونے کے بعد جس قدر شکستیں ہوئیں ان کی تمام ذمہ داری زآر پر عائد ہوئی اور شہنشاہ کا وقار عوام کی نظروں میں اور بھی گر گیا۔ اس اقدام کا دوسرا نتیجہ یہ ہوا کہ زآر کی محاذ پر روانگی کے بعد سلطنت کا تمام کاروبار زار ینہ کے سپرد ہو گیا۔ نام کو زآر ینہ لیکن در اصل اس کے پیرو مرشد کے ہاتھ میں زمام حکومت آگئی۔ اس زمانہ میں زار ینہ و زار میں جو خط و کتابت ہوئی وہ ان دونوں کی خام نفسی کیفیت اور راسپوٹن کی طلسم کاری کا مرقع ہے۔ زار ینہ ذمہ دار حکومت کے مطالبہ پر تنقید کرتی ہوئی زآر کو تحریر فرماتی ہیں "تمہیں ہرگز وزیروں کا مشورہ نہ ماننا چاہیئے اور نہ ذمہ دار وزارت کی تائید کرنی چاہیئے۔ یہ تمہاری جنگ ہے اور صلح کرنے یا نہ کرنے کا حق صرف تم کو حاصل ہے۔ تمام معاملات میں ڈوما کی نہیں بلکہ تمہاری عزّت اور روس کا وقار مقدم ہے ڈوما صلح و جنگ کے معاملات میں دخل دینے کا مجاز نہیں ہے" وزیر اعظم نے جب وزیر داخلہ پرو ٹوپوف کو جو راسپوٹن کا گرگا تھا وزارت سے علیٰحدہ کرنا چاہا اس موقع پر زار ینہ نے زآر کو لکھا "جب تم ایک مرتبہ ارادہ کر چکے ہو کہ وزیر داخلہ پرو ٹوپوف کو اس کے عہدہ پر بحال رکھو وزیر اعظم کون ہوتا ہے کہ اس کی مخالفت کرے۔ ہمّتِ مردانہ سے کام لو۔ کسی کا مشورہ نہ لو بس اپنی مستقل مزاج بیوی کے مشورے پر چلو اور ہمارے دوست راسپوٹن پر اعتماد رکھو"

تین روز بعد اسی مضمون پر دوسرے خط میں یوں فرماتی ہیں ”جب تمہیں اپنے فیصلہ کے صحیح ہونے کا یقین ہے پھر اپنا سر بلند رکھو۔ وزیر اعظم کو حکم دو کہ پروٹوپوٹ کے ساتھ تعاون کرلے اور اپنے اس فیصلے پر مضبوطی سے قائم رہو“ ۱۲ر دسمبر کو ذمہ دار حکومت کی بابت پھر زار کو اس طرح مشورہ دیا جاتا ہے ”ذمہ دار وزارت قائم کرنے کا مشورہ ہرگز قبول نہ کرنا جو ذمہ دار وزارت کے قائم کرنے کا مشورہ دیتے ہیں وہ دیوانے ہیں۔ اب حالات روبہ اصلاح ہوتے جارہے ہیں۔ بس ذرا تشدد کی ضرورت ہے۔ روسی چابک کے خوگر ہیں یہ ان کی فطرت ہے“ زارینہ کے بیشتر خطوط میں اس قسم کے جملے ملتے ہیں ”یہ میری رائے ہے دوست (راسپوٹن) کی رائے معلوم کرنے کے بعد پھر مفصل تحریر کروں گی“ ایک خط میں تحریر فرماتی ہیں ”میں مذبذب نہیں ہوں میری بات غور سے سنو۔ میری بات سے مطلب دوست (راسپوٹن) کے ارشادات ہیں اور ان پر یقین رکھو۔ میں تمھاری جدائی کے سبب سے اس قدر آزردہ و پریشان رہتی ہوں جیسے کوئی ماں اپنے نیک و نرم دل بچّے کے لیے جس کو ہنوز رہبری کی ضرورت ہو ایک ایسا سادہ لوح بچہ جو ابھی تک غلط مشوروں کو ترجیح دیتا ہے حالانکہ ایک خدا کا فرستادہ یہاں موجود ہے۔ اور راہ راست بتاتا ہے۔ ہمارے دوست کی روحانی امداد اور دعائیں ہمارے سب معاملات درست کردیں گی۔ اگر وہ ہمارے ساتھ نہ ہوتا ہم اس سے بہت پہلے ہی ختم ہوچکے ہوتے اس کا مجھے کامل یقین ہے“ چند امراء نے جرأت کرکے زار سے کابینہ میں مناسب تبدیلی کرنے کی درخواست کی۔ اس پر زارینہ نے بادشاہ کو ایک سیب جس پر راسپوٹن نے کچھ عمل پڑھ کر دم کردیا تھا روانہ کیا اور لکھا ”یہ سیب مرشد کا عنایت کردہ ہے اس کو نوش فرمالیں۔ یہ آپ کے ارادے میں استقلال پیدا کردے گا۔ اور دیکھیے وہ فرانسیسی حاضرات والا بھی یہی کہتا تھا کہ وزارت میں تبدیلی نہ فرمائیں ایسا کرنے سے آپ اور آپ کی سلطنت تباہ ہوجائے گی۔ پیٹر اعظم اور آون سفاک بن جائیے اور ان مفسدوں کو کچل ڈالیے“ جب راسپوٹن کی کامیاب عیش کوشیوں کے چرچے عام ہوئے اس پر زارینہ نے پیرو مرشد کی صفائی پیش کرتے ہوئے زار کو تحریر کیا ”عام لوگ گریگوری پر یہ الزام

لگاتے ہیں کہ وہ عورتوں کو پیار کرتے ہیں۔ انجیل مقدس کی تلاوت سے یہ علم ہوتا ہے کہ بزرگوں کا اپنے خوردوں کو خوش آمدید کہنے کا یہ ایک احسن طریقہ ہے" دوسرے خط میں تحریر کرتی ہیں "شام عبادت کے وقت مجھے دوست کا بہت خیال آیا۔ لوگ کس طرح الزام لگا کر راسپوٹن پر ظلم ڈھا رہے ہیں۔ حالانکہ وہ مسیح ہیں لیکن یہ دنیا کی پرانی رسم ہے کہ پیغمبر کی اس کے اپنے وطن میں قدر نہیں ہوتی"

وزیر اعظم روس اسٹمر جرمنی کے خلاف جنگ جاری رکھنے کے موافق نہ تھا۔ عام افواہ تھی کہ وزیر اعظم۔ راسپوٹن اور زارینہ جرمن جاسوس ہیں۔ فوج کو یقین تھا کہ جرمنی کی بیٹی اور روس کی ملکہ زارینہ حب الوطنی کا شکار ہو کر جرمنی سے صلح کی خفیہ گفت و شنید کر رہی ہے۔ لارڈ کچنر کا ڈوبنا زارینہ کی جاسوسی کا نتیجہ خیال کیا جا رہا تھا۔ یہ افواہیں فوج کی وفاداری پر زہریلا اثر کر رہی تھیں۔ اس زمانے میں زار کے بھائی نے ڈوما کے صدر سے کہا "سارا خاندان واقف ہے کہ بھابی جان روس کو کس قدر نقصان پہنچا رہی ہیں۔ میرے بھائی اور بھابی کو غدار گھیرے ہوئے ہیں۔ کوئی ایماندار آدمی ان کے پاس تک جانا پسند نہیں کرتا۔ اب کریں تو کیا کریں کچھ سمجھ میں نہیں آتا"۔ زارینہ کی کم فہمی اور راسپوٹن کی عیاری نے تمام سربرآوردہ طبقہ میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دی تھی اور یہ خیال قوی ہوتا جا رہا تھا کہ شہنشاہ اور ملکہ کو تخت و تاج سے دست بردار کر دیا جائے۔ چنانچہ گرانڈ ڈچز نے صاف الفاظ میں ڈوما کے صدر کو یہ مشورہ دیا "زارینہ کو غائب کر دو" مطلب یہ تھا کہ نہ زارینہ ہو گی اور نہ راسپوٹن سلطنت کے کاموں میں دخل دے سکے گا۔ زارینہ اس زمانہ کے ایک خط میں زار کو مشورہ دیتی ہوئی لکھتی ہے "میرے پیارے ہوشیار و خبردار رہنا کبھی محبت میں آکر بھتیجے سے کوئی وعدہ کر بیٹھو جس سے بعد میں تمہیں نقصان پہنچے۔ یاد رکھو کہ پیر مرشد نے تمہیں تمہارے دشمنوں سے بچا رکھا ہے یہ تمہیں تخت سے اتارنا اور مجھے ایک خانقاہ میں راہبہ بنا کر بھیجنا چاہتے ہیں۔ یہ افواہ نہیں ہے بلکہ اورلوف کے پاس اس کا ثبوت موجود ہے۔ وہ تمام ثبوت تمہارے سامنے پیش کرے گا۔

ویرووبوفا اس زمانہ کے حالات قلمبند کرتے ہوئے لکھتی ہے "شہنشاہ وملکہ کے تمام مصاحب ان کو حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں اور مجھے یہ محسوس ہوتا ہے کہ اس کے بہت خوفناک نتائج ہوں گے۔ نہ معلوم پٹروگریڈ کے حکمران طبقے کو کیا ہو گیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ کل طبقہ یک لخت کسی روحانی بیماری میں مبتلا ہو گیا ہے۔ ان دنوں امراء اس درجے بدحواس ہو رہے ہیں کہ بیان نہیں ہو سکتا" وزیر داخلہ پروٹوپوف اس زمانہ کی بابت اپنے حالات زندگی میں تحریر کرتا ہے "ڈیوک۔ جاگیردار۔ سرمایہ دار سب حکومت کے خلاف نظر آتے تھے ان کا اہم مشغلہ یہ تھا کہ کلبوں میں حکومت کی سیاست کا مذاق اُڑائیں۔ محل کی زندگی پر تنقید کریں۔ خانگی زندگیوں کو کُریدیں اور اُن کی بابت اشعار گھڑ کر اپنے جذبہ حقارت کو ٹھنڈا کرتے رہیں۔

چونکہ گریگوری راسپوٹن کی زندگی کے مختصر واقعات بیان کئے بغیر محل کی زندگی کا نقشہ مکمل نہ ہو گا اس لئے اجمالاً چند صفحے اس پیر و مرشد کے حالات کی نذر کرنا ضروری ہیں راسپوٹن سائبیریا کے ایک گاؤں پوکروسکو میں پیدا ہوا اور وہیں جوان ہوا۔ ابتدائی زندگی چوری چکاری اور آوارہ گردی میں بسر ہوئی۔ کئی مرتبہ چوری کرتا پکڑا گیا اور اس قدر زدوکوب کیا گیا کہ اگر گریگوری میں غیر معمولی قوت برداشت نہ ہوتی تو وہ مدت کا ختم ہو گیا ہوتا۔ وہ آوارہ انسانوں کی طرح روس کے طول وعرض میں دورہ کرتا پھرتا اور کچھ مدت بعد وطن واپس آجاتا۔ مدت تک اس کا یہی معمول رہا لیکن ایک دفعہ گاؤں سے جانے کے بعد نہ آیا۔ تحقیقات کرنے پر معلوم ہوا کہ راسپوٹن باپ دادا کا مذہب ترک کر کے باقاعدہ عیسائی ہو گیا ہے اور کسی خانقاہ میں راہبانہ زندگی بسر کر رہا ہے۔ اس زمانے میں مختلف قسم کی ریاضتوں سے اس نے اپنی روحانی طاقت بڑھائی اس کی روحانی طاقت کے کرشمے دیکھ کر عوام راسپوٹن کے گرویدہ ہو گئے اور وہ بزرگِ کامل تصور کیا جانے لگا۔ روحانی کرشمے دکھانے والے کی شہرت آگ کی طرح پھیلتی ہے اور عوام کا حسنِ عقیدت اس کو ان کا روحانی بادشاہ بنا دیتا ہے۔ چنانچہ راسپوٹن بھی درویش کامل کی طرح خانقاہ در خانقاہ مختلف مقامات کے دورے کرنے لگا۔ اس سیاحت میں حسنِ اتفاق سے راسپوٹن کی ملاقات

ایک اور راہب سے ہوئی جو فوراً ہی اس روحانی ساحر کی بزرگی کا قائل ہو گیا۔ اس راہب نے گریگوری کا تعارف ایک بڑے پادری سے کرایا جو راسپوٹن کو اپنے ہمراہ پیٹر برگ لے آیا۔ اس طرح قدرت نے اس سائبیریا کے باشندے کو دارالسلطنت میں پہنچا دیا جہاں اس کو شہنشاہ اور ملکہ پر حکومت کرنی تھی۔ ریاضت کی وجہ سے اس کی روحانی طاقت بڑھی ہوئی تھی۔ چنانچہ جو راسپوٹن سے ملتا مسخر ہو جاتا۔ رفتہ رفتہ ولیعہد کے علاج کے سلسلے میں محل تک رسائی ہو گئی اور جس طرح دوسرے لوگ مسخر ہو چکے تھے زار اور زارینہ بھی اس کے سحر کا شکار ہو گئے۔ نو سال کے قلیل عرصے میں یہ بزرگ کامل روس کا حاکم و مالک بن گیا۔ راسپوٹن میں کیا کیا اوصاف بد کاریاں تھیں اس نے کس طرح تمام روس میں ریشہ دوانیوں کا جال پھیلایا اور اس کو کس طرح دھوکے سے قتل کیا گیا۔ اس کا مفصل ذکر جتنا عبرت انگیز ہے اتنا ہی معنی خیز ہے۔ یہاں مختصر طور پر وہ حالات قلم بند کئے جا رہے ہیں جن کا تذکرہ راسپوٹن کے دوست اور قاتل شہزادہ یوسو یوف نے (جن کے جدامجد یوسف مرزا تیموری لشکر کے ایک افسر تھے) اپنی مشہور تصنیف "راسپوٹن" میں قلم بند کئے ہیں۔ یہاں اس کتاب کے چیدہ چیدہ حصص کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے "مس م" کی دل کی دنیا کا میں مالک تھا اور ان کی والدہ صاحبہ کی قدرتی طور پر یہ خواہش تھی کہ جس کو وہ بزرگ تصور کریں میں بھی اس کو پیر و مرشد مانوں۔ چنانچہ جب کبھی بھی گریگوری ان کے دولت کدہ کو عزت بخشتے اس روز مجھے بھی دعوت دی جاتی تاکہ ان پیر صاحب کا جادو مجھ پر بھی چل جائے اور اس طرح شاید مس 'م' کی آرزو پوری کرنے پر مستعد ہو جاؤں یہ سلسلۂ ملاقات شاید قدرت نے میرے ارادے کی تکمیل کے لئے پیدا کر دیا تھا۔ چونکہ میں تمام روس کی دلی خواہش کو پہچان کر اس پیر و مرشد کو واصل جہنم کرنا چاہتا تھا اس لئے موقع کو غنیمت جان کر مس 'م' کی ہر دعوت قبول کر لیتا۔ ایک روز مس 'م' کے دولت کدہ پر تھا کہ مرشد تشریف لائے۔ مجھے دیکھ کر مسکرائے اور سینہ سے لگایا۔ مس 'م' اور ان کی والدہ محترمہ سے بھی بہت بے تکلفی سے ملے اور ان کے شانوں پر محرمانہ انداز سے ہاتھ مارے کچھ دیر بعد چائے آ گئی۔ میز پر باتیں ہونے لگیں 'م' اور ان کی والدہ پیر صاحب کی دلچسپی کیلئے

مختلف انداز میں باتیں کرنے لگیں۔ کبھی پیر و مرشد ان کی باتوں پر توجہ دیتے کبھی نہ دیتے کچھ دیر بعد پیر صاحب نے میری بابت سوالات کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سوالات و جوابات کے دوران میں خدا حضرت عیسیٰ۔ بنی نوع انسان کی محبت عشق حقیقی کے متعلق مختلف نعرے لگاتے رہے سٹینٹ بیٹر برگ میں کوئی تبتی رہتا تھا اس کو جڑی بوٹی کا علم تھا اور وہ خفیہ طور پر علاج بھی کرتا تھا اور پیر و مرشد اور اس تبتی کے گہرے تعلقات تھے۔ راسپوٹن شاید اس عطائی سے مختلف کشتے لے کر زار و زارینہ اور ان کے صاحب زادے کو استعمال کراتے تھے۔ اس عطائی کی دوستی کی بنا پر راسپوٹن اپنے معالج کامل ہونے پر بڑا فخر کرتے تھے۔ مریض کا آدھا مرض وہ اپنی روحانی طاقت سے اور باقی ماندہ کا علاج اس عطائی کی ادویات سے کرتے۔ چونکہ مجھے راسپوٹن کی یہ کمزوری معلوم تھی اس لئے میں خواہ مخواہ ایک پرانا بیمار بن گیا تاکہ اس سلسلہ سے راسپوٹن کی زندگی میں داخل ہونے کا موقع مل جاتے۔ میرے مصنوعی مرض کا ذکر سُن کر پیر صاحب نے فرمایا "میں تمہیں ضرور تندرست کر دوں گا رہے ڈاکٹر یہ بیچارے کچھ جانتے ہی نہیں۔ یہ جسم کو ادویات سے بھر دیتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مریض کی حالت خراب ہوئی جاتی ہے لیکن میرے علاج کا طریقہ دوسرا ہے میں آسمانی طریقہ پر علاج کرتا ہوں اور خدا کے فضل سے شفا دیتا ہوں تم خود دیکھ لینا" یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ راسپوٹن کے لئے ٹیلیفون آیا اور وہ فوراً روانہ ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ چونکہ تفصیلی ملاقات نہ ہو سکی تھی اس لئے مس مُم نے مجھے پھر دعوت دی اور چونکہ میں گٹار بجانا جانتا ہوں اس لئے پیر مرشد کے اشارے پر یہ بھی فرمائش کی کہ میں گٹار بھی لیتا آؤں۔ چنانچہ میں اس روز وقت مقررہ پر پہنچ گیا۔ ابھی پیر و مرشد کی تشریف آوری کا انتظار ہو رہا تھا کہ باتوں باتوں میں میں نے مُم سے اس روز راسپوٹن کے اچانک چلے جانے کا سبب دریافت کیا میرے استفسار پر مُم نے بادلِ ناخواستہ جواب دیتے ہوئے کہا کہ محل سے ٹیلیفون آیا تھا۔ کوئی اہم معاملہ خلاف ہو رہا تھا مگر اب خدا کا شکر ہے کہ سب کچھ درست ہو گیا۔ مرشد جب وہاں پہنچ کر ناراض ہوئے تو وہ (زار و زارینہ) خوف زدہ ہو گئے اور سرکار عالیہ نے حضرت کی مرضی کے مطابق فیصلہ

کردیا۔ میں سمجھ گیا کہ یہ اچانک جانا پروٹوپوف" وزیر داخلہ کے تقرر کے سلسلہ میں تھا۔ زار وزیر داخلہ کو برطرف کرنا چاہتے تھے اور پیرو مرشد اس کے تقرر کے خواہش مند تھے پھر میں نے 'م' سے دریافت کیا "کیا وزراء کے تقرر میں تمہارا بھی ہاتھ ہوتا ہے" اس پر وہ شرما کر بولیں نہیں ہمارا کیا ہاتھ ہوتا لیکن ہم سب حضرت کی مدد کرتے رہتے ہیں۔ آخر تنہا انسان کے لئے سب کام کرنا مشکل ہوتا ہے۔ حضرت کو مددگاروں کی ضرورت ہوتی ہی ہے یہ باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ پیرو مرشد تشریف لے آئے مسکراتے ہوئے ارشاد ہوا "گذشتہ روز اچانک جانا پڑا معاف کرنا مفسد لوگوں کو سزا دینی ہی پڑتی ہے اور عرصے سے مخالفین کی تعداد بہت بڑھ گئی ہے" پھر 'م' کی طرف مخاطب ہو کر ارشاد ہوا "سب کام درست کر دیا۔ بس مجھے خود جانا پڑا۔ سب سے پہلے بروتوداملی وہ آزردہ ہو کر کہنے لگی 'وہ کام نہیں بنا' گریگوری بس تم پر امید لگی ہوئی ہے۔ خدا کا شکر ہے تم آ گئے میں سیدھا محل میں داخل ہو گیا دیکھا کہ (زارینہ) خفا اور افسردہ بیٹھی ہے اور وہ (زار) کمرے میں ٹہل رہا ہے۔ لیکن جب میں نے وہاں پہنچ کر اپنے سائبیریا جانے اور ان کو اُن کی تقدیر پر چھوڑ دینے کی دھمکی دی وہ خاموشی سے راہ راست پر آ گئے اور انھوں نے میرا فیصلہ مان لیا۔"

جب پیرو مرشد اپنی ساحری کا ذکر ختم کر چکے تب مجھے گٹار بجانے کا حکم ہوا کچھ دیر سُنکر فرمانے لگے "تم میں کافی باطنیت ہے تمہارا باطن طاقتور ہے" میں نے عرض کیا 'لیکن پریشان خاطری رہتی ہے' ارشاد ہوا میں اس کا علاج فوراً کر دوں گا میرے ساتھ طوائفوں کے پاس چلو ایسا کرنے سے بیماری دور ہو جائے گی میں نے عرض کیا 'ایک مرتبہ ایسا کر چکا ہوں لیکن مفید ثابت نہ ہوا' ارشاد ہوا 'اُف عزیز من خود جانے اور ہمارے ہمراہ جانے میں بڑا فرق ہے۔ میرے ساتھ جا کر بہت تفریح ہوتی ہے' پھر پیرو مرشد نے ہمیں جپسیوں کے سامنے ناچنے گانے کے حالات سُنانے شروع کئے۔ جب حضرت اپنی زندگی کے اس رُخ پر روشنی ڈال رہے تھے اس وقت 'م' اور اُن کی والدہ محترمہ بہت پریشان ہو رہی تھیں مجھ سے مخاطب ہو کر فرمانے لگیں 'حضرت کی

باتوں کا یقین نہ کرلینا۔ اس قسم کی باتیں کرکے یہ ہمارا مذاق اڑا رہے ہیں۔ یہ اپنے آپ کو خود ذلیل کرتے ہیں تاکہ زیادہ لوگ ان سے محبت نہ کریں، یہ سن کر حضرت برہم ہو گئے اور دونوں خواتین کو اس زور سے جھڑکا کہ وہ دم بخود ہو گئیں۔ پھر میری طرف مخاطب ہو کر ارشاد ہوا، وہاں میرے ہمراہ چلنا۔ تمہارا مرض دور ہو جائے گا تم خود محسوس کر لو گے کہ تمہاری شکایت رفع ہو گئی اور وہاں اس (م) کو بھی اپنے ہمراہ لے چلیں گے، یہ سن کر 'م' کا چہرہ شرم سے سرخ ہو گیا اور اُن کی والدہ صاحبہ نے افسردہ لہجہ میں عرض کیا، پیرومرشد آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ زبردستی اپنے آپ کو کیوں بدنام کر رہے ہیں اور ساتھ ہی میری لڑکی کو بھی آلودہ فرما رہے ہیں۔ آخر یہ لڑکی جپسیوں میں جا کر کیا کرے گی یہ یادِ الٰہی کے لئے حضور کی خدمت میں حاضر ہوتی ہے اور حضور اس کو جپسیوں میں لے جانا چاہتے ہیں۔ یہ حضور کیا ارشاد فرما رہے ہیں؟ اس پر پیرومرشد برہم ہو کر بولے! "کیا کہا، میری معیت میں کہیں جانے میں گناہ نہیں تم کیا باتیں کر رہی ہو" پھر مجھے مخاطب کرکے ارشاد ہوا "عزیزِ من تم ان باتوں پر کان نہ دھرو بلکہ میرے ہمراہ چلو۔ تمہارا مرض دور ہو جائے گا" لیکن میں نے چند مجبوریاں ظاہر کرکے پیرومرشد کو اس وقت ٹال دیا۔

چونکہ اب پیرومرشد سے شناسائی ہو گئی تھی اس لئے ایک روز میں اُن کے دولت کدہ پر گیا۔ بہت مسرور ہوئے۔ دریافت فرمایا "عزیزِ من کیا تمہیں میرے کمرے پسند آئے۔ آئندہ تم اکثر میرے پاس آیا کرو۔ تمہیں اس سے کچھ فائدہ پہنچے گا۔ مجھ سے نہ ڈرو جب مجھے برت کر دیکھو گے اس وقت میری خوبیاں تم پر روشن ہوں گی۔ میں کیا نہیں کر سکتا۔ اگر زار اور زارینہ میرے تابعدار ہیں تم بھی ہو سکتے ہو میں ان (زار و زارینہ) سے ملوں گا اور ذکر کروں گا کہ کل تم نے میرے ساتھ چائے پی تھی، کچھ دیر کے بعد سیاسیات پر گفتگو ہونے لگی۔ گریگوری فرمانے لگے "ڈوما ہمیشہ میری مخالفت کرتی رہتی ہے اور زار اس کی وجہ سے بہت پریشان رہتے ہیں لیکن کیا ہے۔ ڈوما کی یہ مخالفت زیادہ دیر تک نہیں رہ سکتی میں ڈوما کو منسوخ کر دوں گا اور تمام ممبروں کو محاذِ جنگ پر روانہ کر دوں گا۔ میں انھیں دکھا دوں گا کہ کسی آدمی سے واسطہ پڑا

تھا" اس پر میں نے سوال کیا "گریگوری کیا آپ ڈوما کو منسوخ کر سکتے ہیں" جواب ملا "اُف ایسا کرنا میرے لئے بڑا ہی آسان ہے۔ جب تم مجھے اچھی طرح جان لو گے اور میری مدد کرو گے اس وقت یہ تمام امور تم کو خود بخود معلوم ہو جائیں گے کہ میں یہ کس طرح کر سکتا ہوں لیکن سُنو ملکہ بہت بیدار مغز حاکم ہے وہ میری مرضی کے خلاف کچھ نہیں کر سکتی۔ جو میں چاہوں اس سے کرا سکتا ہوں لیکن زار۔ اُف وہ خدا کا نیک بندہ ہے اس کو یہ چاہئے کہ بچوں سے کھیلے۔ پھول اور سبزیاں لگائے نہ کہ ملک پر حکومت کرے یہ اس کے لئے دشوار ہے۔ اس لئے خدا کے حکم سے ہم اس کی مدد کرتے ہیں" کچھ دیر تک اسی طرح سلسلۂ کلام جاری رہا۔ پھر میں نے عرض کیا "بہت ممکن ہے کہ جو لوگ آپ کو اطلاعات اور مشورے دیتے رہتے ہیں وہ خود غرض ہوں اور آپ ان کے مشوروں کو درست خیال فرما کر ایسا اقدام فرمائیں جس سے ملک کو نقصان پہنچے، بہت ممکن ہے کہ ڈوما کی منسوخی سیاسی بے چینی پیدا کر دے" میری اس گزارش پر پیر صاحب نے فخر کے ساتھ مسکراتے ہوئے فرمایا، کیا تم خدا کو سبق دینا چاہتے ہو۔ کیا خدا نے مجھے زار کی رہبری کے لئے بیکار بھیجا ہے۔ میں تم کو بتا دوں کہ اگر میں ان کی رہبری نہ کرتا اب تک وہ تباہ ہو جاتے .... اور جب وہ میرا مشورہ نہیں مانتے۔ میں میز پر ہاتھ مار کر چل کھڑا ہوتا ہوں پھر وہ (زار و زارینہ) میرے پیچھے دوڑتے ہیں اور مجھ سے معافی مانگتے ہیں اور کہتے ہیں نہیں نہیں حضور تشریف نہ لے جائیں ہم خادم ہیں۔ عدول حکمی نہ ہو گی سُن لو عزیز من شہنشاہ اور ملکہ میرا کتنا احترام کرتے ہیں چند دنوں کا واقعہ ہے میں ایک شخص کی ایک عہدے کے لئے سفارش کرنے محل گیا وہ (زار و زارینہ) لیت و لعل کرنے لگے۔ آخر کار میں نے غصہ سے کہا میں تمہیں چھوڑ کر سائبیریا چلا جاؤں گا۔ پھر تم پر تباہی آ جائے گی۔ تمہارا پیارا لڑکا فوت ہو جائے گا۔ اگر تم خدا کی طرف پشت کرو گے لامحالہ تمہارا چہرہ شیطان کی طرف ہو جائے گا" سُنتے ہو عزیز من کس طرح کام ہوتے ہیں اس پر بھی کچھ لوگ میری بُرائی کرتے رہتے ہیں اور کہتے رہتے ہیں۔ راسپوٹن بُرا ہے اور اُن (زار و زارینہ) کا بُرا چاہتا ہے میں کیوں ان کا بُرا چاہنے لگا۔ وہ خدا سے ڈرنے والے بندے ہیں" اس پر میں نے

عرض کیا "گریگوری لیکن یہ آپ کو علم ہے کہ لوگ آپ کی بابت کیا قبیح باتیں کہتے ہیں اور نہ صرف روس بلکہ بیرونی ممالک میں بھی ان تمام افسانوں پر یقین کیا جا رہا ہے..... اگر آپ واقعی زار اور زارینہ سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ کو چاہیئے کہ سائبیریا واپس تشریف لے جائیں.... ورنہ بہت ممکن ہے آپ پر کامیاب قاتلانہ حملہ ہو" اس پر پیرومرشد نے ارشاد فرمایا "نہیں عزیزمن تم کچھ نہیں جانتے اگر تم کچھ جانتے تو اس قسم کی باتیں نہ کرتے۔ خدا ایسا نہیں ہونے دے گا جب خدا لخاص حالات پیدا کر کے مجھے یہاں لایا اس کے یہ معنی ہیں کہ میرا یہاں رہنا ضروری ہے اور یہ کٹ پتلیاں جو کچھ کہتی یا لکھتی ہیں میں اس کی چنداں پرواہ نہیں کرتا ان کو لکھنے دو۔ یہ اپنی تباہی کو آپ دعوت دے رہے ہیں"

سلسلۂ کلام ختم ہونے کے بعد مرشد مجھے شراب کی میز پر لے گئے اور انھوں نے میرا جام صحت پینا شروع کر دیا۔ مست ہو جانے پر سلسلہ کلام پھر شروع ہو گیا۔ فرمانے لگے میں یہاں تم سے باتوں میں مشغول ہوں اور محل میں میرا انتظار ہو رہا ہو گا۔ انھیں کیا پرواہ ہے۔ یہ پہلی مرتبہ نہیں ہے کہ وہ میرا انتظار کر رہے ہوں گے۔ کبھی کبھی ایسا ہوتا ہے متواتر ٹیلی فون آتے ہیں۔ میں نہیں پہنچتا پھر قاصد آنے شروع ہو جاتے ہیں لیکن میں اپنا کام ختم کرنے کے بعد ہی جاتا ہوں..... میں جب اچانک پہنچ جاتا ہوں وہ بہت خوش ہوتے ہیں۔ بعد ازاں گریگوری مجھے علاج کے کمرے میں لے گئے۔ صوفے پر لٹا دیا اور آنکھوں سے آنکھیں ملا کر سر سے پیر تک ہاتھ پھیرنا شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد مجھ پر غنودگی اور خواب کی سی حالت طاری ہونے لگی ایسا محسوس ہونے لگا گویا ہاتھ پیروں کی جان سی نکل رہی ہے۔ جب یہ حالت طاری ہوئی اس وقت میں نے اپنی خیالی و روحانی طاقت سے راسپوٹن کی توجہ سے لڑنا شروع کر دیا۔ جب راسپوٹن کو یہ احساس ہوا کہ میں قوتِ خیال سے کام لے رہا ہوں اس نے فوراً عمل شروع کر دیا۔ کچھ دیر بعد میرے حواس درست ہونے پر پیرومرشد نے فرمایا "تم مجھے پسند ہو۔ تم سے انسان باتیں کر سکتا ہے چونکہ تم فوراً ہی معاملہ کی تہہ کو پہنچ جاتے ہو۔ تم مجھے اپنا عندیہ بتا دو فوراً تمہیں وزیر بنا دوں۔ سب

وزیر میرے حکم کے تابع ہیں چونکہ میری وجہ سے اُن کو عہدے ملتے ہیں وزیر اعظم بھی میری مخالفت نہیں کرسکتا۔ اس نے مجھ سے یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر میں اس کے نمائندے کو وزیر داخلہ بنا دوں وہ مجھے پچاس ہزار کی رقم دے گا اور سنو۔ عورت کا قابو میں لانا مرد کے قابو میں لانے سے زیادہ مشکل ہوتا ہے اس لئے اثر قائم کرنے کے لئے عورت سے ابتدا کرنی چاہئے۔ مرد پر قابو پانے کے لئے پہلے عورت کو قابو میں کرنا چاہئے۔ میں عورتوں کو حمام میں لے جاتا ہوں کیسے باشد، اور جب ایک دفعہ حمام میں داخل ہو گئیں اس وقت ان سے کہتا ہوں اپنے کپڑے اتار دو اور اس دہقانی کو غسل دو اور اگر وہ چون وچرا کرتی ہیں تو میں فوراً ہی یہ سب روک دیتا ہوں ..... میں یہ انکشافات تعجب سے سُن رہا تھا۔ شراب اس پر اثر کر جاتی تھی۔ گریگوری کا سلسلہ کلام اگرچہ جاری رہا لیکن وہ اس درجہ فحش ہو گیا تھا کہ اس کو تحریر میں لانا غیر مہذب ہو گا۔ اس کے بعد جنگ کے موضوع پر باتیں ہونے لگیں ارشاد ہوا " کافی کشت وخون ہو چکا ہے اب اس کو ختم کرنا چاہئے آخر جرمن بھی ہمارے بھائی ہیں۔ حضرت عیسیٰ نے فرمایا ہے دشمن سے دوست کا سا سلوک کرو" لیکن زار نہیں مانتا اور زارینہ بھی ضد کر رہی ہے کوئی ان کو غلط مشورہ دے رہا ہے لیکن کیا ہونا ہے جب میں ان سے کسی امر کے متعلق کہوں گا وہ انکار نہیں کر سکتے لیکن ابھی ہم خود تیار نہیں ہیں جب سب حالات درست ہو جائیں گے اس وقت الگزنڈرا کو نابالغ ولی عہد کا ایجنٹ مقرر کر دیں گے اور زار کو لیواڈیا پہنچا دیں گے وہاں وہ عبادت میں زندگی بسر کیا کرے گا"

عام طور پر یقین کیا جا رہا تھا کہ پیر و مرشد کے مشورے ملک کو تباہ کر رہے ہیں۔ زار کی کم فہمی کا چرچا عام تھا جب سے زار نے کمانڈر انچیف کا عہدہ سنبھالا تھا اس وقت سے انکی نااہلیت اور بھی روشن ہو گئی تھی۔ جنرل کریموف نے محاذ سے واپسی پر صاف طور پر ڈوما کے ڈپٹیوں سے کہا "محاذ پر حالات بہت خراب ہوتے جا رہے ہیں اور زار کو معزول کئے بغیر حالات کا روبہ اصلاح ہونا غیر ممکن ہے تم اس طرف قدم اٹھاؤ۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں" سٹولوسکی نے کہا چونکہ زار ملک کو تباہ کر رہا ہے اس لئے اب ہمیں بھی اس پر رحم کھانے کی ضرورت نہیں" لیکن باوجود اس

غم وغصہ کے کسی کو عمل کی جرآت نہ ہوتی تھی۔ سب یہ چاہتے تھے کہ کوئی دوسرا یہ کام کر دے شاہی خاندان والوں کا یہ خیال تھا کہ راسپوٹن کا اثر زائل ہو جانے پر حالات خودبخود روبہ اصلاح ہو جائینگے چنانچہ زار کے بھانجے شہزادہ یوسوپوف اور اس کے چند ساتھیوں نے ۱۵، ۱۶ دسمبر ۱۹۱۶ء کی درمیانی شب کو راسپوٹن کو اپنے یہاں مدعو کیا اور قتل کر کے اس کو دریائے نیوا میں ڈال آئے۔ راسپوٹن کے قتل کا ماجرا شہزادے نے اپنی تصنیف "راسپوٹن" میں تفصیل سے بیان کیا ہے قتل کی خبر عام ہوتے ہی روس کے گوشہ گوشہ میں خوشیاں منائی گئیں۔ جمہور راسپوٹن کے قاتلوں کو دعائیں دے رہے تھے بلکہ ان کا جام صحت پی رہے تھے۔ زارینہ کی بہن نے گرانڈ ڈیوک کو اطلاع دی "میں راسپوٹن کے قاتلوں کے حق میں دعا کر رہی ہوں کہ پروردگار ان کو اس قومی خدمت کا اجر دے۔ کئی دن بعد راسپوٹن کی لاش برف میں دبی ہوئی ملی۔ نفرت کی بنا پر کسی نے اس کو ہاتھ نہ لگایا اور زار و زارینہ اور ویروبوفا نے خفیہ طور پر اس کی تجہیز و تکفین کی۔

فروری کا انقلاب

تاریخ عالم کی یہ ایک بنیادی حقیقت ہے کہ معاشرتی انقلاب ہمیشہ مزدور اور کسان کا مرہون منت ہوتا ہے۔ اگر کسی ملک میں یہ دو طبقے خوابیدہ ہوں اس میں سیاسی انقلاب شاید ہو جائے لیکن معاشرتی و تمدنی انقلاب ہونا ممکن نہیں۔ ان دونوں طبقوں کی مدد کے بغیر اشخاص اور پارٹی کی تبدیلی کرنا شاید ممکن ہو لیکن معاشرہ کے بنیادی تخیلات اور ادارے مثلاً ملکیت۔ انفرادی طریقہ پیداوار، مذہبی تصورات اور ازدواجی زندگی سے متعلق تخیلات کو نہیں بدلا جا سکتا ہے۔ رہی تاریخ کی ورق گردانی سے معلوم ہوتا ہے کہ ان دونوں طبقوں کی انقلابی اہلیتوں اور امکانات کی بنأ پر ملک کا حکمران طبقہ ان سے ہمیشہ خائف ہی رہا۔ یہی وجہ تھی کہ ان غریبوں کو اقتصادی و تعلیمی بدحالی میں رکھا گیا تاکہ نانِ شبینہ کی فراہمی کے علاوہ اور کوئی خیال اُن کے دل میں پیدا ہی نہ ہو تاریخ کے ہر دور میں مزدور کی زندگی پراگندہ ہی رہی۔ لیکن جب سرمایہ داری کا آلاتی دور شروع ہوا اس وقت نہ صرف حکومت اور سرمایہ دار کو مزدور کو بہتر مزدور بنانے کے لئے تعلیم دینی پڑی بلکہ اُن کو صنعتی شہروں میں ایک جگہ لاکر آباد کرنا پڑا۔ ایسا کرنا آلاتی دور کی اقتصادی ضرورت ہوتی ہے۔ روس میں بھی ایسا ہی ہوا کہ سرمایہ داروں نے بڑے بڑے شہر آباد کیے جن میں مزدور آبادی پیدا ہو گئی۔ مگر یکجہتی اور تعلیم نے مزدور طبقہ میں خود اعتمادی اور طاقت کا احساس پیدا کر دیا اور جب یہ دو احساس پیدا ہو جاتے ہیں طبقاتی قوت خود بخود کام کرنے لگتی ہے چنانچہ روس میں

مزدوروں نے اپنی انجمنیں بنالیں جو اقتصادی مطالبات سرمایہ داروں سے منوانے کے لئے جدوجہد کرنے لگیں۔ کچھ عرصے اقتصادی مسائل ہی زیرِ بحث رہے۔ ہوتے ہوتے مزدور طبقہ پر یہ راز منکشف ہوگیا کہ اقتصادیات اور سیاست کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔ اس انکشاف کا یہ نتیجہ ہوا کہ مزدوروں میں سیاسی زاویۂ نظر پیدا ہوگیا اور اب وہ ملک کی انقلابی جدوجہد میں حصّہ لینے لگے۔

۱۹۱۴ء کی جنگِ عظیم نے غریب طبقے کے سیاسی فہم کو زیادہ تیز اور امیر اور متوسط طبقات میں ذمہ وار حکومت قائم کرنے کا جذبہ شدید کردیا۔ اسی زمانہ میں اشتراکیوں میں دو پارٹیاں نمودار ہوئیں۔ ایک میشوک اور دوسرے بولشیوک ان دونوں کے بنیادی تخیل میں قدرے فرق نہ تھا لیکن طریقۂ کار میں سخت اختلاف تھا۔ اول الذکر صرف آئینی جدوجہد پر اکتفا اور موخر الذکر جارحانہ انقلابی کارروائی کو کامیابی کی کلید خیال کرتے تھے۔ جنگ شروع ہونے کے کچھ عرصے بعد میدانِ جنگ میں روسی افواج کو زبردست شکستیں ہونے لگیں اور جمہور میں اقتصادی بے چینی بڑھنے پر ہڑتالوں کا سلسلہ جاری ہوگیا۔ اجناس خوردنی۔ ایندھن کپڑا اور دوسری ضروریاتِ زندگی کی کمی نے دیہاتی کو تلاشِ معاش میں شہروں تک پہنچا دیا جہاں پہنچ کر ان کو یہ معلوم ہوا کہ کھائی سے نکل کر کنوئیں میں آگرے ہیں۔ انسانی فطرت ہے کہ اٹل موت سامنے آجانے پر وہ خونخوار اور بہادر ہوجاتا ہے۔ بھوک اور پیاس کی شدت سے پریشان ہوکر جمہور ملک کے سیاسی اور اقتصادی نظام کے خلاف ہوگئے۔ بولشیوک نے ان کی سیاسی بے چینی سے فائدہ اٹھا کر غیر مطمئن طبقوں میں تنظیم پیدا کردی۔ بولشیوک کی اس زمانہ کی انقلابی جدوجہد کی بابت پولیس کے محکمہ کی رپورٹ تھی "دولینن کی پارٹی کے لوگ چست اور بے خوف انقلابی ہیں جو غیر مطمئن طبقات میں تنظیم پیدا کررہے ہیں اور استقلال کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے"۔ جس پارٹی کی بابت پولیس کی یہ رپورٹ ہو اس کو حکومت کیوں نہ قید میں رکھے۔ چنانچہ نومبر ۱۹۱۴ء کو حکومت نے ڈوما کے اشتراکی ڈپٹیوں کو گرفتار کرلیا۔ کسی سیاسی جماعت کے چند لیڈروں کو گرفتار کرلینے سے بھوک کی شدت اور خوراک کی کمی ختم نہیں ہوسکتی تھی۔ وقت گزرنے پر سیاسی بے چینی کے اسباب یعنی

اجناس کی کمی کے بڑھنے سے ملک میں عام طور پر ہڑتالیں۔ بلوے اور کشت وخون ہونے لگے۔
۵ جون ۱۹۱۵ء کو پولیس نے ایک کپڑے کے کارخانے کے ہڑتالیوں پر گولی چلائی۔ سات ہڑتالی مرے اور نو زخمی ہوتے۔ ۱۵ اگست کو پھر گولی چلی ۱۶ ہڑتالی ہلاک اور ۳۰ مجروح ہوئے۔ سیاسی نظر رکھنے والے ان ہڑتالیوں میں انقلاب کا طوفان دیکھ رہے تھے۔ ۱۶ اگست کو وزیر انصاف نے دورانِ تقریر میں کہا" اگر اس وقت مزدوروں کے مسلح مظاہرے نہیں ہو رہے اس کی وجہ یہ ہے کہ ان میں تنظیم نہیں ہے۔ وزیر داخلہ نے ایک تقریر میں کہا "ہمیں اشتراکی ڈپٹیوں کو رہائی نہیں دینی چاہیئے ورنہ یہ مزدوروں کے لئے مرکز بن جائیں گے۔" رہبروں کو گرفتار کر لیا جائے اور بجائے حالات درست کرنے کے تشدّد سے کسی تحریک کو دبا دیا جائے اس طرح وہ دبا نہیں کرتی بلکہ زمین دوز ہو کر انقلابی جدوجہد جاری رکھتی ہے۔ اشتراکی پارٹی کے ساتھ بھی یہی ہوا حکومت کے تشدد کرنے پر اشتراکیوں نے خفیہ طریقہ کار اختیار کر لیا۔ پولیس کے محکمہ کی رپورٹ تھی۔ "جب سے جنگ شروع ہوئی ہے لینن کے پیرو تمام ملک میں پھیل گئے ہیں۔ اور خفیہ طور پر تبلیغ کر رہے ہیں۔ اور ان کا پروپیگنڈا مزدور جماعت میں سیاسی بے چینی بڑھا رہا ہے۔" پولیس کی ایک اور رپورٹ کہتی ہے" اگر دفعہ ۱۰۲ کے ماتحت ان سب لوگوں کو گرفتار کر لیا جائے جو شہنشاہ کی شان میں گستاخانہ کلمات استعمال کرتے ہیں تو اتنی گرفتاریاں کرنی پڑیں گی کہ تاریخِ عالم اس کی مثال پیش نہ کر سکے گی"۔ پولیس کی یہ رپورٹیں عام بے چینی کا پتہ دیتی ہیں۔ لیکن اس زمانہ میں روس میں ایک اور رجحان نمایاں ہو رہا تھا اور سیاسی نظر رکھنے والے ان ہڑتالیوں سے زیادہ اس رجحان سے خائف تھے وہ رجحان یہ تھا کہ فوج نے ہڑتالیوں کے ساتھ عملی ہمدردی کرنا شروع کر دی تھی۔

فوج آسمانوں سے نہیں اُترا کرتی بلکہ کسان طبقہ اور دیہاتی آبادی سے ہی فراہم کی جاتی ہے۔ کسان طبقہ اور دیہات کے عوام کا باغی ہو جانا فوج کی وفاداری پر بھی زہریلا اثر کرتا ہے۔ چنانچہ بڈھے کسان کا نوجوان بیٹا فوج میں بھرتی ہو جاتا لیکن جب اپنے عزیز ماں۔ باپ۔ بہنوں

ہمسایوں اور گاؤں والوں کو بھوک اور پیاس کی شدت میں گرفتار دیکھتا اور ان کی حالت کا مقابلہ حکمران طبقے کے عیش و آرام سے کرتا تو باغی ہو کر ہڑتالیوں سے ہمدردی کرنے لگتا۔ اس زمانہ میں ہڑتالیوں اور انقلابیوں سے فوج کی عملی ہمدردی اتنی عام ہو گئی تھی کہ فرانس کے سفیر نے روسی وزیرِ اعظم کی توجہ اس طرف منعطف کراتے ہوئے کہا "ہڑتالیوں سے فوج تعاون کر رہی ہے"۔ اس پر وزیرِ اعظم نے جواب دیا "وقت آنے دیجئے ان کو کیسا کچلتا ہوں"۔ کم فہم حکام سیاسی پیچیدگی کو تشدد سے حل کرنا چاہتے تھے جس کا نتیجہ پولیس کے ڈائریکٹر کے الفاظ میں یہ ہو رہا تھا "۱۹۰۵ء کی نسبت اب حکومت کی مخالفت زیادہ شدومد سے ہو رہی ہے اور فوج اور پولیس قابلِ اعتماد نہیں ہیں"۔ پولیس کا چیف خود پولیس کو ناقابلِ اعتماد سمجھنے لگا۔ ان حالات میں انقلاب کی کامیابی میں کون شک کر سکتا ہے۔ ملک میں اجناس خوردنی۔ ایندھن۔ کپڑے اور روزگار کی کمی کی وجہ سے ہڑتالیں اور بلوے ہو رہے تھے۔ جنوری ۱۹۱۷ء میں روسی جمہور کی سیاسی بے چینی اور اقتصادی بدحالی دیکھتے ہوئے یہ ضرور کہا جا سکتا تھا کہ جمہور ان حالات کو مدت تک برداشت نہیں کر سکتے لیکن یہ کہنا مشکل تھا کہ وہ کب اور کس طرح یہ ناقابلِ برداشت حالات بدلیں گے۔

۲۳ فروری ۱۹۱۷ء کو پیٹروگریڈ میں عورتوں کا بین الاقوامی دن منایا گیا۔ کسی کو وہم و گمان بھی نہ تھا کہ تاریخ اسی روز کو انقلاب کا پہلا دن شمار کرے گی۔ اس روز حسب دستور جلوس نکلا اور انقلابی جمہور کا پولیس سے اس زور سے تصادم ہوا کہ حکومت کو فوج بلانی پڑی۔ ۲۴ فروری کو ۲۳ فروری کا نظارہ دوبارہ زندہ کیا گیا۔ اس روز جلوس "روٹی۔ روٹی۔ روٹی" کا نعرہ لگاتا ہوا نکلا کچھ دیر بعد استبدادیت "مردہ باد" کے نعرے نے فضا میں گونج پیدا کر دی۔ جلوس کے کچھ دور آگے بڑھنے پر "صلح کرو۔ صلح کرو۔ صلح کرو" کا نعرہ بلند ہونے لگا۔ ان تین نعروں میں غریب۔ متوسط اور امیر تینوں طبقات اور فوج اپنے اپنے مطالبات کی ترجمانی پاتے تھے۔ اس لئے سب طبقات کو جلوس اور ہڑتالیوں سے ہمدردی پیدا ہو گئی تھی۔ ۲۵ فروری کو ہڑتال اور بھی بڑے پیمانے پر ہوئی اور صاف نظر آنے لگا کہ فوج ہڑتالیوں کی پشت پر ہے۔ اس روز وزیرِ جنگ نے زار کو

بمقام موغیلیف اطلاع دی "دارالسلطنت میں ہڑتالیں ہو رہی ہیں۔ مزدور بدامنی پھیلا رہے ہیں لیکن حالات پر قابو ہے کسی تشویش کی ضرورت نہیں" اسی دن حکومت نے مزدوروں کے سو لیڈر گرفتار کر لئے۔ لیڈروں کی گرفتاری اس امر کا اعلان تھا کہ حکومت ہر امکانی تشدد سے انقلابی تحریک کو دبانے کے لئے تیار ہے۔ جب حکومت کے اس عملی اشارے کا بھی ہڑتالیوں پر کوئی اثر نہ ہوا تو حکومت نے ایک وفادار فوج کے دستے سے ہڑتالیوں پر گولی چلوا دی۔ نہ معلوم کتنے ہڑتالی مرے۔ جمہور نے حکومت کے ظلم کا مقابلہ کیا اس پر فوج کی رگ حمیت میں بھی جوش آیا۔ فوج کی چوتھی کمیٹی نے جس کے ایک دستے سے ہڑتالیوں پر گولی چلوائی گئی تھی اس امر پر بلوہ کر دیا کہ اس کمیٹی کے سپاہیوں سے جمہور کے مجمع پر کیوں گولی چلوائی گئی۔ فوج میں بلوہ ہونے پر اس کو کون روکے اور فوج کی اس ہمدردی سے جمہور کی ہمتیں کیوں نہ دوچند ہو جائیں۔ اس روز صبح زارینہ نے شہنشاہ کو اطلاع دی "دارالسلطنت میں خاموشی ہے" لیکن شام کو تار دیا "شہر کی حالت اچھی نہیں" خط میں حالات پر تبصرہ فرماتی ہوئی تحریر کرتی ہیں۔ "تمہیں مزدوروں سے صاف طور پر کہہ دینا چاہئے کہ ہڑتال جاری رکھنے کی شکل میں ان کو بطور سزا محاذ جنگ پر روانہ کر دیا جائے گا" ۲۷ فروری کی صبح تک تمام مقامی فوج باغی ہو گئی تھی اور پیٹروگریڈ میں عام سپاہی اپنے افسروں کے ساتھ وہی سلوک کر رہے تھے جو افسروں نے آج تک اُن کے ساتھ روا رکھا تھا۔ زارینہ نے حالات درست کرنے کے لئے وزارت بھی بدل دی تب بھی کچھ نہ ہوا۔

۲۷ فروری کو ڈوما کا اجلاس ہونا تھا۔ ڈپٹی ٹوراٹیڈ محل میں آ چکے تھے۔ اجلاس کی کارروائی شروع ہونے والی تھی۔ اس وقت خبر آئی کہ زار نے ڈوما کو برخواست کر دیا ہے۔ ابھی اسمبلی ہال میں ممبر اس حکم پر تبصرہ کر رہے تھے کہ ڈوما کا ایک ڈپٹی کرنسکی نامی بھاگا ہوا آیا اور اس نے جمہور کے ایک جمِ غفیر کے محل کی سمت آنے کی اطلاع دی اور کہا "جمہور کا مطالبہ یہ ہے کہ ڈوما کو حکومت پر قبضہ کر لینا چاہئے" کرنسکی سلسلہ کلام ختم بھی نہ کرنے پایا تھا کہ مجمع محل کے سنتریوں کو زخمی کر اسمبلی ہال میں داخل ہو گیا اور اس نے اپنا مطالبہ پیش کر دیا۔ تمام ممبر سراپا سراسیمگی بن گئے۔ شور و غل

ہراس و پریشانی کے عالم میں ڈوما کے صدر نے مجمع کے مطالبہ کے مطابق ایک عارضی حکومت بنالی اور یہ فرض کر لیا گیا کہ تمام ممبر اس عارضی حکومت کی تائید میں ہیں۔ انقلابی جمہور نے صرف یہی نہیں کیا کہ سنگین کی نوک پر ڈوما کے صدر سے عارضی حکومت کا افتتاح کرایا بلکہ محل کے دوسرے کمرے میں اجلاس کر کے ۱۹۰۵ء کے سوویٹ ادارہ کو از سرِ نو زندہ کیا۔ سوویٹ کے لئے آناً فاناً انتخاب کئے اور مجلس عاملہ کے نام سے ایک کابینہ بنالی۔ اس کابینہ نے فوراً ایک کمیشن جس کا کام خوراک کا انتظام کرنا تھا مقرر کر دیا اور بنک ٹکسال اور پریس پر بھی قبضہ کر لیا۔ خیال یہ تھا کہ چند روز بعد عارضی حکومت کو برطرف کرنے کے بعد مجلس عاملہ کامل طور پر زمامِ حکومت اپنے ہاتھ میں لے لیگی اور انقلابی سوویٹ تمام ملک کی تنظیم کریں گے۔ جمہور کا خود مختارانہ رجحان دیکھ کر ۲۸ فروری کو ڈوما کے صدر نے زار کو بذریعہ تار اطلاع دی "آخری لمحہ آ گیا ہے۔ ملک اور شہنشاہ کی قسمت کا فیصلہ ہونے والا ہے۔" یہ اطلاع پانے پر زار نے ایک وزیر سے کہا "دیکھو اس پیٹیل روڈ بیانکو نے مجھے پھر ایک لغو تار دیا ہے۔ میں اس کا جواب دینا بھی پسند نہیں کرتا۔"

زار کو اطلاع دی جاتی ہے کہ حالات نازک ہیں۔ لیکن وہ وقت کی نزاکت کا احساس نہیں کرتا۔ البتہ جب زارینہ کا حسب ذیل تار ملا "مراعات دینی ضروری ہیں۔ ہڑتالیں جاری ہیں۔ فوج کا بہت بڑا حصہ باغیوں کے ساتھ تعاون کر رہا ہے۔" اس وقت زار چونکا اور میدانِ جنگ سے دارالسلطنت کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہاں نا پہنچکر زارینہ کی تشفی کے لئے تار دیتا ہے "یہاں موسم بہت اچھا ہے امید ہے کہ تم بخیریت ہو گی۔ پریشان ہونے کی ضرورت نہیں فوج روانہ کر دی ہے" زار نے فوج ضرور روانہ کر دی لیکن اس فوج کے دل میں کیا تھا اس کی اس کو مطلق خبر نہ تھی۔ زار کا اسپیشل ابھی ویشوف بھی نہ پہنچا تھا کہ انقلابی جماعت نے ریل کے پلوں پر قبضہ کر لیا اور دارالسلطنت جانے کے تمام راستے مسدود کر دیے۔ درباری مؤرخ جو بادشاہ کے ساتھ سفر کر رہا تھا اپنے روزنامچہ میں تحریر کرتا ہے۔ "اس رات ہمیں یقین ہو گیا کہ اصلاحات دینی پڑیں گی۔ تمام حاضرین کا یہی خیال تھا کہ انقلابیوں کے ساتھ صلح کر لینی چاہئے۔" زار اور اس کے مصاحب ہنوز اصلاحات دینے ہی

کو کانی خیال کر رہے تھے۔ بغاوت کسی درجہ کامیاب ہو چکی تھی اس کا ان کو مطلق علم نہ تھا۔ ادھر زار ریل کی پٹریوں پر ملکہ کی سمت جانے کا راستہ تلاش کرتا پھر رہا تھا اور ادھر زارینہ شہنشاہ کو فوراً دارالسلطنت پہنچ جانے کے لئے ہدایتی تار روانہ کر رہی تھی۔" واحسرتا! تار گھر پر چونکہ سوویٹ کا قبضہ تھا۔ اس لئے زارینہ کے تار پر "مکتوب الیہ کا پتہ نہیں" لکھ کر واپس کر دیا جاتا تھا۔ تاریخ عالم اس سے زیادہ کس مپرسی کی مثال شاید ہی پیش کر سکے۔

بروکودا اس زمانہ کے حالات قلم بند کرتی ہوئی اپنے روزنامچہ میں لکھتی ہے "محل میں نفسی نفسی پڑی ہوئی تھی۔ باغی گھس آئے تھے اور چیزوں کو اس طرح دیکھتے پھرتے تھے جس طرح کوئی عجائب خانہ کی سیر کرتا پھر رہا ہو" پہلی مارچ کو شہنشاہ روس کو یہ خبر ملی کہ تمام فوج مع بوڑی گارڈ کے باغیوں سے جا ملی ہے اور دارالسلطنت پر انھوں نے قبضہ کر لیا ہے اس اطلاع پر زار اور اس کے مصاحبوں نے یہ طے کیا کہ انقلابیوں کی سرکوبی کے لئے جو فوج دارالسلطنت کی طرف روانہ کی گئی ہے اس کو واپس بلا لیا جائے اور ذمہ دار وزارت قائم کر دی جائے۔ چنانچہ روزکی یہ تجویز لے کر ڈوما کے صدر کے پاس پہنچا لیکن اب وہ وقت گزر چکا تھا جب کہ ذمہ دار وزارت کا قیام روس کی سیاسی بے چینی دور کر دیتا۔ چنانچہ روزکی کی تجویز سن کر صدر نے جواب دیا "آپ کی تجویز جمہور کے موجودہ مطالبہ کو پورا نہیں کرتی۔ اب تخت و تاج کا سوال ہے۔ زار کو چاہیئے کہ وہ اپنے لڑکے کے حق میں دست بردار ہو جائے اور میکائیل الگزنڈر روچ کو ریجنٹ مقرر کر دے۔ بغاوت اتنی کامیاب ہو چکی ہے کہ میں عارضی حکومت مقرر کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں" روزکی صدر کا یہ پیغام لے کر واپس ہوا۔ اس پر زار اور اس کے مقربین نے یہ طے کیا کہ تخت و تاج سے دستبرداری تحریر کر دی جائے۔ ۲ مارچ کو زار اپنے روزنامچہ میں درج کرتا ہے۔ "آج صبح روزکی آیا اور روڈزینکو سے گفتگو کا ماجرا سنایا۔ اس کے بیان کے مطابق دارالسلطنت میں ایسے حالات پیدا ہو گئے ہیں کہ میری مقرر کردہ وزارت کامیاب نہیں ہو سکتی۔ میرا تخت و تاج سے دست بردار ہونا ضروری ہے۔ روس کو ہلاکت سے بچانے اور فوج کو محاذ جنگ پر رکھنے کے خیال سے میں دست برداری

تحریر کرنے پر رضامند ہو گیا۔ شام کو کچلوف اور شگلن آئے اور میں نے ہیڑو گراڈ لے جانے کے لئے وہ دستاویز اُن کے حوالے کر دی۔ میرے چاروں طرف غداری۔ دھوکا اور کم ہمتی ہے۔" لیکن اب زار کی یہ دست برداری بھی بے سود تھی چونکہ جمہور زار یا اس کے خاندان کی حکومت کے ساتھ تعاون کرنے پر تیار نہ تھے۔ ۸ مارچ کو زار نے کیلیف کا مقام چھوڑا اس وقت وہ بظاہر آزاد لیکن دراصل مقید تھا جب سیلوٹ سکو کے مقام پر پہنچا وہاں ایک محل میں نظر بند کر دیا گیا اور اس کے خاندان و خدام کو بھی وہیں پہنچا دیا گیا۔ دیرو تودا کا بیان ہے "اپنی نظر بندی کے زمانہ میں زار اکثر یہ کہا کرتا تھا کہ دنیا میں انصاف نہیں ہے"

روس میں انقلاب پسندوں کے زار کو تخت و تاج سے برطرف کرنے کے بعد بھی زاریت اسی طرح زندہ رہی۔ ڈوما کے صدر نے جو نئی عارضی حکومت تعمیر کی اس میں زاریت بدرجہ اتم موجود تھی۔ پرانے سٹیٹ کونسل کے ممبروں کی تنخواہیں ہنوز بحال تھیں۔ زار کے زمانہ کے وزراء اگرچہ مقید تھے لیکن ان کو تنخواہیں ملتی تھیں۔ عارضی حکومت بھی زار کی طرح جنگ جاری رکھنے کے موافق تھی اور مزید فوج مہیا کرنے اور میدانِ جنگ میں روسی فوج کو دشمن سے برسرپیکار رکھنے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھی۔ مزدوروں کے اِن تین مطالبوں کو کہ روس میں اصلی معنوں میں جمہوریت قائم ہو۔ زمین اشتراکی اصول پر تقسیم کی جائے۔ مزدور آٹھ گھنٹے کام کرے۔ عارضی حکومت یہ کہہ کر ٹال دیتی تھی کہ فی الحال جنگ جاری رکھنے اور فتح پانے کا مسئلہ سب سے زیادہ اہم ہے۔ تمام توجہ اِن دو امور کی طرف رکھنی چاہئے۔ باقی سیاسی و اقتصادی امور کا فیصلہ مجلس دستور ساز کے انعقاد پر ہوگا۔

انقلابی جماعت نے عارضی حکومت کے مدمقابل جو ادارہ "مجلس عاملہ" بنایا تھا اس میں ایسے لوگ منتخب ہو گئے تھے جن میں احساس کمتری کی زیادتی اور جرأت کی نمایاں کمی تھی۔ جمہور کے ہنگامی جوش سے متاثر ہو کر مجلس عاملہ نے زمام حکومت پر ہاتھ ضرور ڈال دیا اور حکومت کے بہت سے فرائض بھی انجام دینے لگی لیکن قلیل عرصے میں ہی اس کے ممبروں کا احساس کمتری عود کر آیا

زمام حکومت ہاتھ میں آتے ہی ان کے ہاتھ کانپنے لگے۔

'مجلس عاملہ' کے ممبروں میں زیادہ تعداد متوسط طبقے کی تھی جس میں امیر اور غریب طبقے کی برائیاں ہوتی ہیں خوبیاں نہیں ہوا کرتیں۔ حکومت کی ذمہ داری کے بار سے مجلس عاملہ کا دل دھڑکنے لگا اور اس نے عارضی حکومت سے اس شرط پر تعاون کرنا شروع کر دیا کہ مجلس عاملہ کو تبلیغ کی اجازت دے دی جائے۔ دراصل یہ شرط جمہور کو دھوکا دینے اور مجلس عاملہ کا حکومت سے تعاون کرنے کا ایک بہانہ تھی۔ عارضی حکومت مجلس عاملہ کے اس رویہ سے بہت خوش ہوئی لیکن مزدور طبقے کو اپنے لیڈروں کی خوش فہمی اور باہمتی پر بھروسہ نہ رہا اور اس نے جمہور کے انقلابی رجحانات پر تازیانہ کا کام کیا۔ چنانچہ مزدوروں نے 'مجلس عاملہ' کی طرف پشت کر لی اور اپنے سیاسی تخیل کے بموجب عمل کرنا شروع کر دیا۔

مثلاً مزدور صرف آٹھ گھنٹے کام کرتے اور گھر واپس ہو جاتے۔ مزدوروں میں ہمت وجسارت صرف اس بنا پر تھی کہ فوج اور مزدور میں رشتہ مستحکم ہو چکا تھا۔ مزدور فوج کی اور فوج مزدور کی مدد سے طاقت محسوس کرتے تھے۔ فوج نے بھی ایک خود مختار وحدت کی طرح عمل کرنا شروع کر دیا تھا اور عملاً عارضی حکومت پر اس امر کا انکشاف کر دیا تھا کہ وہ صلح چاہتی ہے۔ یہ رجحان دیکھ کر عارضی حکومت نے چند مبلغ محاذ جنگ پر روانہ کیے تاکہ وہ فوج کو برسرِ پیکار رکھنے پر آمادہ رکھیں جب عارضی حکومت کے سیاسی مبلغوں نے تقریریں کرنی شروع کیں۔ اس پر سپاہیوں نے جو ۸۰ فیصدی کسان تھے دریافت کیا "زمین کی تقسیم کی بابت کیا کہتے ہو" حکومت کے فرستادہ بولے "مجلس دستور ساز اس کا فیصلہ کرے گی" اس پر ایک سپاہی نے کہا "جب تک مجلس دستور ساز کا انعقاد ہوگا ہم جنگ کی آگ میں خاکستر ہو چکے ہوں گے اس وقت زمین ملی بھی تو ہمارے کس کام آئے گی"۔ سپاہی کے یہ چند جملے تمام فوج کی ترجمانی کرتے تھے۔ سپاہی فوراً ہی صلح اور زمین چاہتا تھا اور اس جذبہ کے ماتحت اس نے عمل بھی کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۶ مارچ کو شمالی محاذ سے عارضی حکومت کے پاس اطلاع آئی "سپاہی قابو سے باہر ہوئے جا رہے ہیں

کچھ ایسے اشخاص روانہ کرو جن کا فوج پر اثر ہو تاکہ تنظیم پیدا کی جا سکے" ۲۲ مارچ کو ایک فوجی چیف نے اطلاع دی "سپاہی صاف طور پر اعلان کر رہے ہیں کہ وہ دشمن پر حملہ نہیں کریں گے۔ البتہ مدافعت کرنے کے لئے تیار ہیں۔" جنرل الزیز نے تحریر کیا "۷ اپریل تک آٹھ ہزار سپاہی فوج کی ملازمت چھوڑ کر فرار ہو گئے۔ جب میں اخباروں میں یہ اعلان پڑھتا ہوں کہ ہماری فوج کی حالت بہت اچھی ہے اس وقت مجھے سخت تعجب ہوتا ہے۔ جرمن اس اعلان سے دھوکا نہیں کھا سکتے اور ہمارے لئے ایسا غلط یقین مہلک ہے۔" بغاوت کی اطلاعات ملنے پر عارضی حکومت نے بھی زار کی طرح تشدد کرنا چاہا۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ایک اعلان کے ذریعہ سے فوج کو بارکوں میں واپس ہونے اور سپاہیوں کو افسروں کے احکام کے آگے سر تسلیم خم کر دینے کا حکم نکالا۔ اس حکم کی پشت پر جو تخیل تھا سپاہی اس کو اچھی طرح سمجھ گیا اور اس نے 'مجلس عاملہ' کو سوویٹ کے اجلاس منعقد کرنے اور عارضی حکومت کے اس حکم پر بحث و مباحثہ کرنے پر مجبور کیا۔ جنگ جاری ہو اور فوج یک زبان ہو کر کوئی مطالبہ کرے اس حالت میں کس کی مجال ہے کہ اس کو پس پشت ڈالے چنانچہ 'مجلس عاملہ' نے با دلِ نخواستہ سوویٹ کا اجلاس منعقد کیا جس میں سپاہیوں نے ایک تجویز منظور کی جو حکم اول کے نام سے مشہور ہے۔ اس تجویز کا ماحصل یہ تھا کہ ہر رجمنٹ میں انتخاب ہوگا اور منتخب شدہ نمائندے سوویٹ میں بحیثیت ممبر کے شریک ہوں گے تاکہ فوج کے مفاد پر نظر رکھیں۔ فوج سیاسی معاملات میں صرف سوویٹ اور اُن کی مقرر کردہ کمیٹیوں کا حکم مانے گی۔ اسلحات رجمنٹ اور بٹیلین کی کمیٹیوں کے قبضہ میں ہوں گے اور کسی حالت میں بھی فوجی افسروں کی تحویل میں نہ دئے جائیں گے سپاہی کو عام شہری کے حقوق ہوں گے۔ اگر سپاہی پہرے پر نہ ہو اس کو اپنے افسروں پر آداب نیاز کرنے کی ضرورت نہیں۔ افسر سپاہی کو 'تو' کہنے کا مجاز نہیں رکھتے۔ اس تجویز سے صاف ظاہر ہے کہ عام سپاہی اور افسر کے تعلقات کس درجہ خراب تھے۔ سپاہی کے ساتھ افسر کیا افسوس ناک سلوک کرتے تھے اور سپاہی افسر سے کس درجہ بدگمان تھے۔ یہ تجویز اس امر کا بھی انکشاف ہے کہ عارضی حکومت کس درجہ رجعت پسند تھی جس روز 'حکم اول' پریس میں نشر ہونے گیا اسی روز 'مجلس عاملہ'

کا اپیل بھی طباعت کے لئے گیا جس میں از سرِ نو سپاہی سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ اپنے افسروں کی اطاعت کریں اور اُن کے حکم کی خلاف ورزی نہ کریں۔ مجلس عاملہ کی اس کارروائی سے صاف ظاہر ہے کہ وہ بھی در پردہ عارضی حکومت کی شریک کار تھی۔ جب یہ دو متضاد اعلانات بیک وقت طباعت کے لئے پریس میں پہنچے اس پر کارکنانِ پریس نے حکمِ اول نشر کر دیا لیکن اپیل کو طبع کرنے سے انکار کر دیا۔ اس واقعہ سے فوج اور مزدور کے باہم ارتباط و تعاون کا پتہ چلتا ہے۔

انقلابی دور کی یہ ایک اہم خصوصیت ہوتی ہے کہ بعض مرتبہ جمہور کا انقلابی تخیل جس تیزی سے ارتقائی منازل طے کرتا ہے جمہور کے بیشتر احرار کا فکر اس تیزی سے نشوونما نہیں پاتا جس کا بسا اوقات یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ جمہور اور اُن کے احرار میں ایک خلیج حائل ہو جاتی ہے۔ احرار بجائے انقلاب کے ممدو محرک ہونے کے اس کے لئے سدِ راہ بن جاتے ہیں۔ جب یہ حالات سخنی بگڑ جاتے ہیں اس وقت جمہور اور احرار میں تصادم ہونا شروع ہو جاتا ہے جس کی بنا پر قلیل عرصے کے لئے انقلابی رجحانات کو صدمہ پہنچتا ہے۔ عارضی حکومت کے اراکین اور سوویٹ کی کابینہ یعنی مجلس عاملہ چونکہ ہم آہنگ ہو گئے تھے اور اُن کا تخیل وقت کی ضرورت کے ساتھ ساتھ نہیں بدلا تھا۔ اس لئے جمہور کے لئے دونوں لائقِ نفرت ہو گئے۔ اس وقت جمہوری انقلاب کی تکمیل کے لئے ایک قائد کی ضرورت تھی جو عوام کے جوش کردار کی تشکیل کر کے ایک نئی دُنیا آباد کرتا۔ یہ قدرت کی قدیم رسم ہے کہ جہاں ایک ضرورت پیدا ہوتی ہے وہاں اس ضرورت کا پورا کرنے والا بھی پیدا ہو جاتا ہے۔ اُس دور میں وہ قدرت کا فرستادہ کون تھا؟ یہ وہی شخص تھا جس کو دُنیا آج لینن کے نام سے یاد کرتی ہے۔

لینن کی آمد

فروری کے انقلاب کی خبریں جب اخبارات میں نشر ہوئیں تو گویا روسی جلاوطن انقلابیوں کے لئے مژدہ آگیا۔ تمام عمر کی تمنا غیر متوقع طور پر پوری ہو جانے پر کس کو عید نہیں ہوتی۔ چنانچہ انقلاب کی خبر ملتے ہی دور افتادہ انقلابی اپنے عزیز وطن واپس ہونے کی تدابیر سوچنے لگے۔ لینن اس زمانہ میں سوئزر لینڈ میں تھا۔ لینن کا زورچ سے روس جانا آسان نہ تھا۔ لینن کی بہم کوشش کا یہ نتیجہ ہوا کہ اس کو سوئزر لینڈ کی مزدور پارٹی کا ایک ایسا قائد مل گیا جس نے لینن اور جرمنی حکومت میں ایک معاہدہ کرا دیا۔ اس کی رُو سے جرمنی نے لینن اور اس کے شرکار کار کو ایک بند ریل گاڑی میں مُلک سے گزرنے کی اجازت دے دی۔ لینن نے جرمن حکومت کے اس دوستانہ اقدام پر یہ وعدہ کیا کہ روس پہنچکر وہ اپنے شرکار کار کی تعداد کے برابر جرمن قیدی رِہا کرانے کی کوشش کرے گا۔ ظاہر میں یہ شرطیں تھیں لیکن دراصل لینن روس پہنچکر وہاں اشتراکی انقلاب کی جد و جہد کرنے کے لئے بیتاب تھا اور جرمنی کو یہ گمان تھا کہ ان انقلابیوں کے روس پہنچ جانے سے وہاں خانہ جنگی شروع ہو جائے گی اور دول متحدہ کا مشرقی محاذ کمزور ہو جائے گا۔ اس کے بعد جرمنی اپنی افواج کو مشرق سے مغربی محاذ پر روانہ کر سکے گا۔

جرمنی سے شرائط طے کرنے کے بعد روسی انقلابی سویڈن اور فن لینڈ ہوتے ہوئے اس سرزمین میں داخل ہو گئے جس سے جدا ہوئے برسوں گزر گئے تھے۔ پیٹروگریڈ کے سوویٹ کے

نمائندے اسٹیشن پر استقبال کے لئے موجود تھے۔ حاضرین کی انقلابی امنگوں نے بڑے جوش و خروش کے ساتھ ان خستہ و شکستہ حال انقلابیوں کا خیر مقدم کیا۔ چونکہ سوویٹ نے ان جلاوطنوں کو سپاسنامہ پیش کئے جانے کا انتظام اس کمرے میں کیا تھا جس میں زار قیام کرتا تھا اس لئے پرجوش دلوں نے لینن کو اپنے شانوں پر لے جا کر اس کمرے میں صدر نشین بنا دیا۔

سپاس نامہ اور لینن کی مختصر سی جوابی تقریر ختم ہو جانے پر انقلابی ہاتھوں نے اس کو ایک مسلح گاڑی پر پہنچا دیا اور جلوس انقلابی نعرہ لگاتا ہوا بولشیوک کے صدر دفتر کی جانب روانہ ہو گیا۔ جلوس کے صدر دفتر پہنچ جانے پر زیادہ مفصل تقریریں ہونے لگیں۔ پیٹروگریڈ سوویٹ کے نمائندہ کی تقریر کے بعد لینن ان کا جواب دینے اٹھا۔ مسلسل دو گھنٹے تک سلسلہ کلام جاری رہا۔ دورانِ تقریر میں لینن نے ان تمام تخیلات کی تردید کر دی جو آج تک سوویٹ کے بنیادی اصول بنے ہوئے تھے۔ اگلے روز لینن نے اپنا ایک مقالہ نشر کیا جو "۴ اپریل کا مقالہ" کے نام سے مشہور ہے اس تقریر اور مقالہ میں جن خیالات کا اظہار کیا تھا ان کا اجمالاً ذکر دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ لینن کا خیال تھا "عارضی حکومت برجوازی ادارہ ہے اور جمہور سیاسی شعور نہ ہونے کی بنا پر اپنے لیڈروں کی کم ہمتی اور سیاسی خام فکری کا شکار ہو کر عارضی حکومت کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ فروری کے مہینے میں اگرچہ طاقت جمہور کے ہاتھ میں آ گئی تھی لیکن ان کے لیڈروں نے اپنے احساس کمتری اور سیاسی خامی کی بنا پر آئی ہوئی طاقت متوسط طبقے کو دے دی۔ ان حالات میں بولشیوک کو جمہور میں خود اعتمادی اور سیاسی نظر پیدا کرنے کی سعی کرنی چاہیئے اور سوویٹ کے انتخابات میں حصہ لے کر جمہور کے موجودہ لیڈروں کی جگہ لینی چاہیئے۔ اس طرح سوویٹ اداروں میں بولشیوک کی اکثریت ہو جانے پر از سر نو انقلابی جد و جہد کر کے ہم کو عارضی حکومت سے زمام حکومت چھین لینی چاہیئے۔ اگر بولشیوک نے جمہور کو منشیوک و سوشل انقلابی اور دیگر پارٹیوں کے سیاسی تخیل کے غلط ہونے کا یقین دلا دیا۔ اس کے یہ معنی ہوں گے کہ بولشیوک نے مزدور آمریت قائم کر دی۔ آمریت قائم کرنے کے بعد بولشیوک سرمایہ دارانہ دنیا سے قطع تعلق کر لیں گے اور خفیہ شرائط نامے نشر اور جنگ

ختم کردیں گے۔ بولشیوک دنیا کی انقلابی جماعت کی ایک کڑی ہے اور بین الاقوامی انقلاب میں ہی بولشیوک کی کامیابی پوشیدہ ہے۔ روس میں بُرجوآزی انقلاب ختم نہیں ہونے پایا کہ متوسط طبقہ مرزہ ہوگیا ہے۔ اب اس میں اتنی سکت نہیں ہے کہ وہ انقلاب کو کامیاب بنا سکے دوسرے الفاظ میں متوسط طبقے کی تشکیل کردہ جمہوریت پیدا ہوتے ہی فنا ہوگئی ہے اس وقت روس میں مزدور جماعت ہی ایک ایسی جماعت ہے جو ملک کو ترقی کی طرف لے جا سکتی ہے مزدور طبقہ کے ساتھ صرف یہ قباحت ہے کہ وہ پوری طرح بیدار نہیں ہے۔ بولشیوک پارٹی کو چاہیئے کہ طبقاتی فرق مزدور طبقہ کے ذہن نشین کرائیں۔ سرمایہ دارانہ نظام بحیثیت ایک عالمگیر نظام ہونے کے اپنی آخری منزل امپریل ازم پر پہنچ گیا ہے۔ اب اس نظام میں مجموعی طور پر تضاد پیدا ہوگیا ہے اور یہ تضاد اس کو تباہ کر رہا ہے چونکہ سرمایہ دارانہ نظام میں بنی نوع انسان کے لئے ترقی کی گنجائش نہیں رہی۔ اسی لئے دنیا میں ایک دوسرا نظام قائم کرنے کا وقت آگیا ہے۔ ترقی یافتہ قومیں اس تبدیلی کو آسانی سے عمل میں لا سکتی ہیں لیکن کیا کیا جائے سرمایہ داری کی زنجیر اپنی سب سے کمزور کڑی (روس) پر سے ٹوٹنی شروع ہوئی ہے۔ پس ماندہ قوموں کو اشتراکی منزل کی طرف جانے کے لئے ایک ڈکٹیٹر شپ کی ضرورت ہوتی ہے۔ روس میں اشتراکی انقلاب اسی وقت ممکن ہے کہ یہاں ایک مزدور ڈکٹیٹر شپ قائم کی جائے۔ ہمارے ملک کی اقتصادی پسماندگی سے یہ عائد نہیں آتا کہ روس کو صرف برجوازی انقلاب پر اکتفا کرنا چاہیئے بلکہ اقتصادی پس افتادگی کا صرف یہ نتیجہ ہوگا کہ روس کو ایک جمہوری دور سے گزرنا ہوگا جس میں بڑی بڑی اقتصادی سیاسی معاشرتی مشکلات سے دوچار ہونا پڑے گا۔ روس اشتراکی انقلاب شروع کر رہا ہے۔ نہ معلوم کونسا ملک اس کو تکمیل تک پہنچائے گا۔ یہ چند بنیادی خیالات تھے جن کو لینن مختلف انداز سے بار بار تقریر و تحریر میں دُہرایا کرتا تھا۔

لینن کے چند سیدھے سادھے خیالات اس زمانہ میں اتنے عجیب اور دور از کار معلوم ہوتے تھے کہ خود بولشیوک اپنے قائد کے خیالات کی تائید کرنا اپنی فکری دیانتداری کے خلاف سمجھتے تھے

خود بولشیوک کے پاس لینن کے معترضین کا سوائے شانوں کی حرکت کے کوئی جواب نہ تھا اور جمہور اس کے سیاسی تخیل کو حالات و واقعات سے بالکل ہی بیگانہ خیال کرتے تھے معترضین آپس میں کہتے تھے "لینن شاید ابھی ستارۂ مریخ سے آرہا ہے۔ آئے دیر ہوئی نہیں کہ اُس نے عارضی حکومت پر قبضہ کرنے کی باتیں کرنا شروع کر دیں" لینن کے مخالفین کہتے تھے "جو شخص اس قسم کی لغو گوئی کر سکتا ہے وہ مخدوش نہیں ہو سکتا۔ اچھا ہوا کہ یہ روس آگیا۔ اب یہ اپنی تردید آپ ہی کر دے گا۔" کرنسکی نے جو بعد میں کچھ عرصے کے لئے وزیرِ اعظم روس رہا اپنے احباب کے حلقہ میں کہا "لینن کو روس آتے ہوئے چند ہی روز گزرے ہیں۔ ہنوز اس کو مکمل حالات و واقعات کا پورا علم نہیں۔ اس لئے وہ ہر معاملہ کو غیر حقیقی نقطۂ نگاہ سے دیکھ رہا ہے اب تک اس کو کسی نے اصل حالات بتانے کی کوشش نہیں کی۔ میں اس سے ملوں گا اور سمجھا دوں گا۔"

سرمایہ دارانہ دور کے تضاد کا مطالعہ کرنے کے بعد لینن اس نتیجہ پر پہنچا تھا کہ زمانہ اب اس دور کو مسترد کر چکا ہے جو دور اس کی جگہ لے گا اس کے خدوخال بھی تاریخی تقاضوں نے اس پر روشن کر دیئے تھے۔ عہدِ سلف کی تاریخ نے اس کو یہ بھی بتا دیا تھا کہ کوئی نیا دور از خود رائج نہیں ہوتا بلکہ اس کے لئے جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔ سرمایہ داری کے خلاف مزدور آمریت قائم کرنے اور جدوجہد جاری رکھنے کا طریقہ بھی انقلاب فرانس کے گہرے مطالعہ سے اس پر آشکارا ہو گیا تھا۔ یہ سب امور ایک رات میں اس کے قلب پر القا نہیں ہوئے بلکہ سالہا سال کی دماغ سوزی اور تجربے کا نتیجہ تھے۔ اس دماغ سوزی کے بعد جو لائحہ عمل اس نے تیار کیا اس کو جمہور ایک دن یا ایک ہفتے یا ایک مہینے میں کس طرح سمجھتے۔ چنانچہ مہینوں کی کوشش کے بعد اتنا ہوا کہ جمہور نے لینن کے پروگرام پر غور کرنا شروع کیا۔ جمہور کو غور و فکر پر آمادہ کرنا بڑی بات ہوتی ہے یہ لینن کی آدھی فتح تھی۔ یہ قدم کس دشواری سے اُٹھا وہ حالات اگلے ابواب کا موضوع ہیں۔

انقلابی عناصر کا اقدام

فروری میں انقلاب نے پہلا قدم اُٹھایا اور زار روس کو سرنگوں کرنے کے بعد زمام حکومت متوسط طبقے کے ہاتھ میں دے دی۔ اس ہنگامہ خیز ماہ کے بعد مارچ سے ستمبر تک انقلاب نے دوسری منزل سَر کرنے کے لئے رختِ سفر تیار کیا۔ اکتوبر میں منزل مقصود پر پہنچکر متوسط طبقہ سے زمامِ حکومت چھین کر مزدور طبقہ کو دے دی۔ فروری کی داستان ختم ہوئی۔ اب چند ابواب میں مارچ سے ستمبر تک انقلاب انگیز پارٹی کو جو مراحل طے کرنے پڑے اور جو واقعات پیش آئے اُن کی رُوداد پیش کی جاتی ہے۔ انقلاب سے جو زمانہ جتنا قریب ہوتا ہے اتنا ہی بلا خیز ہوتا ہے۔ چنانچہ اس زمانہ میں تمام روس دَرد و کرب سے کانپ رہا تھا۔ اگر ایک طرف انقلابی رجحانات غضب سے تھرّا رہے تھے۔ دوسری طرف عارضی حکومت خوف سے لرزاں تھی۔ فوج۔ مزدور۔ کسان سب عارضی حکومت سے عدم تعاون کر رہے تھے۔ فوج نہ صرف جرمن سے برسر پیکار ہونے سے انکار کر رہی تھی بلکہ اس نے اپنے سخت گیر افسروں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔ فوج کے بڑے بڑے صفیں چھوڑ کر فرار ہو رہے تھے جو صف بستہ تھے ان کا بھی یہی مطالبہ تھا کہ جرمنی سے فوراً صلح کر لی جائے حکومت کو بغاوت کی خبریں مِل رہی تھیں۔ ساتویں فوج کے اعلیٰ افسر نے اطلاع دی " ۴۷ نمبر رجمنٹ نے محاذ پر جانے سے انکار کر دیا۔ ۵۲ نمبر رجمنٹ نے نہ صرف جانے سے انکار کیا بلکہ اپنے افسروں کو گرفتار کر لیا۔ فوجی چیف نے حکومت کو اطلاع دی۔

"توپ خانے نے حملہ کرنے سے انکار کر دیا" ایک رجمنٹ کے کمانڈر نے خبر دی "کچھ دن سے پانچویں کمپنی میں ایک سپاہی آیا ہوا ہے جو لینن کا پیرو ہے۔ اس کی تبلیغ سے میرے بہترین سپاہی اور افسر صفیں چھوڑ کر فرار ہو گئے ہیں جو موجود ہیں ان کو اپنی جان کی حفاظت کرنی مشکل ہو رہی ہے" جنرل پتیان نے کہا "روسی فوج کی حالت اس درجہ خراب ہے کہ اس کا شیرازہ دشمن کا حملہ ہوتے ہی بکھر جائے گا" فوج جب جنگ سے انکار کر دے کون اس کو بر سرِ پیکار رہنے پر مجبور کر سکتا ہے۔ فوج کی اس نفسی کیفیت سے انقلابی رجحانات کی طاقت کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ انقلاب طاقتور اور عارضی حکومت کمزور ہوتی چلی جا رہی تھی۔ حکومت نے زمین کی ملکیت کے مسئلہ کو مجلس دستور ساز کے انعقاد تک کے لئے ملتوی کیا اس پر بجائے انتظار کرنے کے غریب کسان اور فلاکت زدہ دہقان نے بڑے بڑے زمینداروں۔ نوابوں۔ جاگیرداروں گرجاؤں۔ خانقاہوں کی آراضی پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ مارچ کی آخری تاریخوں میں عارضی حکومت کے پاس دیہات سے فسادات کی خبریں آنی شروع ہو گئی تھیں۔ لوگوروڈ کے حاکم نے خبر دی "کارپورل بانا سیوک نامی نے بغیر سمن کے ایک بڑے زمیندار کو گرفتار کر لیا" ۱۵ اپریل کو کارکوف کے صوبہ کی آراضی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ امیر زمینداروں کے ہتھیار ضبط کر لئے جائیں اس قسم کے انقلابی عمل روس کے طول و عرض میں عام تھے۔ اپنے جنگل سے لکڑی کاٹنا۔ آراضی میں کاشت کرنا۔ کھیتی کٹوانا۔ لگان وصول کرنا زمیندار کے لئے محال ہو گیا تھا حکومت کے استحکام پر یقین نہ رہے مستقبل میں تمام ملک پر جرمن قبضہ ہو جانے کے امکانات قوی ہوں محنت کے شجر کے بار آور ہونے تک زندہ رہنے کا کسی کو یقین نہ رہے۔ دیہات میں زمیندار اور کسان میں کشت و خون ہو رہا ہو۔ ان حالات میں کون ہل چلائے گا۔ چنانچہ عام طور پر دیہات میں کسان صرف اتنی آراضی کاشت کر رہا تھا جس کی پیداوار اس کے گھر والوں کے لئے کافی ہو جائے اور بس۔ دیہات میں پیداوار کم ہونے کا یہ نتیجہ ہوا کہ شہروں میں قحط پڑنے لگا۔

صنعت و حرفت کی حالت زراعت سے بھی خراب تھی۔ کارخانوں میں پرانی مشینیں

دو سال کے متواتر اور شدید استعمال سے بیکار ہو چکی تھیں۔ نیز جنگ کی وجہ سے نئی مشینوں کی آمد غیر ممکن تھی۔ ذرائع رسل و رسائل کا بہت بڑا حصہ جرمن گولہ باری کی نظر ہو چکا تھا جو باقی رہا وہ اتنا ناکافی اور خراب حالت میں تھا کہ کارخانوں میں خام اجناس کا پہنچانا ناممکن تھا۔ مشین بیکار اور ذرائع رسل و رسائل قریب قریب ختم ہو جائیں تو ملک میں کیا اقتصادی زندگی باقی رہ سکتی ہے۔ اقتصادی بدحالی کی ایک اہم وجہ یہ بھی تھی کہ روس میں سیاسی حالات تیز رفتاری سے بدل رہے تھے اور اشتراکی ملکیت کے خوف سے روس کے سرمایہ دار طبقہ نے ملک کی صنعت و حرفت سے اپنا سرمایہ کھینچ لیا تھا جس کی وجہ سے مارچ سے جون تک ۲۶۲ کارخانے بند اور ۵۶۰۰۰ ہزار مزدور بیکار ہو گئے تھے۔ روبل کی قیمت اس قدر گر گئی تھی کہ معمولی شے خریدنے کے لئے ہزاروں روبل کی ضرورت ہوتی تھی۔ حکومت بہت بڑی تعداد میں نوٹ چھاپ رہی تھی لیکن وہ بھی ضرورت کے لئے بہت ناکافی تھے۔ جس طرح افلاس زدہ انسانوں کو قرضہ نہیں ملتا۔ اسی طرح تباہ حال ملک بھی بے یار و مددگار رہ جاتا ہے۔ دارالسلطنت میں صرف پندرہ روز کا سامان خوردنی موجود تھا۔ حکومت قرض کی خواہاں تھی لیکن کسی سمت دوستی کا ہاتھ بڑھتا ہوا دکھائی نہیں دیتا تھا۔ البتہ عارضی حکومت کا دستِ طلب بڑھا دیکھ کر مقید شاہی خاندان نے یہ اعلان کیا کہ ان کی پنشن میں اضافہ ہو جانے پر وہ حکومت کو معقول رقم قرض دینے کے لئے تیار ہے۔ شاہی خاندان کے جور و ستم کا بدلہ عارضی حکومت ہنوز پنشن کی شکل میں ادا کر رہی تھی اور جمہور اس طریقۂ عمل کے شاکی تھے۔ شاہی خاندان کی طرف سے یہ اعلان ہونے پر جمہور کو شہنشاہیت کے عود کر آنے کے امکانات دکھائی دینے لگے۔ اب عوام نے پہلے سے زیادہ شدّت سے جارحانہ کارروائی شروع کر دی۔

مزدوروں کا یہ مطالبہ تھا کہ سرمایہ دار طبقہ کے اس تخریبی رویّہ کی بنا پر کہ اس نے صنعت و حرفت سے سرمایہ کھینچ لیا ہے حکومت کو تمام کارخانے اپنی تحویل میں لے لینا چاہئیں اپنے سیاسی تخیّل کو عملی جامہ پہنانے کے لئے مزدور ملک کے طول و عرض میں ہڑتالیں کر رہے تھے

اقتصادی اور سیاسی بے چینی انقلابی رجحانات کے لئے ہمیشہ سازگار ہوتی ہے۔ انقلاب بھوک پیاس پر پھلتا پھولتا ہے۔ سیاسی کشمکش انقلاب کے لئے مشعل راہ کا کام دیتی ہے جہاں دیدہ بولشیوک حکومت کی ہر خامی اور غلط اقدام سے فائدہ اٹھا رہے تھے جون کے مہینے میں موسکو سوویٹ میں **۲۰۶ بولشیوک** ۷۶ امینشوک اور ۱۱۰ سوشل انقلابی کی نسبت تھی۔ اگرچہ مجموعی طور پر بالشیوک کی تعداد ہنوز کم تھی لیکن ہر تنہا پارٹی سے زیادہ تھی۔ ماسکو کے علاوہ بھی دوسرے مقامات پر سوویٹ اداروں میں بالشیوک آہستہ آہستہ غلبہ پاتے جا رہے تھے۔ پیٹروگریڈ میں اپریل کے آخر میں بالشیوک پارٹی کے ۱۵۰۰۰ ممبر ہو گئے تھے لیکن جون کے آخر میں اُن کی تعداد ۳۲۰۰۰ ہزار تک پہنچ گئی تھی۔ لینن اور اس کے چند ساتھی جو انگلیوں پر شمار ہو سکتے تھے آج ایک طاقتور جمعیت بن گئے تھے۔ مونشیوک اور سوشل ڈیموکریٹ نے بالشیوک پارٹی کی طاقت بڑھتی دیکھی تو آپس میں تعاون کرنا شروع کر دیا اور ایک مشترکہ کابینہ بنالی جس میں شاہزادہ لووف بدستور وزیر اعظم رہے۔ جس کابینہ کا وزیر اعظم ایک شاہزادہ ہو اس کے سیاسی رجحانات کا قیاس کیا جا سکتا ہے۔ جمہور میں سیاسی بے چینی اس درجہ بڑھ گئی تھی کہ فضا میں کوئی بڑا حادثہ اپنا سایہ ڈالتا معلوم ہوتا تھا لیکن ہنوز کسی کو اس کی نوعیت کا علم نہ تھا۔ عوام کسی غیر معمولی خبر کی امید کر رہے تھے کہ کیڈٹ پارٹی کے چار وزراء کے استعفے کی خبر آئی۔ واقعہ یہ تھا کہ ان وزیروں کو جب خفیہ طور پر ایک بہت زبردست شکست کی خبر ملی انھوں نے شکست کی ذمہ داری سے بچنے کے لئے اس خبر کے نشر ہونے سے قبل ہی استعفے دے دیئے تاکہ جمہور کی سرزنش سے بچ جائیں۔

چند روز بعد شکستوں کی خبریں نشر ہونے پر فوج کا پیمانہ صبر لبریز ہو گیا اور مشین گن کی رجمنٹ نے یہ تجویز منظور کی کہ مسلح فوج کا مظاہرہ کر کے حکومت پر فوراً صلح کر لینے کے لئے زور ڈالنا چاہیئے۔ جانِ عزیز کو رائگاں ہوتا نہیں دیکھا جاتا۔ اگر فتح کی جھلک بھی ہوتی تو شاید فوج صبر سے شکستوں کی خبریں سنتی رہتی لیکن جب اسلحہ کی کمی نے اس کو شکست کا یقین دلا دیا۔ اس حالت میں ظاہر تھا کہ سپاہی اپنی جان کیوں ضائع کرتا۔ مظاہرہ طے پانے پر مشین گن

رجمنٹ نے اپنے نمائندے دوسری رجمنٹوں اور فیکٹریوں کو مظاہرہ میں شرکت کی دعوت دینے کے لئے روانہ کردیئے اور یہ ہدایت کردی کہ جو شرکت کی نیت سے آئے مُسلح ہو کر آئے۔ لیکن بالشیوک پارٹی انقلابی اقدام کو ہنوز قبل از وقت خیال کر رہی تھی اور انقلابی عناصر کو مظاہرے سے روکنا چاہتی تھی۔ لیکن انقلابی امنگیں ان کے ہم آہنگ نہ تھیں۔ ایک فیکٹری کمیٹی کے بالشیوک سکریٹری نے جب مزدوروں کو مظاہرہ میں حصّہ لینے سے قبل پارٹی سے مشورہ لینے کو کہا تو اس پر ایک مزدور نے جواب دیا "پارٹی پر لعنت بھیجو تم حالات کو پھر التوا میں ڈالنا چاہتے ہو ہم اس طرح زندہ رہنا نہیں چاہتے" مزدور بے آرام و بے عزت زندگی سے اس کو بہتر خیال کرتا تھا کہ تاریکی میں چھلانگ مار دے۔ عام انقلابی رجحانات کا اس واقعہ سے اندازہ ہوتا ہے کہ جب فرانس کے نئے سفیر نے روس آکر سفارت کا عہدہ سنبھالا اس وقت فرانس کے مشہور نامہ نگار کلاڈ انیٹ نے دوران گفتگو میں سفیر سے کہا "آپ کے سفارت خانہ کے دوسری جانب دریائے نیوا کے کنارے ویبروک کا ضلع واقع ہے وہاں بہت بڑے بڑے کارخانے ہیں جن پر لینن اور ٹروٹسکی حکومت کرتے ہیں۔ اس ضلع میں مشین گن رجمنٹوں کی بارگیں بھی ہیں جن میں سے جن پر بولشیوک کا اثر ہے۔ اگر یہ دونو بولشیوک لیڈر پیٹرو گریڈ پر قبضہ کرنا چاہیں تب اُن کو کوئی روک نہیں سکتا" اس اطلاع پر سفیر نے تعجب سے دریافت کیا "عارضی حکومت ان حالات کو کیسے برداشت کر رہی ہے" نامہ نگار نے جواب دیا "آخر حکومت کر ہی کیا سکتی ہے" انقلابی حالات اتنے سخت ہو گئے تھے کہ باوجود بولشیوک کا ویبروک کے ضلع کے مزدور اور فوج پر اثر ہونے کے جب اکابر بولشیوک نے ان کو فوری انقلابی اقدام سے منع کیا وہ نہ مانے اور مسلح ہو کر مظاہرہ میں شرکت کے لئے نکل کھڑے ہوئے۔ ویبروک کے ضلع کے مظاہرہ میں شریک ہونے کے بعد بولشیوک پارٹی بھی اُن کی سرگردی کرنے پر مجبور ہو گئی۔ ۳ جولائی کو از سر نو پیٹرو گریڈ نے فروری کے انقلابی ایام کا منظر دیکھا مسلح فوج کا سڑکوں پر مظاہرہ۔ جمہور کے انقلابی نعرے۔ انقلابی سرفروشوں کی قدم قدم پر تقریریں۔ اجتماعی جوش و خروش۔ عورتوں کی اُمڈی ہوئی چیخ و پکار۔ یہ مناظر انقلابیوں میں فرید

جوش پیدا کر رہے تھے۔ رات کے ½۱۰ بجے اس مجمع نے جلسہ کیا اور ایک نئے ادارے "روس کی مرکزی انتظامیہ کمیٹی" کی بنیاد ڈالی۔ اس نئے ادارے نے وجود میں آتے ہی حسب ذیل چھ مطالبات عارضی حکومت کے سامنے پیش کر دیئے:۔

(۱) سب برجوازی وزراء برطرف کر دیئے جائیں۔

(۲) تمام طاقت سوویٹ کو دے دی جائے۔

(۳) جرمنی کے خلاف جارحانہ کارروائی بند کر دی جائے۔

(۴) برجوازی پریس پر قبضہ کر لیا جائے۔

(۵) زمین کسان کی ملکیت میں دے دی جائے۔

(۶) ملک کی صنعت و حرفت مزدور کے قبضہ میں دے دی جائے۔

ان مطالبات سے مسلح ہو کر مجمع مجلس عاملہ کے دفتر کی سمت روانہ ہو گیا۔ رات کے ۲ بجے ۸۰ ہزار مرد عورتیں بچے محل پر پہنچے اور انھوں نے مجلس عاملہ سے یہ مطالبہ کیا کہ وہ حکومت سے جمہور کے مندرجہ بالا چھ مطالبات منوائے اور عارضی حکومت کے گریز کرنے پر مجلس عاملہ کو عارضی حکومت کی برطرفی کا اعلان کر دینا چاہیئے تاکہ سوویٹ بلا شرکت غیرے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لیں۔

مجلس عاملہ اگرچہ مزدور طبقہ کا مرکزی ادارہ تھا جس کی شاخیں تمام ملک میں پھیلی ہوئی تھیں لیکن وہ احساس کمتری کا شکار ہو کر عارضی حکومت کے ساتھ تعاون کر رہی تھی۔ مجلس عاملہ بھی اس انقلابی مظاہرے اور مطالبات کے اتنے ہی خلاف تھی جتنا کہ عارضی حکومت اور یہ دونوں مل کر جمہور کے اس انقلابی اقدام کو کچلنا چاہتے تھے۔ خود مزدور ادارہ ہی جمہور کے انقلابی اقدام کو فنا کرنا چاہے عارضی حکومت کیوں نہ اس کی ہمت افزائی کرے۔ مجلس عاملہ نے یہ چال چلی کہ بظاہر جمہور کے نمائندوں سے صلح کی گفتگو کی اور ان کے مطالبات پورا کرنے کی تدابیر پر بحث و مباحثہ شروع کیا لیکن درپردہ عارضی حکومت اور مجلس عاملہ وفادار

فوج فراہم کرنے اور مجمع کو طاقت کے ذریعہ سے منتشر کرنے کی کوشش میں لگ گئے۔ اس زمانہ میں عارضی حکومت اور مجلس عاملہ کی کس مپرسی کا یہ عالم تھا کہ باوجود ہر امکانی کوشش کے یہ دونوں ادارے کوسک فوج کے صرف دو دستے فراہم کر سکے جو آتے ہی مجمع پر حملہ آور ہو گئے ان دستوں کے گولی چلانے پر مسلح مجمع نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا اور تعجب خیز یہ امر ہے کہ اس نبرد آزمائی میں کوسک فوج کو شکست ہوئی۔ لیکن دو دن کی متواتر کشمکش سے بھوکا پیاسا مجمع مضمحل ہو گیا تھا۔ دوسرے مجلس عاملہ انقلابی نمائندوں سے مصالحت کی گفتگو کر رہی تھی۔ مجمع کا خیال تھا کہ مطالبات کا کچھ حصہ مان لیا جائے گا اور حکومت کی تنظیمی رفتار میں تیزی آجائے گی۔ اس گمان کے ماتحت مظاہرہ ختم کر دیا گیا۔

بولشیوک کو شکست

جمہور دفعتاً انقلابی قدم اٹھائیں اور حکومت ان کے خلاف کوئی کامیاب جارحانہ کارروائی نہ کرسکے بلکہ یہ کہنا زیادہ درست ہوگا کہ جارحانہ کارروائی کرے اور ناکامیاب رہے ان حالات میں حامیان انقلاب کیوں نہ مسرور ہوتے۔ ۳ر جولائی کے انقلابی نظاروں نے بولشیوک کو اشتراکی انقلاب کے امکانات کا یقین دلایا تھا۔ ۴ر جولائی کو مجلس عاملہ اور انقلابی احرار میں جو مصالحت کی گفتگو شروع ہوئی تھی وہ ہنوز جاری تھی اور یہ امید کی جارہی تھی کہ بلا کشت وخون کے ملک کے سیاسی نظام میں تبدیلی ہوجائے گی۔ لینن کو مستقبل امید افزا معلوم ہورہا تھا۔ اس کو یہ علم نہ تھا کہ ظاہر مجلس عاملہ اور عارضی حکومت انقلابیوں سے مصالحت کی گفتگو کررہی ہیں اور پس پردہ انقلاب کو قطعی طور پہ فنا کرنے کی تدابیر اختیار کررہی ہیں اس سلسلہ میں رجعت پسند عناصر نے حیلے اور جارحانہ عمل سے کام لیا۔ اول یہ کہ لینن کے جرمن جاسوس ہونے کے جعلی کاغذات مرتب کئے اور حکومت نے اس خبر کو گشت دیا کہ ایک سنگین سازش پکڑی گئی ہے جس سے لینن کا جرمن جاسوس ہونا پایۂ ثبوت کو پہنچ گیا ہے۔ ۴ر جولائی کو مجلس عاملہ کا اجلاس انقلابیوں سے مصالحت کی شرائط پر بحث ومباحثہ میں سرگرم تھا کہ لینن کی جعلی سازش کی یکایک خبر آئی۔ مجلس عاملہ کے دو سو نمائندے بحث ومباحثہ ترک کرکے اس خبر پر تبصرہ کرنے لگے۔ اگلے روز یہ خبر تمام روسی اخبارات نے

جلی سرخیاں دے کر نشر کی۔ اور لینن کے سربمہر گاڑی میں جرمنی سے گزرنے کو اس کے جرمن جاسوس ہونے کے ثبوت میں پیش کیا جانے لگا۔ حکومت نے دوسری تدبیر یہ کی کہ محاذِ جنگ سے وفادار فوج بلوائی تاکہ انقلابی جوش کو بالجبر دبا دیا جائے۔

چنانچہ جب عارضی حکومت نے شاید مجلس عاملہ کے مشورے سے لینن کے جرمن جاسوس ہونے کا افسانہ نشر کیا۔ انقلابی جمہور اور فوج متاثر ہو گئے۔ ادھر یہ افواہ عوام میں اپنا زہریلا اثر پیدا کر رہی تھی کہ ۵ جولائی کو محاذ سے وفادار فوج بھی آگئی جس نے آتے ہی بولشیوک کے اسلحہ ضبط کرنے شروع کر دیئے اور بولشیوک ملاحوں اور سپاہیوں کے ہتھیار چھین ان کو پیٹر پال کے قلعہ سے نکال دیا۔ نیز بولشیوک کا اخبار پراودا بند اور پریس بیکار کر دیا گیا۔ صرف یہی نہیں بلکہ حکومت نے بولشیوک کے صدر دفتر پر بھی قبضہ کر لیا اور تمام احرار کو حراست میں لینا شروع کر دیا

اس زمانے میں حکومت نے لینن کے سر پر قیمت لگا دی تھی حسن اتفاق کہ لینن حکومت کے چھاپہ مارنے سے چند منٹ قبل مکان سے فرار ہو چکا تھا۔ دو چار لمحوں کی تاخیر لینن کی موت بن کر نمایاں ہوتی اور نہ معلوم انقلابی حالات کس سمت بہہ نکلتے۔

لینن نے فرار ہو کر ایک مزدور کے مکان میں پناہ لی۔ بعد ازاں کئی ہفتے پیٹرو گریڈ کے گردو نواح کے جنگلوں میں چھپتا پھرا۔ رات کو بارش سے بچنے کے لئے گھاس کے تودوں میں بسر کرتا۔ آخر کار ایک آگ بجھانے والے کا لباس پہن فن لینڈ کی سرحد میں داخل ہو گیا۔ لینن کے روس سے فرار ہو جانے پر رجعتی عناصر نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جرمن کا جاسوس جرمنی کی آبدوز کشتی میں بیٹھ کر جرمنی پہنچ گیا۔ اور اگر روس میں ہے تب اس کو چاہیئے کہ قانونی عدالت کے سامنے آجائے تاکہ اس پر باقاعدہ مقدمہ چلایا جائے۔ حکومت کے اس پروپیگنڈے سے عوام اور بھی متاثر ہوئے اور بولشیوک کا شیرازہ زیادہ پریشان ہو گیا۔ ایک مشہور بولشیوک ۹ جولائی کو اپنی یادداشت میں اندراج کرتا ہے "ہمارے تمام چھاپے خانے بند کر دیئے گئے ہیں کوئی پریس ہمارا اخبار شائع کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اگر پریس کا مالک تیار بھی ہو جاتا پریس کے مزدور کام کرنے

سے انکار کر دیتے ہیں۔ اس لئے ہم نے ایک زمین دوز پریس جاری کر دیا ہے۔ یہ زمانہ ہمارے لئے اس قدر نازک ہو گیا ہے کہ ہم چھپ کر ریٹوڈ فیکٹری کے چوکیدار کی کوٹھڑی میں اپنی کمیٹی کا اجلاس کرتے ہیں۔ آج کل اس امر پر بحث ہو رہی ہے کہ ہڑتال کرنی چاہیئے یا نہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ اکثر اداروں سے بولشیوک نکالے جا رہے تھے۔ پارٹی کے بہت سے ممبر استعفیٰ دے کر دوسری سیاسی پارٹیوں میں شریک ہو گئے تھے یا انھوں نے گوشہ نشینی اختیار کر لی تھی یا کو تلیفا جو بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی کا ممبر تھا اس زمانے کے حالات قلمبند کرتے ہوئے تحریر کرتا ہے:۔

"اکثر مقامات پر بولشیوک مقررین کو جمہور زدوکوب کر رہے تھے۔ ہماری پارٹی کے ممبر اتنی بڑی تعداد میں استعفے دے رہے تھے کہ جنوبی صوبوں میں بولشیوک پارٹی کا نام و نشان بھی نہ رہا تھا۔"

رجعت پسند عناصر کی جدّوجہد

بولشیوک کی شکست پر دو سیاسی پارٹیاں حکومت کی دعویدار بن گئیں۔ ان میں سے ایک شہنشاہیت اور دوسری جمہوریت پسند تھی۔ ان دونوں کا زاویۂ نگاہ ایک دوسرے سے اس قدر مختلف تھا کہ آپس میں عملی تعاون ناممکن تھا۔ بولشیوک کی طرف سے انقلابی خطرے نے اُن کو ایک دوسرے سے بغلگیر ہونے پر مجبور کردیا لیکن سیاسی اختلاف کی بنا پر وہ ایک دوسرے سے مکمل طور پر متحد نہ ہوسکیں۔ شہنشاہیت پسند گروہ کا لیڈر روسی فوج کا کمانڈر انچیف جنرل کورنیلوف اور جمہوری گروہ کا روس کا وزیرِ اعظم کرینسکی تھا۔ ایک کو کمانڈر انچیف ہونے پر گھمنڈ تھا دوسرے کو وزیرِ اعظم ہونے پر ناز تھا۔ فرانس کا مشہور نامہ نگار کلاوڈ انیٹ وزیرِاعظم کی بابت لکھتا ہے ”کرینسکی کا وقار کم ہونے کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ وہ اپنے تئیں زار خیال کرنے لگا تھا۔ اکثر زار کے محلوں میں رہتا اور اس کے بستر پر سوتا۔ اس قسم کا تکبر روس جیسے سادہ ملک میں جمہور کو اپنے لیڈر سے بدظن کردینے کے لئے کافی تھا۔“

کورنیلوف کی خصوصیات بیان کرتا ہوا جنرل مارنیف لکھتا ہے ”اگرچہ معمولی دماغ کا انسان تھا لیکن خود اعتمادی ازحد تھی۔ کام کرنے کا شوقین تھا۔ لالچی نہیں بلکہ بہادر تھا۔ البتہ وسعتِ نظر اور تنظیمی قابلیت نہ تھی۔ اور چونکہ مزاج میں جلد بازی تھی۔ اس لئے کوئی کام نقشہ کے مطابق نہیں کرسکتا تھا۔ جنگِ عظیم میں نمبر ۴۸ ڈویژن تمام کا تمام اس کی حماقت سے تباہ ہوگیا چونکہ وہ پسپا

ہوتی ہوئی فوج میں تنظیم قائم نہ رکھ سکا۔ وہ وقت پر فوری فیصلہ نہیں کر سکتا تھا اور عمل کا وقت غور و فکر میں گزار دیتا تھا" ادھر ان دونوں لیڈروں کی آپس کی چشمک نے جمہور کو ان دونوں سے بیزار کیا اُدھر محاذ سے شکستوں کی خبروں نے ان کے وقار کو خاک میں ملایا اور جس نسبت سے ان دونوں کا وقار کم ہوتا گیا اسی نسبت سے جمہور کا بالشیوک پارٹی پر اعتماد اور یقین بڑھتا گیا۔

محاذ پر شکستوں کی خبروں کے اثرات کو زائل کرنے اور اپنے گرتے ہوتے اثر کو سہارا دینے کے لئے کرنسکی نے ایک کانفرنس منعقد کی۔ مدعا یہ تھا کہ اس کانفرنس کے مختلف الخیال نمایندوں کو ایک دوسرے سے برسرپیکار کر کے اپنے اثر کو قائم کیا جاتے۔ چنانچہ صدر وزیر نے اس مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کانفرنس میں بورژوازی طبقے کو زیادہ نمایندگی دی۔ اس بے انصافی پر بولشیوک پارٹی نے صدائے احتجاج بلند کی اور کانفرنس کی شرکت کے کارڈ واپس کر دیے۔ مزدور طبقہ عام طور پر اس غیر منصفانہ نمایندگی کے خلاف تھا۔ چنانچہ ماسکو میں مزدور طبقے نے ہڑتال کر دی جس میں چار لاکھ جمہور نے حصّہ لیا۔ باوجود مزدور طبقے کے احتجاج کے کانفرنس ہوئی اور کیوں نہ ہوتی اس کانفرنس میں کرنسکی اور کورونیلوف اپنی اپنی طاقت کا مظاہرہ کرنے والے تھے یہ دونوں لیڈر اپنے کرّوفر سے جمہور کو مرعوب کر کے تاریخی رجحانات کا رُخ بدلنا چاہتے تھے اس کے برخلاف شکست ہو جانے کے باوجود بولشیوک سعی کرتے رہے جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ انقلابی از سر نو طاقتور ہو گئے۔ بولشیوک کا اثر بڑھتا دیکھ کر عارضی حکومت نے بالشیوک کے مرکزی مقام ریگا کو جرمنی کے ہاتھوں فنا کرانے کی ٹھان لی۔ اس شہر کو جرمن حملہ سے خطرہ پیدا ہونے پر حکومت نے نہ صرف مدافعت کا انتظام کیا بلکہ مسرور ہوئی کہ اب بولشیوک تباہ ہو جائیں گے۔ امریکہ کا مشہور جرنلسٹ جون ریڈ جو اس زمانہ میں روس میں مقیم تھا اپنی یادداشت میں لکھتا ہے "روس کا امیر طبقہ انقلابی حکومت کی نسبت جرمن حکومت کو بدرجہا بہتر خیال کرتا تھا۔ اور اس کو قبول کرنے کے لئے تیار تھا۔ ایک روز میں ماسکو کے ملک التجار کے یہاں چاتے پر مدعو تھا۔ میز پر گیارہ مہمان تھے دورانِ گفتگو میں یہ استفسار ہوا کہ حاضرین بولشیوک کی حکومت منظور کرینگے

یا قیصر کی۔ اس پر رونسٹن نے قیصر کی رائے دی۔ شمالی محاذ پر فوجی افسروں سے گفتگو کرنے سے یہ انکشاف ہوا کہ وہ سپاہیوں کی کمیٹیوں کے ساتھ تعاون کرنے سے اس کو زیادہ بہتر خیال کرتے ہیں کہ شکست ہو جائے۔"

میلیکوف اپنی مشہور تصنیف 'تاریخ روس' میں تحریر کرتا ہے "کورنیلوف نے مجھ سے یہ ذکر کیا کہ ریگا پر جرمن قبضہ ہو جانے دو۔ اس کا یہ نتیجہ ہو گا کہ جمہور میں عارضی حکومت کا وقار ختم ہو جائے گا اس وقت میں خاص فوج لے کر موسکو پر حملہ کر دوں گا اور اپنی آمریت قائم کر لوں گا۔ اس نے اپنی ڈکٹیٹر شپ کے اعلان کے لئے ۲۷ اگست مقرر کر رکھی تھی۔" جب شکست خوردہ روسی فوج ریگا سے فرار ہو رہی تھی اس وقت سیاسی ضرورت کو مد نظر رکھ کر کورنیلوف نے اپنے ایک محرم راز جنرل کو یہ پیغام بھیجا "عوام کے سامنے میدانِ جنگ سے فرار ہونے کے جرم میں چند فرار شدہ فوجیوں کے گولی مار دو تا کہ جمہور کو یہ گمان نہ گذرے کہ ریگا کی شکست ہماری تدابیر کا نتیجہ ہے۔" ریگا کی شکست شہنشاہیت پسند عناصر کی خفیہ تدابیر کا نتیجہ تھی۔ اس شکست سے عارضی حکومت کا وقار بہت کم ہو گیا تھا جس کی نسبت سے کرنسکی کا وقار گرا اسی نسبت سے کورنیلوف کا بڑھا یہاں تک کہ بیرونی ممالک کی نظریں بھی کورنیلوف پر پڑنے لگیں۔ اس زمانہ میں نہ صرف انگلستان کا سفیر کورنیلوف کی ہمت افزائی کر رہا تھا بلکہ عارضی حکومت کے سفیر مقیم پیرس نے کرنسکی کو تار دیا "فرانس کا وزیر خارجہ دریافت کرتا تھا کہ کرنسکی کی کابینہ میں کون باہمت اور باعمل ہے۔ نیز پریذیڈنٹ پنکارے نے کورنیلوف کی بابت مجھ سے بہت سے سوالات کئے۔" بیرونی سرمایہ دار ممالک کورنیلوف میں دلچسپی لینے لگے اس پر کرنسکی اپنی شخصیت و وقار کو برقرار رکھنے کی تدابیر میں زیادہ سرگرم ہو گیا۔

کرنسکی کو کورنیلوف سے خطرہ پیدا ہونے پر اس نے فوج کے کچھ حصے کو اپنے زیر اثر لانا چاہا اور اس بہانے سے کہ پیٹرو گریڈ میں بولشیوک کو کچلنے کے لئے فوج درکار ہے۔ کمانڈر انچیف سے فوج طلب کی۔ کورنیلوف اس مطالبہ کا پوشیدہ مقصد سمجھ گیا اور اس نے کرنسکی کو حسب ذیل

پیغام روانہ کیا۔ دارالسلطنت میں چونکہ حالات مخدوش ہوتے جارہے ہیں اس لئے کابینہ کے تمام وزراء کو میرے پاس آجانا چاہیئے یہ مقام محفوظ ہے۔ کورنیلوف کے دعوت نامہ کا مطلب کرنسکی سمجھ گیا اس نے یہ عملی جواب دیا کہ کابینہ کو برخاست کرکے اپنی شخصی آمریت قائم کردی نیز اپنی سیاست کی اس طور پر طرح ڈالی کہ بولشیوک سے اشتراک عمل کرکے کورنیلوف پر شدید ضرب لگانی چاہیئے۔ چنانچہ اِدھر کرنسکی نے بولشیوک سے سلسلہ جُنبانی شروع کی اور اُدھر کورنیلوف سے یہ مطالبہ کیا کہ اپنا عہدہ چیف آف اسٹاف کو سپرد کرکے فوراً پیٹروگریڈ حاضر ہو۔ کورنیلوف اس حکم کا ایک ہی جواب دے سکتا تھا اور اس نے وہی جواب دیا یعنی عَلَم بغاوت بلند کردیا اور یہ اعلان کیا "میں جنرل کورنیلوف اعلان کرتا ہوں کہ عارضی حکومت بولشیوک پارٹی اور سوویٹ کے اثر میں آکر جرمنی کے فوجی محکمہ کے حکم کے مطابق عمل کررہی ہے۔ اس نازک وقت میں جبکہ جرمن افواج ریگا پر قبضہ کرچکی ہیں محاذ کو مزید مستحکم کرنا ازبس ضروری ہے۔ عارضی حکومت پیٹروگریڈ کے لئے فوج چاہتی ہے میں غدار عارضی حکومت کے ہاتھ میں فوج کی قسمت نہیں دے سکتا۔" کورنیلوف نے نہ صرف یہ اعلان کیا بلکہ فوج کو پیٹروگریڈ کی طرف کوچ کرنے کا حکم دے دیا۔ اس وقت کرنسکی کی بہت کس مپرسی کی حالت تھی۔ بے یارومددگار۔ بلا فوج و اسلحہ اس کو اپنے مقابل کورنیلوف کو روکنا محال معلوم ہوتا تھا کورنیلوف کی فوج کوچ درکوچ دارالسلطنت کی طرف بڑھتی چلی آرہی تھی۔ برجوازی طبقہ اس شہنشاہیت پسند جنرل کی فتح و کامرانی پر مسرور تھا۔ برجوازی اخبارات کمانڈر انچیف کے اس اقدام کی لمحہ لمحہ کی خبریں گہری سُرخیوں سے شائع کررہے تھے۔ اسٹوک اکسچینج پر بھی اجناس کے دام زیادہ ہوگئے تھے۔ ان حالات میں کرنسکی اپنے عہدے سے استعفٰی دینے ہی والا تھا کہ کسی نے اس کے کمرے پر دستک دی۔ دروازہ کھولنے پر یہ علم ہوا کہ سوویٹ کی جنگی کمیٹی کے نمائندے یہ پیغام لائے ہیں کہ اگر کرنسکی ازسرنو جمہوریت کا اعلان کردے اور اسٹیٹ ڈوما کو منسوخ کردے۔ نیز اراضی کے متعلق مراعات دیدے اس شکل میں سوویٹ کورنیلوف کے

خلاف کرنسکی کی مدد کرنے پر آمادہ ہیں۔ جہاں دیدہ کرنسکی اس وفد کا پوشیدہ مقصد سمجھ گیا سوویٹ کرنسکی کو کورنیلوف پر ترجیح دیتے تھے دوسرے اب ان کو کرنسکی کی جانب ہو کر کورنیلوف کو تباہ کرنے کا زرّین موقع مل گیا تھا۔ اگرچہ کرنسکی نے سوویٹ کے مطالبات ماننے سے انکار کر دیا تاہم اس زرّین موقع سے فائدہ اُٹھانے کی خاطر سوویٹ کرنسکی سے تعاون کرنے لگے۔ اس تعاون کا یہ اچھا نتیجہ نکلا کہ کرنسکی نے اپنے مفاد کی خاطر مزدوروں کو مُسلّح کرنے کی اجازت دیدی۔ حالات وواقعات نے کرنسکی کے ہاتھ سے اس کے گورکنوں کو مُسلّح کرا دیا کرنسکی اگر مزدوروں کو مُسلّح ہونے کی اجازت نہ دیتا تب کورنیلوف کا شکار بنتا۔ مزدوروں کو مُسلّح ہونے کی اجازت دیدی اور اپنے خلاف ایک انقلابی طاقت کھڑی کر لی۔ اگست کی آخری تاریخوں میں چالیس ہزار مزدور مُسلّح ہو گئے اور انھوں نے کورنیلوف کی بڑھتی ہوئی فوج کے مقابلے کی تیاریاں شروع کر دیں ۳۰ اگست کو جب کورنیلوف کی افواج نے پیٹروگریڈ کے نواح پر حملہ کیا اس وقت یہ مُسلّح مزدور اس خونخواری سے لڑے کہ دشمن کو فرار ہوتے ہی بن پڑی۔ شکست فاش ہونے پر کورنیلوف نے ہتھیار ڈال دیئے۔ ۳۱ اگست کو کورنیلوف کے صدر دفتر سے کرنسکی کے نام حسب ذیل تار موصول ہوا "کورنیلوف موجودہ ملکی حالات پر نظر رکھتے ہوئے فوج کی کمانڈ سے دست بردار ہونے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ ایک مضبوط مرکزی حکومت وجود میں آجائے۔ اور جو فوجی افسر اس کی معیت میں لڑے ہیں ان کو گرفتار نہ کیا جائے" اس اطلاع پر کرنسکی کی مسرّت کی کوئی انتہا نہ رہی لیکن چند روز بعد ہی کرنسکی کی مسرت بولشیوک کے انقلابی اقدام سے منغص ہونی شروع ہو گئی۔ کرنسکی کی اپنی سیاسی ضرورت نے اس کے اپنے ہاتھ سے مزدوروں کو میدانِ جنگ کا تجربہ کرا دیا جب وہ میدانِ جنگ کی آگ سے خود اعتمادی کا پیکر بن کر واپس آئے انھوں نے کرنسکی کی بساطِ سیاست اُلٹنے کی کوشش شروع کر دی۔ انقلابیوں سے خطرہ پیدا ہونے پر صدر وزیر نے دوسری چال چلی۔ اس نے کورنیلوف سے متحد ہو کر بولشیوک کو اپنی ہوس کا شکار بنانا چاہا۔ اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے کرنسکی نے کورنیلوف کو از سر نو روسی فوج کا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا

کل کا بائی آج کمانڈر انچیف مقرر کیا جا رہا تھا لیکن کرنسکی کی سعی کے باوجود جمہور کے سیاسی دباؤ نے کورنیلوف کا تقرر کمانڈر ان چیف کے عہدے پر نہ ہونے دیا اور عارضی حکومت کورنیلوف اور اس کے شریک کار کو حراست میں لینے پر مجبور ہو گئی۔ مگر یہ حراست بھی غیر حقیقی تھی۔ ان نظر بندوں کے بیرونی دنیا سے تعلقات بدستور قائم تھے اور برجوازی طبقے نے کورنیلوف کی خدمت میں چار لاکھ روبل ہدیہ عقیدت کے طور پر پیش کر دیئے تھے۔ اس رقم کو اس نے بصد شکریہ قبول کر لیا تھا۔ اگرچہ کرنسکی نے جمہور کے دباؤ سے کورنیلوف کو نظر بند کر دیا تھا لیکن اپنے بنیادی تخیل یعنی غیر بولشیوک عناصر کو ایک لڑی میں پرونے اور ان کی مدد سے بولشیوک پر ضرب لگانے کا خیال ترک نہیں کیا تھا۔ اس تخیل کے ماتحت کرنسکی نے اب رجعت پسند پارٹیوں کے پانچ ممبروں کی ایک ڈائیرکٹری بنائی جس کا وہ خود صدر بن گیا اس ڈائرکٹری نے اپنی سیاست کے مطابق شہنشاہیت پسند نظر بندوں کو رہا کر دیا لیکن کورنیلوف کے ساتھیوں کو جو بغاوت کے الزام میں نظر بند تھے رہا کرنے پر کرنسکی کے لئے اکابر بولشیوک کو قید میں رکھنے کا کوئی معقول عذر نہ رہا۔ چنانچہ حکومت کو بولشیوک کو بھی رہا کرنا پڑا۔ البتہ ان کے ساتھ یہ تخصیص کر دی کہ ان کو ضمانت پر آزادی دی۔ اس طرح ۴ ستمبر کو تین ہزار روبل کی ضمانت پر ٹروٹسکی کو آزادی دے دی گئی۔ بولشیوک نے آزاد ہوتے ہی سیاسی جدوجہد شروع کر دی۔ کرنسکی نے اس کا یہ سدباب کیا کہ بولشیوک کی مخالف پارٹیوں کو ایک لڑی میں پرونے کے لئے ایک جمہوری کانفرنس کا انعقاد کیا۔ ۱۴ ستمبر کو اجلاس شروع ہوا۔ اس کانفرنس میں ۱۷۷۵ نمایندوں نے حصہ لیا اور طویل رد و قدح کے بعد یہ تجویز منظور ہوئی کہ سب پارٹیوں سے ۱۵۰ نمایندے نامزد کر کے ایک جمہوری ادارہ بنایا جائے گا جس کا نام پری پارلیمنٹ ہو گا اور جب تک مجلس دستور ساز وجود میں نہ آئے اس وقت تک یہ پری پارلیمنٹ ملک کے لئے عارضی طور پر ضروری آئین و قوانین بناتی رہے۔ کرنسکی نے ایک چالاک مدبر کی طرح پری پارلیمنٹ کی تشکیل اس طرح کی کہ اس میں ۱۲۰ امیر

طبقے کے اور ۲۰ کوسک نمائندے نامزد کر دیئے۔ اِن انقلاب دشمن نمائندوں کی نامزدگی اس امر کی دلیل تھی کہ پارلیمنٹ میں امیر طبقہ اور کرنسکی کی ہر تجویز منظور ہوگی۔ چنانچہ لینن نے بولشیوک کو اس پارلیمنٹ میں شرکت کرنے سے منع کیا لیکن لینن کی رائے نہ مانی گئی اور بولشیوک بھی اس برجوازی پارلیمنٹ میں شریک ہو گئے۔ یہ شرکت عارضی ثابت ہوئی کیونکہ کچھ عرصے بعد بولشیوک نے اس ادارے سے علیحدگی اختیار کر لی۔

بولشیوک کی جدّوجہد

تبلیغ انقلاب کا پیش خیمہ ہوتی ہے۔ اِس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے کسانوں کے سوویٹ نے ۱۲۳۹۵ مبلغین دیہات کو روانہ کردئے جو وہاں پہنچ کر انقلاب برپا کرنے کے لئے فوری جدوجہد کرنے لگے۔ لیکن سب سے زیادہ تبلیغی کام ان سپاہیوں نے کیا جو محاذِ جنگ سے وطن واپس آئے۔ اِن کاشتکار سپاہیوں نے دیہات میں پہنچ کر ایک ایسی سیاسی بیداری پیدا کردی جس کا بولشیوک کو وہم وگمان بھی نہ تھا۔ مسلح سپاہی جن کو میدان جنگ کی ہولناکیوں نے ہر خوف و ہراس سے بے نیاز کر دیا تھا حکومت سے برگشتہ ہو کر انقلابی جماعت کے ساتھ تعاون کرنے لگے تھے جس کا نتیجہ یہ ہو رہا تھا کہ دیہات میں غریب طبقہ امیر زمینداروں کی اراضی پر بلا کسی خوف کے قبضہ کر رہا تھا۔ کسی زراعتی ملک میں کسان اور فوج مل کر تنظیم کو درہم برہم کرنا چاہیں وہ بہت جلد اپنے مقصد میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ دیہات میں طوائف الملوکی پھیلنے لگی اور لینن کا نام عزت و احترام کے ساتھ لیا جانے لگا۔ ستمبر اور اکتوبر میں سب فصلیں کٹ چکنے پر کسان کو فرصت ہی فرصت ہو گئی۔ اور قتل و خون۔ مار پیٹ امیروں کے گھروں کو تاخت و تاراج کرنا دیہات کے باشندوں کا مستقل مشغلہ بن گیا۔

ملک کی حالت خستہ ہو جانے پر حکومت نے حالات پر غور کرنے اور اصلاحی تدابیر سوچنے کے لئے پری پارلیمنٹ کا اجلاس بلایا۔ بولشیوک بھی اس ادارے کے ممبر تھے چونکہ پارلیمنٹ

میں برجوازی ممبروں کی اکثریت تھی اس لئے بالشیوک نے پہلے اجلاس میں اپنے مقاصد کے اظہار کے بعد پارلیمنٹ سے عدم تعاون کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔ ٹروٹسکی نے بحیثیت بولشیوک پارٹی کے قائد ہونے کے دورانِ تقریر میں کہا "اس پارلیمنٹ میں سرمایہ دار طبقہ کے نمائندے اس طبقے کی مجموعی تعداد کے لحاظ سے بہت زیادہ ہیں جس کا اُن کو حق نہیں۔ ہم کو اس امر کی بھی شکایت ہے کہ چونکہ پیٹروگریڈ انقلابی جماعت کا مرکز بن گیا ہے اس لئے حکومت دیدہ و دانستہ پیٹروگریڈ پر جرمن قبضہ کرانے کے درپے ہے۔ ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ اس حکومت کے ہاتھ سے یہ انقلاب خطرے میں ہے۔ اس رجعت پسند اور غدار حکومت سے ہمارا کوئی واسطہ نہیں ہم مزدوروں سپاہیوں کسانوں کو متنبہ کرتے ہیں کہ حکومت کی طرف سے ہوشیار رہیں جب تک تمام طاقت سوویٹ کے ہاتھ میں نہ آجائے گی انقلاب خطرے ہی میں رہے گا۔ اگر عارضی حکومت پیٹروگریڈ کی حفاظت نہیں کر سکتی اُس کو صلح کر لینی چاہئے یا دوسری سیاسی پارٹیوں کے لئے جگہ خالی کر دینی چاہئے" اس اعلان کے بعد بالشیوک اجلاس سے اُٹھ کر چلے گئے اور عوام میں انقلابی تبلیغ اور زیادہ تیزی سے کرنی شروع کر دی۔

اس تبلیغ کا یہ نتیجہ ہوا کہ عوام عارضی حکومت سے بیزار ہو گئے اور انھوں نے بہت بڑی تعداد میں بالشیوک کو میونسپلٹیوں کا ممبر منتخب کر دیا۔ بولشیوک نے میونسپلٹیوں کے ممبر ہو کر یہ فائدہ اٹھایا کہ اُن کو ختم کر دیا اور اُن کے تمام فرائض کی انجام دہی سوویٹ کے سپرد کر دی۔ ان سوویٹ کا یہ مطالبہ تھا کہ پیٹروگریڈ کی حفاظت کا مسئلہ مجلس عاملہ کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے سوویٹ کے مطالبہ پر مجلس عاملہ کو بھی پیٹروگریڈ کے لئے ایک تحفظی کمیٹی اور سُرخ فوج بنانے کا اعلان کرنا پڑا خود مجلس عاملہ نے سُرخ فوج کی علیحدہ تنظیم کا اعلان کر کے بولشیوک کو مزدور طبقہ کے مسلح کرنے کا موقع دے دیا۔ جس موقع کی مدت سے تلاش تھی اس کے غیر متوقع طور پر ظہور میں آجانے سے بولشیوک بہت خوش تھے۔

ٹروٹسکی کا بیان ہے" اس زمانہ میں پرولتاری طبقہ کا ایک وفد ہتھیاروں کے انتظام کیلئے

میرے پاس آیا۔میں نے جواب دیا" ہتھیار بنانے کے کارخانے ہمارے قبضہ میں نہیں ہیں۔میں کیسے انتظام کرسکتا ہوں" اس پر وفد نے جواب دیا" ہتھیار تیار کرنے کی فیکٹری والے یہ کہتے ہیں کہ اگر سوویٹ کے صدر سے تم ہمارے نام حکم تحریر کرالاؤ۔ہم تمہیں ہتھیار دے دیں گے یہ سن کر میں نے فیکٹری کے نام وفد کو پانچ ہزار رائفل دینے کا حکم تحریر کر دیا اور ان کو رائفلیں وصول ہوگئیں"۔ برجوازی اخبارات کو جب اس واقعہ کا علم ہوا۔انھوں نے شدید احتجاج کا اور اس امر پر تعجب ظاہر کیا کہ ایک غیر متعلق سزا یافتہ جو چند روز ہوئے ضمانت پر رہا ہوا تھا اس کے حکم پر حکومت کے ہتھیار بنانے والی فیکٹریوں نے کیسے ہتھیار دے دیئے۔لیکن باوجود برجوازی طبقہ کے شور کے عارضی حکومت نے نہ ٹروٹسکی اور نہ اسلحہ کی فیکٹری سے کسی قسم کا استفسار کیا البتہ مجلس عاملہ نے یہ حکم جاری کیا کہ بلا اس ادارے کے تحریری حکم کے آیندہ ہتھیار نہ دیئے جائیں۔

ادھر ٹروٹسکی مزدوروں کو مسلح کرنے میں لگا ہوا تھا ادھر لینن فن لینڈ کی کمین گاہ سے خطوط کے ذریعہ سے بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی کی رہنمائی کررہا تھا لینن ایک خط میں لکھتا ہے" مینشیوک اور سوشل انقلابیوں کی تلون مزاجی سے جمہور از حد بیزار ہیں۔پیٹروگریڈ اور ماسکو کے سوویٹ میں ہماری اکثریت ہو جانے سے کسان ہماری بڑھتی ہوئی طاقت دیکھ کر بہت بڑی تعداد میں تعاون کرنے لگیں گے۔ ان دونوں مرکزی مقامات کے سوویٹوں میں بولشیوک کی اکثریت ہو جانے پر اُن کو حکومت پر فوراً قبضہ کر لینا چاہیئے" دوسرے خط میں پرولتاری کی اہلیت پر تبصرہ کرتا ہوا لکھتا ہے" انقلابی پرولتاریوں میں قوت عمل بہت ہوتی ہے اُن کی سیاسی قوت کا اندازہ اس امر سے نہ لگانا چاہیئے کہ وہ جمہوری اداروں میں دلچسپی نہیں لیتے۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ چونکہ عوام کے عمل کرنے کا طریقہ دوسرا ہوتا ہے اس لئے وہ جمہوری اداروں کی قیدوبند میں رہ کر اپنی قوت عمل کا مظاہرہ نہیں کرسکتے ان کی قوت عمل کے مظاہرہ کے لئے دوسری نوعیت کے اداروں کی ضرورت ہے۔جب اس نوعیت کے ادارے وجود میں آجائیں گے اس وقت پرولتاری کی عملی قوت کھولتے ہوئے پانی کی طرح اُبلنے لگے گی۔جمہور کی قوت عمل سیاسی انتخابات

کے وقت ظاہر نہیں ہوتی بلکہ میدان عمل میں ظاہر ہوتی ہے۔ اگر کسان بغاوت کرنے کے لئے آمادہ ہو گئے ہیں یہ اتنا عظیم الشان واقعہ ہے کہ اگرچہ چند حالات بغاوت کے خلاف بھی ہیں اُن کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ کسان کا مسئلہ ملک کا بنیادی مسئلہ ہے۔ اگر عارضی حکومت کو کسان پر فتح ہو گئی سمجھ لو کہ انقلاب بھی خواب و خیال ہو گیا۔ کسان کے علم بغاوت بلند کرتے ہی ہم کو بغاوت کر دینی چاہیئے۔ ایسا زریں موقع دوبارہ نہیں آسکتا عمل کا لمحہ آگیا ہے۔ تمام دنیا کے پرولتاریوں کا مستقبل ہمارے ہاتھ میں ہے۔ لوہا سُرخ ہے۔ زبردست ضرب لگاؤ" ایک اور خط میں انقلاب کے بین الاقوامی پہلو پر روشنی ڈالتا ہوا تحریر کرتا ہے "بولشیوک پارٹی انقلاب عالم کے دروازے پر کھڑی ہوئی ہے اس کو اب دروازے میں داخل ہو جانا چاہیئے۔ تمام دنیا اس کی تقلید کرے گی۔" اکتوبر کے مہینے میں بغاوت کے مختلف پہلوؤں کا ذکر کرتا ہوا تحریر کرتا ہے "بغاوت کے آغاز کے لئے کوئی خاص روز مقرر نہیں کیا جاسکتا۔ وقت کا تعین وہی لوگ بخوبی کر سکتے ہیں جو جمہور اور سپاہیوں کے ساتھ مل کر کام کر رہے ہیں۔ انھیں یہ چاہیئے کہ تعداد کی طرف نہ دیکھیں بلکہ وفادار اور اولوالعزم لوگوں کو فیکٹریوں اور سپاہیوں کی بارگوں میں تبلیغ کے لئے روانہ کر دیں۔ بغاوت شروع ہوتے ہی بولشیوک کو یہ چاہیئے کہ وہ وفادار رجمنٹوں کو مورچوں پر روانہ کر دیں۔ پیٹر پال کے قلعہ پر قبضہ کر لیں۔ عارضی حکومت اور فوجی حکام کو گرفتار کر لیں وقت آنے پر ہمیں انقلابی فوج عارضی حکومت کی فوج کے مقابلے پر روانہ کر دینی چاہیئے۔ اور اس امر کی ازحد کوشش کرنی چاہیئے کہ حکومت کی فوج شہر میں داخل نہ ہونے پائے۔ ہمیں تار اور ٹیلیفونوں کے مرکزوں پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔" عملی اقدام کی یہ تشریح جب بولشیوک مرکزی کمیٹی کے سامنے آئی سب نے دانتوں میں انگلیاں دے لیں۔ چونکہ کسی نے بغاوت کے مسئلہ کو اس تفصیل سے نہیں سوچا تھا۔ بوخارن کا بیان ہے "اس خط کے آنے پر ہم سب پر ہراس طاری ہو گیا اور ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ اس خط کو نذرِ آتش کر دیا جائے۔ چنانچہ اس کو خاکستر کر دیا گیا۔ لینن کو اپنی کمین گاہ میں اس واقعہ کا علم ہونے پر مرکزی کمیٹی سے بہت مایوسی ہوئی

اور وہ اپنے ایک دیرینہ رفیق کارسملگا (جس کا فنلینڈ کی فوج پر بہت اثر تھا) سے مل کر روس پر حملہ آور ہونے کی سازش کرنے لگا۔ اس زمانہ میں لینن نے سملگا کو ایک طویل خط روانہ کیا جس میں تحریر تھا "ہم لوگ بجز تجاویز منظور کرنے کے کچھ نہیں کر رہے ہیں۔ اور قیمتی وقت ضائع ہو رہا ہے۔ بولشیوک بغاوت کرنے کے لئے کوئی تنظیم نہیں کر رہے ہیں۔ ہمیں بولشیوک پارٹی میں اس امر کی تلقین کرنی چاہیئے کہ بغاوت کے مسئلہ پر سنجیدگی سے غور کریں تم انقلابی فوج کے چند لوگوں کی خفیہ کمیٹی بناؤ اور یہ معلوم کرو کہ پیٹروگریڈ اور اس کے آس پاس حکومت کی کتنی فوج پڑی ہے۔ اگر فنلینڈ کی فوج لے کر حملہ کیا جائے تو رسل ورسائل کا انتظام کس طرح کیا جائے اور بحری بیڑے کو کس طرح نقل وحرکت میں لایا جائے وغیرہ" یہاں بھی کامیابی نہ ہوتی دیکھ کر لینن نے بولشیوک کی مرکزی کمیٹی کے چیدہ چیدہ لوگوں کو اپنی کمین گاہ میں بلا کر ان پر اپنا زاویۂ نگاہ ظاہر کیا۔ ان کے متاثر نہ ہونے پر ایک مضمون "مواد پک چکا ہے" کے نام سے شائع کیا اس میں تحریر کرتا ہے "ہمیں یہ تسلیم کر لینا چاہیئے کہ بولشیوک پارٹی کے زیادہ تعلیم یافتہ افراد اس وقت بغاوت کرنے اور عارضی حکومت پر قبضہ کرنے کے خلاف ہیں۔ ہماری پارٹی کے بیشتر احرار یہ چاہتے ہیں کہ سوویٹ کانگریس کے اجلاس ہو جانے کے بعد انقلابی قدم اُٹھایا جائے۔ لیکن وقت کی پکار یہ ہے کہ ہمیں فوراً کرنسکی کی حکومت پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ کانگریس میں ردوقدح کے علاوہ کوئی نتیجہ خیز امر طے نہیں ہو سکتا کانگریس کے انعقاد میں بارہ روز باقی ہیں۔ اس سے پیشتر ہی حکومت پر قبضہ کر لینا چاہیئے۔ بولشیوک کی حکومت قائم ہو جانے پر اس حکومت کے زیر اثر جو کانگریس ہو گی وہ بلاچون وچرا ہمارا نقطۂ نگاہ قبول کر لے گی۔ چونکہ بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی نے ہنوز میری تجاویز پر توجہ نہیں دی ہے نیز پارٹی کے اخبارات کے اڈیٹر دیدہ ودانستہ میرے مضامین دیر میں شائع کرتے ہیں اور ان میں سے وہ حصص حذف کر دیتے ہیں جہاں میں پارٹی کے نقطۂ نگاہ سے اختلاف کرتا ہوں اس لئے میں درخواست کرتا ہوں کہ مجھے بولشیوک کی مرکزی کمیٹی سے علیحدہ ہونے کی اجازت

دیدی جائے تاکہ میں پوری آزادی سے اپنے خیالات کی اشاعت کرسکوں۔"

لینن نے مرکزی کمیٹی سے علیحدہ ہوکر بولشیوک پارٹی کے ابتدائی اوارے کو خطوط کے ذریعے سے بغاوت کی تلقین کرنی شروع کردی۔ ایک مزدور ناموتت نامی کا بیان ہے "جب لینن کا تبلیغی خط ہمارے پاس آیا تو پہلی مرتبہ ہمیں معلوم ہوا کہ بہت مدت سے لینن پارٹی کی مرکزی کمیٹی کو بغاوت پر آمادہ کررہا تھا اور کمیٹی لیت ولعل کررہی تھی اس خط کو پڑھنے کے بعد ہم نے مرکزی کمیٹی پر زور دیا کہ لینن کی تجاویز پر کاربند ہونا چاہیئے۔" اس زور دینے کا نتیجہ یہ ہوا کہ بولشیوک کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس کمر نسکی کے دست راست سوکانوف کے مکان پر ہوا۔

سکانوف کا بیان ہے "میری شریک حیات بولشیوک تھی۔ ایک روز گھر واپس ہونے پر اس نے مشورہ دیا۔ تم تھکے ہوئے ہو اس لئے الگ باغ میں آرام کرو۔ میرے سو جانے کے بعد گھر میں بولشیوک کی مرکزی کمیٹی کا اجلاس ہوا۔ میرا گھر اس لئے منتخب کیا گیا تھا کہ اجلاس پولیس سے محفوظ رہے۔" اس اجلاس میں لینن بالوں کی ٹوپی اوڑھے عینک لگائے ڈاڑھی منڈائے موجود تھا۔ اس اجلاس میں لینن نے حسب ذیل تجویز پیش کی "مرکزی کمیٹی کو انقلاب انگیز بین الاقوامی حالات کا اور روسی فوج کی نفسیاتی کیفیت کا اندازہ ہے اور اس کا بھی علم ہے کہ کسان بغاوت پر آمادہ ہے۔ جمہور بولشیوک پر اعتماد کررہے ہیں اور اس کے بھی آثار نمایاں ہورہے ہیں کہ رجعت پسند عناصر متحد ہوکر انقلاب کو فنا کرنیکی کوشش کررہے ہیں۔ ان حالات میں مرکزی کمیٹی دوسری کمیٹیوں کو ہدایت کرتی ہے کہ وہ جنگ آزادی کے لئے تیار ہوجائیں اور سوویٹ کانگریس ہونے سے قبل ہی بغاوت کردیں۔ کافی ردّو قدح کے بعد یہ تجویز آٹھ رائے سے منظور ہوگئی۔ اس تجویز کے بعد حسب ذیل تجویز حاضرین کے سامنے پیش کی گئی "مرکزی کمیٹی مزدوروں اور سپاہیوں کے تمام اداروں سے درخواست کرتی ہے کہ وہ بغاوت کرنے کی تیاری شروع کردیں" اس تجویز کے دس رائے سے

منظور ہو جانے پر رینو وِلیف اور کیمو وِنیف نے اختلاف کی بنا پر مرکزی کمیٹی سے استعفے دیدیئے۔

اکتوبر کا انقلاب

فروری کا انقلاب ایک سیاسی انقلاب تھا۔ کیونکہ اس کے بعد بھی معاشرہ کے بنیادی اصول یعنی انفرادی ملکیت کے توانین تقسیم دولت کے طریقے وغیرہ بدستور سابق قائم رہے اس کے برخلاف اکتوبر کا انقلاب ایک معاشرتی انقلاب تھا۔ کیونکہ اس کے بعد معاشرہ میں انفرادی نفع کی بجائے اجتماعی نفع طریقہ پیداوار کا محرک ہو گیا تھا۔ اگرچہ اکابر بولشیوک میں لینن کی بغاوت انگیز تجاویز پر اتفاق نہ تھا۔ تاہم چونکہ پارٹی کی اکثریت نے ان تجاویز کو منظور کر لیا تھا اس لئے بولشیوک پارٹی نے ان کو عملی جامہ پہنانے کی تدابیر سوچنی شروع کر دیں اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اُٹھایا گیا کہ فوجی انقلابی کمیٹی کے نام سے ایک ادارہ قائم کیا گیا اور اسکے حکم سے ۲۲ اکتوبر کو ایک عظیم الشان انقلابی مظاہرہ ہوا تاکہ عارضی حکومت کو بولشیوک کی طاقت کا پورا پورا اندازہ ہو جائے اور وہ بلا کشت و خون کے ہی زمام حکومت سوویٹ کے ہاتھ میں دیدے۔ ۲۲ اکتوبر کے مظاہرہ میں جس جوش و خروش کا اظہار کیا گیا اس سے لینن کو یقین ہو گیا کہ عارضی حکومت پر یورش کرنے کا آخری لمحہ آ گیا ہے۔ اسی مظاہرہ سے متاثر ہو کر عارضی حکومت اور مجلس عاملہ نے یہ چاہا کہ سوویٹ سے صلح کر لی جائے مگر پرانے تجربہ کی بناء پر سوویٹ اس عہد شکن عارضی حکومت سے صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوئے۔

باوجود ۲۲ اکتوبر کو کامیاب مظاہرہ کے کرنسکی یہ کہتا پھرتا تھا "مجھے یقین ہے کہ ہم بہت

آسانی سے بولشیوک کے انقلابی اقدام پر قابو پالیں گے۔ میں جو محاذ جنگ پر نہیں جا رہا اسکی وجہ یہ نہیں ہے کہ مجھے اپنی عدم موجودگی میں پیٹروگریڈ میں کامیاب بغاوت ہو جانے کا خطرہ ہے۔ وہ تو میری عدم موجودگی میں بھی فنا کر دی جائے گی۔ میں ذاتی طور پر بولشیوک کی بغاوت سے بہت خوش ہوں گا کیونکہ اس طرح ہم کو بولشیوک کے کچلنے کا زرّین موقع مل جائے گا۔ میں اس کے لئے منت ماننے کو تیار ہوں"۔ برجوازی اخبارات کی یہ تنقید تھی "طوفان ضرور آرہا ہے لیکن وہ گرد و غبار صاف کر دے گا۔"

کیڈٹ پارٹی کے ایک ممبر نے امریکن نامہ نگار جون ریڈ سے کہا "بغاوت میں بولشیوک کو شکست فاش ہوگی اور اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ وہ مجلس دستور ساز کے موقع پر سر نہیں اٹھا سکیں گے"

۲۲ اور ۲۳ اکتوبر کو کرنسکی یہ مشورہ کرتا پھرتا تھا کہ فوجی انقلابی کمیٹی کو گرفتار کرنے کا کونسا موقع بہتر ہوگا۔ اور اس کے مشیر اس کو یہ مشورہ دے رہے تھے "فی الحال گرفتار کرنا مناسب نہ ہوگا بغاوت شروع ہونے پر گرفتار کر لیا جائے گا"

بغاوت سے صرف دو روز قبل عارضی حکومت چونکی اور اس کو بالشیوک کے جارحانہ اقدام کی اہمیت کا احساس ہوا۔ چنانچہ اسی روز حکومت نے بولشیوک کی انقلابی فوجی کمیٹی اور دیگر احرار کو گرفتار کر لیا۔ بولشیوک اخبار کو بند اور دارالسلطنت میں وفادار فوج مہیا کرنے کا حکم نافذ کر دیا۔ حکومت کی عمارات اور دفاتر پر پہرے داروں کی تعداد زیادہ کر دی اور بالشیوک کے مرکزی دفتر کا رشتہ ٹیلیفون منقطع کر دیا۔ حکومت نے اسی روز پری پارلیمینٹ کا اجلاس منعقد کیا اس میں کرنسکی نے تقریر کرتے ہوئے کہا "چند روز سے تمام روس اور خاص کر دارالسلطنت میں بغاوت کی افواہیں گرم ہیں۔ بولشیوک عوام کو بغاوت پر آمادہ کر رہے ہیں۔ یہ شورشیں اس وقت جاری ہیں جب کہ اراضی کسان کمیٹیوں کی تحویل میں دینے اور جنگ ختم کرنے کے اہم مسائل حکومت کے زیر غور ہیں حکومت نے ہنوز ان غدار بولشیوک کے خلاف کوئی کارروائی اس لئے نہیں کی کہ شاید یہ خود اپنی غلطی کا احساس کر لیں اور راہ راست پر آجائیں لیکن اب صبر کا پیمانہ

لبریز ہو چکا ہے۔ بولشیوک نے نہ صرف یہ کہ اپنی غیر آئینی حرکات پر تاسف کا اظہار نہیں کیا بلکہ انھوں نے دو فوجی دستے تیار کر لئے ہیں جن کو وہ مسلح کر رہے ہیں۔ اس مرتبہ حکومت نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ وہ باغیوں کو فنا کر کے رہے گی" کرنسکی کی تقریر جاری تھی کہ اس کو ایک برقی پیغام ملا۔ جس میں یہ اطلاع درج تھی کہ بولشیوک نے دارالسلطنت کی فوج کو تیار رہنے اور حکم کے انتظار کرنے کا پیغام روانہ کر دیا ہے کرنسکی نے حاضرین کو یہ پیغام پڑھ کر سنایا اور سلسلۂ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا "قانونی زبان میں ان حالات کو بغاوت کہتے ہیں جو سیاسی پارٹیاں حکومت کیخلاف سازش کر رہی ہیں ان کو پیس دیا جائے گا۔"

تقریر ختم کرنے کے بعد وزیر اعظم روس سیدھا وزارت خانے پہنچا اور اس نے شہر کے خاص خاص راستوں پر فوجی پہرہ بٹھا دینے اور پل اٹھا دینے کا حکم دے دیا۔ اسی وقت بولشیوک فوج بھی پل پر پہنچ گئی اور انھوں نے کامیاب طور پر مزاحمت کی۔ چنانچہ باوجود کرنسکی کے حکم کے پل نہ اٹھ سکا اور بولشیوک کو گرد و نواح سے مدد ملتی رہی۔ ۲۵ اکتوبر صبح کے ۵$\frac{1}{2}$ بجے حکومت نے بولشیوک پریس پر چھاپا مارا اور عمارت کو مقفل کر دیا۔ لیکن بولشیوک نے حکومت کی مزاحمت کے باوجود قفل توڑ کر چند گھنٹے میں سابق کی طرح وقت پر اخبار نکال دیا اسی روز آرورا جہاز کے ملاحوں نے بجائے اپنے بحری محکمہ کی طرف رجوع کرنے کے بولشیوک کی فوجی انقلابی کمیٹی سے اپنی نقل و حرکت کے لئے احکامات چاہے۔ ان سب واقعات کا ظہور اس امر کی دلیل تھا کہ پرولتاری آمریت قائم ہو گئی۔ اسی روز فوجی انقلابی کمیٹی نے تمام فوجی مرکزوں کو یہ تار دیا۔

"جمہور کے دشمنوں نے رات سے حملہ کرنا شروع کر دیا ہے۔ فوجی انقلابی کمیٹی غداروں کا مقابلہ کر رہی ہے۔ فوج کو چاہیئے کہ پوری طرح مسلح رہے اور احکامات کا انتظار کرے۔"

۲۵ اکتوبر کو بولشیوک نے حکومت کی زبان میں اعلانات اور احکامات نشر کرنے شروع کر دئے گویا اب بولشیوک روس کے آئینی حاکم تھے اور عارضی حکومت کی حیثیت باغی کی تھی۔ اسی روز

بالشیوک حکومت نے بلا کشت وخون کے ریلوے اسٹیشن۔ بجلی گھار گھر۔ ڈاک خانہ۔ پریس اور حکومت کے بنک پر قبضہ کر کے سُرخ فوج کا پہرہ بٹھا دیا۔ دوپہر کے وقت سُرخ فوج نے پری پارلیمنٹ کے اجلاس کو جو ہنوز حالات حاضرہ پر غور وخوض کر رہا تھا درہم برہم کر دیا۔ کرنسکی نے اِن حالات کی خبر پا کر مزاحمت کرنی چاہی۔ اس سعی میں ناکامیاب ہو کر وہ امریکن سفیر کی موٹر میں محاذِ جنگ کی جانب فرار ہو گیا اور کابینہ کے دیگر وزرا سے یہ کہہ گیا کہ وفادار فوج لے کر وہ فوراً ہی محاذِ جنگ سے واپس ہو گا۔ لیکن افسوس کہ کرنسکی اپنا وعدہ پورا نہ کر سکا۔ جس مُدبّر کو تاریخی تقاضے رَد کر چکے ہوں وہ واپس نہیں آیا کرتا۔

۲۵ اکتوبر کو جب بالشیوک کو اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا اس وقت انھوں نے سوویٹ کانگریس کا اجلاس منعقد کیا۔ اگرچہ اس کانگریس میں بالشیوک کے مخالف عناصر بھی کافی تعداد میں موجود تھے لیکن بالشیوک کی کامیاب بغاوت معترضین کے تمام اعتراضات کا جواب تھی۔ کامیابی بہت سے دلائل وبراہین کو رَد کر دیتی ہے چنانچہ کانگریس میں بالشیوک کے ہر لفظ پر لبیک ہونے لگی۔ اس منظر کی تاب نہ لا کر مخالف عناصر کانگریس کے اجلاس سے بطور احتجاج اُٹھ کر چلے گئے۔ ان کے چلے جانے کے بعد کیمو نیف نے جو ازسرِ نو بالشیوک مرکزی کمیٹی کا ممبر ہو گیا تھا اور اس اجلاس کی صدارت کر رہا تھا مجلس عاملہ اور عارضی حکومت کے ختم کرنے اور تمام اختیارات کانگریس کے ہاتھ میں لے لینے کا اعلان کر دیا اس کے فوراً ہی بعد سوویٹ حکومت کے حسب ذیل پروگرام کا اعلان کر دیا گیا۔

(۱) جنگ فوراً ختم کر دی جائے گی۔

(۲) کاشتکار کو زمین دے دی جائے گی۔

(۳) فوج میں جمہوری روایات قائم کی جائیں گی۔

(۴) صنعت وحرفت پر سوویٹ حکومت قبضہ کر لے گی۔

(۵) مجلس دستور ساز کا عنقریب انعقاد ہو گا۔

(۶) روس میں مختلف اقوام کو حکومت خود اختیاری کا حق دیا جائے گا۔

یہ اجلاس صبح تک ہوتا رہا۔ صبح جب پیٹروگریڈ کے رہنے والے جاگے اس وقت حکومت بدل چکی تھی۔ فرانسیسی نامہ نگار گاوڈانٹ اس روز کے حالات بیان کرتا ہوا لکھتا ہے "فاتح فتح کے گیت گا رہے ہیں اُن کو جشن منانے کا حق ہے۔ کیونکہ جب مختلف پارٹیاں صرف لفظی ردّ و قدح میں مشغول تھیں۔ بولشیوک سراپا عمل تھے۔ آج وہ کل کی بوئی ہوئی کھیتی کاٹ رہے ہیں۔ مرحبا کیا خوب کام کر کے دکھایا ہے۔"

۲۶ر اکتوبر کو رات کے نو بجے سوویٹ کا دوسرا اجلاس منعقد ہوا جس میں ۲۵، ۲۶ر کی کارروائی کی رپورٹ پیش کرتے ہوئے کیمونیف نے کہا۔

(۱) موت کی سزا کا قانون منسوخ کر دیا گیا ہے۔

(۲) سیاسی بحث و مباحثہ کی مکمل آزادی دے دی گئی ہے۔

(۳) سیاسی قیدیوں کی رہائی کے احکامات جاری کر دئے گئے ہیں۔

(۴) عارضی حکومت کے تمام وزراء برخاست کر دئے گئے ہیں۔

(۵) کورنیلوف و کرینسکی کی گرفتاری کے احکامات جاری کر دئے گئے ہیں۔

کیمونیف کے دو روز کی رُوداد سُنا چکنے کے بعد لینن نے مندرجہ ذیل دو تجاویز پیش کیں جو فوراً منظور کر لی گئیں۔

(۱) ہم کسانوں، مزدوروں کی حکومت کی طرف سے دوسری حکومتوں کے جمہور سے یہ درخواست کرتے ہیں کہ وہ اپنی حکومتوں پر زور ڈال کر فوراً منصفانہ صلح کی گفت و شنید شروع کر دیں۔ ہماری سوویٹ حکومت ہر تجویز پر غور کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ وہ تجاویز جلد معلوم ہو جائیں اور ان میں کوئی سیاسی چالیں پوشیدہ نہ ہوں۔ جہاں تک ہماری حکومت کا تعلق ہے یہ حکومت تمام خفیہ معاہدے منسوخ کرتی ہے اور اُن کو نشر کرنے کا وعدہ کرتی ہے۔ اِن معاہدوں کی رُو سے روس کو اگر ناجائز حقوق ملے ہوتے ہیں ہم اُن سے دست بردار

ہوتے ہیں اور یہ مشورہ دیتے ہیں کہ برسرِ پیکار حکومتوں کو فی الحال تین ماہ کے لئے عارضی صلح کا اعلان کر دینا چاہیئے۔ روس کی سوویٹ حکومت اس تجویز کو خاص طور پر انگلستان جرمنی اور فرانس کے جمہور کے رُو برو پیش کرتی ہے ہمیں یقین ہے کہ ان ممالک کے جمہور ان مقاصد کے حصول میں ہماری مدد کریں گے۔

یہ تجویز غلغلہ ہائے تحسین کے ساتھ منظور ہو گئی اس کے بعد لینن نے حسبِ ذیل دوسری تجویز پیش کر دی۔

"زمینداروں کی جائداد بلا کسی معاوضہ کے ضبط کی جاتی ہے اور جب تک مجلس دستور ساز منعقد نہ ہو زمینداروں۔ گرجاؤں اور خانقاہوں کی اراضیات اور مویشی گاؤں کی کمیٹیوں اور سوویٹوں کی تحویل میں دی جاتی ہیں۔ غریب کسان اور کوسک کی اراضیات ضبط نہیں کی جائینگی لیکن انفرادی ملکیت کا حق کالعدم کیا جاتا ہے تمام کاشتکاروں کو زمین کاشت کرنے کا حق ہے کسی شخص کا اُجرت پر کام کرانا یا مزدوری پر کام کرانا ممنوع قرار دیا جاتا ہے" یہ تجاویز اس لئے مجمل تھیں کہ بعد میں ضرورت کے مطابق ان میں ترمیم و تنسیخ ہو سکے۔ اسی کانگریس میں بولشیوک حکومت کی کابینہ یعنی مجلس کمیسار کی تشکیل کی گئی اور لینن اس کا صدر مقرر ہوا۔

انقلاب کے فوراً بعد کے حالات

انقلاب کے فوراً بعد بھی شہروں میں غریب کی محنت پر جینے والے عیش کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ امیروں کے تھیٹر۔ ہوٹلیں۔ تفریح گاہیں بدستور قائم تھیں۔ دن آرام و راحت اور نئی حکومت پر تبصرہ کرنے میں گزرتا اور راتیں عیش و نشاط میں بسر ہوتیں۔ اس طبقہ کو انقلاب ہنوز ایک تماشہ معلوم ہو رہا تھا جو اپنی چند ماہ کی عمر طبعی گزارنے کے بعد ختم ہو جائے گا۔

حکومت کے ادارے اور بڑے بڑے کارخانے بند اور صنعت۔ حرفت و تجارت تباہ ہو جائے ان حالات میں متوسط طبقہ نانِ جویں کا محتاج ہو جاتا ہے چنانچہ اس زمانہ میں روس کا متوسط طبقہ حالتِ امید و بیم میں لیل و نہار گزار رہا تھا۔ اس کو نہ امیر کی فارغ البالی میسر تھی اور نہ غریب کی بدمستی۔ انجنیر۔ وکیل۔ مدرس۔ کلرک۔ مصنّف، یہ سب جماعتیں تباہی کی رَو میں بہی چلی جا رہی تھیں۔ متوسط طبقہ اس امید میں دن گزار رہا تھا کہ کوئی مستقل آقا مل جائے تاکہ اس کی غلامی قبول کر لیں اور باقی عمر متوسط درجہ کی زندگی کے نرم و نازک نشیب و فراز سے گزرنے کی جدّوجہد میں صرف کر دیں۔ غریب طبقہ کا حال زیادہ زبوں تھا لیکن اس طبقے میں قوتِ عمل ہوتی ہے۔ جب تعمیری عمل کی راہیں مسدود ہو جاتی ہیں اس وقت یہ طبقہ تخریبی عمل کرنا شروع کر دیتا ہے۔ غریب طبقہ بھوک کی شدت سے خشم ناک۔ جبریہ تحصیل جنس و مال کرنے لگا تھا جس کو عام طور پر چوری۔ ڈاکہ کے ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے جہاں انسانی زندگی

کے قیام کا سوال ہو وہاں ملکیت کا حق کالعدم ہو جاتا ہے۔ افراد کی زندگیاں حق ملکیت پر قربان نہیں کی جا سکتیں۔ ۱۹۱۷ء میں بنی نوع انسان نے کروٹ لی اور حق ملکیت کو انسانی زندگی پر قربان کر دیا گیا۔

اس ابتدائی زمانے میں روس حشر کا میدان بنا ہوا تھا اور بے دست و پا اشتراکی حکومت سمولنی کی عمارت میں مرکوز تھی جہاں وہ نفوس کام میں منہمک نظر آتے تھے جنھوں نے چند سال ہی میں انتشار و پراگندگی کو یکجہتی و تنظیم اور تباہی و نامرادی کو فتح و کامرانی میں بدل دیا۔ ٹروٹسکی اس ابتدائی زمانہ کے حکومتی اداروں کی تشکیل کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے :۔

"پیٹروگریڈ کی فتح کے بعد حکومتی اداروں کا مسئلہ سامنے آیا لینن دریافت کرنے لگا ہم کیا نام اختیار کریں۔ وزیر کے لقب سے رجعت پسندی کی بو آتی ہے۔ یہ نفرت انگیز اور فرسودہ لفظ ہے۔ اس پر میں نے کمیسار کا لقب تجویز کیا۔ اس پر لینن نے کہا لیکن ہر عہدہ دار کمیسار کہلائے گا؟ کابینہ کے ممبروں کا کیا لقب مقرر کریں؟ اس پر میں نے کہا چیف کمیسار، لینن نے کہا چیف کا لفظ رجعی معلوم ہوتا ہے۔ اس پر میں نے پیلپس کمیسار تجویز کیا لینن کو عہدے کا یہ نام پسند آیا۔ پھر اس نے دریافت کیا اچھا کابینہ کو کیا کہہ کر پکارا جائے میں نے جواب دیا کونسل آف پیپلس کمیسار لینن نے یہ نام پسند کیا اور وہ کہنے لگا "ہاں۔ ہاں۔ اس نام سے انقلاب ٹپکتا ہے"۔

اداروں کے نام ان کی نوعیت۔ وسعت و اختیارات۔ ان کے لئے کمیسار اور دیگر عمال کی تعداد اسی طرح باتوں باتوں میں طے پا رہے تھے۔ لینن۔ سرڈیو۔ ٹروٹسکی۔ اسٹالن۔ بوخارن زینوویف۔ کیمونیف۔ کیلینن۔ ریبازوف۔ ریڈک۔ ٹومسکی وغیرہ مشکل سے ایک درجن نفوس تھے جو حکومت بھی تھے اور پارٹی بھی۔ انھوں نے بظاہر حکومت کے مختلف شعبوں کو تقسیم کر لیا تھا لیکن ایک دوسرے سے مشکل مسائل میں مشورہ لیتے اور ایک دوسرے کے شعبے میں دخیل ہوتے رہتے تھے۔

ملک میں بہت سی سیاسی پارٹیاں ہوں اور ان میں سے ایک کو غیر متوقع طور پر فتح ہو جائے اس کا یہ نتیجہ نہیں ہوا کرتا کہ شکست خوردہ پارٹیاں فوراً صفحۂ ہستی سے مٹ جائیں بلکہ وہ بھی فاتح پارٹی کے دوش بدوش مدت تک زندہ رہتی ہیں اور سیاسی تنقید و عمل سے اپنی زندگی کا ثبوت دیتی رہتی ہیں۔ روس میں اگرچہ بولشیوک کرنسکی کی حکومت تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئے مگر اس کے بعد بھی منشیوک اور سوشل انقلابی پارٹیوں کا روسی جمہور پر بولشیوک سے زیادہ اثر رہا اور عوام بولشیوک کے برسرِ اقتدار آنے کو انقلاب کا ایک خوشگوار حادثہ ہی خیال کرتے رہے۔ سوشل انقلابی چونکہ مجموعی طور پر زار کی استبدادیت اور کرنسکی کی آمریت کے خلاف اور جمہوری روایات کے حامی تھے اس لئے جمہور کی نظر میں یہ سب ایک ہی انقلابی عنصر کے مختلف نام تھے اور بس۔ جمہور کا سیاسی فہم اس درجہ بیدار نہ تھا کہ وہ ان مختلف پارٹیوں کے مسلک میں تفریق کرتے۔ خود بولشیوک میں ایسا عنصر موجود تھا جو دوسری پارٹیوں کی سیاسی حیثیت اور ان کی خدمات کا معترف تھا اور جس کا یہ خیال تھا کہ کسی نظامِ حکومت کے قیام میں دوسری پارٹیوں کے عملی تعاون کے بغیر کامیابی نہیں ہو سکتی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ لینن اور ٹروٹسکی مزدور آمریت قائم کرنے اور مخالف رجحانات کو تشدد کے ذریعہ سے فنا کرنے پر مصر تھے۔ چنانچہ جب کمیونیف نے کرنسکی کی حکومت کے جاری کردہ سزائے موت کے قانون کی منسوخی کا اعلان کیا۔ لینن نے متحیر ہو کر دریافت کیا!

"یہ کیا دیوانگی ہے۔ بغیر کشت و خون کے انقلاب کیسے ہوگا؟ کیا یہ گمان ہے کہ مخالف خود بخود ہتھیار ڈال دیں گے۔ سزائے موت کا قانون منسوخ کر دینے کے بعد تمہارے پاس صرف سزا دینے کے لئے جیل رہ جائے گی۔ جہاں سرمایہ دار کے خلاف جنگ ہے اور زندگی اور موت کا سوال ہے وہاں جیل کی کون پرواہ کرتا ہے۔ جیل کا خوف رجعتی عناصر کو خاموش نہیں رکھ سکتا۔ موت کا قانون منسوخ نہ کرو۔۔۔۔ اور دیکھو مخالف پارٹیاں اخباروں کے ذریعہ سے ہمارے خلاف از سرتاپا جو غلط پروپیگنڈہ کر رہی ہیں اس کا بھی سدِباب کرو۔ یہ کیسی مفلوج آمریت

قائم کر رہے ہو۔ کیا تمہارا یہ خیال ہے کہ بلا خون بہائے تم انقلابی حکومت قائم کر سکو گے۔"

ایک اور موقع پر لینن نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا:۔

"مخالفین کو ان کی حیات ختم ہوتی دکھائی دے رہی ہے اس لئے اپنی زندگی کے لئے وہ کیا کچھ کرنے پر آمادہ نہ ہو جائیں گے۔ یاد رہے ہمارے مخالفین کے ساتھ ہزاروں کی تعداد میں وہ طبقہ ہے جس کو باقاعدہ فوجی تعلیم ملی ہوتی ہے۔ اُن کے ساتھ فوجی افسر ہیں۔ سرمایہ دار ہیں۔ زمیندار ہیں پولیس ہے اور اسلحہ کی کمی نہیں۔ اس کے برخلاف ہماری طرف اس قسم کے انقلابی ہیں جن کا یہ عقیدہ ہے کہ صرف محبّت و مروت انقلاب کرنے کے لئے کافی ہیں نہ معلوم ان لوگوں نے کون سے مکتب میں تعلیم پائی ہے۔ اگر کم فہمی کا یہی عالم ہے مزدور آمریت ختم ہے۔ اس وقت بولشیوک نے جو نظام قائم کیا ہوا ہے وہ آمریت نہیں بلکہ بدنظمی ہے اگر ہم ایک تباہ کار و مستعد دشمن کو قتل نہیں کرسکتے تو یہ کس قسم کا انقلاب ہوا۔"

روس کا مزدور طبقہ علم و فہم سے عاری سیاسی رسم و راہ سے نابلد حکومت کا کب انتظام کرسکتا تھا چنانچہ چند ہفتے ہی گزرنے پائے تھے کہ ہر طرف بدنظمی اور مزدور آمریت کے گرد خلا پیدا ہونے لگا۔ برسرِ اقتدار طبقہ کی نااہلیت سے جو دشواریاں کسی قائد کو پیش آسکتی تھیں وہ سب معاشرے کی بدنظمی کی شکل میں لینن کے سامنے آرہی تھیں لیکن ناساعد حالات کے باوجود لینن کا یہ خیال تھا کہ جبر و قہر سے زمامِ حکومت مضبوطی سے تھامے رکھنی چاہئے۔ وقت گزرنے پر مزدور طبقہ حکومت کرنا سیکھ جائے گا۔ نیز برجوازی عناصر آمریت کو حرکت کرتا دیکھ کر تعاون پر آمادہ ہو ہی جائیں گے۔ اس طرح مزدور آمریت جوان ہو جائے گی۔ لیکن رینووکیف۔ کیمونیف وغیرہ لینن کے تخیل کے خلاف تھے۔ اُن کو مزدور طبقے کی جہالت آمریت کے لئے شرابِ مرگ معلوم ہوتی تھی اس لئے وہ تعلیم یافتہ و تجربہ کار نیشیوک، سوشل انقلابی پارٹیوں کو حکومت میں شریک کرنے کے حامی تھے۔ چنانچہ انھوں نے غور و خوض کے بعد اپنی مشترکہ حکومت قائم کرنے کی تجویز بولشیوک کی مرکزی کمیٹی کے سامنے پیش کردی۔ مرکزی کمیٹی مزدوروں کے تخلیقی فکر و عمل کی نغمہ سنج

یہ کب تسلیم کر سکتی تھی کہ مزدور طبقہ تنہا بارِ حکومت نہیں اُٹھا سکتا۔ اس امر کا اعتراف اس کی گذشتہ دو تین سال کی سعی پر بڑی سخت ضرب لگاتا۔ چنانچہ تجویز مسترد کر دی گئی۔ اس پر زینوویف و کیمونیف نے مرکزی کمیٹی سے استعفے دے دئے۔ چند روز بعد جب یہ غلط افواہ عام ہوئی کہ بولشیوک نے ماسکو کے ایک گرجا کو مسمار کر دیا ہے لیونا کارسکی بھی بطور احتجاج کے کمیٹی سے مستعفی ہو گیا۔ ان استعفوں سے یہ صاف پتہ چلتا ہے کہ ابتدائی زمانے میں بالشیوک میں آمریت کے قیام اور مذہب کے استیصال کا تخیل بہت محدود حلقوں میں تھا چند روز بعد طریقہ کار کے متعلق اندرونی اختلاف کی بنا پر ۱۵ میں سے ۱۱ کمیسار مستعفی ہو گئے اور انھوں نے جمہور کی عام اطلاع کے لئے حسب ذیل اعلان کر دیا۔

"ہمارا خیال ہے کہ روس میں تمام اشتراکیت پسند پارٹیوں کی مشترکہ حکومت قائم کرنی چاہئے چونکہ دوسرا راستہ صرف یہ ہے کہ تشدّد کے ذریعہ سے تنہا بالشیوک پارٹی کی آمریت قائم کی جائے ہم کمیسار کے عہدہ سے اس لئے مستعفی ہوئے ہیں چونکہ تشدد کے طریقہ سے ہمیں اختلاف ہے ہمیں یقین ہے کہ تشدّد کرنے سے پرولتاری طبقے اور بالشیوک پارٹی کے درمیان ارتباط قائم نہیں رہ سکتا اور یہ خوف ہے کہ تشدّد کے راستے پر گامزن ہونے سے ایک ایسی غیر ذمہ دار حکومت برسرِ اقتدار آجائے گی جو اشتراکی رجحانات کو فنا کر دے گی" تاریخ شاہد ہے کہ چند سال بعد یہ اعلان حرف بحرف صحیح ثابت ہوا اور بالشیوک آمریت نے اس اعلان کا انتقام اعلان کرنے والوں کے سروں سے لیا۔

کسی ملک میں تنظیم پیدا کرنے کے لئے پہلی ضرورت امن وامان کا قیام ہوتا ہے۔ انقلابی دور میں امن اس وقت قائم ہو سکتا ہے جبکہ کسی حکومت کے پاس وفادار و جاں نثار فوج موجود ہو نیز مزدور طبقہ خوشحال اور کسان اپنی زندگی سے مطمئن ہو۔ سپاہی۔ مزدور۔ کسان ہی معاشرتی زندگی کے تین عناصر ہیں جو کسی حکومت کے عروج وزوال کا باعث ہوتے ہیں چونکہ لینن کی نظر اس بنیادی حقیقت سے آشنا تھی اس لئے برسرِ اقتدار آتے ہی اس نے ۸ نومبر ۱۹۱۷ء کو تمام

برسرپیکار ممالک کی حکومتوں اور خاص طور پر ان ممالک کے جمہور سے عارضی صلح کر لینے کی اپیل شائع کردی اور خود جرمنی سے صلح کرنے اور روسی فوج کو جو محاذ پر جرمنی کے خلاف نبرد آزما تھی مزدور آمریت کے زیر اثر لانے کی سعی میں سرگرم ہو گیا۔ اس سلسلے میں ۲۲ نومبر ۱۹۱۷ء کو لینن اور اسٹالن روسی فوج کے کمانڈر کو یہ ترغیب دینے ٹیلیفون گھر گئے کہ وہ جرمنی سے صلح کی گفت و شنید شروع کردے۔ نصف گھنٹے تک ٹیلیفون پر بات چیت ہوتی رہی لیکن جنرل ڈیکونن نہ جرمنی سے صلح کرنے پر آمادہ ہوا اور نہ اپنے عہدے سے مستعفی ہونے پر راضی ہوا۔ اسٹالین کا بیان ہے

"اگرچہ ٹیلیفون پر گفت و شنید کامیاب نہ ہوئی لیکن جنرل کے مایوس کن جواب کے باوجود لینن کا چہرہ یک لخت شگفتہ ہو گیا۔ اس نے اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر کہا چلو نشر گاہ چلیں اور براہ راست فوج سے صلح کی اپیل کریں۔ چنانچہ ہم دونوں فوراً نشر گاہ پہنچ گئے اور جنرل سے ٹیلیفون پر گفتگو کا ماجرا ریڈیو پر تمام فوج کو سُنا دیا نیز یہ اعلان بھی کر دیا کہ روس کی مزدور اور کسان حکومت جنرل موصوف کو ان کے عہدے سے موقوف کرتی ہے۔ لینن نے جنرل کو حراست میں لینے۔ جرمنی کے خلاف جارحانہ کارروائی ختم کرنے اور جرمن و اسٹرین فوج سے رشتہ ارتباط قائم کرنے کی عام سپاہی سے اپیل بھی کی۔"

اس تدبیر کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز بعد جنرل ڈیکونن قتل کر دیئے گئے اور وقتی طور پر روسی فوج بولشیوک کے زیر اثر آگئی۔ نیز روسی سپاہی جرمن خندقوں میں پہنچ کر صلح کی گفتگو کرنے لگے اور کل کے دشمنوں میں سلسلۂ آمد و رفت قائم ہو گیا۔ اس طرح لینن نے صلح آرزو جرمن و اسٹرین فوج میں پیدا کردی جو آئندہ چل کر ایک حد تک اِن دونوں حکومتوں کی شکست کا موجب بنی۔

جنگ کے دوران میں امنِ عامہ قائم رکھنے کے لئے فوجی طاقت کے علاوہ یہ بھی ضروری ہوتا ہے کہ مُلک کے اخبارات جمہور کو حکومت کے خلاف برانگیختہ نہ کریں چونکہ روس کے

قریب قریب تمام اخبارات مخالف اشتراکی پارٹیوں کی ملکیت تھے اس لئے بالشیوک کے برسر اقتدار آتے ہی ان اخبارات نے ان پر سخت تنقید کرنی اور جمہور کو بالشیوک سے بدظن کرنے کی ہر امکانی کوشش کرنی شروع کردی۔ ان حالات میں بالشیوک نے مخالف جرائد پر قیدوبند لگادیئے۔ بالشیوک چونکہ آزادی تحریر وتقریر کے حامی رہے تھے اس لئے ان کا جدید عمل بڑا قابلِ اعتراض خیال کیا جانے لگا۔ معترضین کے گروہ میں سب سے اہم شخصیت روس کے مشہور اشتراکی ادیب گورکی کی تھی وہ اس زمانے میں بولشیوک کو اندھے متعصب بےضمیر ابن الوقت کہتا تھا اور بولشیوک حکومت کو "وحشیانہ استبدادیت" اور ان کے دستور کو قومی بدنصیبی، کہہ کر پکار رہا تھا نہ صرف یہی بلکہ اپنے دیرینہ دوست لینن کو، عہد شکن، گھمنڈی، اور دیوانے کے الفاظ سے یاد کر رہا تھا۔ اس ابتدائی زمانے میں گورکی نے اپنے اخبار میں بولشیوک پر تنقید کرتے ہوئے تحریر کیا:۔

"لینن۔ ٹروٹسکی اور ان کے معتقدین فتح کے غرور میں سرشار ہو رہے ہیں انھوں نے تحریر وتقریر کی آزادی سلب کرلی ہے اور جمہوری روایات کو فنا کر دیا ہے...... کیا لینن اپنے مخالفوں کو زار کی طرح گرفتار نہیں کر رہا؟ جب وہ ایسا کر رہا ہے زار اور لینن میں کیا فرق رہا" اسی زمانے کے ایک جریدہ میں گورکی تحریر کرتا ہے:۔

"لینن حکیم نہیں بلکہ عطائی ہے جس کو پرولتاری کی زندگی وموت سے سروکار نہیں۔ وہ اس طرح اشتراکیت پھیلا رہا ہے جیسے کیچڑ میں پوری طاقت سے رُولر چلایا جاتا ہے وہ روسی پرولتاری طبقے کے خون سے سیاسی تجربات کر رہا ہے اور بہت ممکن ہے کہ لینن کے ان غیر دانشمندانہ تجربات کی ناکامی اشتراکیت کے نظریہ ہی کو فنا کردے اور جمہور اس کو ناقابل عمل خیال کر کے کبھی اُس کی طرف آئندہ متوجہ ہی نہ ہوں" ایسے گردوپیش میں یہ ایک سیاسی ضرورت ہوجاتی ہے کہ اخبارات میں اشتعال انگیز مضامین شائع نہ ہونے پائیں اور جو جرائد اشتعال انگیز مضامین نشر کرنے کے عادی

ہوں ان کو بند کر دیا جائے۔

فوج اور پولیس کے مسائل وقتی طور پر طے پا جانے کے بعد روس کی مختلف اقوام کی تنظیم کا مسئلہ سامنے آگیا۔ روس اچھا خاصہ براعظم ہے جہاں مختلف اقوام بستی ہیں جو ایک دوسرے سے زبان۔ رسم و رواج۔ مذہب۔ تمدن و تہذیب میں مختلف ہیں۔ زارِ روس کی برہنہ تلوار نے اُن کو پیٹر دگریٹ کا باجگزار بنائے رکھا لیکن جب بالشیوک کی حکومت برسرِ اقتدار آئی اس نے اپنی جمہوری روایات کو مدنظر رکھتے ہوئے روس کی مختلف قوموں کی علیٰحدہ علیٰحدہ خودمختار حکومتوں کی بنیاد ڈالنی چاہی چنانچہ بالشیوک نے "اقوام کا اعلانِ حریت" جاری کیا جس کی رُو سے روس کی تمام اقوام کی الگ الگ حیثیت تسلیم کر لی گئی اور ان کو مرکزی حکومت سے علیٰحدگی کا حق بھی دے دیا گیا۔ خیال یہ تھا کہ مختلف اقوام بالشیوک کی سیاسی دیانت داری سے خوش ہو کر ان کے ساتھ تعاون اور اُن کی مرکزی حکومت سے رشتۂ آشتی قائم رکھیں گے۔ لیکن بالشیوک کے اس حسنِ اخلاق اور سیاسی راست بازی کا وہ اثر ہوا جس کی پیشین گوئی جرمنی کی مشہور لیڈر روز الکمبرگ کر چکی تھی۔ اس علیٰحدگی کے حق نے اقوام کو بجائے اشتراکیت کا گرویدہ کرنے اور مرکزی حکومت سے قریب لانے کے ان میں قومیت کا جذبہ شدید تر کر دیا۔ اور وہ اپنی اپنی قومی حکومت قائم کرنے کی آرزومند ہو گئیں۔ چنانچہ فنلینڈ اور یوکرین نے بولشیوک کی مرکزی حکومت سے قطع تعلق کرنے کے بعد جرمنی سے رشتۂ یگانگت قائم کرنا شروع کر دیا ناقابلِ برداشت حالات رونما ہونے اور دوسرے سرمایہ دار ممالک کی روسی اقوام سے سازباز کی اطلاع پا کر لینن نے مجبوراً مختلف اقوام کے سیاسی حقوق سلب کرنا شروع کر دیے اور اقوام کا اعلانِ حریت' زیبِ داستان ہو کر رہ گیا۔

رجعتی عناصر کے دو چار مرتبہ کے مظاہروں نے بالشیوک کو جب یہ یقین دلایا کہ حالات جمہوری روایات پر عمل پیرا ہونے سے روبہ اصلاح نہیں ہوں گے بلکہ روس میں سرمایہ داری

سے اشتراکیت تک پہنچنے کے لئے ایک عبوری زمانہ سے گزرنا ہوگا جس میں مزدور آمریت قائم کرنی ہوگی۔ تب انھوں نے پوری شدت سے آمریت قائم کرنے کا تہیہ کرلیا۔

مجلسِ دستور ساز

روسی جمہور کا مجلس دستور ساز کے انعقاد کا مطالبہ جتنا مہتم بالشان تھا اتنا ہی دیرینہ بھی تھا۔ زآر کے زمانہ سے روسی عوام اس مطالبے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے اپنی جانِ عزیز قربان کر رہے تھے

زآر کی حکومت پاش پاش ہونے کے بعد ڈوما کا ایک اشتراکی نمائندہ کرنسکی برسرِ اقتدار آگیا۔ عوام کا خیال تھا کہ ان کا مجلسِ دستور ساز کا مطالبہ اشتراکیوں کے ہاتھ سے پورا ہو جائے گا۔ لیکن اس زمانے کے سیاسی حالات کچھ ایسے تھے کہ مجلس دستور ساز کا انعقاد کرنسکی کی سیاسی موت کے مترادف ہوتا۔ چنانچہ کرنسکی لطائف الحیل سے تمام سیاسی جماعتوں کے اس دیرینہ مطالبہ کو برابر التوا میں ڈالتا رہا یہاں تک کہ وہ ماضی کا ایک افسانہ بن گیا۔

کرنسکی کے بعد بالشیوک کے برسرِ اقتدار آنے پر تمام جماعتوں نے مجلس دستور ساز کے انعقاد پر زور دیا۔ بولشیوک کا عوام سے یہ وعدہ تھا کہ برسرِ اقتدار آتے ہی وہ مجلس دستور ساز کا انعقاد کریں گے۔ ان حالات میں لینن کے علاوہ تمام اکابر بالشیوک عوام سے اپنا وعدہ ایفا کرنے کے لئے فوراً تیار ہو گئے۔ ٹروسکی کا بیان ہے کہ اس مسئلہ کے زیادہ شدید شکل میں سامنے آنے پر لینن اور اس کے

درمیان یہ مکالمہ ہوا:۔

لینن:۔ "ہمیں مجلس دستور ساز کے انتخابات التوا میں ڈال دینے چاہئیں۔ رائے دہندگان کی موجودہ فہرستیں غیر مفید ہیں ان کے بموجب صرف تعلیم یافتہ طبقے ہی کو رائے دینے کا حق ہے۔ کورنیلوف کے طرفداروں اور کیڈٹ پارٹی کے ممبروں کے شہری حقوق بھی سلب کر لینے چاہئیں۔"

ٹروٹسکی:۔ "حال ہی میں صوبوں پر ہمارا اثر قائم ہوا ہے مجلس دستور ساز کے التوا کا ردِعمل نہایت خوفناک ہو سکتا ہے۔"

لینن:۔ "اگر تمہاری یہی مرضی ہے مجلس کا انعقاد کر لو۔ لیکن یہ بتائے دیتا ہوں بڑی سخت غلطی کر رہے ہو۔ زمامِ حکومت ہاتھ میں ہے مجلس کے انعقاد کا نتیجہ یہ ہوگا کہ طاقت ہاتھ سے نکل جائے گی اور اس کو حاصل کرنے کے لئے ازسرِنو جدوجہد کرنی ہوگی۔

لینن کو ان انتخابات کا نتیجہ پہلے ہی معلوم تھا۔ چنانچہ انتخابات میں روس کا رجعتی تعلیم یافتہ طبقہ اپنی سحر بیانی۔ علمی اعزاز۔ مالی و معاشرتی اثرات سے کام لے کر اور رائے دہندگان کی فکری خامیوں اور فطری کمزوریوں سے فائدہ اٹھا کر بہت بڑی تعداد میں منتخب ہو گیا۔ انتخاب میں ۲۷۳ غیر بالشیوک اور صرف ۱۴۰ بولشیوک مجلس دستور ساز کی نشستیں حاصل کر سکے۔

اگر رائے دہندگان کسی سیاسی مسئلہ میں فیصلہ صادر کر سکتے ہیں تو انتخاب کے اعداد و شمار سے وہ فیصلہ اخذ کیا جا سکتا تھا۔ اس مجلس کے اول ہی اجلاس میں بولشیوک کی جانب سے جتنی بھی تجاویز پیش کی گئیں وہ سب مسترد کر دی گئیں یہ امر بولشیوک میں غیر اعتمادی کی رائے کے مترادف تھا۔ ان رجعتی رجحانات کا مشاہدہ کرنے کے بعد جو بولشیوک پیشتر مجلس دستور ساز کے موافق اور مزدور اکثریت قائم کرنے کے مخالف تھے لینن کے ہمخیال

ہو گئے اور بولشیوک پارٹی میں متفقہ طور پر یہ طے پا گیا کہ مجلس دستور ساز کو برخاست کرنے کے بعد مزدور آمریت قائم کی جائے۔ چنانچہ لینن نے خود اپنے قلم سے حسب ذیل حکم تحریر کر دیا:-

"مجلس دستور ساز کے طرز عمل سے صاف ظاہر ہے کہ اس کو سوویٹ کی جمہوریت سے علاقہ نہیں ہے۔ جو پارٹیاں اس مجلس میں اکثریت میں ہیں وہ ملک کے طول و عرض میں سوویٹ حکومت کی شدید مخالفت کر رہی ہیں اور رجعتی عناصر کی مدد میں سرگرم ہیں وہ زمین اور کارخانوں کو اشتراکی ملکیت میں لانے کی بھی مخالفت کر رہی ہیں۔ اس لئے بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی مجلس دستور ساز کو برخاست کرتی ہے" چنانچہ ۱۹ جنوری ۱۹۱۸ء کو مجلس دستور ساز کا ادارہ ختم کر دیا گیا۔

اگرچہ سُرخ فوج نے مجلس دستور ساز کے نمائندوں کو سنگین کی طاقت سے درہم برہم کر دیا لیکن بولشیوک سے کسان کی نفسی کیفیت نہ بدلی جا سکی وہ ہنوز انفرادی ملکیت کا دل و جان سے حامی تھا۔ اس کا کھیت اس کی جان تھا جس کو وہ کسی طرح سے بھی دوسرے کی ملکیت میں دینے کو تیار نہ تھا۔ چونکہ ملک کی ۸۰ فی صدی آبادی کسانوں پر مشتمل تھی اور وہ اشتراکی ملکیت کے خلاف تھے۔ اس بنا پر حکومت کے لئے شدید مشکلات پیدا ہو گئی تھیں۔ کسانوں نے بولشیوک کی اشتراکی تدابیر کے خلاف عملی جدوجہد کرنی شروع کر دی تھی۔ ان کو برسر پیکار دیکھ کر لینن نے جرمنی سے صلح کرنے کا تہیہ کر لیا تاکہ دو محاذوں پر بیک وقت نہ لڑنا پڑے۔

جرمنی سے صلح

برسرِ پیکار حکومتیں لینن کے ، ۸ نومبر ۱۹۱۷ء کی عارضی صلح کی اپیل پر خاموش رہیں اور ان کی مہرِ خاموشی نہ ٹوٹی۔ ان حالات میں لینن نے جرمنی سے علیحدہ صلح کرنے کا ارادہ کر لیا اس ارادے کی تشکیل میں کسان پارٹی کی شورش اور مغربی یورپ میں انقلابی آثار کو بھی بہت بڑا دخل تھا۔ لینن کو کامل امید تھی کہ سرمایہ داری کا تضاد قلیل عرصے بعد مغربی یورپ میں اشتراکی انقلاب پیدا کر دے گا۔ اس خیال کے ماتحت لینن اپنی طاقت کو مضبوط کرنے کے لئے جرمنی سے وقتی طور پر شرمناک شرائط پر صلح کر لینے کے لئے تیار ہو گیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ موجودہ جرمن حکومت کو چند روز میں صفحہ ہستی سے مِٹ ہی جانا ہے اور جو حکومت اس کی جگہ لے گی وہ اشتراکیوں ہی کی ہم مشرب ہو گی۔ اس طرح یہ شرمناک شرائط خود بخود کالعدم ہو جائینگی روس و جرمنی کی صلح موخرالذکر کے لئے زیادہ مفید تھی چونکہ صلح ہونے پر جرمنی اپنے مشرقی محاذ سے تمام فوجیں مغرب میں لے جاسکتا تھا جہاں فرانس و انگلستان شدید حملہ کر رہے تھے۔ لینن کا گمان تھا کہ مغربی محاذ کا سخت معرکہ جرمنی کو مشرق میں صلح کرنے پر آمادہ کر دے گا اور لینن کی صلح کی تحریک کو جرمنی اپنے مفاد کی خاطر لبیک کہے گا۔

یہ خیالات تھے جن کو عملی جامہ پہنانے کے لئے ٹروٹسکی کو جرمن نمائندے سے صلح کی گفت و شنید کرنے کے لئے برسٹ روانہ کر دیا گیا۔ ٹروٹسکی برسٹ کے معاہدہ کا ذکر کرتے ہوئے لکھتا ہے:۔

"جرمنی سے صلح کی گفت و شنید کرنے سے ہمارا مقصد وقت گزارنا تھا ہمیں مستقبل قریب میں مغربی یورپ میں انقلابی حالات پیدا ہو جانے کی پوری امید تھی اور یقین تھا کہ جرمنی۔ آسٹریا اور دول متحدہ کا مزدور طبقہ ہمارے نظام کے محاسن اور صلح کے رویہ کو بہ نظر احسن دیکھے گا۔ نیز اپنی اپنی حکومتوں پر ہم سے نہایت منصفانہ اور نرم شرائط پر صلح کرنے کے لئے زور دے گا۔ چنانچہ پہلی مرتبہ صلح کی گفتگو میں رکاوٹ ہونے اور جانے کی واپسی پر لینن نے مجھ سے برسٹ جانے کے لئے کہا میں نے اپنی نارضامندی ظاہر کی لینن بولا" لیکن کسی کو تو جانا چاہیئے تاکہ بحث و مباحثہ میں وقت ٹلایا جائے۔ اس کے اصرار پر میں جانے کے لئے راضی ہو گیا۔ برسٹ کے راستہ میں میں نے دیکھا کہ خندقیں خالی پڑی ہیں اور ہماری فوج کی حالت زبون ہے۔ مقام پر پہنچ کر شرائط صلح پر گفتگو ہوئی اور چند روز کے بعد ہی وقت ٹلانے کی خاطر حکومت سے مشورہ کرنے کے بہانے سے مجھے دارالسلطنت واپس آنا پڑا۔ واپسی پر میں نے بولشیوک کی فوجی کمیٹی کے صدر سے ایک پرزور تقریر کرنے کی درخواست کی تاکہ برسٹ میں ہمارے ہاتھ مضبوط ہو جائیں۔ اس پر جواب ملا" غیر ممکن ہے۔ کوئی دوبارہ خندقوں میں جانے پر آمادہ نہیں ہے۔ ایسی تقریر کا یہ اثر ہو گا کہ ہماری فوج ہم سے بالکل برگشتہ خاطر ہو جائے گی"

یہ ظاہر تھا کہ ہم جنگ جاری نہیں رکھ سکتے تھے لیکن زیادہ اہم سوال یہ تھا کہ جرمنی میں حملہ آور ہونے اور جنگ جاری رکھنے کی سکت ہے۔ میرا خیال تھا کہ جرمنی اب اتنا تھک چکا ہے کہ معاہدہ نہ کرنے کی شکل میں بھی اس کو ہم پر حملہ کرنے کی جرأت

نہ ہوگی۔ لیکن جب لینن سے اس خیال کا اظہار کیا گیا "وہ کہنے لگا" تمہارا استدلال قابل غور ضرور ہے لیکن فرض کرو کہ جرمنی اب بھی قوی ہو اور اگر اس کی شرائط قبول نہ کی گئیں وہ حملہ آور ہو جائے اس وقت کیا ہوگا امکانات بڑے خطرناک ہو جائیں گے اس وقت انقلاب کو تباہی سے بچانے کے لئے ہمیں جرمنی کی سب شرطیں منظور کر لینی چاہئیں"

"اس زمانہ میں یورپ کے مزدور طبقہ کو دول متحدہ نے یہ یقین دلا رکھا تھا کہ یہ صلح کی گفت و شنید ظاہرا کارروائی ہے بولشیوک جرمنی کے ہاتھ فروخت ہیں دول متحدہ کے اس باطل پروپیگنڈے کو غلط ثابت کرنے کے لئے میں یہ چاہتا تھا کہ جرمن فوجیں ہمارے ملک میں داخل ہو جائیں۔ اس وقت بحالت مجبوری ہم صلح کریں تاکہ ان حکومتوں کے جو ہم پر جرمن جاسوس ہونے کا بہتان لگا رہی تھیں منہ بند ہو جائیں۔ اس خیال کو مدنظر رکھتے ہوئے میں نے یہ پہلو نکالا کہ جرمنی سے جنگ بند کر دی جائے لیکن صلح نامہ پر دستخط نہ کئے جائیں۔ میرا استدلال یہ تھا کہ جرمنی اور زار روس میں جنگ تھی۔ اب چونکہ زار کی حکومت فنا ہو گئی اور ایک ایسی حکومت برسرِ اقتدار آگئی ہے جس نے جرمنی سے کبھی اعلانِ جنگ نہیں کیا اس لئے بولشیوک حکومت اور جرمنی کے درمیان صلح کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ جب میں نے لینن کو اپنا زاویہ نگاہ تحریر کیا۔ جواب آیا۔ "تم یہاں آجاؤ تاکہ اس کے متعلق گفتگو ہو جائے" اس جواب ہی سے میں سمجھ گیا کہ لینن کو میری رائے سے اختلاف ہے۔ چنانچہ پیٹروگراڈ پہنچنے پر لینن سے حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

لینن:۔ "اس شکل میں کہ جرمنی حملہ نہ کریں۔ تمہاری بات معقول ہے لیکن مجھے اس کی توقع نہیں کہ خیریت رہے۔ جرمن جنرل باویریا کے مضبوط کسانوں کی رجمنٹ ہمارے خلاف ضروری روانہ کر دے گا۔ اس وقت کیا ہوگا" تم خود کہتے ہو کہ ہماری خندقیں خالی پڑی ہوئی ہیں۔ فرض کرو کہ جرمنی حملہ آور ہو جائیں۔

ٹروٹسکی :۔ "حملہ ہونے پر ہم صلح کر لیں گے اور سب کو یہ علم ہو جائے گا کہ مجبوراً ایسا کیا گیا ہے۔ اس طرح اس بہتان کی بھی قلعی کھل جائے گی کہ ہم نے جرمنی سے درپردہ ساز باز کر رکھی ہے۔

لینن :۔ ہاں درست ہے۔ تمہاری ناامیدی میں بھی بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ بڑا خطرناک معاملہ ہے۔ فوری مسئلہ یہ ہے کہ خواہ کچھ ہی قربانی کیوں نہ کرنی پڑے اس انقلاب کو تباہی سے بچانا چاہیئے۔"

ٹروٹسکی :۔ بغیر لڑے صلح کر لینے سے خود بولشیوک پارٹی میں اختلاف ہو جائیگا ہماری پارٹی کا معتدبہ حصہ امپیریلسٹ جرمنی سے صلح کرنا اشتراکی اصول کو خیرباد کہنے کے مترادف خیال کرتا ہے۔ جرمن کے حملہ آور ہونے پر جب ہم مدافعت نہ کر سکیں گے اور لاچاری کی حالت میں صلح کریں گے اس وقت ہماری پارٹی کو یقین ہو جائے گا کہ اس وقت صلح کرنا ہی قرینِ مصلحت ہے ورنہ خود بولشیوک ہماری سیاست سے بدظن ہو کر دائیں پارٹیوں کے آغوش میں چلے جائیں گے۔

لینن :۔ درست ہے لیکن فوری سوال انقلاب کی زندگی و موت کا ہے۔ اگر اس وقت پارٹی کا توازن بگڑ بھی گیا تو کیا؟ از سرِ نو درست کر لیا جائے گا لیکن انقلاب! انقلاب اس وقت ہی زندہ رہ سکتا ہے کہ صلح نامہ پر دستخط کر دئے جائیں جرمن کی فتح کی شکل میں نہ ہم رہیں گے اور نہ انقلاب۔

ٹروٹسکی :۔ جب پستول سینہ پر ہو گا اس وقت ہم صلح کر لیں گے اس سے دنیا کے مزدور طبقہ پر یہ انکشاف ہو جائے گا کہ ہم نے اشتراکیت سے غداری نہیں کی بلکہ مجبوراً ایک امپیریلیسٹ حکومت سے صلح کی ہے۔

لینن :۔ کیا اس کے بعد تم جرمنی کے خلاف انقلابی جنگ نہیں کرو گے؟

ٹروٹسکی :۔ ہرگز نہیں۔

"لینن سے گفتگو ہونے کے بعد یہ مسئلہ مرکزی کمیٹی کے روبرو پیش ہوا جہاں ممبروں کی اکثریت نے میری رائے کی تائید کی کہ جنگ فوراً بند کر دی جائے لیکن کسی معاہدہ پر دستخط نہ کئے جائیں جرمن نمائندوں نے ہماری اس تجویز کی خبر پاکر اعلان کیا کہ فوری صلح کی شکل میں جرمنی روس پر حملہ نہ کرے گا۔ جب جرمنی کا فوری صلح کا مطالبہ ہم تک پہنچا اس وقت لینن کی اور میری حسب ذیل گفتگو ہوئی"۔

لینن :۔ کہیں جرمن دھوکا نہ دے رہے ہوں۔

ٹروٹسکی :۔ بظاہر یہ معلوم نہیں ہوتا۔

لینن :۔ اگر ایسا ہے تب خوب ہے۔ جنگ بھی ختم ہو گئی اور عزت بھی رہ گئی۔

"ابھی عارضی صلح کی میعاد ختم ہونے میں دو روز باقی تھے کہ برسٹ سے ہمارے جنرل کا تار آیا جس میں یہ اطلاع درج تھی کہ جرمن جنرل کے پیغام کے مطابق ۱۸ فروری ۱۲ بجے دن سے جرمن اپنے آپ کو روس سے برسرِ پیکار خیال کرے گا۔ اس اطلاع کی موصولی پر لینن میرے پاس آیا اور کہنے لگا"

"اس اطلاع کا مطلب سمجھے۔ ہمیں دھوکا دیا گیا اور اس طرح جرمنی کو پانچ روز حملہ کی تیاری کے لئے مل گئے۔ یہ درندہ کسی کو نہیں بخشتا۔ اب کیا باقی رہا ہے۔ دستخط کرو۔ کیا جرمنی پرانی شرائط پر صلح کرے گا۔؟"

ٹروٹسکی :۔ جرمن افواج کو حملہ آور ہونے دینا چاہئے۔

لینن :۔ جرمن حملہ کے یہ معنی ہوں گے کہ ڈونا برگ ہاتھ سے نکل جائے گا اور وہاں جو سامان حرب کے ذخیرے ہیں ان پر بھی جرمن قبضہ ہو جائے گا۔

ٹروٹسکی :- ظاہر ہے۔ قربانی کرنی پڑے گی لیکن یہ قربانی کرنی اس لئے ضروری ہے کہ روس، فرانس اور انگلستان کے مزدور اصلی حالت سمجھ جائیں گے ہم مجبوراً ایک امپیریلسٹ سے معاہدہ کر رہے ہیں۔

لینن :- نہیں نہیں۔ یہ ڈونا برگ کا ہی سوال نہیں ہے۔ لڑنا شکست کھانا ہے۔ جرمن لڑیں گے اور وہ لڑ سکتے ہیں۔ انہیں پانچ روز تیاری کرنے کے لئے بھی مل گئے ہیں یہ درندہ یک لخت زقند لگا دے گا۔

ان حالات میں مرکزی کمیٹی نے فوراً برقی پیغام کے ذریعہ سے صلح پر دستخط کرنے کی رضامندی دے دی۔ اس پر میں نے لینن سے کہا۔

کیا یہ قرین مصلحت نہ ہوگا کہ میں حکومتی اداروں سے استعفیٰ دے دوں،

لینن :- ہم مغربی جمہوریتوں کا طریقہ کار پسند نہیں کرتے۔

ٹروٹسکی :- میرے استعفے سے جرمنی کو یہ خیال ہو جائے گا کہ ماسکو میں واقعی سیاسی تبدیلی ہو گئی ہے اور ہم معاہدہ پر عمل پیرا رہیں گے۔

لینن :- ہاں بات وزنی معلوم ہوتی ہے۔

"شاید اسی روز جرمنی کی فن لینڈ میں فتح کی خبر آئی۔ لینن میرے پاس آیا اور کہنے لگا" ہاں ہمیں فنلینڈ کی حمایت میں علانیہ لڑنا چاہیئے خواہ کچھ ہی کیوں نہ ہو۔ اب سوائے جنگ کے کوئی دوسرا راستہ ہی نہیں رہا۔"

لیکن لینن کی یہ رائے فوری تھی جب کچھ دیر بعد میں لینن کے کمرے میں گیا وہ کہنے لگا۔

" نہیں ہم اپنی صلح کی پولیسی تبدیل نہیں کر سکتے اگر ہم جنگ شروع بھی کر دیں تب بھی فنلینڈ کی اشتراکی جمہوریت کو نہیں بچا سکتے اور خود

تباہ ہو جائیں گے۔ ہم فنلینڈ کی مزدور حکومت کی مدد تو ضرور کریں گے
لیکن اس طرح کہ جنگ کی آگ ہمارے دامن تک نہ پہنچے معلوم نہیں
کہ اس طریقہ کار سے ہم زندہ رہ سکتے ہیں یا نہیں لیکن فی الحال یہی
واحد راستہ ہے جس میں خیریت معلوم ہوتی ہے۔"

۱۸ فروری کو جرمنی نے حملہ کر دیا اور روسی پسپا ہونے شروع ہو گئے۔ یہ ایک نفسیاتی امر ہے کہ خواہ کسی ملک کے جمہور اپنی حکومت سے ناخوش ہی کیوں نہ ہوں لیکن جب کوئی غیر ملک وطن پر حملہ آور ہوتا ہے باوجود تمام اختلافات کے جمہور اپنی حکومت کے پشت و پناہ بن جاتے ہیں۔ چنانچہ جرمن حملہ کا ردعمل جمہور پر یہ ہوا کہ وہ دشمن کو روس کی سرزمین سے نکالنے کے لئے بولشیوک سے تعاون کرنے پر آمادہ ہو گئے اور پشکو اور ناروا کے مقام پر جرمن کے خلاف اس شدت سے لڑے کہ دشمن کا پیٹرو گراڈ کی طرف اقدام روک دیا۔ جرمنی افواج کی ناکامیابی نے اگرچہ اُن کو صلح پر راضی کر دیا لیکن شرائط پہلے سے زیادہ سخت کر دیں اور اس پر طرہ یہ کہ بولشیوک کو شرائط پر غور وخوض کرنے کے لئے صرف ایک دن کی مہلت دی۔ شرائط صلح اگرچہ حد درجہ غیر منصفانہ تھیں لیکن لینن ان کے مان لینے پر راضی ہو گیا ٹروٹسکی وغیرہ صلح کے مخالف تھے ان کا خیال تھا کہ چونکہ جرمن اقدام روک لیا گیا ہے۔ نیز جمہور غیر متوقع طور پر بولشیوک کی مدد کر رہے ہیں اس لئے روس لڑ سکتا ہے اور فتح پا سکتا ہے۔ جرمنی سے ان شرمناک شرائط پر صلح کرنا مناسب نہیں لیکن لینن باوجود اس مخالفت کے فوری صلح کے موافق تھا۔ چنانچہ ۲۴ فروری کو بڑی شد و مد سے دونوں سمت کے زاویہ نگاہ پیش کئے گئے۔ اختلاف اتنا بڑھا کہ ٹروٹسکی نے کمیسار کی کونسل سے استعفیٰ دے دیا اور لینن نے مرکزی کمیٹی سے مستعفی ہونے کی دھمکی دی اس منظر کو دیکھ کر بخارن آب دیدہ ہو کر ٹروٹسکی کے بازوؤں پر گر پڑا اور کہنے لگا ہم پارٹی کو

خس وخاشاک بنا رہے ہیں۔" اسٹالین دونوں زاویہ نگاہ میں مصالحت پیدا کرنے کی کوشش کر رہا تھا لیکن لینن نہ مانا۔ بڑی ردوقدح کے بعد اس نے مرکزی کمیٹی میں تین رائے کی اکثریت سے صلح کی تجویز منظور کرا لی اور امپیریلیسٹ جرمنی کو صلح کی شرائط روانہ کردیں۔ اس پر بخارن اور چار بائیں پارٹی کے ممبر جو حکومت کے ذمہ دار عہدوں پر مامور تھے۔ نیز ٹروٹسکی اور چھ پیپل کمیسار بھی مستعفی ہو گئے۔ ۲۴ فروری ۱۹۱۸ء روسی تاریخ کا ایک یادگار دن ہے چونکہ اس روز نہ صرف یہ کہ بولشیوک افواج نے جرمن افواج کے اقدام کو روکا بلکہ بولشیوک نے بحیثیت ایک خودمختار حکومت کے جرمنی کو صلح کی شرطیں روانہ کیں۔

۶ مارچ کو پیٹروگریڈ میں بولشیوک کی پارٹی کا غیر معمولی اجلاس ہوا اور ۱۲ گھنٹے کی بحث و مباحثہ کے بعد لینن کی صلح کی تجویز منظور ہوئی ۱۵ مارچ کو پیٹروگریڈ سے زیادہ محفوظ مقام ماسکو کو اشتراکی حکومت کا دارالسلطنت بنا دیا گیا اور کریملن کی عمارت میں اشتراکی حکومت مرکوز ہو گئی۔ ۱۵ مارچ کو برسٹ کے صلح نامہ پر پارٹی نے اپنی مہر ثبت کردی۔

اشتراکی حکومت ہنوز دور طفلی سے گذر رہی تھی۔ ہر شے کی ابتدا دھندلی اور غیر مربوط ہوتی ہے۔ یہی حال بولشیوک آمریت کا تھا۔ کسی مورخ کے لئے یہ بتانا مشکل ہے کہ ابتدائی چند سال میں سویٹ روس کا نظام کن اصولوں پر مبنی تھا۔ دراصل یہ کہنا درست ہوگا کہ چند ابتدائی سال تجربے کا زمانہ تھے۔ ترمیم و تنسیخ۔ تلاش و جستجو۔ اجتہاد تجربہ اور یہ آرزو کہ اشتراکی نظام قائم کریں بولشیوک کا سیاسی سرمایہ تھے اور بس۔

پرولتاری آمریت اور اقتصادی ابتری

اقتصادی مشکلات پیدا ہونے پر متعدد اکابر بولشیوک خود اپنی ہی پارٹی کی تعمیری کوششوں پر سخت نکتہ چینی کرنے لگے۔ اس زمانہ میں مشہور بولشیوک کریبن نے نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا "مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں پاگل خانہ میں آگیا ہوں اور میری تمنا صرف یہ ہے کہ اس دیواتی دنیا سے فرار ہو جاؤں۔۔۔۔ یہ انقلاب مدت تک زندہ نہیں رہ سکتا۔ قمار بازوں نے صرف روس ہی کو نہیں بلکہ تمام عالم کو کمیونسٹ بنانے کا داؤ لگایا ہے، لینن کا بہنوئی کہتا تھا "روس اتفاقاً قزاقوں کے جنگل میں آگیا ہے اب ان کی سمجھ میں نہیں آتا کہ اس کو کیا کریں" باوجود ہر سمت سے اظہار ہراس کے لینن جرأت سے کام لے رہا تھا اس کے حکم سے ۲۰ دسمبر کو ملک کے تمام بنکوں پر قبضہ اور ان کے ۲۸ ڈائریکٹروں کو سولمنی کی عمارت میں نظر بند کر دیا۔ بنکوں پر قبضہ ہونا تھا کہ تمام ملک کا اقتصادی نظام درہم برہم ہو گیا اور تجارت پا بہ زنجیر ہو کر رہ گئی۔ ۲۳ اپریل ۱۹۱۸ء کو بیرونی ممالک سے تجارت کرنا صرف حکومت کا حق قرار دے دیا گیا۔ لیکن ان قوانین کے علاوہ لینن کا ایک جملہ عوام میں بڑی برق رفتاری سے کام کر رہا تھا۔ دورانِ تقریر میں اس کی زبان سے یہ جملہ نکل گیا تھا "جو چرایا گیا ہے اس کو چرا لو" انقلابی جمہور کے دل میں جو جذبہ ہو اس کی تائید قائد کی زبان کر دے اس پر عوام کو اپنی خوش فہمی کا یقین کیوں

نہ ہو جائے۔ چنانچہ انقلابی جمہور نے اپنی خامہ فہم اور انفرادی خواہشات کو درست مان کر ان کے مطابق عمل کرنا شروع کر دیا اور برجوازی وامیر طبقوں کی کوئی شے باقی نہ رہی جو غریب کی دست برد سے بچی ہو چنانچہ تمام ملک میں لوٹ مار شروع ہو گئی۔ لینن کو یہ علم نہ تھا کہ اس کا ایک جملہ معاشرتی زندگی کو درہم برہم کر دے گا۔ اس نے اپنے الفاظ پر اظہار تاسف کرتے ہوئے کہا "میں نے یہ جملہ کہا اور اس کو بھول گیا لیکن انقلابی جمہور نے اس کو بنیادی اصول مان کر اس کے مطابق ایک پروگرام بنا لیا ہے۔"

امر واقعہ یہ تھا کہ بولشیوک کے برسر اقتدار آتے ہی مزدور طبقہ اپنے آپ کو ملک کی صنعت و حرفت اور پیداوار کا مالک تصور کرنے لگا تھا۔ اس یقین کی بنا پر اس کے دست تصرف سے صنعت و حرفت نہ بچ سکی۔ معمولی مزدور صنعت و حرفت کی پیچیدگیوں سے بے خبر اس کا کب انتظام کر سکتا تھا؟ چنانچہ قلیل ہی عرصے میں ملک کی اقتصادی زندگی پاش پاش ہو گئی۔ اس تباہی سے متاثر ہو کر ۲۹ نومبر ۱۹۱۷ء کو بولشیوک حکومت نے مزدوروں کو کارخانوں کے معاملات میں براہ راست دخل دینے سے منع کر دیا۔ لیکن ساتھ ہی ساتھ فیکٹری کمیٹیاں مقرر کر دیں جن میں اگرچہ مزدور طبقہ کی اکثریت تھی لیکن کارخانہ دار شامل تھے ان کمیٹیوں کو فیکٹری کے انتظامات اور حسابات وغیرہ پر بھی نگاہ رکھنے کا حق تھا۔ سرمایہ دار اور برجوازی ماہرین کو صنعت و حرفت کمیٹی کا ممبر بنانے سے لینن کا یہ مقصد تھا کہ مزدور ان کی مدد سے صنعت و حرفت کا تجربہ حاصل کر لیں گے لیکن سرمایہ دار اور برجوازی ماہرین، اس لئے ممبر بنے تھے کہ کمیٹی میں شریک ہو کر ملک کی صنعت و حرفت کو تباہ کرنے اور اس طرح انقلاب کو بدنام کرنے کا اچھا موقع مل جائے گا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چند روز بعد مزدور اور ماہرین ممبروں میں کشمکش شروع ہو گئی۔ رجعتی ماہرین نہ صرف کارخانوں سے کثیر رقمیں لے کر فرار ہو گئے بلکہ انھوں نے خفیہ طور پر مشینیں وغیرہ بیکار کرنی شروع کر دیں۔ ان حالات میں برجوازی اور سرمایہ دار طبقوں کو کمیٹیوں میں رکھنا خلافِ مصلحت خیال کیا جانے لگا اور یہ دونوں طبقے ملک کی اقتصادی زندگی سے

نکال دیئے گئے۔ جب کاریگر، مستری، انجنیئر، کلرک، سرمایہ دار، برجوازی ماہرین کارخانوں سے نکال دیئے جائیں اس حالت میں کارخانے کس طرح کام کر سکتے ہیں۔ اس بدانتظامی کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ تمام ملک کی اقتصادی زندگی کو حرکت دینے کا بار مزدور کے شانوں پر آپڑا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ ہر کام کے لئے تجربہ کی ضرورت ہوتی ہے کسی خاص صنعت کا تجربہ نہ ہونے کی شکل میں اس کو کامیاب بنانا غیر ممکن ہوجاتا ہے۔ ناتجربہ کار مزدور نہ سرمایہ دار کا سا تجربہ رکھتے تھے اور نہ ان میں کاروباری ایمانداری تھی۔ انھوں نے فیکٹریوں میں تندہی سے کام کرنے کی بجائے سیاسی معاملات پر بحث ومباحثہ شروع کر دیا۔ جب دل چاہتا کام پر آتے اور جس وقت طبیعت اُکتاتی چلے جاتے۔ کارخانہ سیاسی کلب گھر بن جاتے تو پھر ملک کی اقتصادی حالت کا خراب ہوجانا لازمی تھا۔ دراصل تمام مزدوروں کے ذہن میں مزدور آمریت کا یہی تصور تھا کہ ان پر اوقات کی کوئی پابندی نہ ہو۔ مزدور کے اس لااُبالی طرزِ عمل سے صنعتی اشیاء کے تیار کرنے میں کمی واقع ہوگئی۔ جو اشیاء تیار ہوئیں ان کو مزدوروں نے نجی طور پر فروخت یا آپس میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ اشیا کی کمی نے معاشرہ میں آشوب پیدا کر دیا۔ آشوب کے مستقل شکل اختیار کر لینے پر مزدور طبقہ کے شکوے خود بولشیوک کی زبان پر بھی آنے لگے اس زمانہ کے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے تجارتی انجمن کی مرکزی کمیٹی کے اخبار نے لکھا "مزدور کارخانوں کے مالک ضرور ہو گئے ہیں لیکن وہ فیکٹریوں کا انتظام ملکی بہبودی کے نقطۂ نظر سے نہیں بلکہ اپنے انفرادی مفاد کو ملحوظ رکھ کر کر رہے ہیں۔ ان کے نزدیک کارخانہ ایک خزانہ ہے جس کو وہ ہر وقت اپنے مفاد کے لئے استعمال کر سکتے ہیں۔ بسا اوقات مزدور کارخانہ کی تیار کی ہوئی اشیاء آپس میں تقسیم کر لیتے ہیں" اس انجمن کے صدر اور اکابر بولشیوک ٹومسکی نے دوران تقریر میں کہا "کارخانے بند ہونے والے ہیں چونکہ مزدور طبقہ اتنی اشیاء پیدا نہیں کر رہا جتنی کہ اپنے صرف میں لا رہا ہے۔ مزدور طبقہ حکومت کا پنشن خوار بن گیا ہے وہ معاشرہ کے سرمایہ پر جیتا ہے" اقتصادی کانگریس کے پہلے اجلاس میں کسٹو نے دوران تقریر

میں کہا "یہ سُن کر کہ خوف زدہ برجوازی طبقہ ملک کی اقتصادی زندگی تباہ کر رہا ہے مجھے ہنسی آجاتی ہے درحقیقت واقعہ یہ ہے کہ خود ہزاروں پرولتاری ملک کی صنعت وحرفت تباہ کر رہے ہیں"

اس ابتری کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت نے عاجز آکر فیکٹری کمیٹیوں کو کارخانوں کے انتظامی معاملات میں دخل دینے سے منع کر دیا اور منتظمہ کمیٹیوں کی تشکیل کر دی جن کو کارخانہ کے انتظام اور جنس کی خرید و فروخت کے اختیارات دیدیئے لیکن دقت یہ تھی کہ ان کمیٹیوں کے ممبر بھی اسی طبقہ سے تھے اور ان میں بھی وہی اخلاقی و انتظامی خامیاں تھیں جو پہلے ممبروں میں تھیں اس لئے یہ بھی خاطر خواہ انتظام نہ کر سکے۔ انقلابی دور کا ہمیشہ سے یہ ایک اہم مسئلہ رہا ہے کہ انقلاب ہو جانے کے بعد حکومت کا کس طرح انتظام کیا جائے۔ روزِ ازل سے غریب مظلوم ہی انقلاب کرتے آئے ہیں اور ان میں تعلیم و تجربہ کی کمی اتنی عمیق ہوتی ہے کہ وہ ملکی انتظام کرنا تو درکنار، سیاسی و اقتصادی مسائل کی سمجھ تک نہیں رکھتے جس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ انقلاب کے بعد جب اپنی طاقت کے قیام اور نئے نظام کی تشکیل کا مسئلہ ان کے سامنے آتا ہے تو وہ ان اہم مسائل کے حل کرنے کے بالکل ناقابل ثابت ہوتے ہیں اور مجبوراً ان کو زمامِ حکومت اسی ہاتھ میں دے دینا پڑتی ہے جس سے وہ چھین چکے تھے۔ انقلابِ روس کا طرۂ امتیاز یہ تھا کہ اس وقت لینن کی سرکردگی میں غریب کی رہبری کے لئے ایک بیدار پرولتاری جماعت موجود تھی اگرچہ یہ جماعت قلیل تھی اور روس کی سیاسی و اقتصادی ضرورتوں کے لئے قطعی طور پر ناکافی تھی لیکن تعداد میں اتنی ضرور تھی کہ اس نے ہر رجعتی اقدام کو کامیابی سے روکا۔ بولشیوک آمریت نے مزدوروں کی ناتجربہ کاری اور اخلاقی خامیوں کا سدباب کرنے کا یہ طریقہ نکالا کہ فوجی طاقت پر قبضہ رکھا اور ایک کمیٹی پر اس سے اعلیٰ دوسری محتسب کمیٹی قائم کر دی تاکہ بدعنوانیوں اور لاپرواہیوں کے امکانات کم ہو جائیں لیکن دقت یہ تھی کہ جو محتسب کمیٹیاں قائم ہوئی تھیں ان کے ممبر بھی اقتصادی و اخلاقی ارتقا

کی پست منزل میں تھے۔ جب انسانوں کی نفسی کیفیت ہی زبوں ہو، کسی کمیٹی کا محتسب کمیٹی نام رکھ دینے سے وہ احتساب لینے کے لائق نہیں بن سکتی۔ چنانچہ بولشیوک ایک کمیٹی پر دوسری محتسب کمیٹی اور دوسری پر تیسری کمیٹی مقرر کرتے جاتے تھے اور اشتراکی نظام بجائے روبہ اصلاح ہونے کے خراب ہوتا چلا جارہا تھا اس سلسلہ میں ایک واقعہ قابل ذکر ہے ایک روز لینن دفتر میں کام کر رہا تھا کہ مزدوروں کا ایک وفد مزید فیکٹریوں پر قبضہ کرنے کے حکم پر دستخط کرانے آیا۔ مزدوروں کے مطالبہ سے خام تمناؤں کا اضطراب اور لینن کے جواب سے تجربہ کار انسان کے ضبط و تحمل کا پتہ چلتا ہے۔ لینن نے جواب دیا "تم حکم تو لکھ لائے اور میں اس پر دستخط بھی کر دوں گا لیکن یہ بتاؤ کہ تم کارخانوں کا انتظام بھی کر سکو گے۔ کیا یہ تخمینہ لگا لیا ہے کہ سماج کو کتنی اشیاء کی ضرورت ہے اور کارخانے کتنی اشیاء تیار کر سکتے ہیں" لینن آگے چل کر تحریر کرتا ہے "ان سوالات کے جو جوابات مزدوروں نے مجھے دئے ان سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ تجارتی معاملات کو مطلق نہیں سمجھتے"

ایک روز سولومن اور لینن کے درمیان روس کی اقتصادی پسماندگی کا ذکر آیا اس پر لینن نے کہا "اشتراکیت روسی مسئلہ نہیں ہے عزیز من۔ اس پر تو میں تھوکتا ہوں۔ یہ انقلاب عالم کا سوال ہے" اس پر لینن کے دوست سولومن نے جواب دیا "فرض کرلو کہ تم نے شدید انقلابی حالات بھی پیدا کر دئے لیکن لینن تم ردعمل کے قانون کو نہیں سمجھتے یہ قانون آلاتی قانون کی طرح ہوتا ہے۔ جب تمہارے عمل کا ردعمل شروع ہوگا۔ نہ معلوم یہ تم کو کس غار میں لے جائے گا" یہ سن کر لینن چلایا "پرواہ نہیں لے جانے دو لیکن اس وقت شدید ترین انقلابی عمل کرنا ضروری ہے ہم ردعمل کے قانون سے بھی لڑیں گے اور اس پر فتح پائیں گے اور دنیا کو ہلا دیں گے"

جرمنی میں اشتراکی انقلاب اور روس میں اشتراکی نظام کا قیام لازم و ملزوم تھے روس جیسے غیر ترقی یافتہ ملک میں جو آلات و مشین کے استعمال سے بے بہرہ تھا وہ اشتراکی

نظام وجود میں نہیں آسکتا تھا جس کے قیام کے لئے سرمایہ دار ملکوں سے دوچند آلات کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس زمانہ میں لینن نے اقتصادی موضوع پر بہت سی تقریریں کیں جن کا خلاصہ حسبِ ذیل ہے۔

"ہم بولشیوک اس لئے انقلاب کرنے میں کامیاب ہو گئے ہیں کہ متوسط طبقہ انقلاب کا حامی تھا۔ اس طبقہ کی مدد اور ہمدردی ہمارے ساتھ اس بنا پر تھی کہ وہ خود امیر طبقہ کی ملکیت پر جبریہ تصرف کر کے امیر بننا چاہتا تھا۔ انقلاب میں حصہ لینے سے متوسط درجہ کا مقصد اشتراکی انقلاب کرنا نہ تھا بلکہ انقلابی حالات سے فائدہ اٹھا کر امیر و کبیر بن جانا تھا"

"تاریخ کا مطالعہ ہمیں بتاتا ہے کہ برجوازی طبقہ فنا ہو جانے پر بھی کچھ عرصے بعد از سرِ نو زندہ ہو جاتا ہے۔ ہمیں وہ حالات پیدا کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے جن میں موجودہ برجوازی اور سرمایہ دار طبقے زندہ نہ رہ سکیں اور نئے پیدا نہ ہوں۔ بظاہر برجوازی طبقہ تباہ حال معلوم ہوتا ہے لیکن اصل واقعہ یہ ہے کہ جب تک ہم جرأت و تنظیم سے ایک اشتراکی نظام قائم نہ کر دینگے وہ فنا نہ ہو گا۔ پرولتاری طبقہ کے تنظیم سے کام نہ لینے پر متوسط طبقہ برسرِ اقتدار آجائے گا متوسط طبقہ (برجوازی) کا روس میں ہنوز بہت اقتدار ہے"

"اب تک ہم نے بڑی عجلت سے کام لیا ہے اور صنعت و حرفت کی اتنی شاخوں پر قبضہ کر لیا ہے کہ ان کا انتظام کرنا ہمارے لئے ناممکن ہو گیا ہے اب وہ لمحہ آگیا ہے کہ ہم اپنی تیز رفتاری کو آہستہ کر دیں اور ملک کی صنعت و حرفت کی مزید شاخوں پر قبضہ کرنے کی بجائے مقبوضہ فیکٹریوں کی بہتر تنظیم کی طرف رجوع ہوں۔ اگر انقلاب برپا کرنے کے لئے تخریبی عمل کی ضرورت تھی

تو اب تعمیری عمل درکار ہے۔ ہمیں جمہور کی نفسیاتی کیفیت بدلنی ہو گی اگرچہ آلات و پیداوار کے عناصر پر مزدور کا قبضہ ہے لیکن جبتک صنعت و حرفت کے حساب رکھنے اور نفع و نقصان معلوم کرنے کا مارکسی طریقہ معلوم نہ ہو جائیگا عناصر پیداوار پر ہمارا قبضہ زیادہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔"

"دوسرے ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کی بہ نسبت روسی مزدور نا اہل ہے اس کو تنظیم سے کام کرنے کا طریقہ سکھانا ہو گا۔ اب ہمیں مزدور کو اس کی ایک روز کی تیار شدہ اشیاء کی تعداد کے مطابق اُجرت دینی چاہیئے اور اس ترکیب سے مزدور کو کام کرنے پر مجبور کرنا چاہیئے بر جوازی طبقہ کے لئے جبریہ محنت و مزدوری کے قانون کا اجراء فوراً کر دینا چاہیئے اور اس طبقہ کے ہر فرد کو دو ڈائریاں دینی چاہئیں جن میں سے وہ ایک پر روزانہ کام کی کیفیت و کمیت درج کرے اور دوسری میں ان اشیاء خوردنی وغیرہ کا اندراج کرے جو کام کرنے والے نے اس روز استعمال کی ہوں۔ ہمیں بر جوازی طبقہ سے بھی کام لینا ہو گا لیکن چونکہ یہ لوگ ایک خاص زندگی کے عادی ہیں اس لئے ان کو زیادہ اُجرتیں دینی ہوں گی۔ کمیونسٹ اصول یہ چاہتا ہے کہ تمام کام کرنے والوں کو مساوی اجرتیں دی جائیں لیکن کیا کیا جائے ہمیں روس کی پسماندگی کا خمیازہ اُٹھانا پڑے گا۔ اگر روس آلاتی طور پر ترقی یافتہ اور مزدور طبقہ تعلیم یافتہ اور تجربہ کار ہوتا ہمیں بر جوازی کا دست نگر ہونے اور اُجرتوں میں فرق کرنے کی ضرورت محسوس نہ ہوتی۔ مزدور طبقے کی خامی دیکھتے ہوئے ہمیں روس میں فی الفور "ریاستی سرمایہ داری" (STATE CAPILISIM) جس کو ریاستی اشتراکیت (STATESOCIALSM) بھی کہا جا سکتا ہے قائم کر دینا

چاہیئے یعنی وہی اقتصادی نظام جو جنگ کے زمانہ میں جرمنی میں رائج تھا ریاستی سرمایہ داری ہماری موجودہ مشکلات کا واحد حل ہے۔ روس جیسے پسماندہ ملک میں اسٹیٹ کیپٹل ازم، وہی حکم رکھتا ہے جو ترقی یافتہ ملک میں اشتراکی نظام رکھتا ہے۔ اسٹیٹ کیپٹل ازم ہم میں مرکزیت تنظیم اور قوتِ عمل پیدا کر دے گا"

خیال تھا کہ مغربی یورپ میں اشتراکی انقلاب ہو جائے گا لیکن یہ امید بر نہ آئی۔ موجودہ حالات میں ہمیں مزدور آمریت کا ڈھانچہ قائم رکھنا چاہیئے جب تک مغربی یورپ میں انقلاب نہ ہو جائے اس وقت تک روس میں مکمل اشتراکی نظام قائم نہیں ہو سکتا۔ روس جواب تک ایک غریب اور جاہل ملک رہا ہے اس کو بلا ترقی یافتہ ممالک کی مدد کے اشتراکی نظام قائم کرنے میں عرصہ درکار ہو گا۔ یہ خیال بھی عبث ہے کہ آنے والی نسل مکمل اشتراکی نظام قائم کر سکے گی اس کے لئے طویل مدت درکار ہو گی۔ جب تک روس میں آلاتی ترقی نصف النہار پر نہ پہنچ جائے۔ اقتصادی و سیاسی نظام میں تنظیم پیدا نہ ہو جائے مزدور طبقہ کی پیداوار کی اہلیت نہ بڑھ جائے اور سب کارکنوں کی اُجرتیں مساوی نہ ہو جائیں، اس وقت تک اشتراکیت کا قیام مستقل صورت اختیار نہیں کر سکتا۔ ہم مارکسیوں کا یہی نظریہ ہے۔ جو کوئی اس نظریہ کی تردید کرتا ہے کرے، ہمارے لئے اس کو سمجھانا وقت کو ذبح کرنا ہے۔"

"سرمایہ دار مراعات کا بھکاری ہوتا ہے وہ نفع کے لئے صنعت و حرفت میں حصہ لیتا ہے یہ سرمایہ دار اپنے نفع کی خاطر پرولتاری آمریت سے اشتراکِ عمل پر تیار ہو جائے گا۔ آج کل سرمایہ دار کو نفع کی اور پرولتاری آمریت کو

سرمایہ دار کی صنعتی و حرفتی اہلیت، قابلیت و تجربہ کی ضرورت ہے ہمارے پاس صدہا ایسی بڑی صنعتیں موجود ہیں جن سے اپنی ناتجربہ کاری اور سرمایہ کی کمی کی وجہ سے ہم مستفیض نہیں ہو سکتے۔ ان حالات میں یہی امر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سرمایہ دار سے اشتراکِ عمل کر لیا جائے اگر فوراً ایسا نہ کیا گیا اس صورت میں ملک کی صنعت و حرفت بڑے پیمانے پر تباہ ہو جائے گی اور متوسط طبقہ روس کی اقتصادی زندگی پر قابض ہو جائے گا۔ یہ شکل پرولتاری آمریت کے لئے بڑی مہلک ثابت ہوگی پوری احتیاط کے ساتھ سرمایہ داروں کو چند مراعات دینے میں کوئی ہرج واقع نہ ہوگا بلکہ فائدہ یہ ہوگا کہ ملک کی صنعت و حرفت بڑی تیزی سے ترقی کر جائے گی۔ سرمایہ داری بمقابلہ اشتراکیت کے ضرور پس افتادہ نظام ہے لیکن قرونِ وسطیٰ کے جاگیردارانہ نظام کے مقابلہ میں جو کل تک روس میں جاری تھا سرمایہ داری ایک ترقی یافتہ نظام ہے ہمیں ضروری احتیاط کے ساتھ سرمایہ دار کے سرمایہ اور تجربہ سے فائدہ اٹھانا چاہیئے تاکہ روس قرونِ وسطیٰ کے جاگیردارانہ دور کے خول میں واپس داخل نہ ہو جو سرمایہ داری کی نسبت ابتر نظام ہے۔

"ان حالات میں کہ ملکی صنعت و حرفت ترقی کے بہت ابتدائی دور سے گذر رہی ہے ہم سرمایہ دار کو معاشرہ سے جلاوطن نہیں کر سکتے۔ ہمیں سرمایہ داری کو اشتراکی ترقی کے لئے استعمال کرنا چاہیئے چونکہ بحری و بری فوج اور بیرونی تجارت و نیز ملک کی بڑی بڑی صنعتوں کا معتدبہ حصہ پرولتاری آمریت کے قبضہ میں ہے اس لئے سرمایہ دار سے عملی تعاون کرنے میں یہ خطرہ نہیں ہے کہ وہ ملک کی اقتصادی و سیاسی زندگی پر حاوی ہو جائے گا۔"

روس کی جہالت، اقتصادی پستی نیز سیاسی خامی سے تصادم ہوا اور مغربی یورپ سے اشتراکی انقلاب کی کمک نہ آئی ان حالات میں لینن وقتی ضرورت کے سامنے جھک گیا۔ لیکن دل میں یہی تصور تھا کہ کبھی نہ کبھی حالات مدد کریں گے فی الحال کسی نہ کسی طرح طاقت ہاتھ میں رکھو مغربی یورپ میں جلد یا بدیر انقلاب ہو کر رہے گا اس وقت روس میں اشتراکی نظام اپنی نکھری ہوئی شکل میں جاری کر دیں گے۔ کسان، متوسط اور امیر طبقات ہنوز طاقتور ہیں اس لئے ان سے وقتی طور پر اشتراکِ عمل کرنا ضروری ہے لینن ان خیالات کے مطابق ہر طبقہ سے اشتراکِ عمل کے لئے تیار تھا لیکن بولشیوک پارٹی میں اکابر بولشیوک کا ایک ایسا گروہ بھی تھا جو لینن کے ان تصورات کو مہلک خیال کرتا تھا۔ اس گروہ کا خیال تھا کہ سرمایہ دارانہ رجحانات اور جذبہ ملکیت کو اگر ملکی نظام اور دستور میں ذرا سی بھی جگہ دی گئی یہ اقدام اشتراکیت کو خیرباد کہنے کے مترادف ہو گا۔ وہ کہتے تھے سرمایہ دار کو ملک کی اقتصادی زندگی میں دخیل کرنے کا یہ اثر ہو گا کہ وہ اپنی ذہانت۔ تجربہ کاری تنظیمی قابلیت اور سرمایہ و اثر سے فائدہ اٹھا کر معاشرہ کی اقتصادی زندگی پر چھا جائے گا۔ اور انقلاب خواب و خیال ہو جائے گا۔ لیکن چونکہ 'برسٹ' کے موقع پر لینن کی رائے درست ثابت ہو چکی تھی اس لئے اس کے فیصلہ کا وقار اتنا بڑھا ہوا تھا کہ باوجود اکابر بولشیوک کی مخالفت کے لینن کی تدابیر کو عملی جامہ پہنانے کی سعی ہو رہی تھی۔

اقتصادی تعمیر کی طرف پہلا قدم یہ اُٹھا کہ قہوہ۔ مسالے۔ دیا سلائی۔ موم بتی بنانے، آلات و مشین بنانے کے کارخانے نیز معدنیات۔ تیل کے چشمے۔ ذرائع رسل و رسائل حکومت کی ملکیت قرار دے دئے گئے۔ سنہ ۱۹۱۸ء میں سوویٹ حکومت نے مجموعی طور پر ۱۱۲۵ کارخانوں اور اقتصادی اداروں پر قبضہ کر لیا۔ اجرت پر کام کرنا یا کرانا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ روس کا ہر باشندہ حکومت کا ملازم تصور کیا جانے لگا۔ ہر ملازم کو ایک ڈائری دی جاتی تھی جس میں اس کا روزنیہ درج ہوتا تھا۔ حکومت اپنے ملازموں کو سکہ کی بجائے جنس کی

شکل میں اجرت دینی تھی۔ جس کا شاید ۲۰ فی صدی سکہ کی شکل میں ملتا تھا چونکہ یہ قلیل رقم معاشرہ کی اقتصادی زندگی میں طبقات پیدا کرنے کے لئے بالکل ناکافی ہوتی تھی اسلئے بظاہر جمہور میں اقتصادی مساوات ہی معلوم ہوتی تھی۔ سماجی ضروری محنت کے معیار سے ہر شے کی قیمت کا تعین ہونے لگا تھا اور سکہ معاشرہ کی زندگی سے خارج کر دیا گیا تھا سکہ کی جگہ ہنڈی و چک اور کچھ روز بعد صرف بہی کھاتے میں اندراج کرنا ہی کافی خیال کیا جاتا تھا۔ بازار اور منڈیاں بند کر دی گئی تھیں۔ بولشیوک پارٹی کے ماہر اقتصادیات لیرن کا خیال تھا "اب سکہ صرف ایک رنگین کاغذ رہ جائے گا اور اجناس کی قدر کی ترجمانی نہ کرے گا" لیرن کے اس خیال کے مطابق بولشیوک آمریت نے روبل اتنی بڑی تعداد میں چھاپ دئے کہ سکہ کی کوئی قدر نہ رہی اور روس کی اقتصادی زندگی میں روبل کی ساکھ ختم ہو گئی۔ جبریہ محنت کا قانون بتدریج نافذ ہو گیا۔ اول اول یہ قانون اس طبقہ پر عائد کیا گیا جو اپنی روزی کے لئے مزدوری کرنے پر مجبور نہ تھا یعنی سرمایہ دار و برجوازی طبقہ اس قانون کی رُو سے اس طبقے کے لوگوں کو علی الصبح پولیس اسٹیشن جانا پڑتا تھا جہاں ان کی حاضری ہوتی تھی بعد ازاں ان کو لکڑی فراہم کرنے۔ برف کھودنے قبریں بنانے۔ پاخانہ و بارکیں صاف کرنے پر لگا دیا جاتا تھا۔ کچھ عرصے بعد مزدور طبقہ کی بدعنوانیوں کی بنا پر ان پر بھی قیود عاید کر دی گئیں۔ سست کار مزدوروں کو سزا ملنے لگی۔ ہڑتال کو تشدد سے دبایا جانے لگا اور کارخانوں میں فوجی دستے تعینات کر دئے گئے۔ ان تمام تدابیر کے باوجود ملک کی اقتصادی زندگی میں انتشار ہی پیدا ہوتا جاتا تھا بدحالی کی چند نمایاں اور اہم وجوہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) مزدور طبقہ میں چونکہ تعلیم یافتہ و تجربہ کار لوگوں کی کمی تھی اس لئے نا اہل لوگ ذمہ دار عہدوں پر مامور کر دئے گئے تھے جن کی ناتجربہ کاری صنعت و حرفت کو تباہی کی طرف لے جا رہی تھی۔ چنانچہ گسٹو نے دورانِ تقریر میں کہا "ہم نے صنعت و حرفت کو تماشا بنا دیا ہے

ایک درزی معدنیات کا اور ایک مصور کپڑے کے کارخانہ کا منیجر مقرر کیا جا رہا ہے۔"

(۲) مرکزی اقتصادی کمیٹی جس میں تجربہ کار بولشیوک تھے اور جو اشتراکی کارخانوں کی تنظیم میں سعی کر رہے تھے ان کے پاس اتنا کام تھا کہ عجلت طلب امور کو بھی طے ہوتے ہوتے عرصہ لگ جاتا تھا۔ یہ واحد امر ہی ملک کی اقتصادی حالت کو زیر و زبر کرنے کیلئے کافی تھا۔

(۳) سرمایہ دارانہ نظام میں اشیاء کی قیمت کی گرانی و ارزانی سے یہ امر معلوم ہوتا ہے کہ معاشرہ کو کس شے کی ضرورت ہے اور معاشرہ کا سرمایہ اور قوتِ عمل کس شے کے بنانے میں صرف ہونے چاہئیں۔ اگر بازار اور منڈیاں مفقود ہو جائیں تو جب تک بہت بڑے پیمانہ پر صحیح اعداد و شمار مہیا نہ کیے جائیں یہ اندازہ ہونا ناممکن ہو جاتا ہے کہ سماج کو کس شے کی ضرورت ہے۔ چونکہ ابتدائی زمانہ میں مزدور آمریت کو اس قسم کے اعداد و شمار دستیاب نہ تھے اس لئے معاشرہ کی ضرورت کا اندازہ بھی نہ تھا اور ہر شے بلا اندازے کے بنائی جا رہی تھی اس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ جس شے کی ضرورت نہیں تھی وہ تیار ہو جاتی اور جس کی ضرورت ہوتی وہ تیار نہ ہوتی تھی۔

(۴) فیکٹریوں میں مکمل تعاون نہ ہونے اور ضروری اداروں کی ناتجربہ کاری کیوجہ سے یہ معلوم نہ تھا کہ کس فیکٹری کو کتنی خام اشیاء درکار ہیں نیز چونکہ ذرائع رسل و رسائل بڑی خراب حالت میں تھے اس لئے اکثر یہ ہوتا تھا کہ ایک فیکٹری میں خام اشیاء بیکار پڑی ہیں اور دوسری فیکٹری ان کی کمی کی وجہ سے بند ہے۔ اس طرح خام اشیاء خراب ہو جاتی تھیں اور فیکٹری میں کام نہ ہوتا تھا نیز مزدور بیکار رہتے تھے۔

(۵) چونکہ سکہ ختم کر دیا گیا تھا اور کسی شے کی قدر معلوم کرنے کا کوئی عملی مارکسی طریقہ ہنوز ایجاد نہ ہوا تھا اس لئے کسی کو یہ علم نہ تھا کہ کسی شے کی کیا قدر ہے۔ ہر شے کا تبادلہ اندازہ سے ہوتا تھا۔ نیز یہ علم نہ تھا کہ معاشرہ جتنی اشیاء استعمال کر رہا ہے اتنی تیار بھی کر رہا ہے یا نہیں۔

(۶) چونکہ ناتجربہ کار اور ماہر مزدور کے روزینہ میں بہت کم فرق تھا اس لئے ماہر کاری گر کام سے جی چُراتا تھا اس وجہ سے بھی کارخانوں کی پیداوار برابر کم ہوتی چلی جارہی تھی۔

(۷) شہروں میں اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے قیمتیں بڑھتے بڑھتے حسب ذیل ہوگئی تھیں۔

جنس	قیمت
(۱) مکھن آدھ سیر	۷ پونڈ ۱۰ شلنگ
(۲) شکر آدھ سیر	۸ پونڈ
(۳) بکری کا گوشت آدھ سیر	۳ "
(۴) گھوڑے کا گوشت آدھ سیر	۱۴ شلنگ
(۵) کتے کا گوشت آدھ سیر	۱ پونڈ

عام مزدور اور حکومتی عمال کو جو روزینہ ملتا تھا وہ نہ صرف ناکافی بلکہ اس درجہ بوسیدہ وخراب ہوتا تھا کہ مزدور کے لئے شہروں میں رہ کر کارخانوں میں کام کرنا عذاب ہوگیا تھا۔ بہت سے مزدور فوج میں داخل ہوگئے تھے یا پھر شہر کی رہائش ترک کرکے دیہات میں چلے گئے تھے جہاں کم ہی سہی لیکن کھانے کے قابل خوراک مل جاتی تھی اسی باعث پیٹرو گریڈ کی آبادی ۲۶۰۰۰۰۰ سے کم ہوکر ۶۰۰۰۰۰ رہ گئی تھی۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر پرولتاری طبقہ انقلابی تخیلات وعمل ترک کرکے دیہات کے گوشۂ عافیت میں جا بیٹھا زینولیف اس زمانہ کے حالات پر تنقید کرتا ہوا تحریر کرتا ہے "مزدور طبقہ غائب ہوگیا ہے کچھ دیہات میں آباد ہوگئے ہیں جو باقی ہیں ان کو مشکل سے روزی ملتی ہے۔ حالات کی نااستواری کا یہ عالم ہے کہ مزدور کو ہر ماہ پیشہ بدلنا پڑتا ہے" لینن نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا "جو لوگ کارخانوں میں کام کر رہے ہیں وہ مزدور طبقہ

سے تعلق نہیں رکھنے بلکہ ہر طبقے کے لوگ ہیں جو گردش ایام کی وجہ سے مزدوری کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔"

شہروں کی حالت زبون ہو جانے پر شہر والے کیوں نہ حقیر و پس ماندہ دیہات کا رُخ کرتے۔ دیہات میں شہروں کی سی آسودگی تو نہ تھی لیکن اسی معنی میں وہ بہتر تھے کہ وہاں تازہ اشیائے خوردنی دستیاب ہو جاتی تھیں لیکن اس انقلابی زمانہ کا کسان زار کے زمانہ کا مہمان نواز کسان نہ رہا تھا۔ نفسی نفسی پڑی ہوئی ہو اور اجناس کی کمی ہر متنفس کو ستا رہی ہو ایسے دور میں کسی سے فراخ دلی اور مہمان نوازی کی توقع رکھنی بھی عبث تھی۔ کسان اپنے دیہات کی چھوٹی سی جنت میں مسرور تھا۔ اس کو اب اشتراکی انقلاب سے نہ ہمدردی رہی تھی اور نہ تعلق۔ اشتراکیت۔ اقتصادی مساوات۔ عالمگیر انقلاب کے تصورات اس کے ذہن میں کبھی نہ آتے تھے وہ انفرادی ملکیت کا دلدادہ تھا اور جب سے بڑے جاگیرداروں کی اراضیات غریب کسانوں کے ہاتھ آئی تھیں کسان کی نفسی کیفیت ایک چھوٹے سے جاگیردار کی سی ہو گئی تھی۔

دیہات میں صرف ۳۴ فی صدی غریب کسان رہ گئے تھے باقی جاگیردار کی غصب کی ہوئی اراضی کی بدولت امیر بن گئے تھے۔ شہروں سے بھوک کی ماری مخلوق گاؤں جاتی کسی کسان کے مکان پر دستک دیتی وہ دروازہ بھی نہ کھولتا بلکہ اپنے کچے مکان کی کھڑکی سے شہری پر حقارت آمیز نظر ڈالتا اور اس کو دھتکار دیتا۔ یہ وہی برتاؤ تھا جو شہری کسی زمانہ میں دیہاتی کے ساتھ روا رکھا کرتے تھے۔

اس زمانہ میں گاؤں میں عجیب و غریب منظر دکھائی دیتے تھے وہ پیانو جن کے نغمے امیروں کی بزم کو رقص میں لاتے تھے ان کو کسانوں نے اپنی مرغیوں کے ڈربوں میں تبدیل کر لیا تھا۔ ٹوپ ہیٹ جو کبھی شرفائے شہر کے سر کو زیب دیتا تھا وہ اب ایک بڈھے کسان کے سر پر دکھائی دیتا تھا۔ پشم کے نرم کوٹ جو دوشیزاؤں کے لئے وجہ زیبائش تھے آج ایک دیہاتی لڑکی کی کمر پر نظر آتے تھے۔ بلیرڈ کھیلنے کی میز کی ہری خوشنما بانات کی قمیص کسان کے

کمسن بچے پہنے پھرتے تھے۔ غرض یہ کہ دوران انقلاب میں غریب طبقات نے امیر طبقات سے جو خراج مع سود در سود وصول کیا تھا اس کی نوعیت کے مظاہرے روس کے گوشے گوشے میں دیکھے جا سکتے تھے

ایک آمریت جو مزدور اور بحری و بری فوج کی مدد پر استوار کی گئی ہو یہ کیسے برداشت کر سکتی تھی کہ شہر جہاں کارخانوں میں لاکھوں کی تعداد میں مزدور طبقہ کام کرتا ہو اور جہاں بحری و بری چھاونیاں ہوں وہ اشیائے خوردنی کی کمی کی وجہ سے تباہ ہو جائیں شہروں کو زندہ رکھنے کے لئے غلہ کی فراہمی کا مسئلہ شدید ترین شکل میں حکومت کے سامنے آ رہا تھا حکومت کو اشیائے خوردنی کی احتیاج اس درجے تھی کہ وہ غلہ کو حکومت کی اجارہ داری میں لانے کے لئے مجبور ہو گئی تھی۔ لیکن جب تک رعایا تعاون نہ کرے کسی حکومت کے احکامات کالعدم ہی رہتے ہیں۔ حکومت کے اجارہ داری کے قانون نے دیہات میں شدید بے چینی پیدا کر دی تھی۔

اگر شہروں کی صنعت و حرفت کسان کو غلّے کے عوض کچھ سامان دے سکتی یا معاشرہ میں بولشیوک حکومت کے قیام اور ان کے سکہ روبل کی قدر کا اعتبار ہوتا تب شاید کسان غلّہ دینے پر تیار ہو جاتا۔ لیکن کارخانوں میں جو اشیاء بنائی جا رہی تھیں وہ فوج اور مزدور طبقہ ہی کے لئے کافی نہ ہوتی تھیں اِن حالات میں شہر غلّہ کے عوض میں دیہات کو کیا دے سکتا تھا اور بولشیوک حکومت ایسی کون سی پائدار حکومت تھی کہ کاغذ کے روبل سکہ کے عوض کسان اپنی زندگی کا سہارا حکومت کو فروخت کر دیتا۔ مجلس دستور ساز کو فوجی دستے کے ذریعہ سے منسوخ کرنے پر کسان پہلے ہی سے خشم ناک تھا۔ اس پر غلہ کی اجارہ داری کے قانون کا تازیانہ پڑنے پر کسان حکومت سے لڑنے پر تیار ہو گیا۔ اس زمانہ میں کسان کہتا تھا جرمن اس بولشیوک حکومت کو فنا نہ کر سکے لیکن ہم کسان اس کو تباہ کر کے ہٹیں گے۔ دو حریف مقابل جن کو یہ یقین ہو کہ معرکہ میں شکست موت کے مترادف ہو گی تو وہ کونسا ایسا ظلم و ستم ہو گا جس کو مد مقابل اس شدید اور سنگین حالات میں روا نہ رکھیں گے۔ چنانچہ غلہ کی جبریہ فراہمی کے لئے حکومت نے

دیہات میں اپنے چیدہ چیدہ عمال اور ان کی کمک کے لئے فوجی دستے روانہ کر دئے۔ حکومت کے مسلح سفیروں کے غلہ طلب کرنے پر کسان نے اس کو زمین دوز کر دیا۔ حکومت کے تشدد کرنے پر کسان نے بھی ترکی بہ ترکی جواب دیا غرض کہ تمام ملک میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ اسی زمانہ میں غلہ کی جبریہ فراہمی کے سلسلے میں چیکا کا ادارہ جو بعد میں چل کر G.P.U. بنا منظر عام پر آیا چیکا کے ادارے کو انسان کی زندگی و موت پر اختیار تھا۔ چنانچہ کسانوں اور ان عناصر کا جو کسان کو حکومت کے خلاف تحریری۔ تقریری مدد دیتے رہتے تھے قتل عام ہونے لگا کسان کو سرزنش کے سلسلہ میں حکومت نے دوسری تدبیر یہ کی کہ دیہات میں غریب کسان کی تنظیم کرنی شروع کر دی اور غریب و امیر کی آپس کی طبقاتی کشیدگی سے فائدہ اٹھا کر غریب کسان کو کولک یعنی امیر و متوسط درجہ کے کسان کے خلاف لڑا دیا۔ غریب کسان نانِ شبینہ کو محتاج زندگی سے اکتایا ہوا حکومت کا اشارہ پا کر امیر کی ملکیت پر بھوکے درندے کی طرح جا پڑا۔ اور امیر و متوسط درجہ کے کسان ہتھیاروں سے مسلح ملکیت و عمارت کے نشہ میں سرشار غریب کو خاکستر کرنے لگے۔ اس تصادم کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام روس میں قیامت برپا ہو گئی۔

مزدور آمریت کو مشکلات میں گھرا ہوا دیکھ کر ملک کے سرمایہ دار طور پر جوازی طبقات علانیہ طور پر حکومت کے خلاف میدانِ عمل میں اُتر آئے۔ ان رجعتی عناصر نے تمام ملک میں "خدام ملک" "انجمن حریت" اور اسی طرح انواع و اقسام کے نام سے حکومت کیخلاف جماعتیں تیار کر لیں اور باقاعدہ مخالفت شروع کر دی۔ ان حالات میں اشتراکی نظام کی تشکیل کا نہیں بلکہ مزدور آمریت کے قیام کا مسئلہ زیادہ اہم ہو گیا۔ رجعتی عناصر کی حریفانہ جدوجہد کا ردعمل بولشیوک پر یہ ہوا کہ وہ ہر جائز و ناجائز طریقہ سے مزدور آمریت کو زندہ رکھنے کی سعی کرنے لگے۔

خانہ جنگی اور سرمایہ دار ممالک کی ریشہ دوانیاں

اشتراکی انقلاب چونکہ معاشرے کے ہر گوشہ کو متاثر کر رہا تھا۔ اس لئے اس کے محاذ بھی متعدد اور مختلف تھے اگر ایک جنگی محاذ تھا تو دوسرا سیاسی۔ اگر ایک جانب صنعت و حرفت پر حملہ تھا تو دوسری سمت زراعت پر پیش قدمی۔ تیسری طرف بر جوازی تمدن کے خلاف جہاد تھا تو چوتھی جانب مروجہ مذہب کے خلاف اقدام۔ انقلاب جو انسانی زندگی کی تشکیل نئی بنیادوں پر کرنا چاہے اس کے لئے بیک وقت معاشرے کے ہر پہلو پر محاذ بنانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ چنانچہ بولشیوک معاشرے کے ہر مورچے پر جارحانہ کارروائی میں مشغول تھے صنعتی و حرفتی اور زراعتی محاذ کا مختصر سا حال گزر چکا ہے۔ یہاں جنگی محاذ کا ذکر ہو گا لیکن ناظرین کو مختلف ابواب سے یہ خیال نہ کرنا چاہیئے چونکہ مختلف محاذوں کا ذکر علیحدہ علیحدہ کیا جا رہا ہے اس لئے ان کا زمانہ بھی مختلف ہے حقیقت یہ تھی کہ بیک وقت ان تمام محاذوں پر جارحانہ کارروائی ہو رہی تھی اور ایک محاذ دوسرے سے متاثر ہو رہا تھا۔

رجعتی عناصر کے فوجی تنظیم شروع کرنے پر بولشیوک نے بھی ٹروٹسکی کے زیر صدارت ایک انقلابی جنگی کمیٹی بنالی اور سرخ فوج کی تعمیر میں سرگرم ہو گئے۔

زار کے زمانہ کے جنرلوں کی جارحانہ کارروائی پر سرخ فوج بھی ان کی سرزنش کے لئے تیار ہو گئی اور متعدد محاذوں پر رن پڑنے لگے۔ جو فوج پسپا ہوتی صنعت و حرفت

زراعت وتجارت۔ شہر و دیہات۔ ضروریات زندگی اور سامانِ حرب کو تاخت و تاراج کرتی ہوئی ہٹتی۔ ملک میں طوائف الملوکی ہو جائے۔ چپے چپے پر لڑائیاں ہوں اور جو فریق پسپا ہو وہ ہر شے نذرِ آتش کر دے۔ ان حالات میں کسی ملک میں کیا باقی رہ سکتا ہے۔ اس زمانہ میں روس ایک محن کدہ بنا ہوا تھا۔ سُرخ فوج اگرچہ ہر مخالف کو سختی سے دبا رہی تھی لیکن اس کی تعمیری سختی میں تنظیم تھی بولشیوک کا جبر و قہر جمہور پر اتنا شدید اور تباہ کن نہ تھا جتنا کہ رجعتی سفید فوج کا۔ مزدور آمریت کی سخت گیری میں حکومت کا وقار و سلیقہ موجود تھا۔ اس کے برخلاف زار کے جنرلوں کی سفید فوج میں غیر ملکیوں کی بربری نفسیاتی کیفیت نمایاں تھی۔ ان کے ظلم و ستم میں قزاقیت کا عنصر غالب تھا چنانچہ جمہور کو سفید فوج کی فتح سے زاریت اور دور رفتہ کے جور و ستم عود کر آنے کا خوف پیدا ہو گیا اور عوام کی رجعتی جنرلوں سے بے اتفاقی بڑھتی گئی۔

خانہ جنگی شروع ہوتے ہی بولشیوک کے مخالف اخبارات زیادہ دلیر ہو گئے اور علانیہ طور پر بیرونی طاقتوں کو روس میں آ کر امن و امان قائم کرنے کی دعوت دینے لگے کوئی حکومت اس درجہ آزادی تحریر برداشت نہیں کر سکتی اس لئے مئی ۱۹۱۸ء کو بولشیوک کے حکم سے تمام مخالف اخبارات بند اور مخالف پارٹیوں کا سوویٹ کے اداروں سے اخراج کر دیا گیا۔ بولشیوک کی مخالف بائیں اشتراکی انقلاب پارٹی نے اس کا یہ جواب دیا کہ اکابر بولشیوک پر قاتلانہ حملے شروع کر دئے۔ اس سلسلہ میں پہلا قتل مشہور بولشیوک ولوڈارسکی کا ہوا۔ چکا نے اس قتل کا بدلہ صدہا رجعتی سروں سے لیا۔ چکا کے قصاص کے جواب میں بائیں اشتراکی پارٹی نے نہ صرف ماسکو میں علم بغاوت بلند کیا بلکہ جرمن سفیر مرباخ مقیم ماسکو کو قتل کر دیا اس اقدام سے ان کا یہ مقصد تھا کہ بولشیوک اور جرمنی میں از سرِ نو جنگ شروع ہو جائے اور اس طرح بولشیوک جرمن ہاتھ سے فنا ہو جائیں گے۔ تدبیر بری نہ تھی کسی سفیر کا قتل دو حکومتوں کو برسرِ پیکار کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ بغاوت دو گھنٹے میں فرو کر دی گئی لیکن جرمنی نے اپنے سفیر کی حفاظت کے لئے ماسکو میں جرمن فوج رکھنے کا مطالبہ کر دیا۔ کوئی خود مختار حکومت

کسی دوسری حکومت کے اس مطالبہ کو نہیں مان سکتی۔ لینن نے نہ صرف مطالبہ مسترد کیا بلکہ یہ اظہار بھی کر دیا کہ جرمنی کی طرف سے کوئی اس قسم کی سعی اعلانِ جنگ کے مترادف خیال کی جائے گی۔ مزدور آمریت کی خوش قسمتی تھی کہ اس زمانہ میں جرمنی اپنے مغربی محاذ پر اس درجہ پھنسا ہوا تھا کہ مشرق میں کوئی جارحانہ عملی کارروائی نہ کر سکتا تھا۔ اس طرح نوعمر مزدور آمریت پر آفت ناگہانی آتے آتے ٹل گئی۔ لینن پر اشتراکی انقلابی جماعت کے اس باغیانہ اقدام کا ردعمل شدید ہوا۔ اس نے تمام جمہوری روایات اور صلح و آشتی کے رویہ کو ترک کر کے برہنہ آمریت قائم کر دی۔ اب تک مخالف جماعتیں سوویٹ کے انتخابات میں حصہ لیتی تھیں اور اُن کو حکومت میں غیر اعتمادی کی رائے منظور کرنے کا بھی حق تھا لیکن ان واقعات کے بعد ان سے تمام مراعاتی حقوق چھین لئے گئے اور ان کے خلاف آہنی تشدد روا کر دیا گیا۔ بولشیوک اشتراکی انقلابی و دیگر جماعتوں پر مزدور آمریت کے برہنہ تشدد کا ردعمل یہ ہوا کہ انھوں نے اکابر بولشیوک پر از سر نو قاتلانہ حملے کرنے شروع کر دئے۔ لینن اور ٹروٹسکی خوش قسمتی سے بچ گئے۔ لیکن آرآٹسکی ان کی گولی کا نشانہ بن گیا۔ اس قتل کا اور دیگر ناکامیاب قاتلانہ اقدامات کا جواب سُرخ فوج اور چیکا نے بھی بربریت سے دیا۔ ہزارہا مخالفین نذرِ دار کر دئے گئے اور بولشیوک اخبارات نے مقتولین کی فہرستیں نشر کر دیں۔ نہ معلوم کتنے لاکھ انسانوں کا خون بہا۔

ہنوز خانہ جنگی کا بازار گرم تھا کہ مغربی یورپ میں انقلاب رونما ہو گیا۔ نومبر ۱۹۱۸ء کو جرمنی۔ آسٹریا ہنگری اور اُن کی دوسری معاون حکومتوں کو شکست اور اتحادیوں کو فتح ہوگئی اس شکست کا نتیجہ یہ ہوا کہ وسطی یورپ میں اشتراکی انقلاب کے آثار نمایاں ہو گئے اور لینن کو اپنے دیرینہ خواب کی تعبیر پوری ہوتی دکھائی دینے لگی۔ جرمنی کی شکست کے بعد برسٹ کا شرمناک معاہدہ خود بخود کالعدم ہو گیا اور بولشیوک نے بلا کسی مزاحمت کے ان علاقوں پر از سر نو قبضہ کر لیا جو جرمنی کو دئے جا چکے تھے۔ اس معاہدہ کو منسوخ کرتے ہوئے لینن نے اعلان کیا "روسی اور جرمنی پرولتاری کی مشترکہ سعی و کوشش سے برسٹ کا معاہدہ ختم ہوا ہے"

وسط یورپ میں اشتراکی انقلاب کے امکان سے سب روسی قائد مسرور نظر آتے تھے اور ان امکانات کو حقیقت بنانے کی سعی میں روسی انقلاب کو قربان کرنے کے لئے تیار تھے کہ ایک اور مشکل رونما ہو گئی۔ دول متحدہ نے فتح پاتے ہی مزدور آمریت کو جس کے اثر سے وسطی یورپ میں اشتراکی انقلاب کا خطرہ پیدا ہونے لگا تھا ختم کرنے کی ٹھان لی۔ سرمایہ دار ممالک نے روس کے رجعتی عناصر کی اسلحہ اور زر و مال سے امداد کرنی شروع کر دی۔ اس پر اکتفا نہ کیا بلکہ مارنسک ماکو۔ ریول پر انگریزی اور ولاڈی واسٹک پر جاپانی تفلس پر اطالوی اور اوڈیسا پر فرانسیسی افواج لنگر انداز ہو گئیں۔ نیز ۸۵ ہزار چیکوسلاو فوج کو جو دوران جنگ میں روسیوں نے پکڑلی تھی اور سائبیریا میں مقید تھی ہتھیاروں سے آراستہ کرنے کے بعد زار کے ایک جنرل کولچک کے سپرد کر دیا برطانوی افواج نے شمالی روس پر قدم رکھا تھا کہ لندن سے فوراً اعلان ہوا۔

"باشندگانِ روس تمہارے دیرینہ دوست انگلستان نے تم کو فراموش نہیں کیا ہے ہم تمہاری مدد کے لئے دوست کی حیثیت سے آ رہے ہیں ہم نے تمہاری آزادی و خود مختاری کا علم بلند کیا ہے۔ تم کو چاہئے کہ اس کے سائے میں آجاؤ۔ جارحانہ کارروائی سے ہمارا مقصد روس کو ایک آزاد اور طاقتور حکومت بنانا ہے اپنے اخلاقی مشن کے پورا ہونے پر ہم اپنے ملک واپس چلے جائیں گے۔

جاپانی افواج نے ولاڈی واسٹک پر لنگر ڈالے ہی تھے کہ ٹوکیو نے اپنے اعلان میں انگلستان سے بھی زیادہ روسیوں کے ساتھ خلوص و گرمجوشی کا اظہار کیا۔ پیرس سے بھی ایک محبت آمیز اعلان نشر ہوا۔ اس دنیا میں کون اتنا بے خبر ہو گا جو اس قسم کے اعلانات کا اصل مفہوم نہیں سمجھتا۔ ان اعلانات کے نشر ہوتے ہی تمام روس کو یہ گمان گذرا کہ ملک کی کمزوری و بدنظمی سے فائدہ اٹھا کر سرمایہ دار ممالک اس کے حصے بخرے کرنا اور ان کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے ہیں حقیقت بھی یہی تھی کہ خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر سرمایہ دار ممالک روس کے

مختلف حصص کو اپنے تصرف میں لانا چاہتے تھے۔ ان ممالک کو کیا خبر تھی کہ ان کے اس جارحانہ اقدام کا ردعمل خود ان کے مفاد ہی کے خلاف ہو گا۔ روس کی سرزمین پر علانیہ لشکر انداز ہونا اور رجعت پسند روسی جنرلوں کو مدد دینا ملکی وغیر ملکی سرمایہ دار عناصر کے لئے زہر اور بالشیوک کے لئے آب حیات ثابت ہوا۔ یہ ایک ناقابل تردید نفسی حقیقت ہے کہ جیسے ہی کوئی بیرونی طاقت کسی ملک پر حملہ آور ہوتی ہے فوراً ہی جمہور کی رگ و پے میں حب الوطنی کا جذبہ برق کی طرح دوڑنے لگتا ہے اور وہ اپنے خانگی مناقشے پس پشت ڈال کر حملہ آور کے مقابلہ پر آجاتے ہیں۔ جو افراد عملی مدد نہیں کرتے وہ جارحانہ مخالفت بھی نہیں کرتے۔ چنانچہ روسی جمہور خارجی افواج سے نبرد آزمائی پر آمادہ ہو گئے۔

سوویٹ روس کی تاریخ میں ۱۹۱۹ء یادگار رہے گا چونکہ اس سال کی ابتدا ہی میں ٹروٹسکی کی جانفشانی سے ۳۰ لاکھ منظم فوج وجود میں آگئی۔ اسی سال جبریہ فوجی خدمت کا قانون نافذ ہوا اور فوج کا اپنے افسران کو خود منتخب کرنے کا حق منسوخ کر دیا گیا نیز زار کے زمانہ کے ماہرین جنگ کو فوج میں اعلیٰ عہدے دئے جانے لگے۔ اس زمانہ میں ٹروٹسکی کی حسن تدبیر اور جانفشانی کا ذکر کرتے ہوئے لینن نے گورکی سے کہا۔

"تم بتاؤ ٹروٹسکی جیسا دوسرا کون ہے۔ اس تنہا شخص نے ایک سال کے قلیل عرصے میں ایک ایسی فوج منظم کر دی ہے جس پر ہم بجا طور پر ناز کر سکتے ہیں اس کی دوسری اہم کامیابی یہ ہے کہ اس نے زار کے زمانہ کے فوجی عہدے داروں اور ماہرین جنگ کا تعاون حاصل کر لیا ہے۔ جب ہمارے ساتھ ایک ایسا انسان ہے تو گویا ہمارے پاس بہت کچھ ہے۔ اب تم کامیابی و کامرانی کے معجزے دیکھو گے"

تاریخ کی ستم ظریفی دیکھئے کہ جس شخص نے مصائب وفنا کے امنڈتے ہوئے طوفان سے روس کو بچا لیا وہ کل کے شریک کار کے بغض وعناد سے اپنے آپ کو مکان کی چار دیواری میں

نہ بچاسکا۔ ٹراٹسکی فوج کی تنظیم میں منہمک تھا۔ اس کی مشغولیت وسعی کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ تین سال تک اپنا آرام و آسائش ترک کر کے ایک ریل کو اپنا مسکن بنائے رہا اور فوجی ضرورت کے ماتحت ہمیشہ نقل وحرکت ہی میں رہا۔ اسی بلاخیز سال کے دوران میں لینن نے مزدور آمریت کے مزید استحکام کے لئے بین الاقوامی سرمایہ داروں کے اتحادِ عمل کے مدِمقابل بین الاقوامی مزدور ادارہ یعنی کمیونسٹ انٹرنیشنل کی بنیاد ڈالی۔ اسوقت سرمایہ دار ملکوں کا دوسمت سے مقابلہ کیا جارہا تھا۔ ایک انقلابی فوج کو منظم اور مسلح دوسرے کمیونسٹ انٹرنیشنل کے ذریعہ سے مدمقابل ملکوں کے مزدور طبقے کی عملی ہمدردی حاصل کر کے قوتِ مدافعت بڑھائی جارہی تھی، ۱۹۱۹ء سے سرخ فوج اور کمیونسٹ انٹرنیشنل انقلابی طاقت کے روز بروست رُکن رہے ہیں۔

لینن خانہ جنگی کے زمانہ میں فوج کے لئے نوجوان۔ اشیائے خوردنی۔ لباس واسلحہ اور دیگر سامانِ حرب کے مہیا کرنے میں لگا ہوا تھا۔ اس سلسلہ میں وہ ہر روز مختلف کارخانوں میں جاکر پیداوار بڑھانے پر تقریریں کرتا تھا کہ ایک حادثہ رونما ہوا۔ حسبِ دستور ایک کارخانہ میں تقریر کے بعد واپس ہوا۔ موٹر میں بیٹھ رہا تھا کہ ایک کم عمر نحیف یہودی لڑکی نے بڑھ کر لینن کو ایک رقعہ دیا۔ وہ اس کے مطالعہ میں مشغول ہوا کہ لڑکی نے پستول نکال اس کو گولی کا نشانہ بنا دیا۔ لینن سخت زخمی ہو کر گرا اور فوراً صدر دفتر لے جایا گیا۔ کئی روز تک نہایت نازک حالت رہی لینن چونکہ مصائب برداشت کرنے کا شروع سے عادی تھا اور قوتِ برداشت موجود تھی اس لئے اس حملہ کو بصد خرابی سنبھال ہی لیا۔ اس حادثہ کا یہ نتیجہ ہوا کہ بولشیوک سراپا غیض وغضب بن گئے نہ معلوم کتنے ہزار رجعت پسند طبقہ کے افراد کو اس کم عمر لڑکی کے اقدام کا بدلہ اپنے خون سے دینا پڑا۔

۱۷ استمبر کو لینن صحت یاب ہو کر صدر دفتر آیا اس وقت حالات بڑے نازک تھے۔ تین چوتھائی ملک دشمنوں کے تصرف میں تھا۔ کولک۔ کوسک۔ سفید۔ روسی ۔۔ وسطی روس پر

قابض تھے۔ مشرق میں جنرل کولچک نے بحرالکاہل سے لگا کر دریائے کاما تک اپنا اثر قائم کرلیا تھا۔ جنوب میں جنرل ڈینکن نے تمام زرخیز علاقوں پر قبضہ کرلیا تھا۔ شمال و مغرب میں جنرل یوڈینیچ پیٹروگریڈ کی سمت بڑھ رہا تھا۔ باکو کے تیل کی ہوس میں چند انگریز افسر فوج فراہم کر کے ایران کے راستے سے حملہ آور ہو گئے تھے۔ تفلس میں اطالوی افواج وارد ہو گئی تھیں۔ فرانس نے یونانی فوج کے چند دستے روس کی مشہور بندرگاہ اوڈیسا پر اتار دئے تھے۔ چونکہ جنرل کولچک نے صلح کے بعد سرمایہ دار ملکوں کو کثیر تاوان اور ملک کی صنعت و حرفت کی اجارہ داری دینے کا وعدہ کرلیا تھا اس لئے مغربی ممالک نے اس کو حاکمِ روس تسلیم کرلیا تھا۔ اس بنا پر بولشیوک سب سے قبل جنرل کولچک ہی سے نبرد آزما ہوئے۔ بولشیوک کی حسن تدبیر اور شجاعت نیز جنرل کولچک سے اتحادیوں کی غداری کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ بولشیوک کی اسیری میں آگیا اور بعد میں قتل کر دیا گیا۔ مشرق سے فارغ ہو کر سُرخ فوج نے جنرل یوڈینیچ کا رُخ کیا اور یہاں بھی ہمّت نے ان کو سُرخ رو کیا۔ اس فتح کے بعد وہ جنرل ڈینکن کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس محاذ پر بولشیوک کو شکست ہوئی اس شکست نے مغلوب عناصر میں نئی روح پھونک دی اور جنرل یوڈینیچ ازسرِنو پیٹروگریڈ پر حملہ آور ہو گیا۔ اس مرتبہ دونوں محاذوں پر خطرہ پیدا ہو گیا اور بولشیوک افواج پسپا ہوتی چلی گئیں۔ جنرل ڈینکن نے یہ غلطی کی کہ قزاقیت سے کام لینا شروع کر دیا اور کسان و جمہور کو اتنا لوٹا کھسوٹا کہ بولشیوک کا تشدد اُن کے دلوں سے محو ہو گیا اور وہ نئی آفات سے رہائی پانے کے لئے ازسرِنو کریملن کو تکنے لگے۔ کسان و جمہور کی نفسی کیفیت سے فائدہ اٹھا کر بالشیوک نے ان کو رجعتی جنرلوں سے لڑنے پر آمادہ کر دیا۔ سامنے سے سُرخ فوج حملہ آور ہوئی۔ پشت سے کسانوں اور عوام کی گوریلا فوج نے دباؤ ڈالا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ دسمبر ۱۹۱۹ء کو ڈینکن کو شکست فاش ہوئی۔ بولشیوک کے خلاف اس آخری مزاحمت کے فرد ہو جانے سے دول متحدہ شرم میں ڈوب گئیں۔ لندن و پیرس میں ماتم برپا ہو گیا اور انگلستان کے

وزیر خارجہ لارڈ کرزن کا حسب ذیل تار لینن کے نام وصول ہوا ؛

"کچھ عرصے سے مجھے یہ احساس ہو رہا تھا کہ مسلسل فوجی جدوجہد جاری رکھنا نامناسب ہے۔ میں نے جنرل ڈینکن پر اثر ڈالا ہے کہ وہ فوراً صلح کر لیں۔ ہمارا ملک جنرل ڈینکن اور ان کی فوج سے خاص طور پر وابستگی رکھتا ہے اس لئے ہمارا فرض ہے کہ آخری دم تک ان کی مدد کرتے رہیں۔ اب جب کہ ان کو شکست ہو گئی ہے ہمارے لئے لازم ہے کہ ان کو تباہی و فنا سے بچائیں ہم یہاں صلح کی گفتگو کے لئے سوویٹ نمائندوں کا انتظار کر رہے ہیں۔"

سلطنت برطانیہ کے وزیر خارجہ کے اس تار سے اکابر بولشیوک کو یہ یقین ہو گیا کہ مخالف عناصر کو شکست ہو گئی اور اشتراکی زندگی کی تشکیل کا وقت آ گیا لیکن یہ اُمید موہوم ہی ثابت ہوئی۔ چونکہ دولِ متحدہ کے اشارے پر اپریل ۱۹۲۰ء کو پولینڈ نے مزدور آمریت کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا چاہا۔ چونکہ مزدور آمریت خانہ جنگی نیز سرمایہ دار ممالک کی جارحانہ سازشوں سے لاغر ہو گئی تھی اس لئے یوکرین کے زرخیز علاقہ باکو کے تیل کے چشمے اور دریائے ڈون کے آب رواں پر پولینڈ کی حریصانہ نظریں پڑنے لگیں اور جیسے ہی کہ اتحادیوں کے سامان سے لدے ہوئے جہاز پولینڈ پہنچے پولش افواج یوکرین میں داخل ہو گئیں۔ ایک جانب سرمایہ دار ملکوں کی عملی و اخلاقی مدد ہو اور دوسری جانب صرف انقلابی جرأت اور اشتراکی یقین ہو۔ ان حالات میں بظاہر پولینڈ کی فتح یقینی تھی لیکن سیاسی ردعمل نے دوبارہ بولشیوک کی مدد کی۔ دوسری قوم کے حملہ کا ردعمل یہ ہوا کہ تمام روس اپنے سیاسی اختلافات محو کر پولینڈ کے مقابلہ پر آ گیا ۱۹۱۶ء کی جنگ کے ہیرو شہنشاہیت پسند جنرل بروزیلوف نے پولینڈ کے غیر ہمسایانہ رویہ اور اتحادیوں کی مذموم سیاست سے متاثر ہو کر یہ اعلان کیا:۔

"جبکہ ہمارے دیرینہ جانی دشمن پول ان قوموں کی مدد سے جن کو ہم نے ابتدائے جنگ میں تباہی سے بچایا ہمارے وطن پر حملہ آور ہو رہے ہیں۔ میں دل و جان سے سُرخ فوج کی فتح کا حامی ہوں۔

خدا میری مدد کرے۔"

بروزیلوف کے یہ چند سادہ جملے تمام رجعتی عناصر کی ترجمانی کر رہے تھے سرمایہ دار کارخانہ دار۔ انجنیر۔ ڈاکٹر۔ شہنشاہیت پسند فوجی ماہرین اور تمام سیاسی جماعتیں جو کل تک بولشیوک کی جانی دشمن تھیں آج ان کے دوش بدوش پولینڈ کے خلاف آکھڑی ہوئیں۔ اس اتحادِ عمل کا نتیجہ یہ نکلا کہ پولش افواج کو شکست فاش ہوئی اور سُرخ فوج پولینڈ میں داخل ہو گئی۔ دول متحدہ اپنے ایک پیادہ کو فنا ہوتے کب دیکھ سکتے تھے چنانچہ برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ کرزن کا لینن کے نام حسبِ ذیل تار موصول ہوا۔

"حکومت برطانیہ کی دلی خواہش ہے کہ پولینڈ اور روس کے درمیان صلح ہو جائے اس غرض کے لئے لندن میں فوراً ایک مجلس کا انعقاد ہونا چاہیے اگر اس تار کا جواب جلد ملا تو برطانیہ خوش ہوگی اگرچہ برطانیہ اس جنگ میں غیر جانبدار ہے لیکن جمعیت بین الاقوامی کی طرف سے وہ پولینڈ کی حیثیت برقرار رکھنے پر مجبور ہے۔"

تار کا مضمون عام ہونے پر جری دل، لیکن خستہ حال روسی فوج اور جمہور صلح کے حامی ہو گئے لیکن پولینڈ کے حملہ کا رجعتی طبقات پر جو خوش گوار سیاسی ردِ عمل ہوا تھا اس نے لینن کے دماغ میں ایک اور لہر دوڑا دی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ پولینڈ کو اشتراکی جامہ پہنا کر وسطی یورپ کے اشتراکی رجحانات کی مدد کرنا آسان ہو جائے گا۔ جرمنی میں اشتراکی انقلاب کر دیا گیا تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ تمام یورپ اشتراکی سیلاب سے سیراب ہو جائے گا یورپ کا ہم مشرب ہو جانا دنیا کے اشتراکی ہو جانے کے مترادف تھا اس منطق سے متاثر

ہوکر لینن نے جنگ جاری رکھنے کا مصمم ارادہ کر لیا تھا۔ اس کو امید تھی کہ پولینڈ کا غریب سرخ فوج کی مدد کرے گا۔ اس طرح آسانی سے کامیابی ہو جائے گی۔ ریڈک نے لینن کو اس اقدام سے منع کیا اور اس کو یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ سرخ فوج کے پولینڈ میں داخل ہونے کا وہاں کے جمہور پر وہی اثر ہوگا جو پولش فوج کے حملہ کا روسیوں پر ہوا تھا۔ لیکن لینن نہ مانا اور اس نے فوج کو خود احکامات صادر کرنے شروع کر دیئے۔ باوجود انتہائی کوشش کے سرخ فوج پولینڈ کے دارالسلطنت وارسا تک نہ پہنچ سکی۔ اس پر بھی متعدد اکابر بولشیوکوں کی رائے تھی کہ جنگ جاری رکھی جائے لیکن جب لینن نے یہ دیکھا کہ پولینڈ کا غریب و مزدور طبقہ بجائے اپنی حکومت کے خلاف ہڑتال و بغاوت کرنے کے بولشیوک فوج سے برسرپیکار ہو رہا ہے نیز کریمیا میں جنرل رنگل نے بغاوت شروع کر دی ہے اس نے صلح ہی کرنا مناسب خیال کیا چنانچہ معرکہ ختم ہو گیا اور سرخ فوج روس واپس آگئی۔

پولینڈ کی شکست کے بعد سرمایہ دار ملکوں کو روس کی مزدور آمریت کے استحکام کا یقین ہو گیا لیکن یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ سرخ افواج کی فتح سرمایہ دار ممالک کی آپس کی چشمک اور ان ممالک کی افواج کے جنگ سے اکتا جانے نیز وہاں کے مزدور طبقہ کی اپنی حکومت کے خلاف اقتصادی جدوجہد کی بنا پر ہوئی۔ لینن نے اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہا۔

> "اگر ہم انقلاب کے بعد ایک سال تک زندہ رہ سکے اس کی وجہ یہ تھی کہ سرمایہ دار درندے دو گروہ میں منقسم ہو گئے تھے۔ اور ان دونوں گروہ کے مفاد میں تضاد تھا۔ اس لئے ایک بھی کثیر فوج ہمارے خلاف روانہ نہ کر سکا۔"

جب چند بولشیوک نے اپنی فتوحات پر غرور کا اظہار کیا اسوقت بھی لینن نے

یہی کہا:۔

"سرمایہ دار ممالک چند ہفتوں میں ہم کو کچل سکتے تھے۔ ان کی چند لاکھ فوج ہم کو کچل دینے کے لئے کافی تھی"

کم و بیش تین سال کی مسلسل سعی و کوشش کے بعد جنگی حالات سے سکون پا کر بولشیوک اقتصادی و سیاسی محاذ پر متوجہ ہو گئے۔

سیاسی و اقتصادی محاذ

روس سا شاداب ملک جہاں کی زرخیز زمین ابلتی ہوئی معدنیات. لہراتے ہوئے جنگل امنڈتے ہوئے شیریں دریا تمام یورپ کی حرص و ہوس کے لئے دعوتِ عام بنے ہوئے تھے۔ خانہ جنگی کے بعد بلا روح کا قالب رہ گیا تھا۔ کوئلہ کی اس درجہ کمی محسوس کی جا رہی تھی کہ مزدور آمریت نے ۱۸ سے لگا کر ۴۰ برس تک کے افراد کو اس کام پر متعین کر دیا تھا کہ وہ لکڑی کاٹیں اور اس کے ذخیرے فراہم کر کے ان کو ضرورت کی جگہ لے جائیں۔ کوئلہ کی قلّت کی وجہ سے معدودے چند ریل گاڑیوں کے علاوہ سب مجبوراً بند کر دی گئیں تھیں انجن کے خراب ہو جانے پر اس کو وہیں ایک طرف پٹری پر کھڑا کر دیا جاتا جہاں اس پر گرد پڑتے پڑتے گھاس اُگ آتی تھی۔ فی صدی صرف چالیس انجن قابلِ استعمال رہ گئے تھے اور ہر ماہ دو انجن خراب ہو جاتے۔ اس پر بدقسمتی یہ تھی کہ اس مدت میں نصف انجن بھی مرمت نہ ہو پاتے تھے۔ انجن چلانے والے ناتجربہ کار ہوں اور تجربہ کار ہونے کی شکل میں بھی ضروری اوزاروں اور آلات سے محروم ہوں تو ایسی حالت میں انجن۔ ریل گاڑی۔ موٹریں۔ ٹرک۔ موٹر سائیکلیں کس طرح مدت تک کام دے سکتی تھیں۔ اگر سرمایہ دار ملک روس سے عدم تعاون نہ کرتے بلکہ آلات و مشین سے روس کی مدد کرتے رہتے تو اس وقت یہ مشکل پیش نہ آتی اور ملک کی اقتصادی زندگی کی جلد ہی تعمیر ہو جاتی۔ لیکن تاریخی حالات کون بدل سکتا تھا۔ روس

کے ذرائع رسل ورسائل چونکہ خراب حالت میں تھے اس لئے غلہ ودیگر اجناس شہروں اور کارخانوں میں نہیں پہنچ سکتے تھے۔ ذرائع رسل ورسائل خراب ہونے سے وہی صورت حالات رونما ہو جاتی ہے جو بارش کے نہ ہونے سے پیش آتی ہے۔ اگر ملک کے کسی گوشہ میں بے شمار غلہ اور خام اجناس موجود بھی ہوں لیکن وہ بھوکی مخلوق کے پاس نہ لے جائی جاسکیں اس کے اثرات مثل سخت قحط سالی کے مرتب ہو جاتے ہیں۔ روس میں ۳۰۰ انجن بنانے کے کارخانے اور ۳۹۰۰ ریل کے پل تباہ ہو گئے تھے۔ لومونوسور ریلوے کے اعلیٰ انجنیئر نے ملک کے رسل ورسائل کی خراب حالت کا انکشاف کرتے ہوئے کہا "اس سال کے اختتام پر موت ہے" ایک اکابر بولشیوک ریکوف نے کہا "ترکستان میں ۸۰۰ لاکھ پوڈ (۱- پوڈ = ۳۶ء۱۱۰ پونڈ) روئی پڑی ہوئی ہے لیکن چونکہ ایک ماہ میں وہاں صرف دو مرتبہ ریل آتی جاتی ہے اس لئے اس روئی کو کارخانوں تک لے جانے میں صدیاں درکار ہوں گی" یورال کی کانوں سے ایک ماہ میں صرف ایک ریل گاڑی دھات لاتی تھی جس کا نتیجہ یہ تھا کہ یورال کے ذخیرے کا عشر عشیر بھی کارخانوں تک نہ پہنچ سکتا تھا۔ اس زمانہ میں شہری مزدور کو چار پانچ روز بعد آدھ سیر روٹی۔ اتنے ہی آلو۔ اس کے مساوی ہی سرسوں وغیرہ کا تیل اور ذرا سی شکر ملتی تھی البتہ جو مزدور سامانِ حرب بنانے کے کارخانوں میں کام کرتے تھے ان کا روزینہ قدرے زیادہ تھا مزدوروں کو حکومت کے اس روزینہ کے علاوہ کارخانے سے بھی خوراک ملتی تھی اس خوراک کی یہ نوعیت تھی کہ پتلے شوربے میں دو چار ڈبل روٹی کے ٹکڑے تیرتے ہوئے نظر آتے تھے اور بس کسی خاص روز منہ کا مزا بدلنے کے لئے مچھلی بھی مل جاتی تھی۔ ظاہر ہے کہ یہ مختصر سا روزینہ مزدور کی شکم سیری کے لئے کافی نہ ہوتا تھا اور وہ مختلف چالاکیوں۔ عیاریوں غیر قانونی تدبیروں سے اپنے لئے خوراک بہم پہنچاتا تھا۔ چنانچہ کمیسار ریکوف نے تقریر کرتے ہوئے کہا:-

"غلہ کی اتنی افراط ہے کہ اس کو ریلوے اسٹیشن پر حفاظت سے رکھنے کا انتظام نہیں ہو سکتا لیکن ذرائع رسل و رسائل کی خرابی کی وجہ سے اس کو بھوکے عوام تک نہیں پہونچایا جا سکتا۔ مزدوروں کے جلسوں میں یہ کہا جاتا ہے کہ ملک کی اقتصادی خوش حالی غلّہ کی افراط پر منحصر ہے ان کا صرف یہ جواب ہے کہ ملک کی اقتصادی خوشحالی مزدوروں کے کام کرنے کی اہلیت پر منحصر ہے۔ اقتصادی معاملات کے کسی گوشہ پر نظر ڈالی جائے وہاں اشیاء کی کمی کے مسئلہ کا صرف یہی حل ذہن میں آتا ہے کہ مزدور کے کام کرنے کی اہلیت بڑھائی جائے غلّہ اور ایندھن کی کمی نہیں ہے۔"

محکمہ خوراک کا کمیسار اس زمانہ کی رپورٹ میں استفساری انداز میں لکھتا ہے۔

"اس صورت میں کہ شہر کی تمام آبادی اپنی ۹۰ فی صدی ضروریاتِ زندگی غیر قانونی طریقے پر بلیک مارکٹ سے پورا کرتی ہے اجناس پر حکومت کی اجارہ داری کہاں رہی؟ اجناس کی قیمت مقرر (کنٹرول) کرنے کا کیا مقصد ہوا؟ مزدور آمریت کہاں رہی؟ ہمارا مقصد حل نہیں ہو رہا بلکہ ہمارے طریقہ کار نے عوام میں قانون شکنی کا جذبہ پیدا کر دیا ہے۔"

اس زمانے میں روزینہ کے کارڈوں (راشن کارڈوں) کی چوری عام تھی جمہور ایک دوسرے کے کارڈ اڑا لیتے تھے حکومت کو رپورٹ کرتے اور نیا کارڈ وصول کر لیتے یا مصنوعی نام سے کئی کئی کارڈ لے لیتے۔ شہروں کی آبادی کم ہو رہی تھی لیکن روز بروز خوراک کے کارڈوں کی مانگ بڑھ رہی تھی۔ صرف پیٹرو گریڈ میں شہر کی آبادی سے ۵ لاکھ

زیادہ کارڈ گردش کر رہے تھے۔ محکمہ مزدوران کے کمیسار نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔

"اس حالت کے مدت تک قائم رہنے سے مزدور آمریت فنا ہو جائیگی مزدوروں کے انجن درست کر لینے پر ضروری اجناس ہر جگہ پہنچائی جا سکتی ہیں۔"

۱۹۲۰ء میں اگرچہ سرمایہ دار ملکوں نے روس سے اقتصادی تعاون کرنا شروع کر دیا تھا لیکن نہ روس کے پاس سونا چاندی کے ذخیرے تھے اور نہ خام اجناس تھیں جن کے بدلے وہ مغربی ترقی یافتہ ممالک سے آلات اور کلیں خرید کر ملک کی صنعت و حرفت کو از سرِ نو زندہ کرتا۔ روس کا متاع زمین۔ معدنیات جنگلات تھے۔ اور بس۔ یہ متاع اسی وقت قابلِ استعمال ہو سکتا تھا جبکہ مزدور اپنی قوتِ بازو سے اس کو مفید کار بناتا چنانچہ مزدور آمریت نے حسبِ ذیل اعلان نشر کر دیا۔

"چونکہ ملک میں سکہ کی قدر بہت گر گئی ہے۔ اور اجناس کی کمی ہے اس لئے کوئی شخص مزدوری کرنے پر رضامند نہیں ہوتا۔ حالات کو اسی طرح چھوڑ دینے سے شہر تباہ ہو جائیں گے اور روس ایک بہت وسیع گاؤں بن کر رہ جائے گا۔ چونکہ ملک کی بہبودی کے لئے صنعت و حرفت کو تباہی سے محفوظ رکھنا ناگزیر ہے اس لئے حکومت تمام آبادی سے جبریہ کام کرانے پر مجبور ہے۔"

ٹروٹسکی کے انکار اس موضوع پر نہایت دلچسپ تھے اور عام طور پر ان کی تائید ہو رہی تھی وہ کہتا تھا۔

"گذشتہ زمانے میں برجوازی و سرمایہ دار طبقات نے بھی کسان کو اس کی آراضی سے جبریہ بے دخل اور مزدوری کرنے پر مجبور کیا تھا نہ صرف یہی بلکہ اخراج شدہ کسانوں کے فیکٹری میں کام کرنے سے انکار پر وہ

سُرخ لوہے سے داغنے اور سُولی پر لٹکائے جاتے تھے تاکہ خوف زدہ ہوکر کارخانوں میں کام کرنے پر رضامند ہوجائیں. سرمایہ داری میں بھی اقتصادی جبر کے ماتحت مزدور سے کام کرایا جاتا ہے اور اس اقتصادی جبر کی پشت پر حکومت کا تشدّد ہوتا ہے۔ اقتصادی اور سیاسی جبر میں کوئی فرق نہیں. سرمایہ دارانہ نظام میں اقتصادی جبر وہ کام کرتا ہے جو ہم سیاسی جبر کے ذریعہ سے کرانا چاہتے ہیں۔ اشتراکی نظام میں جبریہ خدمت سے جو فوائد مرتب ہوتے ہیں ان سے معاشرے کی بہت بڑی آبادی کو فائدہ پہنچتا ہے۔ برخلاف اس کے سرمایہ دارانہ نظام میں اقتصادی جبر سے جو فوائد پیدا ہوتے ہیں ان سے صرف سرمایہ داروں کے قلیل طبقہ ہی کو نفع ہوتا ہے اس لئے کسی کو ہمارے اس قانون سے برانگیختہ نہ ہونا چاہیئے "

چونکہ خانہ جنگی ختم ہوگئی تھی اس لئے سُرخ فوج کو بھی ریل کی پٹریوں پر سے برف ہٹانے۔ درخت کاٹنے۔ ایندھن فراہم کرنے اور ان کو ضرورت کی جگہ پہنچانے۔ کھیت جوتنے اور غلّہ مہیا کرنے پر تعینات کردیا گیا تھا۔

جبریہ محنت کا قانون نافذ ہونے پر مزدور انجمنوں (Labour Union) کے فرائض اور دائرہ عمل کا مسئلہ سامنے آگیا۔ ٹروٹسکی چونکہ فوجی طریقہ تنظیم سے ملک کے ذرائع رسل و رسائل کو روبہ اصلاح لے آیا تھا اس لئے اس کا خیال تھا کہ تمام مزدور طبقہ میں بجائے جمہوری طریقہ کار کے فوجی تنظیم اور طریقہ کار جاری کردینا چاہیئے اس کو اپنے تجربے کی بنا پر یقین تھا کہ ایسا کرنے سے ملک کی اقتصادی حالت درست ہوجائے گی۔ لیکن لینن اور دیگر اکابر بالشیوک اس قسم کی جبری تنظیم کے خلاف تھے چنانچہ اس مسئلہ پر ردّوقدح شروع ہوگئی اور اس بحث ومباحثہ نے اس درجہ تلخی اختیار کرلی کہ بالشیوک پارٹی دو گروہوں

یں تقسیم ہوگئی اور یہ خطرہ محسوس ہونے لگا کہ اب پارٹی میں شکست وریخت ہوجائے گی بلکہ چند مورخین کا خیال ہے کہ غیر اہم اختلاف کی پشت پر لینن اور ٹروٹسکی کے درمیان قیادت کا مسئلہ تھا جس کی وجہ سے ٹریڈ یونین کا مسئلہ اس درجہ اہم بنا دیا گیا تھا۔ ٹروٹسکی کا خیال تھا کہ اشتراکی نظام میں مزدور یونین کا مقصد یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مزدور کے مفاد کی حفاظت کرے۔ چونکہ مزدور آمریت کا وجود ہی مزدور کی حفاظت کا حامل ہے اشتراکی حکومت میں مزدور یونین کا یہ مقصد ہونا چاہیئے کہ مزدور طبقہ میں ذوق عمل اور تنظیم پیدا کرے اور اشتراکی نظام تعمیر کرنے میں مزدور آمریت کا ممد و مددگار بنے ٹروٹسکی کے خیال کے بموجب مزدور یونین کمیونزم کا ایک اسکول تھا جس کا منصب لائحہ عمل مقرر کرنا نہ تھا بلکہ مجوزہ لائحہ عمل پر چلنا تھا اس کے برخلاف لینن کا خیال تھا کہ مزدور آمریت میں ہنوز سرمایہ دارانہ عنصر غالب ہے اس لیئے اس امر کی ضرورت باقی ہے کہ کوئی ادارہ مزدور کے حقوق کی حفاظت کرے۔ اگرچہ بہت تلخی اور بحث و مباحثہ کے بعد لینن کے خیال پر عمل درآمد ہوا لیکن چونکہ مزدور یونین کی زندگی کا دار و مدار حکومت کی مالی امداد پر تھا اور اس ادارہ کے اکابر ممبر بالشیوک ہی ہوتے تھے اس لیئے مزدور یونین کم و بیش حکومت کے ہی اشاروں پر چلتی اور آخر کار اس کی صرف یہ حیثیت رہ گئی تھی کہ اگر حکومت کے کسی قانون پر مزدور طبقہ کو مزید معلومات یا وضاحت درکار ہو مزدور یونین حکومت سے اس کے متعلق استفسار کر کے مزدور طبقہ تک پہنچا دے۔

اس زمانے میں صنعت و حرفت کے طریقہ کار میں بہت سی تبدیلیاں ہوگئی تھیں۔ مثلاً یہ کہ فیکٹریوں کی منتظمہ کمیٹی کا قیام بجائے انتخابات کے نامزدگی سے ہونے لگا تھا یہ تبدیلی اس لیئے کی گئی تھی کہ تجربہ نے یہ ظاہر کر دیا تھا کہ ایک مقرر کردہ ماہر کارکن ایک نااہل منتخب شدہ مجمع سے بہتر کام کرتا ہے اس لیئے اب کمیٹیوں میں صرف وہ ماہرین نامزد کیئے جانے لگے تھے جو اہلیت و قابلیت نیز صنعتی تجربہ رکھتے تھے۔ اس زمانے میں یہ بھی

کوشش کی گئی کہ مزدوروں میں مقابلہ پیدا کیا جائے تاکہ زیادہ تیزی سے کام ہو۔ زیادہ اور کم کام کرنے والے مزدور کے لئے انعام وسزا کے قانون بھی مرتب کئے گئے لیکن مزدوروں کو نہ لالچ اور نہ خوف مزید کام کرنے پر آمادہ کرسکا اور مزدور آمریت مزدور پر تشدد کرنے پر مجبور ہوگئی۔ کمیونسٹ پارٹی کے نویں اجلاس میں یہ قرارداد منظور کی گئی۔

"بہتر اور زیادہ خوراک کی تلاش میں مزدوروں کی زیادہ تعداد نے کارخانوں کو خیرباد کہہ دیا ہے۔ مزدوروں کے اس طرزِ عمل سے صنعت و حرفت کو بہت نقصان پہنچتا ہے اس کی اصلاح کے لئے حکومت کو یہ کرنا چاہیئے کہ جو مزدور کارخانہ چھوڑ کر جائیں ان پر جرمانہ کرے اور اس پر بھی رویہ نہ تبدیل کریں تو ایسی حالت میں ان کو (Const-e nation Comp) کونسٹرنیشن کیمپ میں رکھنا چاہیئے۔

کسی مکمل نظامِ زندگی کو یکبارگی تباہ کرنے کے بعد دوسرا نظام قائم کرنا آسان کام نہیں اس میں وقت درکار ہوتا ہے اور مشکلات کا سامنا بھی کرنا پڑتا ہے۔ جب تک نیا نظام تعمیر نہ پائے اس وقت تک کسی معاشرے کو عبوری زمانے سے گذرنا پڑتا ہے اس عبوری زمانے کی مشکلات کی نوعیت اور مدت کا تعلق اس امر سے ہوتا ہے کہ کسی ملک کے باشندے دماغی وتمدنی ارتقا کی کس منزل میں ہیں ابتدائی منازل میں ہونے سے زیادہ اور آخری منازل میں ہونے سے کم دشواریاں پیش آتی ہیں بولشیوک نے سرمایہ دارانہ نظام دفعتاً تہہ وبالا کردیا لیکن وہ اس کی جگہ کامیاب اشتراکی نظام نہ جاری کرسکے۔ بالشیوک ہنوز معاشرے کے سیاسی۔ اقتصادی۔ اخلاقی ومذہبی محاذ پر تجربے کر رہے تھے جس سے معاشرتی زندگی کبھی بنتی تھی تو کبھی بگڑتی بھی تھی اس زمانہ میں روس کی وہی حالت تھی جو کسی ملک کی ایک طویل جنگ کے بعد ہوتی ہے۔ شہروں کے مکانات گرے ہوئے۔ دکانیں بند۔ جمہور کے چہرے مدتوں کی بھوک سے پژمردہ۔ کپڑے خستہ و بوسیدہ۔

کسی کے پیر میں شکستہ جوتا تھا تو کوئی برف کی سڑکوں پر برہنہ پا ہی چلا جارہا تھا۔ اگرچہ برفانی ہواؤں کے جھونکے جسم کو یخ کر رہے تھے لیکن جمہور کے پاس نہ آگ تھی اور نہ لبادہ کہ جسم کو گرمی پہنچا سکیں۔ جمہور کا ذکر ہی کیا جو لوگ حکومتی دفاتر میں کام کرتے اُن کو روشنائی جمی ہوئی ملتی تھی جب سردی کا یہ عالم ہو اور غلہ وایندھن عنقا ہو ان حالات میں زندگی کی دشواریوں کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ بھوک اور سردی کے سبب اموات عام تھیں۔

اشیائے خوردنی کی کمی نے عوام کی اخلاقی حالت اس درجہ زبوں کردی تھی کہ ایک گھر میں اگر باپ کو اچھا روزینہ ملتا وہ بیٹے کو اس میں شریک نہیں کرتا اور یہی حال بیٹے کا تھا جہاں اجناس کی اس درجہ قلت ہو کہ وہ عزیزوں میں محبت و شفقت ختم کردے وہاں کی حکومت کا دیوالیہ ہو جانا ضروری ہے۔ بالشیوک حکومت کے مالیہ میں کمی واقع ہونے پر بالشیوک کی نظر پھر زراعت کی طرف گئی۔ زراعت ہی پر روس کی خوش حالی کا دارومدار تھا اس لئے اقتصادی ترقی کا مسئلہ سامنے آنے پر زراعت کی ہی تنظیم کی طرف خیال کیا گیا۔ اس زمانہ میں ایک اکابر بالشیوک روسنکی نے ایک تجویز پیش کی جس کا خلاصہ یہ تھا کہ پہلے سال کسان کے پاس جتنا بیج ہے وہ جمع کیا جائے اور اس کو بقدر ضرورت گاؤں در گاؤں تقسیم کر دیا جائے دوسرے سال کسانوں کو اس پر مجبور کیا جائے کہ وہ حکومت کے حکم کے مطابق جنس کاشت کریں۔ تیسرے سال کسانوں کے تمام مویشیوں پر قبضہ کرلیا جائے تاکہ کاشت کے لئے جہاں ان کی ضرورت ہو روانہ کردئے جائیں۔ پانچویں سال حکومت کو تمام اراضیات پر قبضہ کرلینا چاہئے اور زراعت کا کام اشتراکی مزدوروں سے لینا چاہئے۔ اس تجویز کے مطابق سوویٹ کی آٹھویں کانگریس میں ایک قرارداد پیش کی گئی جس پر لینن نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔ کسان اشتراکی نہیں ہوا ہے۔ ہمیں کسان سے کہہ دینا چاہئے کہ ہم مدت تک سردی اور بھوک

کی شدت برداشت نہیں کر سکتے۔ ہم اس امر پر مجبور ہوتے جا رہے ہیں کہ کسان پر جبر کریں اور پیداوار کی فراوانی کے لئے سعی کریں۔ لیکن صرف جبر ہی سے کامیابی نہیں ہوگی بلکہ کسان کو سمجھا کر ہمیں اس کا تعاون حاصل کرنا چاہئے جب تک روس میں چھوٹے چھوٹے کسان موجود ہیں اس وقت تک روس میں اشتمالیت (کمیونزم) نہیں بلکہ سرمایہ داری و سوشلزم کے درمیان ایک مخلوط قسم کا اقتصادی نظام قائم ہے جن حضرات نے دیہات کا اقتصادی نقطۂ نظر سے گہرا مطالعہ کیا ہے ان کو محسوس ہوا ہوگا کہ ہم ہنوز سرمایہ داری کو تباہ کرنے میں کامیاب نہیں ہوئے۔ تمام عالم سرمایہ کی مضبوط زنجیروں سے جکڑا ہوا ہے لیکن افسوس اس امر کا ہے کہ روس میں باوجود انقلاب ہو جانے کے سرمایہ داری اشتراکیت سے زیادہ طاقتور ہے۔ اشتراکیت اس وقت وجود میں آئے گی جبکہ تمام ملک میں بجلی عام ہو جائے گی۔ مورٹوف کی پارٹی نے جس کو حکومت نے جمہوری روایات کے مطابق "مخالف پارٹی" کا لقب اور حقوق دے رکھے تھے لینن کی اس تقریر پر سخت نکتہ چینی کی مخالف پارٹی کہتی تھی۔

"جبریہ قوانین اور کمیٹیوں نے کسانوں کو تباہ کر دیا ہے حکومت کسان سے ہر شے جبریہ وصول کر لیتی ہے لیکن اس کے عوض کچھ نہیں دیتی"

چونکہ اس کانگرس میں بالشیوک کی اکثریت تھی اس لئے ان کی تجویز منظور ہو گئی لیکن جب حکومت کے عمال جبریہ طور پر غلہ اور مویشی فراہم کرنے دیہات پہونچے کسان نے نہ صرف غلہ تلف کر دیا بلکہ اپنے مویشی ذبح کر ڈالے کسان کہتا تھا کہ ہم تباہ ہو جائیں گے لیکن اپنے مویشی اور غلہ حکومت کو نہ دیں گے۔ حکومت کے عمال کی آنکھوں کے سامنے انھوں نے اپنی لہلہاتی کھیتیوں کو نذرِ آتش کر دیا اور اپنے جانوروں کو جوان کی زندگی کا سہارا تھے

اپنے ہاتھوں سے ذبح کر ڈالا جہاں یہ نفسی کیفیت ہو جائے وہاں سے کیا مل سکتا تھا چنانچہ حکومت کے عمال دیہات سے بے نیل و مرام واپس آتے ان کی واپسی حکومت کی شکست کے مترادف تھی شکست کا اعتراف کرتے ہوئے لینن نے کہا

"ملک تباہی کے غار پر کھڑا ہے"

نیا اقتصادی لائحہ عمل یا نیپ

کسان اور مزدور پر متواتر تین سال سختی و تشدد کے گزرے اور ان کو قریب مستقبل میں کشادگی کی کوئی امید نظر نہ آئی اس پر وہ ہمہ تن اضطراب و پریشانی بن گئے اور ان کی یہ تمنا ہو گئی کہ کسی نہ کسی طرح موجودہ اقتصادی و سیاسی نظام بدل جائے۔ مزدور و کسان میں یہ آرزو پیدا ہو جانے کے بعد کیونکر ممکن تھا کہ فوج اس خام تمنا سے متاثر نہ ہوتی۔ آخر فوج بھی کسان و مزدور طبقہ کے افراد پر مشتمل ہے۔ چنانچہ ۱۹۲۱ء میں کرونسٹاڈ کے مقام پر وہ حادثہ رونما ہوا جس نے لینن کو اقتصادی لائحہ عمل بدلنے پر مجبور کر دیا۔

کرونسٹاڈ کے ملاح انقلاب کے ابتدائی زمانے میں بالشیوک کے دست و بازو رہے تھے یہ وہ جماعت تھی جس نے ارورا جہاز کی نقل و حرکت کے لئے بالشیوک کی جنگی انقلابی کمیٹی سے احکامات دریافت کئے تھے دوسرے الفاظ میں انھوں نے سب سے قبل کرنسکی کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کے بعد بالشیوک سے عملی تعاون شروع اور روسی بیڑے میں بالشیوک کا وقار قائم کیا۔ اشتراکیت کے کھیت میں ان ملاحوں ہی نے پہلے بیج ڈالا اور اس کو اپنے خون سے سینچا اسی بنا پر تین سال تک ان ملاحوں کا خلوص و عمل انقلاب کی زرین روایت بنا رہا۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ سرمایہ دارانہ نظام

فنا ہوجانے کے بعد روس کی پسماندگی اور جہالت نے اشتراکی نظام قائم نہیں ہونے دیا۔ ملک میں بدنظمی اور بھوک و پیاس کی شدت اس پر برف میں متواتر کام کرنا عوام کو خون کے آنسو رُلوا رہا تھا۔ ان حالات میں کیوں کر ممکن تھا کہ ملک کا ہر طبقہ سیاسی و اقتصادی تبدیلی کا خواہشمند نہ ہوتا۔ کرونسٹاڈ کے حادثہ کی ابتدا مزدوروں کی ہڑتال سے شروع ہوئی۔ حکومت کے اقتصادی رویہ کے خلاف مزدوروں کے ہڑتال کرنے پر حکومت نے اس کا جواب تشدد سے دیا۔ یہ امر کرونسٹاڈ کے ملاحوں کو ناگوار گزرا اور ان مزدوروں کی ہمدردی میں ۱۴۰۰۰ ملاحوں نے ایک جلسہ منعقد کیا جس میں حکومت کے سامنے حسب ذیل مطالبات پیش کئے۔

(۱) انتخابات خفیہ رائے سے ہونے چاہئیں تاکہ جمہور اپنے ضمیر کے مطابق رائے دے سکیں۔

(۲) مزدوروں۔ کسانوں۔ بائیں سوشلسٹ انقلابی۔ مزاجی و دیگر پارٹیوں کو تحریر و تقریر کی آزادی ہونی چاہیئے۔

(۳) کسان و مزدور انجمنوں کو جلسے کرنے کی عام اجازت ہونی چاہیئے۔

(۴) مزدور۔ کسان۔ سپاہی۔ ملاح اور دیگر سیاسی قیدی جو سپرد قید ہیں ان کے الزامات کی از سر نو تحقیقات ہونی چاہیئے۔

(۵) جو فوجی دستے جبر بہ طور پر فراہمی اجناس کے لئے مختلف مقامات پر تعینات کئے گئے ہیں ان کو ہٹا لینا چاہیئے۔

(۶) کارخانوں سے فوجی دستوں کا اخراج ہو جانا چاہیئے۔ البتہ اگر مزدور خود چند فوجی نوجوان کارخانوں میں رکھنا چاہیں ان کو ایسا کرنے کی اجازت ہونی چاہیئے۔

(۷) روزینہ میں مساوات ہونی چاہیئے۔

(۸) کسان کو اس کی اراضی میں مختلف قسم کی اجناس کاشت کرنے اور اس سے

فائدہ اٹھانے کی آزادی ہونی چاہیئے۔

بولشیوک نے ان مظاہروں اور مطالبات میں انقلابی جراثیم دیکھے۔ واقعہ بھی یہ تھا کہ اگر مزدور طبقہ اور ملاحوں کا اشتراک عمل کرنسکی کی حکومت کو تباہ کر سکتا تھا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ بولشیوک آمریت کو فنا نہ کر سکتا۔

اس جلسے میں مطالبات پیش کرنے کے بعد یہ قرار پایا کہ منظور شدہ تجاویز ایک وفد لے کر ماسکو جائے اور بذاتِ خود حکومت کے سامنے پیش کرے چنانچہ ملاحوں کا ایک وفد ماسکو روانہ ہو گیا۔ وفد کا ماسکو پہنچنا تھا کہ زینولیف کے حکم سے وفد قید کر دیا گیا۔ اس اشتعال سے برہم ہو کر ملاحوں نے ایک انقلابی جنگی کمیٹی بنالی یعنی وہی قدم اٹھایا جو تین سال قبل بولشیوک نے کرنسکی کی حکومت کے خلاف اُٹھایا تھا اس انقلابی کمیٹی نے اکابر بولشیوک کو ان کی اپنی انقلابی تدابیر اور بالشیوک انقلابی جنگی کمیٹی کی یاد تازہ کرا دی۔ بحری فوج کے بغاوت پر آمادہ ہونے سے مزدور آمریت کو زبردست خطرہ محسوس ہونے لگا۔ بحری فوج کے رویہ نے بری فوج کو بھی متاثر کیا۔ بحری و بری فوج میں بالشیوک کے خلاف برگشتگی بڑھنے پر روس کے رجعتی عناصر نے سرمایہ دار ممالک کی مدد سے از سر نو خانہ جنگی کی تیاری شروع کر دی۔ ان حالات میں بالشیوک کو خطرہ محسوس کرنا لازمی تھا۔ اسی زمانہ میں روس کی اندرونی بے چینی دیکھ کر بالٹک میں برطانیہ کے بیڑے نے نقل و حرکت کرنی شروع کر دی۔ بولشیوک کو لامحالہ یہ گمان گزرا کہ برطانیہ کرونسٹاڈ کی بحری فوج کی بے چینی سے فائدہ اٹھانا چاہتی ہے۔ چنانچہ بالشیوک حکومت نے فوراً کرونسٹاڈ پر حملہ کر دیا۔ شدید جنگ کے بعد جسمیں بالشیوک حکومت کی بہترین رجمنٹ کام آئی کرونسٹاڈ کے ملاحوں کو شکست ہوئی لیکن روس میں اس جنگ اور اس کے نتیجہ سے کوئی خوش نہ ہوا بلکہ ملک کے طول و عرض میں بولشیوک کے جبر و قہر کے خلاف غم و غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ ٹروٹسکی، اس زمانے کے حالات قلمبند کرتا

ہوا تحریر کرتا ہے

"تین سال کی متواتر خانہ جنگی نے جمہور کو اس درجہ مضطرب اور تلخ کر دیا ہے کہ اب ان میں رد عمل شروع ہو گیا ہے۔ کسان بغاوتیں اور مزدور ہڑتالیں کرنے لگے ہیں۔ بحری و برّی فوج کی وفاداری بھی قابل اطمینان نہیں رہی"

یہ وہی جملے ہیں جو خفیہ پولیس کا چیف انقلاب سے چند روز قبل زار سے بحری و بری فوج کی وفاداری کی بابت کہتا تھا۔

لیننؔ کو ہنوز جرمنی میں اشتراکی انقلاب کی امید تھی اور وہ اسی امید میں خام اشتراکی نظام قائم کئے بیٹھا تھا کہ جرمنی میں انقلاب ہونے کے بعد وہاں کا دماغ اور روس کے دست و بازو متحد کر کے دنیا میں اشتمالیت کو عام کر دے گا لیکن ایک طرف رفتارِ زمانہ نے لیننؔ کی امید بر نہ آنے دی اور دوسری طرف رد عمل نے کرونسٹاڈ کا مظاہرہ پیش کر دیا ان حالات میں لیننؔ کو یقین ہو گیا کہ جرمن انقلاب کا مزید انتظار نہ صرف عبث ہو گا بلکہ مزدور آمریت کو خطرے میں ڈال دے گا۔ چنانچہ اب اس نے وہ کیا جو سیاسی دنیا کا مستند اصول ہے یعنی یہ کہ جب مخالف عناصر طاقتور ہو جائیں اور ملک میں مطالبات سیاسی و اقتصادی مظاہروں کی شکل میں رونما ہونے لگیں اس وقت مخالف عناصر کو تباہ کرنے کے بعد ان کے تصورات و تخیلات ان کے مطالبات و تدابیر کے مطابق معاشرے کو تشکیل دے دینی چاہئے لیکن اس اقدام میں یہ پہلو ملحوظ رکھنا چاہیئے کہ مراعات کو نئے نام سے رواج دیا جائے تاکہ تدابیر مخالف کی سعی کا نہیں بلکہ اپنے دماغ کی تخلیقی قابلیت اور سیاسی تدبّر کا نتیجہ معلوم ہوں۔ چنانچہ کرونسٹاڈ کے ملاحوں کو تباہ کرنے کے بعد لیننؔ نے تحریر و تقریر کے ذریعہ سے انہیں خیالات کا اظہار کرنا شروع کر دیا جو مخالف پارٹیوں کا سیاسی سرمایہ تھے لیننؔ کے ان جدید

تصورات کا خلاصہ حسب ذیل ہے جو دلچسپی سے خالی نہیں:۔

"کسان ہمارے سلوک سے خوش نہیں۔ وہ زیادہ جبر کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ کسان اور مزدور کے مفاد میں تضاد واقع ہو گیا ہے مزدور اجناس کی کمی کی وجہ سے کسان کو کوئی شئے نہیں دے سکتا۔ اس لئے جبریہ غلہ وصول کرنے پر مجبور ہے جب تک مغربی ممالک میں انقلاب نہ ہو ہم کسان سے صلح رکھ کر ہی زندہ رہ سکتے ہیں ہمیں کم مایہ کسان کو کوئی ایسا لالچ دینا چاہیئے کہ وہ اپنی پیداوار میں اضافہ کرے۔ اگر کسان کو اجناس خوردنی کی خرید و فروخت کی اجازت نہیں دی گئی اس صورت میں مزدور آمریت کا قیام محال ہو جائے گا۔ یہ مسئلہ کہ ۱۹۱۷ء کا انقلاب پرولتاری انقلاب تھا کہ بر جوازی، صرف مستقبل ہی حل کر سکتا ہے فی الحال روس میں متوسط طبقہ اور متوسط درجہ کے کسان طاقتور ہیں۔ ان حالات میں ہماری جدوجہد کا مقصد صرف یہ ہونا چاہیئے کہ کسی نہ کسی طرح مزدور آمریت قائم رہے۔ حالات کی پکار یہ ہے کہ معاشرے کو اس طرح بدلا جائے کہ مزدور کسان کے تعلقات میں تلخی پیدا نہ ہو اس وقت اس بحث کی ضرورت نہیں کہ ہم اشتمالیت کی طرف جا رہے ہیں یا پسپا ہو رہے ہیں۔ خرید و فروخت کی عام اجازت اگرچہ متوسط طبقہ اور سرمایہ دارانہ رجحانات کو طاقتور بنا دے گی لیکن یہ اجازت صنعت و حرفت کو جو مزدور کا تنہا سہارا ہے بہت ترقی دے گی۔ بلا متوسط طبقہ کو اقتصادی و سیاسی آزادی دیئے صنعت و حرفت کو زندہ رکھنا ناممکن ہو گیا ہے ہمیں کوونسٹاڈ کے حادثے کو فراموش نہ کرنا چاہیئے اور کسان کو خرید و فروخت کی اجازت دے دینی

چاہیئے. تین برس کی جدوجہد کے بعد بھی ہم کسان کو اشتراکی نہ بنا سکے شاید اگر ہم دس سال بھی بہیم کوشش کریں تب بھی ایسا نہ کر سکیں گے اس لئے یہ ضروری ہے کہ فی الحال ہم ملک کی اقتصادی زندگی کو کسان کی اقتصادی ضرورت کے مطابق بدلیں. غریب کسان جاگیرداروں اور امیر زمینداروں کی اراضیات پر قبضہ کرنے کے بعد متوسط درجہ کے خوش حال کسان بن گئے ہیں. اب یہ کسان ۱۹۱۷ء کے غریب کسان نہیں رہے جو ہمارے ساتھ انقلابی سعی میں دوش بدوش تھے کسان کی نفسی کیفیت بدل چکی ہے اب اس کو مزدور آمریت کے قیام میں نقصان معلوم ہوتا ہے۔ ان تین سال میں ملک میں متوسط طبقے کی تعداد بہت زیادہ ہو گئی ہے اور اس کی مدد اسی وقت مل سکتی ہے کہ ہم غلہ کی خرید و فروخت کی عام اجازت دے دیں"

لینن کے مندرجہ بالا تصورات کے بموجب کمیونسٹ پارٹی کی دسویں کانفرنس میں ایک نئی اقتصادی تجویز منظور کر لی گئی جو 'نپ' کے نام سے مشہور ہے اس تجویز کے مطابق اقتصادی نظام میں حسب ذیل اصلاحات کر دی گئیں۔

(۱) کسان سے بجائے جبریہ غلہ وصول کرنے کے اس پر مقررہ ٹیکس لگا دیا گیا۔

(۲) کسان کو غلہ فروخت کرنے کی اجازت دے دی گئی۔

(۳) حکومت کی غلہ کی اجارہ داری ختم کر دی گئی۔

(۴) تجارت کرنے کی آزادی ہو گئی لیکن تجارت کرنے کے لئے حکومت سے اجازت نامہ (پرمٹ) حاصل کرنا ضروری قرار دیا گیا۔

(۵) جن کارخانوں میں مزدوروں کی تعداد ۳۰ یا کم تھی وہ کارخانے ان کے مالکوں کو واپس کر دیئے گئے۔

(۶) جن کارخانوں میں مزدوروں کی تعداد ۳۰ سے زیادہ لیکن ۷۰ سے کم تھی ان کو حکومت نے ٹھیکے پر دے دیا۔

(۷) بڑے بڑے کارخانوں اور ملک کی بنیادی صنعت وحرفت پر حکومت ہی قابض رہی۔

(۸) اب تک جو اشیاء استعمال مثلاً اخبار۔ تار۔ لفافہ۔ کارڈ۔ ریل۔ ٹرام بجلی گیس۔ پانی وغیرہ عوام کے لئے مفت تھیں ان کی قیمت لی جانے لگی۔

(۹) جن مکانات کی مالیت ۱۰۰۰ کے قریب تھی ان کے مالکوں کو یہ حق دے دیا گیا کہ وہ مکانوں کو بارہ سال کے لئے کرایہ پر دے سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ان کی مرمت کرائیں اور ان کو قابلِ رہائش بنالیں۔

(۱۰) ملک کی تمام صنعت وحرفت تین دائروں میں تقسیم کردی گئی۔

(الف) سوویٹ روس کی بنیادی صنعت وحرفت مرکزی اقتصادی کمیٹی کے زیرِ نگرانی کردی گئی۔

(ب) مختلف روسی جمہوریتوں کی صنعتیں وغیرہ جمہوریتوں کے مختلف اداروں کے زیرِ نگرانی دے دی گئیں۔

(پ) شہری صنعتیں شہر کی مقامی کونسلوں کے زیرِ نگرانی کردی گئیں۔

(۱۱) ۴۸۶ ٹرسٹ قائم کئے گئے جن کو ملکی صنعت وحرفت کا انتظام سپرد کیا گیا۔

یہ انتظام ماہرینِ صنعت وتجارت اور کمیونسٹ کے مشورہ سے ہوتا تھا۔ ان کارکنوں کو اوسطاً ۵ پونڈ ماہانہ ملتا تھا یعنی کمیونسٹ کو ۵ پونڈ کا نصف اور ماہرینِ فن کو اس کا دگنا۔ ٹرسٹ کا مقصد نفع حاصل کرنا قرار دے دیا گیا۔

(۱۲) ٹرسٹ کا مالیہ اس کے پروگرام اور سالانہ حسابات بھی مرکزی اقتصادی کونسل

کے روبرو پیش کئے جانے لگے۔ نفع کی تقسیم کا یہ طریقہ مقرر ہوا کہ ۵۰ فیصدی حکومت کا حصہ۔ ۲۵ فیصدی شکست وریخت کا فنڈ اور ۲۵ فی صدی مزدوروں کے امدادی فنڈ میں جمع ہونے لگا۔

(۱۳) خارجی ممالک سے تجارت کرنا حکومت کا حق قرار پایا اگر کسی ادارے یا فرد کو غیر ملک سے تجارت کی اجازت دے دی جاتی تھی اس کی سخت نگرانی کیجاتی تھی۔

(۱۴) سنڈیکیٹ مقرر کردئے تھے جن کے حسب ذیل فرائض تھے۔

(الف) معاشرے کی ضرورت کا اندازہ لگانا۔

(ب) مختلف کارخانوں کو ان کی استطاعت کے مطابق کام دینا۔

(پ) خام اجناس کو تھوک قیمت پر خریدنا اور مختلف کارخانوں کو ان کی ضرورت کے مطابق تقسیم کرنا۔

(ت) اجناس کو معیاری بنانے کے لئے تدابیر اختیار کرنا۔

(ث) خردہ کی دکانیں قائم کرنا۔

اسی زمانے میں ایک اور ادارہ گوس پلین' وجود میں آیا جس کا فرض یہ قرار پایا کہ ہر سال ملک کی صنعت وحرفت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک نقشہ تیار کرے تاکہ آئندہ سال اسی پروگرام کے مطابق اشیاء بنائی جائیں چنانچہ اس ادارے نے اعداد وشمار مہیا کرنے کے لئے اپنے نمائندے ملک کے گوشہ گوشہ میں روانہ کردئے تاکہ اس حصہ کی اقتصادی ضرورت کا اندازہ ہوجاتے اور اس ضرورت کو پورا کرنے کا کافی وشافی انتظام قبل از وقت کرلیا جائے لیکن چونکہ یہ نمائندے کم علم وکم فہم ہوتے تھے اس لئے وہ کسی مقام کی اقتصادی ضرورت کا درست اندازہ نہیں لگاسکتے تھے اور جو اعداد وشمار گوس پلین کے ادارے میں آتے تھے وہ زیادہ تر غلط ہوتے تھے

جس کی وجہ سے گوس پلین کا اجناس و مصنوعات کا تخمینہ غلط ہو جاتا تھا اور اجناس کی پیداوار اور مانگ میں نسبت قائم نہ رہنے کی وجہ سے سماج میں اقتصادی آشوب آتے رہتے تھے۔ نئے اقتصادی لائحہ عمل کے مندرجہ بالا خدوخال دیکھنے کے بعد یہ اندازہ ہوجاتا ہے کہ جس نظام کی نوعیت اس قسم کی ہو اسے اسٹیٹ کیپٹیل ازم کی ہی ایک شکل خیال کرنا چاہیئے یہ کہنا غلط ہو گا کہ جب بالشیوک کو انقلاب کے بعد چار سال تک معاشرے کی اقتصادی زندگی کو اشتراکی بنانے میں کامیابی نہ ہوئی تب لاچار ہو کر اور مغربی یورپ کے انقلاب سے مایوسی ہوجانے کے بعد نیز مزدور و کسان کی نفسی کیفیت کا اندازہ کرتے ہوئے لینن نے ایک عبوری اقتصادی نظام بنایا جس کا اہم پہلو یہ تھا کہ معاشرے کے اہم اقتصادی اداروں، بنیادی صنعت و حرفت پر اور بڑے بڑے کارخانوں پر مزدور آمریت نے قبضہ رکھا اور غیر اہم اور معمولی صنعت و حرفت اور چھوٹے کارخانوں پر سرمایہ دارانہ رجحانات کو قبضہ کر لینے دیا لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ بولشیوک اہم اقتصادی اداروں کے ذریعہ سے معاشرہ کی اقتصادی زندگی کو اس طرح تشکل کرتے رہے جس سے اشتراکی رجحانات طاقتور اور سرمایہ دارانہ عمل اور رجحان ضعیف ہوتے جائیں۔

بدقسمتی دیکھئے کہ جس سال 'نپ' پر عمل درآمد ہوا اور اقتصادی خوشحالی کی امید پیدا ہوئی اسی سال بارش نہ ہوئی۔ ایک زراعتی ملک جو خانہ جنگی اور دشمنوں کے حملوں سے تباہ ہو چکا ہو جہاں نہ غلّہ کے ذخیرے ہوں اور نہ مویشیوں کی کثرت۔ جس کے پاس نہ آلات ہوں اور نہ سونا کہ بیرونی ممالک سے غلہ خریدا جاسکے اس ملک میں ایک سال قطعی خشک گزر جائے پھر وہاں قیامت نہ آجائے تو اور کیا ہو۔

سنہ ۱۹۲۰ء میں کم بارش ہوئی اور سنہ ۱۹۲۱ء بالکل خشک گزرا۔ ان حالات میں تمام روس میں شدید قحط پڑ گیا۔ اس قحط کی شدت کا اندازہ اس امر سے ہوسکتا ہے کہ ماؤں نے اپنے بچوں کے گوشت کو اپنے لئے حلال کر لیا اور جب عدالت میں ایک

ماں سے اس واقعہ کے متعلق استفسار کیا گیا ماں نے بلا افسوس و شرمندگی جواب دیا "وہ لڑکی مر رہی تھی آج نہ مرتی دو چار روز بعد مر جاتی اس لئے میں نے سوچا میں اپنی بھوک کیوں نہ بجھا لوں" دورانِ جرح میں دریافت کیا گیا "کیا تم کو اس حرکت پر ندامت نہیں ہوئی"؟ جواب ملا "اگر لڑکی کی زندگی کی امید ہوتی تب تو افسوس و ندامت ہوتی اب تو اس کے مرنے کا وقت آ ہی گیا تھا" جب عدالت نے کہا "تمہیں احساس ہے کہ تم نے کتنا سنگین جرم کیا ہے" تو عورت چلائی "جرم۔ جب ہزاروں کو قدرت مار رہی ہے اور جب ہم خود ایک دوسرے کو مار رہے ہیں تو میرا مارنا کہاں سے جرم ہو گیا" جب عدالت نے استفسار کیا "تمہیں سزا کا خوف نہیں" تو جواب دیا "میرے گولی مار دو موت تو آنی ہے ہی" جب سوال کیا گیا "کیا تم بچوں سے محبت نہیں کرتی تھیں" جواب دیا "مجھے معلوم نہیں اس وقت میں کچھ کہہ نہیں سکتی"

ایک اور ماں نے اپنے بچّہ کے گوشت سے اپنی بھوک بجھائی اس سے اس حرکت کے متعلق اِستفسار کیا گیا جواب دیا "میرا بچّہ تھا مجھے حق تھا کہ اپنی زندگی بچانے کے لئے اس کو مار کر کھا لوں"

جس قحط کی تباہ کاریاں روحانی لطافت فنا کر دیں اور ماں باپ کو اپنے بچّوں کو ذبح کر کے کھا لینے پر آمادہ کر دیں اس کا نقشہ قلم نہیں کھینچ سکتا بلکہ اس کا اندازہ بیدار فہم خود ہی کر سکتے ہیں۔ اس قحط کے زمانے میں نہ 'نپ' کی اصلاحات کا اثر محسوس ہو سکتا تھا اور نہ اُن کے حسن و قبح کا اندازہ لگایا جا سکتا تھا چنانچہ 'نپ' ۱۹۲۱ء میں صفحۂ قرطاس پر ایک دلکش تحریر ہی رہی اور بس۔ ہاں ۱۹۲۲ء میں جب بارانِ رحمت نے روس کو شاداب کیا اور زمین اپنے خزانے اگلنے لگی اس وقت 'نپ' کی اصلاحات کا ملک میں اثر محسوس ہوا۔

روسی عوام اشتراکیت کے ارتقائی اصولوں سے ناآشنا علم و فضل سے عاری

سرمایہ دارانہ نظام کے طرز فکر سے متاثر تھے ان کی نگاہ ذاتی اور فوری ضرورتوں سے آگے نہ جاتی تھی وہ اسی طرح زندگی بسر کرنا چاہتے تھے جس طرح ان کے آباؤ اجداد کرتے آئے تھے البتہ یہ آرزو ان کو ضرور ستاتی تھی کہ امیر ہو جائیں تاکہ زندگی میں قدرے دلکشی پیدا ہو جائے ان کی یہ آرزو پوری ہو ہی گئی تھی چونکہ جاگیرداروں کی اراضی پر قبضہ کرنے کے بعد وہ متوسط درجے کے کسان بن گئے تھے نئی اقتصادی تجاویز کے ماتحت بازار میں خرید و فروخت کا جاری ہونا متوسط طبقے کے جمہور کے لئے عید ہو گئی اور انھوں نے ہر تدبیر سے اپنی حالت کو بہتر بنانے کی سعی شروع کر دی۔ خرید و فروخت میں نفع اور زندگی میں استحکام کی جھلک دکھائی دی تو متوسط طبقے نے ازسرِ نو ملک کی سیاسی زندگی پر قبضہ کرنا چاہا لیکن اس زمانہ میں بھی شہری مزدور کی حالت اچھی نہ تھی اس کی مزدوری ہنوز اتنی کم تھی کہ وہ ضروریاتِ زندگی بھی خرید نہ سکتا تھا۔ چنانچہ مرکزی اقتصادی کونسل کے صدر نے دورانِ تقریر میں کہا "روسی مزدور کی اُجرت بہت گری ہوئی ہے وہ اس قلیل اجرت سے اپنی ضروریاتِ زندگی بھی پوری طرح نہیں خرید سکتا"

زینوئیف نے اس کا یہ جواب دیا "مزدور کی قلیل اجرت کا مسئلہ تو طاعون بن گیا ہے۔ مزدور کی اجرت اسی وقت زیادہ ہو سکتی ہے جبکہ ملک کی تمام صنعت و حرفت ترقی کرے" اس زمانے میں روس میں بیس ۲۰ لاکھ مزدور کام کر رہے تھے اور ان پر ۱۰½ لاکھ نگراں تھے یعنی ہر دو مزدوروں پر ایک افسر تھا۔ دراصل یہ افسروں کا طبقہ اشتراکی نظام کے لئے دیمک بنا ہوا تھا۔ ان کی معقول تنخواہوں اور اس پر بدعنوانیوں سے ان میں اضافہ کرنے کی کامیاب سعی نے ملک کی صنعت و حرفت کی کمر توڑ ڈالی تھی مختلف اشیاء جو شہروں کے کارخانوں میں بنتی تھیں وہ مختلف راستوں سے ان افسروں کے چنگل میں جاتی تھیں اور غریب مزدور خالی ہاتھ رہ جاتا تھا۔

روس میں جب ایک ایسا معتد بہ طبقہ پیدا ہو گیا جس کی خوشحالی و فارغ البالی 'نپ' کے سرمایہ دارانہ رجحانات سے وابستہ ہو گئی تب کیونکر ممکن تھا کہ برجوازی رجحانات ملک میں ترقی نہ کرتے۔ چنانچہ تیرویں کمیونسٹ کانگریس کے اجلاس میں زینوویف نے تقریر کرتے ہوئے کہا "روس میں برجوازی طبقہ از سر نو پیدا ہو گیا ہے ہم نے اس کو پانچویں منزل سے دے پٹکا تھا لیکن یہ پھر اپنے پاؤں پر کھڑا ہو گیا نئی اقتصادی اصلاحات کے ماحول میں اس طبقہ کا ترقی کرنا ناگزیر ہے۔ اب صرف یہ سوال قابلِ غور ہے کہ کہیں نئی اقتصادی اصلاحات حد سے تجاوز تو نہیں کر گئی ہیں۔"

۱۹۲۴ء میں ملک کی صنعتی اشیاء کا ۷۵٫۳ فیصدی حکومت کے کارخانے تیار کرتے تھے باقی ۲۴٫۷ نجی کارخانوں میں تیار ہوتا تھا۔ صنعت و حرفت کا جہاں تک تعلق تھا حکومت کا پلّہ بھاری تھا۔ ملک کی تمام اہم اور وسیع صنعتیں چونکہ حکومت کے قبضہ میں تھیں اس لیے حکومت اقتصادی و سیاسی اثر سے نج کے کارخانوں کی زندگی و موت پر قابو رکھتی تھی۔ لیکن زراعت میں حال بالکل برعکس تھا۔ حکومت کی اشتراکی نہج کی زراعت صرف چار فی صدی تھی باقی تمام ملک کی زراعت پر انفرادیت پسند کسان کا قبضہ تھا۔ اس کے علاوہ ملک کی کل خوردہ خرید و فروخت کا ۵۸٫۶ فیصدی بھی نپ پسند لوگوں کے ہاتھوں میں تھا۔ ایک زراعت پیشہ ملک میں جہاں صنعت و حرفت ابتدائی منازل میں ہو زمین کا کل ۴ فیصدی حصہ اشتراکی طور پر کاشت ہوتا ہو باقی آراضی کو انفرادیت پسند کسان خود اپنے ذاتی مفاد کے لئے کاشت کرتا ہو اس ملک میں سرمایہ دارانہ رجحانات کا عود کر آنا ناگزیر تھا چنانچہ اس زمانہ میں روس کی اقتصادی زندگی دورنگی ہو گئی تھی صنعت و حرفت کا زیادہ لیکن زراعت کا بہت قلیل حصہ اشتراکی طریقۂ پیداوار کے زیر اثر تھا اگر معاشرہ کے ایک شعبہ میں اشتراکی طریقہ کار جاری تھا تو دوسرے شعبہ میں سرمایہ دارانہ طریقۂ پیداوار اپنی پوری طاقت سے کام کر رہا تھا۔ اب بالشیوک آمریت کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ

اشتراکی رجحانات کو دبنے نہ دے۔ نیز سیاسی واقتصادی دباؤ ڈال کر ملک کی اقتصادی زندگی کو اشتراکیت کی طرف لائے اس مقصد کے حاصل کرنے کے لئے سختی اور تشدد۔ ظلم اور ستم سیاسی اور اقتصادی تدبیروں۔ طبقاتی رنجشوں اور دوسرے مناسب طریقوں سے کام لیا جارہا تھا اور ایک پس افتادہ ملک میں کمیونسٹ نظام قائم کرنے کی سعی جاری تھی کہ تاریخ نے ورق پلٹا اور وہ حالات رونما ہو گئے جن کا اہل نظر کو گمان تھا لیکن یقین نہ تھا۔

بولشیوک اور وسط ایشیا کی اسلامی ریاستیں

اسلامی دنیا میں بخارا غیر معروف نام نہیں یہ مقام دورِ رفتہ میں اسلامی عظمت کا نشان رہ چکا ہے ان چند اوراق میں ماضی کی یاد تازہ کرنا مقصود نہیں۔ اس سلسلہ میں صرف یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ آج بھی بخارا کی ۲۵۰ عالیشان مساجد اس شہر کی گذشتہ عظمت پر نوحہ خواں ہیں۔ اور آج بھی مؤرخ کی بیدار نگاہ ۱۵۰ سر بفلک درسگاہوں کی خستہ عمارات سے اس شہر کے ذوقِ علمی اور شوقِ فنون کا اندازہ کر سکتی ہے۔ اسلامی تہذیب و تمدن کا یہ عجمی گہوارہ چنگیز خاں کے ہاتھ سے جس طرح تاخت و تاراج ہوا اس کی خونی داستان تاریخ کے بے تعصب صفحات پر درج ہے لیکن اس سے بھی کہیں زیادہ عبرت انگیز داستان ان صفحات پر نقش ہے۔

۱۷۱۷ء میں پہلی بار پیٹر اول شہنشاہ روس نے وسطی ایشیا کو اپنے زیر نگین لانا چاہا لیکن مسلمانوں کے اتحاد عمل اور حربی توانائی نے اس کی سعی کو کامیاب نہیں ہونے دیا۔ اس ناکامی کے بعد بھی شہنشاہانِ روس کی حرص آگیں نگاہیں اس شاداب سرزمین پر پڑتی ہی رہیں۔ کچھ مدت بعد مسلمان حاکموں کے آپس کے نفاق اور نو ایجاد آلاتی سامانِ حرب کی طرف سے لاپروائی نے روس کی آرزوؤں کی تکمیل کے لئے راہ صاف کر دی۔ ۱۸۶۰ء میں وسط ایشیا کے دو مشہور شہر ترکستان اور تاشقند روسی تسلط میں آ گئے۔ مسلمان اب بھی

خوابِ غفلت سے نہ چونکے اور سائنس کی طرف سے بے اعتنائی برتتے رہے جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ۱۸۷۶ء میں کوتند کے کل علاقہ کا روسی سلطنت سے الحاق ہو گیا۔ اس زرخیز علاقہ کی پیداوار نے زارِ روس کی حرص و ہوس کو اور بھی تیز کر دیا۔ اسلامی سلطنتوں کے آپس کے اختلافات اغیار کے لئے دعوتِ عام تھے کہ اُن کے ملک پر حملہ کریں چنانچہ روس نے بخارا پر فوج کشی کر دی۔ امیرِ بخارا نے اعلانِ جہاد بھی کیا دعائیں بھی کرائیں اس کی فوج بہادری سے بھی لڑی لیکن بے سود۔ مسلمان حکومتوں کی آپس کی رنجشیں اُن کے مشترکہ اقدام میں حارج رہیں۔ زارِ روس کسی تنہا اسلامی حکومت سے کہیں زیادہ طاقتور تھا۔ اگر بخارا کی فوج ہی جدید جنگی آلات سے مسلح اور حربی سائنس سے آشنا ہوتی تب بھی شاید اپنے ملک کو بچا لیتی۔ لیکن امیرِ بخارا کا نفظِ جہاد پر تکیہ تھا۔ چنانچہ ۱۸۶۸ء میں بخارا بھی روس کا باجگذار بن گیا۔ برائے نام امیرِ بخارا کی حکومت قائم رہی لیکن دراصل وہاں اس روسی ایجنٹ کی حکومت تھی جو حکومت روس کی طرف سے امیر کا مشیرِ خاص مقرر کر دیا جاتا تھا۔ ۱۸۷۳ء میں خیوا پر بھی روسی حکومت کا اثر ہو گیا اور اسی طرح بتدریج ڈیڑھ صدی کے عرصے میں تمام وسطِ ایشیا تنگ و حقیر ریاستوں کا ایک مجموعہ بن گیا جہاں روسی حکومت کے ایجنٹ مقرر ہو گئے۔ امن قائم ہو جانے پر حکومت روس نے ان زرخیز علاقوں سے اقتصادی فوائد اٹھانے شروع کر دئے۔ ان ممالک کی کامیاب و نفع بخش صنعت و حرفت کو جس سفاکی سے تباہ و برباد کیا گیا اور جس جبر و قہر کے ذریعے سے ان ممالک کو روس کی صنعت و حرفت کے لئے صرف خام اجناس پیدا کرنے پر مجبور کیا گیا اس کی خونچکاں داستان بھی اسی نوعیت کی ہے جس کا تجربہ ہر محکوم ملک کو ہوتا ہے اس کے بیان کی یہاں ضرورت نہیں۔ اس جگہ صرف یہ بتا دینا کافی ہے کہ چند سال ہی میں وسطِ ایشیا سرمایہ داری کا شکار ہو کر روس کی چاکری میں سرگرم ہو گیا لیکن سرمایہ دارانہ نظام کا ردِ عمل یہ ہوتا ہے کہ یہ نظام جہاں بہت بڑے پیمانے پر

اقتصادی نفع پیدا کرتا ہے وہاں ایک ایسا بیدار طبقہ بھی پیدا کر دیتا ہے جو سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف برسرِپیکار ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار کے اجرا کے کچھ عرصے بعد نہ صرف روس بلکہ دور افتادہ بخارا میں بھی ایک ایسا بیدار طبقہ پیدا ہو گیا جو امیر بخارا سے اقتصادی و سیاسی مراعات حاصل کرنے کے لئے برسرِپیکار ہو گیا۔ یہ جماعت جدید کے نام سے موسوم تھی جس کا منتہائے نظر بخارا میں ترکی کا ایک سیاسی دستور قائم کرنا تھا اور بس جدید کے علاوہ تین جماعتیں اور تھیں۔ ایک روسی ایجنٹ کی جماعت جو بخارا کو اقتصادی طور پر بالکل خشک کر دینا چاہتی تھی۔ دوسری امیر بخارا کی جماعت جو امیر جاگیر دار طبقہ کا برسرِ اقتدار آنا اور خود ایجنٹ کے چنگل سے نکلنا چاہتی تھی۔ تیسری افلاس زدہ غیر تعلیم یافتہ مسلمانوں کی جماعت جو اپنی حالت سے ضرور غیر مطمئن تھی لیکن جس کو یہ خبر نہ تھی کہ اُس فرسودہ حالت سے نکلنے کے کیا ذرائع ہو سکتے ہیں۔

۱۹۰۵ء میں روسی انقلابی جدوجہد نے جہاں زار روس کے عیش و نشاط کو منغص کیا وہاں امیر علیم خاں والیِ بخارا کو بھی متعدد سیاسی جھٹکے دیئے۔ رفتارِ زمانہ کے یہ امر خلاف ہوتا اگر اس انقلابی دور میں کوہ قاف۔ والگا۔ کریمیا کے علاقوں کے بیدار مسلمانوں اور وسط ایشیا کے بیدار مغز و ذی ہوش مسلمانوں میں رشتہ ارتباط قائم نہ ہو جاتا۔ ان تعلقات کا یہ نتیجہ ہوا کہ موسکو سے لے کر بخارا تک انقلابی جرائد و کتب کی آمد کا سلسلہ قائم ہو گیا اور ان کے ذریعہ سے موسکو اور پیٹر برگ کی انقلاب پسند جماعت کی آتش بیانی، اُن کے دلائل و براہین، اُن کی جرأت و ہمت کے مظاہروں کے تذکرے بخارا و سمرقند کی شاہراہوں اور ایوانوں میں بیک وقت ہونے لگے۔

جدید تصورات کو اپنانے میں دشواریاں ہوتی ہیں اور وقت لگتا ہے۔ جدید

پارٹی ہنوز فرسودہ فکر کی روشنی میں آئینی جدوجہد کر رہی تھی کہ ۱۹۱۷ء میں روس میں انقلاب ہو گیا اور زار روس کی حکومت ایک قصۂ پارینہ بن گئی۔ زار روس کی برطرفی نے والیِ بخارا کے قصرِ شاہی کے کنگرے ہلا دئے۔ موسکو کے انقلابی عناصر کے پیغامِ اخوت کا وسط ایشیا پہنچنا تھا کہ مردہ دلوں میں جان پڑ گئی۔ اس زمانے میں امیر علیم خاں نے جمہور کی عام بیداری اور جرأت سے متاثر ہو کر مراعات دینے کا وعدہ کر لیا اور اعلان کے ذریعہ سے جدید پارٹی کو ایک کانفرنس میں شامل ہونے کی دعوت دی۔ لیکن جب اس پارٹی کے لیڈر فیض اللہ اس کانفرنس میں پہنچے تو امیر بخارا اور اس کے وزراء کے علاوہ زار کا ایجنٹ مسٹر ملر، حکومت کے عمال اور مذہبی رہبروں کو بھی موجود پایا۔ گفتگو ہوئی لیکن نتیجہ خیز نہیں۔ اس کانفرنس میں اگر کوئی سیاسی معاہدہ ہو بھی جاتا تب بھی شاید مفید ثابت نہ ہوتا۔ کیونکہ اب وسط ایشیا روس کی حالت کا آئینہ بن گیا تھا۔ موسکو و پیٹرو گریڈ کی ہر سیاسی تبدیلی اب بخارا۔ سمرقند ترکستان پر اپنا سایہ ڈالنے لگی تھی۔ اگر موسکو میں جمہوریت پسند سوشل انقلابی پارٹی کو عروج ہوتا تو بخارا میں بھی جدید پارٹی توانائی محسوس کرنے لگتی۔ پیٹرو گریڈ میں کورنیلوف اور کرنسکی کو زک پہنچتی تو یہاں بھی رجعتی عناصر دبنے شروع ہو جاتے موسکو میں بولشیوک کے مظاہرے ہوتے تو یہاں بھی انقلاب انگیز عناصر کی رگ و پے میں گرم گرم خون جوش مارنے لگتا۔ موسکو کی سیاسی حالت کے ساتھ ساتھ بخارا کی بھی سیاسی حالت بدلتی رہتی تھی۔ پٹرو گریڈ میں جیسے بتدریج کرنسکی کی حکومت مشکلات میں گھرتی گئی۔ بخارا کی جدید پارٹی کا بھی وقار ملک میں کم ہوتا گیا اور ایک نئی 'نوجوان بخارا' پارٹی وجود میں آ گئی۔ اس پارٹی نے منظم ہوتے ہی ایک کمیٹی بنائی اور اپنے مبلغین کو نہ صرف دیہات بلکہ فوج میں تبلیغ کے لئے روانہ کر دیا۔ اس تدبیر سے نوجوان بخارا پارٹی نے فوج میں بھی اپنے ہمدرد پیدا کر لئے۔ نوجوان پارٹی

کو انقلابی جدوجہد کرتے کچھ عرصہ ہی ہوا ہو گا کہ روس میں بولشیوک پارٹی مکمل طور پہ برسر اقتدار آگئی۔

بولشیوک نے برسر اقتدار آتے ہی ایک اعلان "جمہور کے حقوق" نشر کر دیا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ جو اقوام آج تک زار روس کا شکار رہی ہیں ان کو مکمل آزادی دی جاتی ہے۔ اور یہ حق بھی دیا جاتا ہے کہ اگر وہ پسند کریں تو موسکو کی مرکزی حکومت سے علیحدہ ایک خود مختار حکومت قائم کر سکتی ہیں۔ موسکو کی بولشیوک حکومت کا یہ اعلان امیر بخارا کے فہم سے باہر تھا۔ وہ یہی خیال کرتا رہا کہ یہ اعلان بولشیوک کی ایک سیاسی چال ہے جس کی مدد سے بولشیوک کی نئی غاصب حکومت اپنی انقلابی جدوجہد میں مقہور و مجبور قوموں کی امداد و تعاون حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ابھی اس اعلان پر عوام و خواص میں تنقید و تبصرے ہو ہی رہے تھے کہ موسکو سے ایک اور اعلان موصول ہوا جس پر لینن اور استالن کے دستخط ثبت تھے۔ یہ اعلان مشرق اور روس کے مسلمانوں کے نام تھا جس میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ اشتراکی فیڈریشن میں مسلمانوں کو اپنے معتقدات و تصورات اور خاص تہذیب و تمدن کے مطابق اپنے ممالک کے دستور حکومت کی تشکیل کا پورا پورا حق حاصل ہو گا مسلمان اپنی قومی زندگی کو اپنے خاص تخیلات کے بموجب وضع کرنے میں پورے آزاد ہوں گے اور اُن کے ان حقوق کی بولشیوک حکومت پورے طور پر حفاظت کرے گی۔ والیِ بخارا یہ اعلان بار بار پڑھتا تھا لیکن اس کا قرونِ وسطیٰ کا فہم ان اہم اعلانات کا مفہوم سمجھنے سے قاصر تھا۔ امیر کو ہنوز یہ یقین نہ تھا کہ نکولا دوم جس کی فوج کا امیر بخارا اعزازی جنرل تھا۔ اور جس کے سایۂ عاطفت میں امیر نے ہیرے جواہرات و طلاء و نقرہ کی شکل میں اتنی دولت جمع کر لی تھی کہ وہ افسانہ معلوم ہوتی تھی۔ جس زار روس کے دورِ حکومت میں امیر نے .... ۱ روبل روسی صنعت و حرفت میں لگا رکھے تھے وہ اس آسانی سے برطرف کیا جا سکتا ہے اور لینن اور اس کے شرکار کار جن کی کل تک مفرار مجرموں کی حیثیت تھی وہ آج سریر آرائے سلطنت ہو سکتے ہیں۔

بخارا میں جب موسکو کے نعرۂ انقلاب کی گونج پہنچی تو اس نے سب کو خواب سے جگا دیا۔ امیر بخارا نے شہنشاہیت پسند اور مذہبی عناصر کو یکجا کیا۔ جدید پارٹی نے سرمایہ دار اور بر جوازی جماعت کی اور نوجوان بخارا پارٹی نے انقلابی جمہور کی تنظیم شروع کر دی۔ والیِ بخارا اپنے شخصی اقتدار کو بعینہٖ برقرار رکھنا چاہتا تھا۔ جدید پارٹی آئینی جمہوریت کے قیام کی حامی تھی تاکہ سرمایہ دار اور بر جوازی طبقات ملک کی تمام صنعت و حرفت و زراعت کو کامل طور پر اپنے تصرف میں لا سکے۔ نوجوان بخارا پارٹی سوویٹ نظام قائم کرنے کی خواہاں تھی۔ اگرچہ بخارا کے ان تینوں گروہوں کے مفاد میں تضاد تھا لیکن جب جدید پارٹی کو یہ علم ہوا کہ بولشیوک کی قومی حکومت کے قیام سے مراد قوم کی اکثریت کی حکومت ہے اور اکثریت انقلابی جمہور کی تھی۔ تو ان حالات کے ماتحت جدید پارٹی نے امیر بخارا کی پارٹی سے متحد ہو کر نوجوان بخارا پارٹی کے خلاف ایک مشترکہ محاذ قائم کر دیا اور دیگر معاونین کی جستجو شروع کر دی اس تلاش میں ان کی نظر سلطنت برطانیہ پر پڑی۔ ان کا یہ انتخاب درست تھا۔ چونکہ برطانیہ اپنے مفاد کی خاطر وسط ایشیا میں اشتراکی نظام اور بولشیوک اثر قائم ہوتا نہیں دیکھ سکتا تھا۔ افغانستان و ہندوستان کے قریب سوویٹ طریقۂ حکومت کا اجراء برطانیہ کے لئے نمایاں خطرہ تھا۔ بولشیوک کا حسبِ ذیل اعلان ہوا کا رُخ بتا رہا تھا اور برطانیہ کو ہراساں کرنے کے لئے کافی تھا۔

"مشرق کے مسلمانوں۔ فارس کے باشندوں۔ ترکوں و عربوں۔ ہندوؤں جن کی جان و مال اور آزادی صدیوں سے مغربی ممالک کی بہیمیت کا شکار بنی ہوئی ہے اور جن کے ممالک کی تقسیم کے لئے موجودہ خونخوار جنگ لڑی جا رہی ہے بولشیوک تمہاری اطلاع کے لئے اعلان کرتے ہیں کہ زار روس کے خفیہ معاہدے جو اس نے قسطنطنیہ کو زیرنگین کرنے کے لئے دوسرے سرمایہ دار ممالک سے کر رکھے تھے اور جن کی پابندی کرنسکی نے تسلیم کر لی تھی ہم ان کو کلعدم قرار دیتے ہیں۔ ہماری حکومت دوسرے ممالک کو غصب کرنے کے

خلاف ہے قسطنطنیہ مسلمانوں کے ہی قبضے میں رہنا چاہیئے۔ زار روس نے فارس کے حصے بخرے کرنے کے متعلق جو معاہدے کئے تھے ہم اُن کو بھی منسوخ کرتے ہیں۔ فارس کے باشندوں کو اپنی حکومت کی تشکیل کرنے کا کامل اختیار ہے۔ ہم یہ بھی اعلان کرتے ہیں کہ ترکی کی تقسیم اور آرمنیا کے الحاق کی بابت زار روس کے دوسرے مغربی ممالک سے جو معاہدے تھے ان کو چاک کر دیا گیا ہے۔"

بولشیوک کا یہ اعلان دراصل امیر بخارا اور برطانیہ کو ہم آغوش ہو جانے کی دعوت تھی۔ اپنے مفاد کو دیکھتے ہوئے والیِ بخارا نے بولشیوک سے اور سوویٹ ترکستان سے تعلقات پیدا کرنے کی سعی کو جرم قرار دے دیا۔ ان ابتدائی مراحل طے کرنے کے بعد اتحادی (امیر بخارا جدید۔ برطانیہ) نوجوان بخارا پارٹی کی انقلابی جدوجہد کے دبانے کے لئے فوج فراہم کرنے میں مصروف ہو گئے۔ غیر متمدن ملک میں جہاں جمہور نان شبینہ کے محتاج ہوں چند درم میں انسان کی زندگی خریدی جا سکتی ہے چنانچہ قلیل عرصے میں رجعتی عناصر فوج جمع کرنے میں کامیاب ہو گئے۔

وسط ایشیا چونکہ کم و بیش زراعتی ملک تھا اس لئے وہاں مفلوک الحال عوام کی تعداد تو کثیر تھی لیکن بیدار مزدور طبقہ اس نسبت سے بہت قلیل تھا۔ اگر کسی ملک میں بیدار مزدور طبقہ کا فقدان ہو تو انقلابی سعی بے روح قالب رہ جاتی ہے۔ انقلاب کی روح رواں بیدار مزدور طبقہ ہوتا ہے جو فوج کو متاثر کر کے انقلاب کرنے پر آمادہ کرتا ہے بخارا میں مزدور طبقہ کی قلت اور کم فہمی کی وجہ سے نوجوان بخارا پارٹی کو انقلابی تنظیم میں بہت دشواریاں پیش آتی تھیں۔ اور غیر ملکی روسیوں کو شریک کار کرنا پڑتا تھا غیر قومیت کے لوگوں کا کسی ملک کی سیاسی تحریک میں حصہ لینا وہاں کے جمہور میں شبہ پیدا کر دیتا ہے چنانچہ رجعتی عناصر کا یہ پروپیگنڈا کہ نوجوان بخارا پارٹی بولشیوک کی آلہ کار بنی ہوئی ہے اور اغیار کے ہاتھ بکی ہوئی ہے جمہور کو متاثر کرنے لگا۔ بخارا کی نوجوان پارٹی اغیار کے پروپیگنڈے

کا ہدف بنی ہوئی تھی کہ خود روس میں خانہ جنگی شروع ہوگئی۔ اور دشمنانِ اشتراکیت نے موسکو اور وسط ایشیا کا سلسلۂ آمد و رفت منقطع کردیا لیکن حالات کی مساعدت دیکھئے کہ اس اثنا میں سوویٹ ترکستان نے جنرل ڈڈلوٹ کی فوج کو شکست دے دی اور وہاں کے اشتراکی نوجوان بخارا پارٹی کی امداد کے لئے آزاد ہوگئے۔ دونوں طرف سے لڑائی کی تیاری شروع ہوگی۔ شہنشاہیت پسند۔ سرمایہ دار۔ جوازی۔ مذہبی رہبر۔ ان کے زیر اثر مفلوک الحال طبقہ نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے۔ ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تلواریں لئے۔ دانتوں میں خنجر دبائے۔ رجز پڑھتے ہوئے میدانِ کارزار میں آئے۔ دوسری جانب سے خونخوار انقلابی "انقلاب زندہ باد" کے پرچم اڑاتے "محنت کش آزادی کے نعرے لگاتے" آلاتی سامانِ حرب سے آراستہ مدمقابل ہوئے۔ رَن پڑا۔ اور بولشیوک کے مشین گن کے سر فتح کا سہرا رہا۔ امیر بخارا کو زک اٹھانی پڑی اور صلح پر نظر رکھتے ہوئے امیر نے حسبِ ذیل اعلان نشر کیا۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ہم یہ اعلان کرتے ہیں کہ کسی قوم کی اس سے زیادہ خوش نصیبی نہیں ہوسکتی کہ اس میں آزادی و مساوات کارفرما ہوں ہمیں اس امر کا پورا پورا احساس ہے کہ اگر ہماری قوم کو آزادی اور دیگر حقوق نہ ملے اور ملکی دستور عصر حاضر کے تقاضوں کے بموجب نہ بدلا گیا تو ہمارے ملک میں امن و امان قائم نہیں ہوسکتا۔ ہمیں اس امر کا کامل احساس ہے کہ ہماری ملک و قوم کی پستی کی یہ وجہ ہے کہ ہمارے عوام غلام ہیں۔ اور ہماری حکومت میں ضروری اداروں کی کمی ہے ۔۔۔۔۔۔

اس تمہید کے بعد اعلان میں اصلاحات کی ایک طویل فہرست درج تھی جس میں جمہوری حکومت کے قیام۔ سزائے قتل کی منسوخی اور طریقہ ٹیکس میں تبدیلی کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اعلان کے اخیر میں یہ جملہ تھا!

" دنیا کی کوئی طاقت نہیں۔ جو ہمیں اپنے اس عزم سے ہٹا سکے"

انقلابی کی نگاہ اعلانات پر نہیں ہوتی بلکہ حالات وحقائق پر ہوتی ہے۔ وہ بلند آہنگ اعلانات سے مرعوب نہیں ہوتا بلکہ سیاسی فوجی۔ اقتصادی حالات میں وہ تبدیلیاں پیدا کرنا چاہتا ہے جس کا اجرا رجعتی عناصر کو دوبارہ توانا نہ ہونے دے۔ چنانچہ نوجوان بخارا پارٹی نے امیر سے رجعتی فوج کو غیر مسلح کرنے کا مطالبہ کیا اور اس کا اجرا اپنے نمائندوں کے روبرو چاہا تاکہ اس اہم معاملہ میں دھوکا نہ ہو سکے۔ امیر کے مطالبہ قبول کرنے پر انقلابی پارٹی کا ایک وفد بخارا پہنچ گیا جہاں امیر کے حکم سے ان نمائندوں کو دھوکے سے قتل کر دیا گیا اور ۳۵۰۰۰ رجعتی افواج نے کوگان کے مقام کا جہاں نوجوان بخارا پارٹی اور ترکستان کی سُرخ فوج جمع تھی اچانک محاصرہ کر لیا ۳۶ گھنٹے تک رن پڑا۔ انقلابی توپ خانے نے خوب سرگرمی دکھائی۔ اس معرکہ میں بولشیوک کو شکست ہوئی۔ اور امیر بخارا کا وقار از سرِ نو قائم ہو گیا۔

کھوئی ہوئی سلطنت مل جانے پر والیِ بخارا کا مسرور ہونا قدرتی تھا۔ لیکن جب اس کو یہ علم ہوا کہ برطانیہ کی افواج فارس و ٹرانس کاسپیا کی سمت بڑھ رہی ہیں۔ اور برطانیہ ہندوستان سے لے کر وسط ایشیا تک بڑی سرعت سے ریل کی پٹری ڈال رہا ہے تاکہ اس علاقہ میں فوجی نقل وحرکت میں آسانی ہو سکے۔ اس پر امیر کی مُسرت کی کوئی انتہا نہ رہی۔ جولائی ۱۹۱۸ء میں جب برطانوی فوج کی مدد سے بخارا کے رجعتی عناصر عشق آباد کی سوویٹ حکومت تباہ کرنے اور وہاں اپنی حکومت قائم کرنے میں کامیاب ہو گئے تو گویا امیرِ بخارا کی حکومت اور بھی مستحکم ہو گئی۔ یہ زمانہ انقلاب کی پسپائی کا تھا برطانیہ کا افواج وسامان حرب سے رجعتی عناصر کی مدد کرنا اور بولشیوک روس کا خانہ جنگی کی وجہ سے وسط ایشیا کے انقلابی عناصر کی مدد کرنے سے مجبور ہونا یہ دو واقعات وسط ایشیا میں انقلاب کے لئے کوئی نیک فال نہ تھے۔ انقلاب کی شکست ہوتے دیکھ کر

رجعتی عناصر گروہ در گروہ انقلابیوں پر ٹوٹ پڑے اور ملک کے ہر گوشے میں ان کے خون کی ندیاں رواں ہو گئیں۔

اس زمانہ میں برجوازی عناصر کی سرکردگی میں ایک رجعتی تحریک "بسماچی" کے نام سے شروع ہو گئی تھی جس کا واحد مقصد انقلابی عناصر کو فنا کرنا تھا۔ امیر اور برجوازی طبقات نے زر و مال کا لالچ دے کر اور مذہبی رہبروں نے عوام کی مذہبی ذہنیت سے فائدہ اٹھا کر متعدد فوجی دستے مہیا کر لئے تھے۔ جس کو انھوں نے نہ صرف نو ایجاد ہتھیاروں سے آراستہ کرایا تھا بلکہ جن کو برطانوی فوجی افسروں نے قواعد سکھائی اور جنگی تربیت دی تھی۔ یہ دستے پنڈاریوں کی طرح ہر طرف کشت و خون کرتے پھرتے تھے۔ جہاں جاتے وہاں مقامی طور پر اپنی خور و نوش کا سامان بلا معاوضہ دئے مہیا کرتے۔ اس طرزِ عمل سے دیہات میں عام طور پر غم و غصّہ کی لہر دوڑ جاتی۔ لیکن غیر مسلح دیہات آلات سے مسلح فوج کے خلاف کیا کر سکتے تھے۔ ان حالات میں رجعتی عناصر اپنی پروردہ تحریک کی فتح و نصرت کے نغمے گاتے پھرتے تھے۔ ان کو یہ علم نہ تھا کہ (برطانیہ) کے کندھوں پر رکھ کر بندوق طویل عرصے تک نہیں چل سکتی اور ترقی پسند رجحانات مدت تک نہیں روکے جا سکتے ان رجعتی عناصر کے فہم میں ہنوز یہ حقیقت بھی نہ آئی تھی کہ اس قسم کی تحریکات دودھاری تلوار کے مثل ہوتی ہیں جو دونوں سمت سے کاٹتی ہے۔ ملک میں خانہ جنگی اور طوائف الملوکی شروع ہو جانے سے زراعت و صنعت و حرفت غرضیکہ ملک کی تمام اقتصادی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ ملک کی اقتصادی زندگی کا درہم و برہم ہو جانا عوام کو بے روزگار کر دیتا ہے۔ بے روزگاری بھوک بڑھاتی ہے۔ بھوک کی شدت طبقاتی احساس کو توانائی بخشتی ہے طبقاتی احساس کی نشو و نما طبقاتی کشمکش پیدا کرتی ہے۔ طبقاتی کشمکش انقلاب کے لئے آبِ حیات ہوتی ہے۔ خانہ جنگی کے زمانہ میں صرف یہی نہیں ہوتا کہ ملک کی اقتصادی زندگی میں آشوب آجاتا ہے بلکہ فوجی ضرورت کے لئے حکومت کی مالی احتیاج ہزار گنا

زیادہ ہو جاتی ہے۔ جس کی فراہمی کے لئے حکومت رعایا پر انواع و اقسام کے ٹیکس لگانے پر مجبور ہو جاتی ہے ایک طرف بے روزگاری دوسری طرف متعدد ٹیکس جمہور کو انقلاب پر آمادہ کر دیتے ہیں۔

۱۹۱۸ء میں وسط ایشیا کی زندگی کا انحصار روئی کی فروخت پر تھا جس کو وہاں کے باشندے سفید چاندی کہہ کر پکارتے ہیں یہ روئی ہی ان کا سرمایہ حیات تھی۔ جس کا تمام تر حصہ وہ روس کو فروخت کرتے تھے۔ جب روس کے رجعتی عناصر نے مغربی یورپ کی مدد سے روس میں خانہ جنگی شروع کی اور یورال پر محاذ قائم کر کے روس اور وسط ایشیا کے راستے مسدود کر دیئے تو روئی روس نہ جا سکی۔ روئی کا فروخت نہ ہونا وسط ایشیا کے کروڑوں انسانوں کے لئے مصائب و آلام بن گیا۔ جب بھوک کے ستائے ہوئے بدحال کسان اور عوام سرمایہ دار۔ جاگیردار۔ امیر زمیندار اور خوشحال برجوازی کا کروفر اور شاداب چہرے دیکھتے۔ اس وقت ان کا یہ احساس کہ باوجود مذہبی وتمدنی یگانگت کے وہ دو مختلف طبقے ہیں قوی تر ہو جاتا اور ان کی طبقاتی تضاد پر نظر جانے لگتی۔ آہستہ آہستہ اپنے مشاہدوں کی بنا پر جمہور کو یہ یقین ہوتا جاتا تھا کہ طلائی ونقرئی اور مذہبی زنجیروں میں جکڑ کر خوشحال طبقات غریب جمہور کو ملکیت کے بُت پر سے نثار کر رہے ہیں۔ مزدور اور غریب عوام میں طبقاتی زاویہ نظر پیدا ہونے کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہوئی کہ روس و جرمنی کی جنگ ختم ہونے پر بخاری۔ سمرقندی۔ ترکستانی جلیوی سپاہی یورپ کے مشرقی محاذ سے اپنے وطن واپس آئے وہ نہ صرف اپنی بندوقیں ساتھ لائے۔ بلکہ دلوں میں مستور اشتراکی نعرے بھی لائے جو بولشیوک نے زار کی فوج میں پھیلا دیئے تھے۔ اور جن کے اثر سے روسی فوج نے جرمنی کے خلاف لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ اس سے انقلابی عناصر کو غیبی مدد یہ ملی کہ محاذ جنگ سے لوٹے ہوئے لاکھوں سپاہی شہر و دیہات میں انقلاب کے علم بردار بن گئے۔

جب اِن سپاہیوں نے وطن آکر ملک کے غریب طبقے کی بدحالی دیکھی تو انھوں نے وہی نعرے لگانے شروع کر دئے جو بولشیوک روس میں لگا رہے تھے نہ صرف یہ بلکہ انھوں نے تاشقند میں "شورائے اسلامیہ" کے مدمقابل "مسلمان مزدوروں کا سوویٹ" کے نام سے ایک ادارہ قائم کر دیا۔ دیگر مقامات پر مزدور انجمنیں (یونین) قائم کر دی گئیں۔ فرغانا میں ان سپاہیوں نے "مفلوک الحال مسلمانوں کی انجمن" کے نام سے ایک طبقاتی ادارہ قائم کر دیا۔ انجمن کے ان ناموں سے پتہ چلتا ہے کہ وسط ایشیا میں "ملت اسلامیہ" کے تخیل کی جگہ اب طبقاتی تخیل نے لینی شروع کر دی تھی۔ اب مسلمان ایک برادری نہیں رہے تھے بلکہ ان کی متعدد برادریاں قائم ہو گئیں تھیں جن کے مفاد میں تضاد تھا۔ اب امیر مسلمان اور غریب مسلمان مدمقابل تھے۔ ایک طرف امیر و متوسط درجہ کے مسلمانوں کی پروردہ و نمک خوار بسماچی فوج تھی اور دوسری طرف مفلوک الحال مسلمانوں کی نیم مسلح سُرخ فوج جس میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہوئے تھے

امیر بخارا بسماچی دستوں کی فتوحات سے مطمئن و شادان، از سرِ نو عیش و نشاط میں منہمک ہو گیا نہ اس کو یہ خبر رہی کہ ٹیکسوں میں غیر معمولی اضافے ضروری اجناسِ زندگی کی کمی صنعت و حرفت و زراعت کا انحطاط عام بے روزگاری یہ سب چیزیں ازسرِ نو انقلاب کے لئے نئی بنیادیں قائم کر رہی ہیں اور جمہور میں وہ نفسی اتحاد اور عملی تعاون پیدا کر رہی ہیں جو انقلاب کے لئے بہت سازگار ہوتا ہے۔ اور نہ اس کو یہ وہم و گمان گزرا کہ اس کی ممد و مددگار سلطنتِ برطانیہ اپنی سیاسی و فوجی ضرورت کی بنا پر وسط ایشیا سے فوجیں ہٹانے پر مجبور ہو جائے گی۔ نغمہ و سرود کی محویت نے اس کو اتنا بے خبر کر دیا کہ امیر امان اللہ خاں کی سعی آزادی اور برطانیہ سے جنگ کی تیاری کی اطلاع بھی امیر بخارا کو نہ ہوئی۔ ۱۹۱۹ء میں افغانستان کی

جنگ آزادی اور ہندوستان کی سیاسی بے چینی سے مجبور ہو کر جب برطانیہ نے وسط ایشیا سے توجہیں ہٹائیں۔ اس وقت امیر بخارا کو اپنی حکومت کے استحکام میں دوبارہ شگاف نظر آنے لگا۔ یہی وہ زمانہ تھا کہ بولشیوک مخالف جرنلوں اور سرمایہ دار ممالک کی افواج کو شکست دینے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ روس میں رجعتی عناصر کی شکست کی ہر اطلاع امیر بخارا کے لئے پیام مرگ تھی۔ ظاہر تھا کہ روس کے رجعتی عناصر کو ختم کرنے کے بعد بولشیوک وسط ایشیا کے رجعتی عناصر کو تباہ کرنے میں سرگرم ہو جائیں گے۔ برطانوی افواج کے ہندوستان کی سرحد پر آجانے اور کولچک وڈینکن وغیرہ کے روس میں شکست کھا جانے سے وسط ایشیا کی سیاسی بساط پلٹ گئی۔ کچھ عرصے بعد جب نوجوان خیوا پارٹی کے ہاتھ سے خیوا کے امیر جنید خاں کی شکست اور ایران فرار ہونے کی خبر امیر بخارا کو ملی اس کو اپنا بھیانک مستقبل زیادہ صاف طور پر دکھائی دینے لگا۔ اب امیر بخارا نے انقلابی عناصر کے خلاف زیادہ مستعدی سے جنگ کرنے کی ٹھان لی۔ ٹیکسوں میں اضافہ اور سامانِ حرب کی خریداری شروع ہو گئی۔ نیز جہاد کا اعلان بھی کر دیا گیا۔ برطانیہ کی امداد ختم ہو جانے پر امیر بخارا نے امیر افغانستان سے ربط وضبط بڑھانا چاہا۔ دونوں حکومتوں میں ایک دوسرے کے سفیر مقرر ہو گئے۔ امیر بخارا نے بہت سی بیش قیمت تحائف بطور ہدیہ افغانستان روانہ کئے امیر امان اللہ خان نے چند توپیں اور پانچ ہاتھی ہدیہ محبت کے طور پر امیر بخارا کے نذر کئے اس اظہار الفت کی تہہ میں راز یہ تھا کہ امیر افغانستان مشرقی بخارا کو اپنے زیر نگین لانا چاہتا تھا اور امیر بخارا بولشیوک کے خلاف افغانستان کی امداد کا خواہشمند تھا لیکن امان اللہ خان کی یہ سیاست نہ تھی کہ بولشیوک سے تعلقات خراب کئے جائیں افغانستان ان حکومتوں میں سے ہے جس نے سب سے پہلے بولشیوک حکومت کو تسلیم کیا۔ امیر امان اللہ خاں کے اس رویہ سے امیر بخارا پر اس امر کا اظہار ہو گیا کہ بولشیوک کے خلاف افغانستان سے مدد کی امید رکھنا بے سود ہے۔

روس میں حالات روبہ اصلاح ہونے پر بولشیوک وسط ایشیا کی طرف متوجہ ہوئے اور سوویٹ کی مجلس عاملہ نے تین اکابر بولشیوک فرنزی۔ کوبشو۔ ایلیف کو ترکستان روانہ کر دیا جہاں پہنچ کر انھوں نے فوراً ترکستانیوں کی قومی وملکی سوویٹ حکومت قائم کر دی اور اقتصادی زندگی کی تنظیم میں سرگرم ہو گئے۔ قومی حکومت قائم ہوتے ہی اغیار کا یہ غلط پروپگنڈا کہ روسی وسط ایشیا میں غیر قومی حکومت قائم کرنا اور اس کو اپنے زیر نگین رکھنا چاہتے ہیں غلط ثابت ہو گیا اور عوام کا بولشیوک کی نیک نیتی پر زیادہ یقین ہو گیا جب اقتصادی تنظیم نے ترکستان میں خوشحالی پیدا کر دی تو جمہور کے لئے سوویٹ حکومت سے غیر مطمئن رہنے کی کوئی وجہ نہ رہی۔ گرد و نواح کی ہمسایہ ریاستیں اب ترکستان کی خوشحالی پر رشک کرنے لگیں اگرچہ رجعتی عناصر تحریر و تقریر کے ذریعہ سے اب بھی جمہور کو سوویٹ حکومت سے بدگمان کرنے کی سعی کرتے رہے لیکن یہ امر مسلمہ ہے کہ عملی مظاہرہ کے مقابلہ میں زبان کی فصاحت وبلاغت اور مذہب کے نام میں ذاتی وطبقاتی مفاد کی تبلیغ کامیاب نہیں ہو سکتی ترکستان میں سیاسی امن اور اقتصادی ترقی نے جمہور کے دلوں کو ایسا تسخیر کیا کہ امیروں کے مالی اثرات مذہبی رہبروں کی تلقین۔ برجوازی طبقہ کی ذہانت کوئی بھی اشترا کی اثر کے دائرے کو وسیع ہونے سے نہ روک سکی۔ خیوا کے بعد بخارا میں بھی ترکستان کے قدم بقدم چلنے کی خواہش پیدا ہو گئی۔ ۱۹۲۰ء میں تاشقند و ترکستان میں پناہ گزین نوجوان بخارا پارٹی اپنے وطن کے کسانوں اور بخارا کی فوج میں انقلابی تبلیغ کرنے نکل کھڑی ہوئی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلے انھوں نے حسب ذیل اعلان شائع کیا۔

”محبانِ وطن خوف نہ کریں۔ انصاف اور طاقت ہمارے ساتھ ہیں ستم شعار نکولا دوم زار روس کو جو امیر بخارا کا دوست تھا فنا کر دیا گیا ہے۔ امیر کے روسی شہنشاہیت پسند دوست جو اس کو مدد پہنچا سکتے تھے۔ ان کا سرزمین روس سے اخراج کر دیا گیا ہے اب روس میں مزدوروں وکسانوں کی مشترکہ فوج منظم کر لی گئی ہے جو قطعی طور پر ہماری طرف ہے

اور ہر لمحہ ہماری امداد کے لئے تیار ہے جمہوریت پسند اشتراکی سُرخ فوج اور بخاراکی انقلابی فوج زندہ باد۔"

نوجوان بخارا پارٹی کی انقلابی جدوجہد روز افزوں ترقی پر تھی قلیل عرصہ میں امیر بخارا کو یہ احساس ہو گیا کہ اس کی شخصی حکومت کی میعاد پوری ہو چکی۔

انقلاب انگیز حالات کی طوفانی رَو بڑھتے دیکھ کر امیر کو اپنی جان عزیز اور اس سے بھی کہیں زیادہ اپنی دولت کی حفاظت کی فکر پڑ گئی۔ مکروفن جبروتشدد سے جمع کی ہوئی بے اندازہ دولت اب اُنہی افلاس زدہ لوگوں کے تصرف میں جاتی دکھائی دیتی تھی جن سے چھینی گئی تھی۔ لفٹنٹ کرنل انتھرٹن جن کی بخارا میں برطانیہ کے ایجنٹ کی حیثیت تھی اور جو امیر بخارا کے عزیز دوست بھی تھے اپنے حالات زندگی میں لکھتے ہیں۔

اپنی دولت کو امیر نے برطانیہ کی تحویل میں دینا چاہا تاکہ وہ محفوظ ہو جائے۔ اور یہ درخواست کی کہ جب تک حالات روبہ اصلاح نہ ہوں یہ دولت برطانیہ ہی کے پاس رہے۔

جب کرنل صاحب نے دولت کو کسی دوسری جگہ منتقل کرنے میں خطرات بیان کئے امیر اس پر بھی راضی ہو گیا کہ اگر نقلِ دولت میں کوئی واقعہ ہو جائے تو اس شکل میں برطانیہ اس کا ذمہ وار نہیں ہو گا۔ امیر بخارا اس دولت کے بدلے میں برطانیہ کے ایجنٹ کی ایک رسید چاہتا تھا اور بس۔ امیر بخارا ایک کاغذ کے پرچے کے بدلے میں اپنی زندگی کا سرمایہ کرنل صاحب کی تحویل میں دینے کے لئے تیار تھا۔ کرنل صاحب امیر کی اس التجا سے مسرور ہو کر تحریر فرماتے ہیں۔

"امیر کی اس التجا سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ دور دراز بخارا میں بھی ہمارا اعتبار کس قدر بڑھا ہوا تھا۔ لیکن چونکہ خاص بخارا اور اس کے گردوپیش جنگ جاری تھی اس لئے میں امیر کی اس التجا کو قبول نہ کر سکا۔ رہا یہ امر کہ میں اس دولت کو کاشغر کے برطانوی خزانے میں محفوظ کرتا۔ یہ اس لئے نہ ہو سکا کہ اتنی کثیر دولت کے رکھنے کی اس خزانہ میں

گنجائش نہ تھی اور نہ وہ بخارا سے کاشغر مکمل حفاظت سے پہنچائی جا سکتی تھی۔"

۱۹۱۹ء کیا ختم ہو رہا تھا کہ رجعتی عناصر ختم ہو رہے تھے۔ ان کے محلوں۔ ایوان خانوں۔ خانقاہوں پر اداسی و ہراس چھایا ہوا تھا۔ ۱۹۲۰ء کا آغاز امیر بخارا کی شخصی حکومت کے لئے سکرات موت کا آغاز تھا۔

۱۸ اگست کو بخارا کی کمیونسٹ پارٹی نے کانگریس کا اجلاس منعقد کیا جس میں حسب ذیل اعلان پڑھا گیا۔

"مقامات کرمین اور شکر سبات پر کمیونسٹ نے قبضہ کر لیا ہے۔ ہمارے انقلاب کا یہ مقصد ہے کہ بخارا کی تمام ارضیات کنویں۔ نہریں۔ جمہور کی ملکیت قرار دے دی جائیں۔ امیر بخارا اور دیگر عمال حکومت نیز مذہبی پیشواؤں کی ملکیت چھین لی جائے۔ جمہوری کانگریس کی تشکیل کی جائے جو ان مقاصد کا اجراء کرے۔ یہ کانگریس نوجوان بخاریوں سے ملتجی ہے کہ وہ انقلاب کے کامیاب بنانے کی سعی کریں۔ یہ کانگریس سوویٹ روس سے درخواست کرتی ہے کہ روسی فوج سے ہماری مدد کریں تاکہ ہم امیر بخارا کی مسلح فوجوں کا مقابلہ کر سکیں۔"

کانگریس کی اس اپیل کے نشر ہونے پر سرخ فوج کے جنرل فرنز نے ترکستان کے محاذ کی سرخ فوج کو مندرجہ ذیل پیغام دیا:-

"بخارا میں متعدد مقامات پر انقلابی جنگ شروع ہو گئی ہے۔ محنت کش اور افلاس زدہ جمہور نے بخارا کے امیر اور اس کے جابر و قاہر عمال پر یورش کرنی شروع کر دی ہے بخارا کے نوجوانوں کی کمیونسٹ فوج وہاں کے جمہور کی امداد کے واسطے روانہ ہو رہی ہے۔ اس اہم موقع پر روس کی سرخ فوج کو ان جان نثار انقلابیوں کے دوش بدوش ہونا چاہیئے۔ میں سوویٹ روس کی تمام مسلح فوج کو حکم دیتا ہوں کہ اس نازک وقت میں بخارا کے جمہور کی مدد کریں۔ سرخ فوج کے نوجوانو! اس وقت تمام روس کی نظریں تم پر

لگی ہوئی ہیں۔ اور ان کو یقین ہے کہ اس جنگ میں تم میں سے ہر فرد اپنا انقلابی فرض ادا کرے گا۔ بخارا اور روس کے محنت کشوں کی قسم! جو قدم آگے بڑھے پیچھے نہ ہٹے بخارا کے بیدار جمہور زندہ باد! بخارا کی سوویٹ جمہوریت زندہ باد!

۱۲ اگست کو بخارا پر یورش شروع ہوگئی۔ اس جنگ میں یہ صاف نظر آرہا تھا کہ انقلابی افواج کی شکست وسط ایشیا سے اشتراکیت کے استیصال کے مترادف ہوگی اور امیر بخارا کی شکست رجعتی عناصر کے عیش ونشاط اور جاہ وجلال کو ختم کردے گی جہاں حیات اور موت کا سوال ہو وہاں انسان اپنی سعی کرنے میں کسر نہیں چھوڑتا۔ چنانچہ تین روز تک گھمسان کا رن پڑا۔ امیر بخارا کی افواج نعرۂ تکبیر بلند کرتیں۔ ان کے عقب میں مذہبی پیشوا بڑے بڑے جبوں اور عماموں میں ملبوس ہاتھوں میں قرآن لئے بہ آواز بلند امیر کی فتح ونصرت کی دعائیں مانگتے۔ بار بار دشمنوں پر حملہ آور ہوتے تھے لیکن ہر مرتبہ پسپا ہی ہونا پڑتا تھا۔ تین روز کی جدوجہد کے بعد انقلابی فوجیں بخارا میں داخل ہوگئیں اور امیر بخارا کو ایک گاڑی بان کا بھیس بدل کر اپنے محلوں سے فرار ہونا پڑا۔ امیر بخارا کے فرار ہوجانے کے بعد حالات پر روشنی ڈالتے ہوئے کرنیل ایتھرٹن فرماتے ہیں:-

"جلیبار کے مقام سے امیر بخارا کا ایک وزیر امیر کے خطوط شہنشاہ معظم وائسرائے ہند اور میرے نام لایا جس میں امیر نے اپنے فرار ہونے اور کس مپرسی کے حالات درج کئے تھے۔ اور یہ درخواست کی تھی کہ بخارا کو سلطنت برطانیہ میں شامل کرلیا جائے۔ لیکن اس وقت برطانیہ نے سلطنت میں توسیع کرنا مناسب خیال نہیں کیا۔"

انسان ڈوبنے لگتا ہے تو کیا کچھ کرنے پر آمادہ نہیں ہوجاتا۔ برطانیہ سے یہ درخواست اس امید موہوم پر کی جارہی تھی کہ شاید حالات درست ہونے کے کچھ عرصے بعد برطانیہ بخارا میں چند اقتصادی مراعات کے عوض امیر کو ازسرنو تخت وتاج عنایت کردے۔ ادھر امیر بخارا برطانیہ سے ساز باز کرنے میں مشغول تھا ادھر انقلابیوں نے بخارا میں سوویٹ جمہوریت قائم

کر دی تھی۔ اور عملی محرکات کے بموجب ملک کی صنعت وحرفت اور زراعت کو جدید ترین کلوں اور آلات سے آراستہ کرنا شروع کر دیا تھا۔ لیکن کسی ملک کے فرسودہ نظام کو فنا کر دینا اور اس کی جگہ اشتراکی نظام قائم کرنا دو مختلف مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلے مرحلے کی تکمیل دوسرے میں کامیابی کی دلیل نہیں ہوا کرتی۔ قوم و ملک جب کسی موڑ سے گذرتے ہیں تو ان میں اختلافات پیدا ہونے کا قدرتی امر ہوتا ہے۔ چنانچہ بخارا کے متعدد انقلابیوں کا یہ خیال تھا کہ بخارا اس درجہ پس افتادہ ملک ہے کہ یہاں فی الحال اشتراکی دستور کا فوری اجراء غیر ممکن ہے۔ پہلے ہمیں بر جوازی انقلاب کر کے سرمایہ دارانہ نظام قائم کرنا چاہیے۔ جب مشین کاری اپنی پوری رفعت پر پہونچ جائے اس وقت اشتراکی نظام کے قیام کی بابت کدوکاوش کرنی چاہیئے۔ اپنے اس طرز خیال کی تائید میں وہ کارل مارکس کا یہ جملہ پیش کرتے تھے۔" کوئی نظام یا طریقہ پیداوار اس وقت تک فنا نہیں کیا جاسکتا جب تک کہ اس میں رہ کر بنی نوع انسان کے لئے ترقی کے امکانات باقی رہتے ہیں۔" چونکہ بخارا ہنوز زراعتی وغیر آلاتی ملک تھا۔ اس لئے یہاں سرمایہ دارانہ نظام میں رہ کر مشین کاری اور طریقہ پیداوار کو ترقی دینے کے بہت امکانات تھے۔ دوسرا گروہ کارل مارکس کے اس تخیل کی تردید تو نہیں کرتا تھا لیکن یہ کہتا تھا کہ سوویٹ اداروں کے ذریعہ سے صنعتی وحرفتی ترقی بہت سرعت سے کی جاسکتی ہے۔ سرمایہ دارانہ طریقہ کار ملک کو آلاتی ترقی دینے میں بہت وقت لے گا۔ کارل مارکس نے یہ کہیں نہیں کہا کہ صرف سرمایہ دارانہ طریقہ کار ہی سے آلاتی ترقی ممکن ہے۔ مقصد آلاتی ترقی سے ہے۔ ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک کے مماثل اقتصادی ترقی سوویٹ کے اداروں کے ذریعہ سے بہت جلدی ہو سکے گی۔ اس لئے فی الفور سوویٹ نظام قائم کر دینا چاہیئے۔

تیز کاری ہمیشہ زود کاری کے مترادف نہیں ہوتی۔ بسا اوقات جلد بازی کرنے سے کام کی تکمیل میں دیر ہو جاتی ہے بخارا میں جہاں سرمایہ داری دورِ طفلی سے گذر رہی تھی

وہاں مزدور نسبتاً قلت میں تھے۔ اور افلاس زدہ عوام نے تو مشین کی شکل تک بھی نہیں دیکھی تھی۔ خاص بخارا کا تعلیم یافتہ مزدور طبقہ انقلابی جنگوں میں کام آگیا تھا۔ چند روس سے آئے ہوئے انجنیروں اور مزدوروں کے علاوہ بخارا کے بسنے والے جدید آلات اور ان کے استعمال سے نابلد تھے۔ چنانچہ وقت گذرنے پر سوویٹ نظام کے قیام اور بخارا کو آلاتی بنانے میں مشکلات رونما ہونے لگیں۔ جمہور خواہ انقلابی ہوں کہ غیر انقلابی نقد نفع کے خواہاں ہوتے ہیں مستقبل کی آسائش و فراوانی کے لئے وہ حال کی پریشانی کم مائیگی برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوتے۔ کلوں کو سرمایہ دار ممالک سے منگوانا ان کو نصب کرنا۔ ناخواندہ اور ناتجربہ کار مزدور کو اس پر کام کرنا سکھنا اس میں مدت درکار ہوتی ہے۔ دوسرے یہ کہ آلاتی طریقہ پیداوار آنِ واحد میں جنس کی قلت دور نہیں کرسکتا۔ بخارا کے جمہور اس عبوری زمانہ کی تکلیف برداشت کرنے پر تیار نہیں ہوتے ان میں اپنے انقلابی عمل کی صحت کا بھی یقین نہ رہا۔ ان وجوہات کی بنا پر سوویٹ نظام کے گرد خلا پیدا ہونا شروع ہو گیا۔ موجودہ حالات میں شکست خوردہ رجعتی عناصر کا ازسرنو سر اُٹھانا لازمی تھا۔ بسماخ تحریک بہت طاقتور ہوگئی۔ بسماخ کا سب سے نمایاں سالار ابراہیم تھا۔ کچھ عرصے بعد جب کامرانیاں اس پر مسکرائیں تو وہ ابراہیم بیگ کے لقب سے یاد کیا جانے لگا اور معزول امیر بخارا نے افغانستان سے اس کو مالی اور سامان حرب کی شکل میں امداد روانہ کرنی شروع کردی۔ تاشقند و بخارا سے کچھ ہی فاصلہ پر ابراہیم بیگ کا طوطی بولتا تھا۔ اور بسماخ تحریک روزافزوں ترقی پر تھی کہ انور بادشاہ وسطِ ایشیا میں وارد ہوگئے۔

انور بادشاہ کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ یہاں صرف یہ بتادینا کافی ہوگا کہ ترکی میں انقلاب کے بعد مصطفی کمال اور انور بادشاہ میں کشیدگی ہوگئی اور مؤخر الذکر کو ترک وطن کرکے جرمنی جانا پڑا۔ جرمنی کے دوران قیام میں وہ وسطِ ایشیا میں ایک ترکمانی حکومت

قائم کرنے کے سلسلہ میں بہت سی سیاسی ہستیوں سے ملے۔ ہنڈن برگ جو اس زمانہ میں جرمنی کا صدر تھا۔ اپنی سوانح میں تحریر کرتا ہے " انور بادشاہ مجھ سے ملاقات کے لئے آئے ذہین انسان ہیں لیکن ان کی نظر زمین پر نہیں بلکہ افق پر جاتی ہے۔ وہ وسطِ ایشیا میں ایک حکومت قائم کرنے کے متعلق دیر تک گفتگو کرتے رہے مشرقی اصحاب کی یہ خاص خصوصیت ہوتی ہے کہ وہ افق پر نظر ڈالتے ہیں ناک کے نیچے کی شے نہیں دیکھتے۔ انور اس خصوصیت سے مستثنیٰ نہیں"۔ مشرقی دل و دماغ کی چند جملوں میں کتنی جامع تنقید ہے۔ جب جرمنی نے اس تخیل کی تشکیل میں انور کی مدد کا وعدہ نہ کیا تو وہ اپنے ہوائی جہاز میں اسی خیال سے ماسکو روانہ ہو گئے کہ بولشیوک حکومت شاید ان کو ان کے رقیب کمال پادشاہ کے خلاف مدد دے سکے۔ موسکو جا رہے تھے کہ راستہ میں جہاز گر پڑا۔ جان تو بچ گئی لیکن ریگا کے جیل میں چند روز گذارنے پڑے وہاں سے رہائی پاکر موسکو آ گئے اور یہاں بولشیوک کی مدد سے ترکی میں اپنی حکومت قائم کرنے کے امکانات پر موسکو کی حکومت سے گفتگو کرتے رہے۔ لیکن بولشیوک نے ان کی مدد کرنا عملی سیاست کے خلاف خیال کر کے ۱۶ مارچ ۱۹۲۴ء کو مصطفےٰ کمال سے صلح و آشتی کا معاہدہ کر لیا۔ اس معاہدہ سے برہم ہو کر انور پادشاہ باطوم چلے گئے۔ جہاں انھوں نے اپنے شرکاءِ کار کا ایک خفیہ جلسہ منعقد کیا جس میں مصطفےٰ کمال کی حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی تدابیر پر غور و فکر کیا گیا۔ مصطفیٰ کمال نے اس جلسے کی اطلاع پاکر موسکو کی حکومت سے شکایت کی۔ اس پر حکومت روس نے انور پادشاہ کی نقل و حرکت پر محاسب مقرر کر دیے۔ چنانچہ جب بادشاہ موصوف خفیہ طور پر ترکی میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے تو موسکو نے مزاحمت کی اور ان کو ایسا نہ کرنے دیا۔

انور پادشاہ موسکو کی مزاحمت سے ناراض تو ضرور ہوئے لیکن مصلحتِ وقت کی بنا پر اس کا اظہار نہ ہونے دیا۔ بلکہ بولشیوک کے وسطِ ایشیا میں آزاد و خود مختار جمہوریتیں قائم

کرنے پر موسکو کی مدح وثنا ہی کرتے رہے۔ اور بولشیوک کی نیک نیتی اور سیاسی دیانتداری کی اتنی تعریف کی کہ موسکو نے ان کو وسط ایشیا جانے اور وہاں پہونچ کر جمہوریتوں کی مدد کرنے کی اجازت دے دی۔ بخارا پہونچ کر انور پادشاہ نے کمانڈر انچیف کا عہدہ بھی قبول کر لیا۔ لیکن اس واقعہ کے تین روز بعد وہ وہاں سے فرار ہو کر مقدون کے "بسماخ" سالار سے جا ملے۔ چند روز بعد مجوزہ تدبیر کے مطابق بخارا کی مجلس عاملہ کا اشترا کی صدر ۶۰۰ نوجوانوں کے ہمراہ سوویٹ جمہوریت سے باغی ہو کر انور پاشا کا شریک کار بن گیا۔ انور پادشاہ اور اُن کے معاونین اب بولشیوک کے خلاف وہی پُرانا حربہ کہ بولشیوک عورتوں کو اشتراکی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ اور نتیجتاً بچوں کو بھی ریاست کی ملکیت قرار دیتے ہیں۔ مذہب کا استیصال کرتے ہیں وغیرہ وغیرہ استعمال کرنا شروع کر دیا انور پادشاہ کے اس اقدام پر امیر بخارا بہت مسرور ہوا اور اس نے انور پادشاہ کی شہرت وشخصیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے اُن کو اپنا کمانڈر انچیف مقرر کر دیا۔ نیز ان کو زر ومال سے مدد دینی شروع کر دی۔ انور پادشاہ نے مقدون پہونچ کر "اتحاد مسلمین" کی سعی شروع کر دی اور بولشیوک کے نعرے "دنیا کے تمام مزدور متحد ہو جاؤ" کے مقابلہ میں "دنیا کے تمام مسلمان متحد ہو جاؤ" کا نعرہ اپنا نصب العین بنایا۔ مسلمانوں کے دلوں کو اپنی طرف کھینچنے کے لئے اس نعرہ میں کافی کشش تھی۔ چنانچہ وہ اس نعرہ کے ذریعہ سے مسلمانوں کو ایک مرکز پر لانے میں بہت حد تک کامیاب ہو گئے۔ اس کامیابی سے سُرخ رو ہو کر انھوں نے اتنی طاقت محسوس کی کہ روس کے سفیر مقیم بخارا کو اخراج کا حکم دے دیا۔ اس حکم پر انور پادشاہ نائب خلیفہ ابراہیم بیگ اور دیگر بسماخ سالاراں کے دستخط ثبت تھے۔

انور پادشاہ کی حسن تدبیر، تنظیمی قابلیت اور ان کی ذاتی وجاہت نے نہ صرف جمہور بلکہ بہت سے بسماخ سالاروں کو ذاتی طور پر ان کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ ان کا یہ اثر معزول امیر

اور ابراہیم بیگ دونوں کی آنکھوں میں کھٹکتا تھا۔ تینوں ایک دوسرے کی مدد سے فائدہ اٹھاکر اپنی حکومت قائم کرنا چاہتے تھے۔ ظاہراً اتفاق لیکن دلوں میں نفاق تھا۔ ظاہرداری مدت تک قائم نہیں رہ سکتی۔ کچھ عرصے ہی میں انور پادشاہ اور ابراہیم بیگ میں تعلقات اس درجہ خراب ہو گئے کہ انور پادشاہ نے ابراہیم کو قید کر لیا اور پانچ روز تک مقید رکھا۔

انقلاب کے زمانہ میں رجعتی عناصر کی ہمیشہ سے یہ خامی رہی ہے کہ وہ کوئی خاص تصور، سیاسی دستور۔ اقتصادی لائحہ عمل جمہور کے سامنے پیش نہیں کر سکے۔ جذباتی نعروں کا کچھ روز تو جمہور کی طبیعتوں پر اثر رہا۔ لیکن جب عوام نے سوویٹ وسطِ ایشیا کی اقتصادی ترقی اور جمہوری طریقِ کار دیکھا۔ نیز سوویٹ رعایا کی خوشحالی اور روبہ ترقی رجحانات کا اپنی سیاسی پراگندگی۔ اقتصادی بدحالی ٹیکس وصول کرنے کے سلسلہ میں عوام پر جو جور و ستم روا رکھا جاتا تھا اس سے مقابلہ کیا۔ تو وہ بسماخ تحریک سے دل گرفتہ ہو کر کنارہ کش ہو گئے۔ بسماخ سالار جس جگہ مقام کرتے وہاں کا غلہ مویشی۔ عورتیں غصب کر لیتے۔ ان حرکات نے کسان کو بسماخ تحریک سے متنفر کر دیا۔ زراعتی ملک میں کسان معاشرہ کا وہ عنصر ہوتا ہے جس کا تعاون کسی تحریک کو کامیاب بنانے اور عدم تعاون اس تحریک کو تباہ کر دینے کے لئے کافی ہوتا ہے۔ کسان طبقہ کے نوجوان ہی ضرورت کے وقت فوجی خدمت کرتے ہیں۔ کسان طبقہ حکومت سے بددل ہو جائے تو فوج وفادار نہیں رہ سکتی۔ فوج کی وفاداری اور غیر وفاداری پر فتح و شکست کا انحصار ہوتا ہے۔ جب کسان بسماخ سالاروں سے باغی ہو گیا اس وقت ان کو شکستیں ہونے لگیں اور حالات اس درجے نازک ہو گئے کہ اکابر بسماخ سالار انور پادشاہ کو تنہا چھوڑ کر اپنے پہاڑی علاقوں میں پناہ گزین ہو گئے۔ ان تاریخی حالات میں انور پادشاہ نے البجون اور حیوانگ کی درمیانی پہاڑی گھاٹیوں میں دشمن کی نگاہ سے دور بسماخ سالار کی جو ہنوز انور پادشاہ سے اعتقاد رکھتے تھے ایک انجمن شوریٰ منعقد کی۔ واقعات کی طلسم کاری

دیکھیئے کہ جب انور پادشاہ پُرجوش تقریر کر رہے تھے انھوں نے سُرخ فوج کا ایک دستہ اپنی سمت آتا دیکھا۔ خطرہ محسوس کرنے پر فوراً تقریر ختم کر حاضرینِ جلسہ کی صف آرائی میں سرگرم ہو گئے۔ اس اثنار میں سُرخ دستہ بھی قریب آگیا اور لڑائی شروع ہو گئی۔ انور پادشاہ کی شخصیت اُن کا خوش وضع چہرہ دیدہ زیب لباس اس مجمع میں نہ چھُپ سکا۔ سُرخ فوج انور پادشاہ کو پہچان گئی۔ اور اپنی تمام یورش کا زوران کی سمت ڈال دیا۔ انور پادشاہ نے انفرادی بہادری کے جوہر دکھائے۔ ساتھیوں کو للکارتے ہوئے ان کو ضروری نقل وحرکت کے احکامات دیتے ہوئے۔ خود گولی کا جواب گولی سے دیتے ہوئے برسرپیکار رہے لیکن قضا و قدر کا حکم ہو چکا تھا کہ ترکی کے اُفق کا یہ تارہ آج غروب ہوگا۔ ہنگامے کے بعد دیکھا گیا کہ انور کا جسم گولیوں سے چھلنی تھا۔ فدائے کارزار کی میدان جنگ میں خواب گاہ بنی۔ ان کے جسم پر جو پوشاک وہتھیار تھے وہ آج تاشقند کے عجائب خانہ میں چشم بینا کے لئے وجہ صد عبرت ہیں۔ مرحوم کے مزار کی تصدیق ہنوز نہیں ہوئی لیکن نہ معلوم کس معتقد نے اس مقام پر جہاں انور پادشاہ زخمی ہوکر گرے اور جان دی وہاں ایک بانس پر ایک سفید علم لگا رکھا ہے۔ اور اسی مقام کو ان کا مزار بتایا جاتا ہے۔ امیر بخارا نے انور پادشاہ کی وفات کے بعد ان کے ایک دوست سلیم پادشاہ کو کمانڈر انچیف بنا دیا۔ لیکن ابراہیم بیگ نے ان کو کمانڈر انچیف ماننے سے انکار کر دیا۔ سلیم پادشاہ کا بسماخ پر وہ اثر نہ تھا جو انور پادشاہ کا تھا۔ چنانچہ رفتہ رفتہ بسماخ سالار علیحدہ ہونے شروع ہو گئے۔ اس بیچارگی کی حالت میں جب کہ معدودے چند بسماخ سالار ان کے ہمراہ رہ گئے تو سُرخ فوج نے ان کو آگھیرا۔ خطرہ کا احساس کرکے سلیم پادشاہ نے حاضرین کے سامنے حسبِ ذیل تقریر کی۔

"مشرقی بخارا" کے بہادر اور نیک دل جوان مردو! انور پادشاہ کو اور مجھے خداوند تعالیٰ نے تمھاری خدمت کے لئے معمور کیا تھا۔ تمھیں یہ علم نہیں کہ کن اعمال کی پاداش میں تم نے

اپنے امیر پادشاہ کو کھو دیا۔ تمھیں ان وجوہات کا علم ہے جن کی بناء پر کل ہم باعزت فاتح تھے اور آج ذلیل مفتوح ہیں۔ اس کا واحد سبب یہ ہے کہ چند منافقین ہمارے درمیان پیدا ہو گئے ہیں جو حکم کی نافرمانی کر کے تخریب پیدا کرتے ہیں۔ جب تک ہم اسلام کے طریقہ پر کاربند رہے۔ ہم فاتح تھے اب ہم مفتوح ہیں چونکہ ہماری آل و اولاد اُن لوگوں کے بہکانے میں آگئی ہے جو شریعت کا مذاق اڑاتے ہیں اور دیرینہ حق ملکیت کے قانون بدلنا چاہتے ہیں۔ میں اب انور پادشاہ کے پاس جا رہا ہوں۔ جو اس وقت جنّت میں عیش و آرام کی حالت میں حوروں کے درمیان فروکش ہیں۔ اگر تم کو بھی اس جنّت میں داخل ہونے کی آرزو ہے تو اپنی آل و اولاد کو اشتراکیت کے کج راستہ سے ہٹاؤ۔ قرآن کے اصولوں کو مضبوطی سے پکڑو۔ شریعت کے قیام کے لئے بولشیوک جدید اور کافروں سے برسرپیکار رہو۔"

تقریر ختم کرنے کے بعد سلیم پادشاہ نے اپنے اسپ تازی کے ایڑھ لگائی اور اپنے آپ کو دریائے پنج کے نیلگوں پانی کے سپرد کر دیا۔ اور جان بحق ہو گئے اس طرح امیر بخارا کی سعی لاحاصل ختم ہوئی اور انھوں نے افغانستان میں تجارتی کاروبار شروع کر دیا۔

سلیم پادشاہ کی وفات کے بعد ابراہیم بیگ اگرچہ سُرخ فوج سے برسرپیکار رہا لیکن چونکہ جمہور کے ساتھ ان کا غیر مہذب سلوک تھا۔ اس لئے ہمدردوں کی تعداد کم ہی ہوتی گئی یہاں تک کہ ۱۹۲۵ء میں جدوجہد بالکل ختم ہو گئی۔ جنگوں سے عہدہ برآ ہونے کے بعد بولشیوک وسط ایشیا میں اپنا سیاسی اور اقتصادی نظام قائم کرنے میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اس سعی میں ان کو وہ تمام دشواریاں پیش آئیں جو ایک پس افتادہ ملک کو آلاتی بنانے میں آتی ہیں۔ اور جن کا مفصل ذکر گزشتہ ابواب میں گذر چکا ہے۔

لینن ٹروٹسکی اسٹالین

۱۹۱۶ء سے ۱۹۲۳ء تک روسی جمہور کی نفسی۔ اقتصادی۔ تمدنی۔ اخلاقی۔ سیاسی حالت کا ذکر اختصار کے ساتھ گذرے ہوئے صفحات میں کیا جاچکا ہے اب انقلاب روس کی اُن اہم ہستیوں کا ذکر کیا جاتا ہے جن کے فکر و عمل نے روس کو متاثر کیا۔ اِن میں سب سے زیادہ ممتاز لینن تھا۔

لینن کی اخلاقی اعتبار سے درمیانی حیثیت تھی یعنی اپنا مقصد حاصل کرنے کے لئے مستحسن طریقہ پر جدوجہد کرتا لیکن ساتھ ہی ساتھ باطل کا باطل سے ترکی بہ ترکی جواب دیتا۔ وہ مردِ درویش بھی تھا اور جواں مرد سیاست بھی۔ رحیم بھی تھا اور قہار بھی۔ دوست بھی تھا اور دشمن بھی۔ اصول کا پابند بھی تھا اور بے اصول بھی۔ زمانہ سے بے نیاز بھی تھا اور زمانہ ساز بھی۔ محتاط بھی تھا اور غیر محتاط بھی۔ غرض کہ لینن کا دل و دماغ اتنا کشادہ تھا کہ اس میں اضداد جمع تھیں۔

روس کا مشہور افسانہ نگار گورکی اور لینن عہد جوانی کے دمساز و محرم راز تھے لیکن گردشِ ایام عجیب ہوتی ہے۔ یہی دیرینہ دوست انقلاب کے بعد حریف مقابل بنے۔ گورکی نے اپنے اخبار نوآیا میں بولشیوک پر نکتہ چینی کی اور ان کو کوردل۔ کورچشم ڈاکو۔ قزاق کہہ کر پکارا اس پر پارٹی کے عام ممبروں نے لینن سے مطالبہ کیا کہ نوآیا

بند کر دیا جائے اس کا جواب دیتے ہوئے لینن نے کہا "ہاں کیا کیا جائے تو آیا بند ہی کرنا پڑے گا تمام ملک میں انقلاب برپا کرنا ہے اور اس اخبار کے مقالے صرف عیب جوئی کرتے ہیں کوئی تعمیری پہلو نہیں بتاتے لیکن گورکی ہم میں سے ہے اس نے پرولتاری کی خدمت سے پرولتاریوں کی دنیا میں اپنے لئے ایک جگہ بنا لی ہے گورکی بھی غریب طبقے کا ایک فرد ہے اس کو کبھی کبھی رجعتی قسم کے دورے پڑتے ہیں۔ لیکن آخر کار یہ ہماری پارٹی ہی میں آ جائے گا" ان چند جملوں سے لینن کے باطن کا پتہ چلتا ہے۔ گورکی کی کڑی نکتہ چینی کے باوجود وہ اپنے دیرینہ دوست کا اخبار بند کرنے پر خوش نہیں ہے اور یہی آرزو ہے کہ گورکی از سر نو اس کے ساتھ تعاون کرنا شروع کر دے۔ باوجود خیالات کے اختلاف اور سیاسی کشاکش کے لینن کے گولی لگنے کی خبر سن کر گورکی مزاج پرسی کے لئے گیا۔ دیرینہ دوستوں نے ۱۸ سال کی جدائی و مخاصمت کے بعد ایک دوسرے کو دیکھا۔ گورکی اس ملاقات کا ذکر کرتا ہوا لکھتا ہے "دوران ملاقات میں لینن مجھے ان نظروں سے دیکھ رہا تھا جن نظروں سے پیغمبر کسی مرتد کو دیکھتا ہے۔ اس کی نظروں سے بجائے غصہ کے تاسف ٹپک رہا تھا یہ میرے لئے کوئی اجنبی نگاہ نہ تھی۔ ۲۰ سال سے لینن مجھے ان ہی نگاہوں سے دیکھتا ہے اور شاید جب میری میت کو قبر میں اتارے گا اس وقت بھی اس کی نگاہ کا طرز یہی ہو گا" مندرجہ بالا بیان سے لینن کے فطری جذبۂ محبت کا پتہ چلتا ہے۔ لینن کے اس جذبہ کا یہ اثر ہوا کہ دونوں میں مصالحت ہو گئی۔ اپنے حالاتِ زندگی میں گورکی ایک جگہ لکھتا ہے "میں لینن کو مختلف قسم کی درخواستوں سے بڑا پریشان کرتا تھا اور بعض دفعہ مجھے یہ محسوس ہوتا تھا کہ وہ ترحم کی نہیں بلکہ حقارت کی نظروں سے دیکھتا ہے" اپنے اور لینن کے مختلف تصوراتی اختلافات کا ذکر کرنے کے بعد گورکی لکھتا ہے "ان اختلافات کے باوجود مجھے یاد نہیں کہ میں نے لینن سے کوئی درخواست کی ہو اور اس نے حتی الامکان

اس کے پورا کرنے کی سعی نہ کی ہو۔" لینن کی طبیعت کی یہ افتاد کہ اس کی حقارت محبت آمیز اور مخالفت حسرت انگیز ہوتی تھی۔ اس کو بولشیوک پارٹی میں خاص اہمیت دے رکھی تھی اور جماعت کا شیرازہ باندھ رکھا تھا۔

عملی زندگی میں وہ کسی خاص سیاسی اصول کا پابند نہ تھا اس کا خیال تھا کہ ہر موقع و محل کے لئے جدا جدا نظرئے ہوتے ہیں۔ چنانچہ دوران گفتگو میں اپنا مافی الضمیر بیان کرتے ہوئے گورکی سے کہنے لگا "ہمارے لئے کوئی تصور اور نظریہ ازلی و الہامی نہیں۔ ہمارے لئے ہر نظریہ ایک اوزار ہے جس طرح مختلف موقعوں اور کاموں کے لئے کسی کاریگر کے پاس مختلف اوزار ہوتے ہیں اور وہ ضرورت کے ماتحت ان کو مختلف کاموں کے لئے استعمال کرتا ہے اسی طرح اگر کوئی خاص نظریہ مخصوص حالات میں مفید ثابت نہیں ہوتا ہم اس کو بدل کر دوسرا زیادہ موزوں نظریہ اختیار کر لیتے ہیں" بظاہر یہ چند جملے بے اصولی اور تخریبی زندگی کے لئے دعوت عام معلوم ہوتے ہیں لیکن یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لینن کی نظروں میں تبدیلی کا محرک انفرادی نفع نہ تھا بلکہ بنی نوع انسان کی بہبودی تھی اور اس خاص مطمح نظر میں کبھی تبدیلی واقع نہ ہوئی۔ یہ واحد تصور ازلی تھا باقی تمام تصورات موقع و محل کی نسبت سے بدلتے رہتے تھے۔ کسی مستحسن نظریہ و تصور ہی میں وہ جادو ہوتا ہے کہ اگر اس کے اجرا کی خاطر کبھی کبھی قبیح طریقہ کار کی ضرورت ہوتی ہے اس وقت وہ بھی ان خاص حالات میں مستحسن ہی بن جاتا ہے اپنے اس تصور کے ماتحت لینن مختلف موقع و محل پر مختلف قسم کے خیالات کا اظہار کرتا تھا۔ اس کی تقاریر سے ہر قسم کا استنباط کیا جا سکتا ہے اگر کبھی روسی انقلاب کو مغربی یورپ کے آنے والے انقلاب پر منحصر بتاتا تو کبھی یہ بھی کہہ دیتا کہ روس میں اشتراکیت قائم ہے کبھی روسی انقلاب کو برجوازی بتاتا تو کبھی اشتراکی۔ کبھی کسان پر جبر کر کے اس سے غلہ وصول کرنے کے احکامات جاری کرتا تو کبھی جبر کی مذمت میں رطب اللسان ہوتا کبھی ریاستی سرمایہ داری

(STATECAPITALISM) کو روس کی فوری ضرورتوں کے لئے کافی خیال کرتا تو کبھی اشتراکی نظام کے قیام کی سعی میں سرگرم ہو جاتا۔ کبھی احتیاط کا یہ عالم کہ برسٹ پر باوجود اکابر بولشیوک کی مخالفت کے فوراً شرمناک شرائط پر صلح کرلی اور کبھی پولینڈ کے فتح کی امید موہوم پر باوجود اکابر بولشیوک کی مخالفت کے جنگ جاری رکھی اور آخر کار پسپا ہونا پڑا۔ ان تمام اضداد کے باوجود وہ تمام بولشیوک پارٹی کا محور بنا ہوا تھا۔ شریک کار اس سے مخالفت کرتے وہ بھی رفقاء کار سے مخالفت کرتا لیکن سخت سے سخت کشمکش کی حالت میں بھی رشتۂ محبت نہ ٹوٹتا اس سلسلہ میں سب سے نمایاں مثال مارٹوف کی ہے جو لینن کے عہد شباب کا رفیق تھا۔ ابتدائی انقلاب انگیز سعی و عمل میں لینن کا دست راست، انقلاب آور محفلوں کا ہمنشین لیکن انقلاب کے بعد کا حریف۔ مخالفت کے باوجود جب لینن کو بستر مرگ پر مارٹوف کی سخت علالت کی خبر ملی۔ اس وقت بھی جو آخری جملہ زبان سے نکلا وہ مارٹوف کی صحت کی بابت اپنی شریک حیات سے استفسار تھا۔ وہ انسان جو غلطی کرنے سے نہ ڈرے اور جان کر یا تلوّن مزاجی ولاپرواہی سے غلطی کا ارتکاب نہ کرے اور اگر انسانی فطرت کی خامی کی بناء پر غلطی سرزد ہو جائے اس کا کشادہ پیشانی سے اعتراف کرے وہ کامیاب ہو ہی جاتا ہے چنانچہ لینن نے بھی اپنی زندگی میں اپنے اشتراکی خواب کا دھندلا سا عکس دیکھ لیا جس کی مکمل تعبیر کے متعلق ہنوز تیقن کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

ٹروٹسکی بحر علم کا شناور، تخلیقی فکر کا منبع۔ یورپ کا مشہور نقاد علم و ادب جو باوجود فوجی انقلابی کمیٹی کی مشغولیتوں اور روسی فوج کی حیرت انگیز تنظیم میں منہمک رہنے کے اپنے زمانہ کی مختلف اہم نئی تصانیف پر تنقیدی مضامین تحریر کرنا اپنے لئے دل خوش کن مشغلہ خیال کرتا تھا۔ ٹروٹسکی انسانیت کی اس رفعت پر تھا جہاں پہنچکر انسان ہر معاوضہ۔ آرزو و تمنا سے بے نیاز ہو جاتا ہے وہ حالات و واقعات کو بنی نوع انسان کی

ترقی کے نقطۂ نظر سے دیکھتا تھا کسی واقع کی اہمیت معلوم کرنے کا اس کی نظر میں صرف ایک پیمانہ تھا کہ وہ واقعہ انسانی ترقی پر کس درجہ اثر انداز ہوتا ہے۔ ٹروٹسکی کوہ قاف کی پرسکون فضا میں طبی مشورہ کے مطابق لیل ونہار گزار رہا تھا کہ لینن کی وفات کی خبر آئی۔ ہمدم کی جدائی رنج دہ ضرور ہوتی ہے لیکن طاقت کے مرکز سے دور قائد کی جانشینی کی ردوقدح سے الگ قدرت کے آغوش ہی میں دن گزارتا رہا۔ اس کی دنیاوی اعزاز سے بے پروائی اس درجہ گہری تھی کہ لینن کی موت کے بعد جبکہ اکابر بولشیوک قائد کی جانشینی کے لئے خفیہ سازشیں کر رہے تھے اس کو ماسکو جانے کا خیال بھی نہ آیا۔

ٹروٹسکی فطری طور پر تقلید کو خودکشی اور خودنمائی کو کفر تصور کرتا تھا اس کی نظر ہمیشہ ملک وقوم سے ماورا کرۂ ارضی اور بنی نوع انسان کے مستقبل پر پڑتی تھی اس کے ہر فکر وعمل میں تنظیم وترتیب علت ومعلول نمایاں ہوتے تھے وہ عقل انسانی اور تمدنی ارتقاء کے لئے کوئی حدود مقرر کرنے کے لئے تیار نہ تھا۔ اور ہر تصور کو قبول کرنے سے قبل اس کو اپنے فہم وتجربہ کی عدالت میں پیش کرتا تھا۔ اس کے خسروانہ انداز ہمنشینوں کے لئے خلش خار تھے۔ اس کی مدلل تحریر وتقریر اس کے ہمعصروں کے لئے وجہ رشک وحسد تھی۔ تنگ دل رفقاء کار کو اس کی فطری ذہانت اور باوجود بولشیوک پارٹی کے دیرینہ ممبر نہ ہونے کے لینن کی آنکھوں میں سماجانا دل گرفتہ رکھتا تھا۔ ذہین وبلند ہمت انسان ترقی پسند قدروں سے ہمکنار دنیاوی اعزاز سے لاپرواہ کس طرح کسی ایسے معاشرہ میں بسر کر سکتا تھا جہاں عقل وشعور کا اس درجہ فقدان ہو کہ چند روزہ دنیاوی زندگی کا آرام سرمایۂ حیات خیال کیا جائے۔ جس ملک کے بسنے والوں کے لئے سفر کلفت ہو اور منزل راحت اور جس قافلہ میں نہ بانگ درا ہو اور نہ ذوقِ سفر دہ خاموش وپرسکون قافلہ اس انسان کو میر قافلہ کیونکر بنا سکتا تھا جس کا ذوق سفر پابندِ منزل نہ تھا اور جس کی آتشیں گفتار اور پرجوش کردار موجودہ دور کے

انسانیت سوز تہذیب و تمدن کو خاک و سیاہ کرنے کے در پے بھتے لیکن کیا کیا جائے اس رباط کہن کی رسمیں عجیب ہیں۔ اس دنیا میں کبھی کبھی یہ تعجب خیز منظر نظر پڑتا ہے کہ انسان کی اپنی طبیعت کی روشنی اس کے لئے بلا بن جاتی ہے انقلاب و سرفروشی کی آرزو ٹرو ٹسکی کو روس لائی اور اس کی دونوں آرزوئیں پوری ہوئیں انقلاب بھی برپا کیا اور اپنا سر بھی ماسکو کے دیوانوں کی نظر کر دیا۔ جس سرزمین پر باطل کی ظلمت چھا جائے وہاں اگر کوئی تہذیب و تمدن پھیلانا بھی چاہے تو کامیابی نہیں ہوتی بلکہ صرف کربلا کا حادثہ پیش آتا ہے۔

اسٹالین آرزوئے انقلاب سے سرشار لیکن علم و فضل سے بے بہرہ۔ اپنے ہم وطنوں کی فطرت کا مبصر لیکن تخلیقی فکر سے عاری۔ جبر و قہر کا ماہر لیکن محبت والفت سے ناآشنا تھا۔ ایشیا کی تاریخ میں ایسی بہت سی کامیاب ہستیاں نظر پڑیں گی جن کے جبر و قہر نے ملک کو امن وامان اور ترقی دی۔ اسٹالین دنیا کی ان ہستیوں میں سے ہے جنہوں نے ساری عمر تقلید میں بسر کی اور اس طریقہ کار نے ان کو ایک وسیع ملک کا حاکم بنا دیا۔ لینن کی زندگی میں اس کا نقشِ قدم اسٹالین کے لئے چراغِ راہ تھا۔ اور لینن کی وفات کے بعد سے حکمران طبقے کے رجحانات اسٹالین کی سعی و عمل کے رہبر بنے رہے ہیں۔ علم کی کمی تقلید سے اور تخلیقی عمل کی کمی خفیہ سازشوں اور گروہ بندی سے پوری ہو جاتی ہے۔ اسٹالین نے اپنی دونوں خامیوں کو اس طرح پورا کر لیا۔

کسی غیر متمدن ملک میں انقلاب کا سب سے زیادہ افسردہ کر دینے والا پہلو یہی ہوتا ہے کہ وہاں نیا لائحہ عمل جاری نہیں کیا جا سکتا۔ جس نظام کو تباہ کیا جاتا ہے وہی نظام نئے انسانوں اور اداروں کی شکل میں از سرِ نو رونما ہو جاتا ہے۔ زار کی تباہی کے بعد زاریت کمیونسٹ پارٹی کے حکمران طبقہ کی شکل میں دوبارہ عود کر آئی۔

طبائع کے اختلاف کی بنا پر ٹروٹسکی اور اسٹالن کا آپس کا اختلاف اتنا تعجب خیز

نہیں ہے جتنا یہ کہ ایک طویل عرصے تک ان میں صلح و آشتی قائم رہی۔ دراصل واقعہ یہ ہے کہ ان دونوں کی نفسیاتی کیفیت میں اس درجہ بعد تھا کہ ان کا ایک جگہ متحدہ طور پر کام کرنا اور نہ ٹکرانا غیر ممکن تھا۔ تاریخ اس امر کی شاہد ہے کہ ان کی طبیعتوں کا اختلاف ابتدا ہی میں نمایاں ہو گیا تھا لیکن وہ زمانہ اتنا قیامت خیز تھا کہ کسی کو بھی ایک دوسرے کی مخالفت اور نکتہ چینی کی فرصت نہ تھی۔ دوسری بات یہ تھی کہ ابتدائی زمانہ میں لینن سورڈلیو اور دیگر خوش فہم اور سلیم الطبع اکابر بولشیوک بقید حیات تھے جو نفاق میں اتفاق اور تلخی و تکرار میں صلح و آشتی قائم کر دیتے تھے لیکن طبیعتوں کے اختلاف کا وقتی دفعیہ اختلاف کے آئندہ امکانات کا سدباب نہیں کر سکتا۔ چنانچہ جب تک صلح کن با اثر اکابر بولشیوک زندہ رہے وہ مناقشات و نفاق کو اپنے ذاتی اثر سے دباتے رہے لیکن ان کی وفات کے بعد حسد و عناد کا پھوڑا ایک کر پھوٹا اور اشتراکیت کے گلنار چہرے پر ایک سیاہ داغ چھوڑ گیا۔ روسی انقلاب کا یہ باب نہایت اشتراکیت سوز اور شرمناک ہے لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ پستی سے بلندی کی سمت مراجعت کرنا آسان نہیں ہوتا۔ اس سفر میں انسانیت سوز حادثات پیش آتے ہی ہیں۔

مستقبل میں رونما ہونے والے واقعات اپنا سایہ ڈالتے آتے ہیں۔ ابتدا میں پھوڑا جلد پر ایک سرخ دانے کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ یہی کیفیت دنیا کے دیگر واقعات کی ہے وہ ابتدا میں ضرور غیر اہم و معمولی دکھائی دیتے ہیں لیکن وقت گزرنے پر ایک مہیب مسئلہ بن جاتے ہیں۔ سطح پر اختلافات اس طرح رونما ہوئے کہ خانہ جنگی کے دوران میں غلہ کی کمی ہونے پر روس میں دو محاذ قائم کرنے پڑے۔ ایک طرف سرمایہ دار ملکوں اور روس کے رجعتی عناصر کے خلاف جارحانہ کارروائی جاری تھی۔ دوسرا محاذ غلہ اور دیگر اشیائے خوردنی کی فراہمی کے لئے قرار پایا۔ اول الذکر محاذ ٹروٹسکی کے سپرد ہوا اور مؤخر الذکر اسٹالین کے۔ لیکن اس بلاخیز زمانہ میں کسی محکمہ و محاذ کی حیثیت جداجدا نہ تھی

بلکہ تمام اکابر بولشیوک سب معاملات میں دخل دیتے تھے یہ نہیں تھا کہ ٹروٹسکی کے انقلابی جنگی کمیٹی کے صدر ہونے کی شکل میں کوئی دوسرا قائد فوجی معاملات میں دخل دے ہی نہ سکے اس زمانے میں بجائے افراد کے کمیٹیاں حکومت کے مختلف شعبوں کی ذمہ دار ہوتی تھیں جن میں افراط وتفریط کے بعد وہی معدودے چند اکابر مقرر ہو جاتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوتا تھا کہ اکابر بولشیوک میں سے ہر ایک حکومت کے ہر شعبے میں دخیل تھا۔

خانہ جنگی کے دوران میں غلہ کی کمی کی وجہ سے جب شہروں اور بری وبحری افواج کے سامنے موت آکھڑی ہوئی اس وقت غلہ کی فراہمی کے مسئلہ نے نہایت شدید شکل اختیار کرلی اور اس کی فراہمی کے لئے اسٹالین کو جنوبی روس میں بمقام زارسٹن روانہ کر دیا گیا۔ روانہ ہوتے وقت اس نے لینن کو تحریر کیا "میرا یہ قاعدہ ہے کہ دشنام کے مستحق کو دشنام دیتا ہوں اور امید ہے کہ اس طریقہ کار سے حالات جلدی ہی روبہ اصلاح ہو جائیں گے ہر امکانی کوشش سے غلہ روانہ کیا جائے گا اگر ہمارے فوجی افسران خواب وبیکاری میں وقت ضائع نہ کرتے تو فوجی محاذ میں شگاف نہ پڑتا امید ہے کہ باوجود ہمارے فوجی ماہروں کی حماقتوں کے محاذ از سر نو قائم کر دیا جائیگا"۔ وہاں پہنچ کر اسٹالین نے دیکھا کہ مقامی فوجی محاذ جو وریشلوف (موجودہ مارشل وریشلوف) کے زیر نگرانی تھا بڑی خراب حالت میں ہے۔ مخالف کوسک افواج فتحیاب وشادان آگے بڑھتی چلی آرہی ہیں۔ ان حالات میں اسٹالین نے بولشیوک حکومت کے لئے خطرہ محسوس کیا۔ اور وہ بحیثیت اکابر بولشیوک ہونے کے فوجی معاملات میں دخل اور بلا ٹروٹسکی کے مشورہ کے فوج کو احکامات دینے لگا۔ خانہ جنگی کے زمانے میں ٹروٹسکی نے نہ صرف یہ کہ فوج میں افسران کا جمہوری طور پر انتخاب کا دستور ختم کر دیا تھا بلکہ زار کے زمانہ کے فوجی افسران کو تعاون پر آمادہ کرنے کے بعد ان کو فوج میں اعلیٰ عہدوں پر ممتاز کر دیا تھا۔ ٹروٹسکی کا رجعتی عناصر کو انقلاب کی خدمت میں لے آنا ایسا کارنامہ تھا کہ

بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی ٹراٹسکی کی تعریف میں نغمہ سنج تھی اس زمانے میں لینن نے گورکی سے کہا " بتاؤ ٹراٹسکی جیسا دوسرا انسان کہاں ہے تنہا اس شخص نے ایک سال کے قلیل عرصے میں ایسی فوج منظم کر دی جس پر ہم بجا طور پہ ناز کر سکتے ہیں اس کی دوسری عظیم کامیابی یہ ہے کہ اس نے زار کی فوج کے ماہرین کا تعاون حاصل کر لیا ہے۔ جب ہمارے درمیان ایسی ایک ہستی موجود ہے اس کے یہ معنی ہیں کہ ہمارے پاس بہت کچھ ہے اب تم کامیابی و کامرانی کے معجزے دیکھو گے" لیکن فوج میں انتخابات کی منسوخی اور شہنشاہی فوج کے افسروں کی سرخ فوج میں تقرری اسٹالین کے تخیل کے خلاف تھے چنانچہ اسٹالین نے زارسٹین پہونچ کر جنوب مشرق کے فوجی محاذ پر از سر نو افسروں کا تقرر انتخاب کے ذریعہ سے جاری کر دیا اور ٹراٹسکی کے مقرر کردہ تجربہ کار افسروں کے تنزل کے احکامات جاری کر دیتے نیز ان کی بجائے اپنے خیال کے مطابق لائق و کار آمد افسر مقرر کر دیتے یہ ٹراٹسکی کی کارکردگی پر شدید عملی ضرب تھی۔

ٹراٹسکی کی بولشیوک پارٹی میں نو وارد کی حیثیت تھی۔ ایک نو وارد جلا وطن دیرینہ بولشیوک انقلابیوں کو پیچھے چھوڑ کر انقلاب کی صف اول میں جگہ لے لے اور اپنے فکر و عمل سے قلیل ہی عرصے میں دنیائے انقلاب کا مہتاب بن جاتے۔ اس کی یہ نشو و نما پرانے صیاد دیدہ لیکن خام طبع بولشیوک پر شاق گذرتی تھی۔ اسٹالین بھی بولشیوک کے اس گروہ میں سے ہے جو کبھی ٹراٹسکی کو حقیقی معنوں میں بولشیوک پارٹی کا اہم ممبر خیال نہ کر سکے۔ بقول گورکی کے لینن نے خود ایک مرتبہ ٹراٹسکی کے متعلق کہا " یہ شخص بڑا من چلا و جاہ طلب معلوم ہوتا ہے اس کی کچھ عجیب ہی شخصیت ہے"۔ لیکن یہاں یہ امر یاد رکھنا ضروری ہے کہ واقعہ کے دس سال بعد جب ایک نیا انقلاب پرولتاری انقلاب کی تردید و تنسیخ میں شروع ہو چکا تھا اس وقت گورکی نے اپنی یاد تازہ کی اور لینن کا قول نقل کیا۔ تخلیقی فکر و عمل انسان کو رفعتوں پر لے ہی جاتے ہیں۔ تیس لاکھ

سُرخ فوج شدید مخالفت کے زمانہ میں منظم کر دینا ایک ایسا کرشمہ تھا کہ بولشیوک پارٹی ٹراٹسکی کو اپنا قائد مان لینے پر مجبور تھی۔ قدرت نے اس شخص کو تحریر و تقریر کا وہ ملکہ ودیعت کیا تھا کہ اگر ایک میں برق کی حرارت تھی تو دوسری میں آب کی روانی۔ لیکن چونکہ ابتدا میں ٹراٹسکی کی ایک الگ سیاسی پارٹی تھی اور حالات و واقعات نے اس کو بولشیوک پارٹی سے علیحدہ رکھا تھا اس لئے باوجود اپنی ذہانت و کارکردگی اور دیگر محاسن کے وہ مطعون ہی رہا۔ لینن کے علاوہ دوسرے اکابر بولشیوک ٹراٹسکی کے فوجی طریقہ تنظیم کو نظر احسن سے نہیں دیکھتے تھے چنانچہ اسٹالین نے زارستن سے ٹراٹسکی کی نئی فوجی تدابیر پر نکتہ چینی کرتے ہوئے لینن کو اطلاع دی "ہمارے فوجی ماہرین نفسی طور پر رجعت پسند عناصر کے خلاف کامیاب جارحانہ عمل کرنے سے قاصر ہیں"۔ قلیل ہی عرصے میں یہ اختلاف ایک مسئلہ بن گیا اور دو گروہ پیدا ہو گئے ایک ٹراٹسکی کا گروہ جو زار کے زمانے کے فوجی ماہرین کے تعاون سے فائدہ اٹھا کر سُرخ فوج میں فوجی سائنس کے مطابق قواعد و ضوابط کا اجرا کرنا چاہتے تھے تاکہ وہ سرمایہ دار اقوام کی منظم اور ماہر افواج کا کامیابی سے مقابلہ کر سکے دوسرا اسٹالین کا گروہ تھا جو فوج کے اعلیٰ عہدے دار خواہ وہ ماہرین فن ہوں یا نہ ہوں انتخاب کے ذریعہ سے مقرر کرنا اور منظم فوج کے خلاف گریلا طریقہ پر جنگ جاری رکھنا چاہتا تھا اسٹالین وغیرہ کا گروہ مخالف فوجی پارٹی کہلاتا تھا۔ اس میں شک نہیں کہ زار کے زمانے کے فوجی افسروں پر کلّی اعتماد کرنا مشکل تھا اور اسٹالین کی شکّی طبیعت ٹراٹسکی کے مقرر کردہ ماہرین فوج کے ہر عمل میں تخریبی پہلو ضرور دیکھتی ہو گی لیکن مزدور طبقہ فوجی سائنس سے نابلد تھا مد مقابل فوج ہر طرح سے مسلح اور فوجی آئین و قوانین سے واقف تھی اس کے مقابلے کے لئے جب تک فوجی ماہرین نہ ہوتے فتح ہونی ناممکن تھی۔ یہ حالات ٹراٹسکی کو اس امر پر مجبور کر رہے تھے کہ زار کے زمانہ کے فوجی افسروں کو ذمہ دار

عہدے دیئے جائیں اور افسروں کے حُب الوطنی کے جذبہ سے فائدہ اٹھایا جائے یہ فوجی افسر اگرچہ بولشیوک یا اشتراکی نہ تھے لیکن ملک اور قوم کی محبت ضرور رکھتے تھے اس لئے غیر ملکی عناصر کے خلاف جارحانہ جنگ جاری رکھنے کے سلسلے میں اُن پر اعتماد کیا جا سکتا تھا۔ بولشیوک پارٹی میں فوجی ماہرین کا فقدان ۔ گریلا طریقہ جنگ کا منظم فوج کے خلاف بے اثر ہونا۔ افسرانِ فوج کی حُب الوطنی یہ تین امر ایسے تھے جو ٹراٹسکی کو زارِ روس کے جنرلوں کا تعاون حاصل کرنے پر مجبور کر رہے تھے جہاں تک جبریہ غلہ کی فراہمی کا تعلق تھا اور اس کی فراہمی کے لئے فوج کی ضرورت تھی یہاں یہ فوجی افسر ضرور اغماز سے کام لیتے ہوں گے جو اسٹالین کو شاق گزرنا ہو گا۔

فوج کے دو اعلیٰ افسر ایک دوسرے سے بے نیاز ہوں۔ فوج کی تنظیم کے متعلق ان کے مختلف زاویہ نظر ہوں اور دونوں بیک وقت فوج کو احکامات صادر کریں ان حالات میں فوج میں ہیجان اور بدنظمی پیدا ہو جانا یقینی تھا۔ چنانچہ جنوبی محاذ پر یہی ہوا کہ اسٹالین نے جس کو اصولاً ٹراٹسکی سے مشورہ کرنے کے بعد احکامات جاری کرنے چاہئیں تھے ٹراٹسکی اور اس کے مقرر کردہ فوجی افسروں کے احکامات کے برخلاف اپنے احکامات جاری کر دیئے۔ اس مداخلت کا نتیجہ یہ ہوا کہ مقامی اعلیٰ افسروں نے اسٹالین کے اس غلط اقدام کی خبر ٹراٹسکی کو دی۔ اس پر بذریعہ تار ٹراٹسکی نے اسٹالین کو فوجی معاملات میں دخل دینے سے منع کیا اور فوجی ماہرین و دیگر فوجی حالات کو سابق کی طرح برقرار رکھنے کی ہدایت کی۔ ایک نو وارد و نامحرم پارٹی ممبر ایک دیرینہ مغرور اور تجربہ کار بولشیوک کو یہ تار دے اس پر اس کے خون میں کیونکر حرارت پیدا نہ ہو چنانچہ اسٹالین نے تار پر "اس ہدایت کے مطابق عمل کرنے کی ضرورت نہیں" تحریر کرنے کے بعد اس کو دفتر میں بھیج دیا اور شامل مثل کرنے کی ہدایت کر دی۔ اسٹالین کا یہ ناشگفتہ عمل ٹراٹسکی کو برافروختہ کرنے کے لئے کافی تھا چنانچہ اس نے لینن کو تار دیا:-

"میں مطالبہ کرتا ہوں کہ اسٹالین کو واپس بلا لیا جائے۔ اگرچہ زارستن کے محاذ پر کثیر سرخ فوج موجود ہے لیکن حالات خراب ہوتے چلے جا رہے ہیں وریشلوف (موجودہ مارشل) شاید ایک رجمنٹ کو کمانڈ کرنے کی اہلیت رکھتا ہو لیکن پچاس ہزار فوج کی ذمہ داری لینے کے نااہل ہے اس شرط پر کہ وہ جنوبی فوج کے کمانڈر سیتن کو فوجی نقل وحرکت کی اطلاع دینے کا وعدہ کرے میں اس کو موجودہ عہدہ پر بحال رکھ سکتا ہوں۔ اب تک زارسیتن سے گوزلوف کی جنگ کی بابت کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی۔ میں نے مطالبہ کیا ہے کہ فوجی اقدام و نقل وحرکت کی اطلاع دن میں دو مرتبہ آنی چاہیئے۔ اگر کل اطلاع نہیں آئی میں وریشلوف اور مینن کو فوجی عدالت کے سپرد کردوں گا اور اس سزا کی وجہ فوج میں نشر کردوں گا۔ جب تک اسٹالین مینن۔ زارسیتن میں ہیں ان کی حیثیت صرف دسویں فوج کے انقلابی جنگی ممبر کی ہے۔۔۔ میں اس کے سوا کوئی راستہ نہیں دیکھتا۔"

اگلے روز ٹروٹسکی نے لینن سے ٹیلیفون پر کہا:۔

"میرے پاس جنوبی محاذ سے کمانڈر انچیف کا حسب ذیل تار آیا ہے میں نے جنوبی محاذ کے کمانڈر سیٹن کو حکم دیا ہے کہ اسٹالین کے حکم نمبر ۱۰ پر عمل درآمد نہ کیا جائے اسٹالین کی مداخلت میری تمام تدابیر درہم برہم کر رہی ہیں۔

دستخط۔ واٹزلٹس

کمانڈر انچیف

اس کشمکش کے نمودار ہونے پر لینن نے اپنے معتمد خاص سرڈیو کو اسٹالین کے

واپس لے آنے کے لئے زارسِٹین روانہ کر دیا۔ یہ لینن کی خصوصیت تھی کہ وہ ردّوقدح کو زیادہ تلخ نہ ہونے دیتا تھا شائد لینن نے یہ اظہار بھی نہ ہونے دیا کہ اسٹالین کو کس بنا پر واپس بلایا جا رہا ہے۔ سُوئے اتفاق کہ سرڈیو کی معیت میں جب اسٹالین ماسکو واپس آرہا تھا ٹروٹسکی جنوبی روس جا رہا تھا۔ راستہ میں دونوں کی ملاقات ہوئی۔ دورانِ ملاقات میں اسٹالین نے ٹروٹسکی سے دریافت کیا:۔

"کیا واقعی آپ سب کو (ملٹری اپوزیشن پارٹی) برطرف کرنا چاہتے ہیں وہ (وریشولوف ایمینن) تو بڑے کار آمد نوجوان ہیں۔

اس پر ٹروٹسکی نے جواب دیا:۔

"یہ کار آمد نوجوان انقلاب کو تباہ کر دیں گے۔ انقلاب ان نوجوانوں کی پختگی عقل کا انتظار نہیں کر سکتا۔ میرا مقصد یہ ہے کہ زارسٹین (موجودہ اسٹالین گریڈ) روس میں شامل رہے"

زارسٹین پہنچ کر ٹروٹسکی نے وریشولوف سے عدول حکمی کی وجہ دریافت کی۔ اس نوجوان نے ہر اُس حکم پر عمل کرنے سے انکار کر دیا جو اس کی فہم میں نقصان دہ تھا۔ فوج میں یہ حالات برداشت نہیں کیے جا سکتے کہ جنرل یا کمانڈر عدول حکمی کریں۔ چنانچہ ٹروٹسکی نے وریشولوف کو متنبہہ کرتے ہوئے کہا:۔

"تمھارے اس طرز عمل کا یہ نتیجہ ہو گا کہ تم کو فوجی حراست میں ماسکو روانہ کر دیا جائے گا"

ٹروٹسکی کی اس سختی کا یہ نتیجہ تو ضرور نکلا کہ وریشولوف قلیل عرصے کے لئے اپنی تخریبی تدابیر سے باز رہا۔ لیکن ٹروٹسکی نے اسٹالین کے علاوہ اپنا ایک اور دشمن پیدا کر لیا۔ ٹروٹسکی کی افتاد طبیعت کچھ ایسی تھی کہ اس کو یہ گمان بھی نہ گزرتا تھا کہ انقلاب کی حیات کی خاطر اس کی دوسروں پر سختی ان کو ٹروٹسکی کی عزت و ناموس کا دشمن بنا رہی ہے ٹروٹسکی سخت طرزِ عمل کو اپنا انقلابی فرض تصور کرتا تھا جو رفقائے کار کو ناگوار گزرتا تھا۔

اگر ٹروٹسکی میں روٹھے کو منانے کی اہلیت ہوتی یا روس ایک متمدن ملک ہوتا تب شاید وہ اپنی سخت گیری کے نتائج سے محفوظ رہتا۔ عدول حکمی کرتے کرتے انقلابیوں کی نفسی کیفیت ہی کچھ ایسی ہو جاتی ہے کہ وہ کسی حکم کو آسانی سے قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ کچھ عرصے بعد وریشلوف نے وہی تخریبی حرکات جو وہ اس سے قبل علانیہ کیا کرتا تھا اب خفیہ طور پر کرنی شروع کر دیں اس پر ٹروٹسکی نے لینن کو یہ تار دیا:۔

"وریشلوف عملی تعاون پر آمادہ نہیں ہوتا اس لئے دسویں فوج کی ایک جدید انقلابی فوجی کمیٹی ترتیب دینی چاہئے اور ایک نیا کمانڈر مقرر کرنا چاہئے نیز وریشلوف کو یوکرین بدل دینا چاہئے۔"

چونکہ دسویں فوج کی انقلابی فوجی کمیٹی کا اسٹالین بھی ممبر تھا اس لئے ٹروٹسکی کا یہ تار اسٹالین پر بھی سخت تنقید تھا۔ وریشلوف نے یوکرین پہونچ کر بھی فوجی افسروں کے عہدوں میں ترقی و تنزل اور فوج میں جمہوری ادارے قائم کرنے، نیز ٹروٹسکی کے احکامات کی خفیہ عدول حکمی کرنی شروع کر دی۔ ان حالات کا علم ہونے پر ٹروٹسکی نے سرڈیو کو حسب ذیل برقی پیغام روانہ کیا:۔

"میں صاف طور پر عرض کر دوں کہ جو تخریبی کارروائیاں زارسیٹن میں روا رکھی گئیں جن کی وجہ سے فوج میں حد درجہ بد نظمی پھیلی اُن کا اعادہ یوکرین میں برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ وریشلوف اور رودھیموخ کا طریقہ کار تمام مہم کو برباد کر دے گا۔"

احباب و رفقا میں رنجش ہو جانے پر مصالحت کی سعی میں بہت احتیاط سے کام لینا پڑتا ہے چنانچہ لینن اور سرڈیو نے بہ انداز مجرمانہ ٹروٹسکی پر مصالحت کرنے کے لئے زور دیا۔ اس پر ٹروٹسکی کا حسب ذیل جواب آیا:۔

"مصالحت ضروری ہے لیکن ایسی مصالحت نہیں جس سے تخریبی رجحانات

طاقتور ہو جائیں۔۔۔۔ اسٹالین کے زارسیٹین والے جمہوری طریقہ کار نیز افسروں کی ردّ و بدل کو میں ایک ناسور خیال کرتا ہوں جو وقت گزرنے پر اس سے کہیں زیادہ خراب نتائج پیدا کرے گا جو ماہرین فوج کی غداری یا سازش کر سکتی ہے۔ ادکوتون کی رپورٹ کا غور سے مطالعہ کریں تاکہ صاف طور پر اس امر کا انکشاف ہو جائے کہ اسٹالین کی شہ سے وریشولوف نے زارسیٹن کے محاذ پر اپنی خام تدابیر سے کتنی بدنظمی پیدا کر دی تھی۔"

رنجش کا فوری دفعیہ نہیں ہو سکتا۔ ہر زخم کے اندمال کے لئے وقت درکار ہوتا ہے چنانچہ کئی ماہ تک لینن اس معاملہ کو ٹالتا رہا آخر کار اس نے وریشولوف کو تار دیا۔

"یہ از حد ضروری ہے کہ ہر قسم کی تبلیغ و تلقین فوراً بند کر دی جائے۔ فوجی طریقہ پر تنظیم ہونی چاہئے۔ مختلف گروہ بنانے نیز دوسری نفیس تحریکات جاری کرنے میں وقت نہ ضائع کرنا چاہیئے۔ تنظیم فوجی طریقہ پر ہونی چاہیئے۔ تمام ردّ و بدل۔ افسروں کی ترقی و تنزلی کے قصے قضیئے سب ختم کر دیئے جائیں۔"

اسی روز لینن نے سیاسی بیرو کا اجلاس بلایا جس نے ٹروٹسکی کے زاویۂ نگاہ کی تائید کی اور وریشولوف کو اس کے فرائض کی انجام دہی کی طرف توجہ دلائی اور چونکہ اُن کو وریشولوف کی عدول حکمی کی اطلاعات مل چکی تھیں اس لئے تنبیہہ کر دی۔

"ورنہ ٹروٹسکی تم کو ازتیہ کے مقام پر بلائے گا اور ضروری انتظام کر دے گا۔"

دوسرے روز مرکزی کمیٹی نے ریکوسکی اور ٹروٹسکی کو حکم دیا کہ وریشولوف نے جن سرکاری اشیاء پر قبضہ کر لیا ہے ان کو برآمد کرائیں اس سلسلہ میں لینن نے ٹروٹسکی کو حسب ذیل تار روانہ کیا۔

"ڈبینکو اور وریشولوف فوجی سامان کو غیر ذمہ داری کے ساتھ استعمال کر رہے ہیں، ہر جانب بدنظمی پھیلی ہوئی ہے اور ڈونٹز کے محاذ کو برائے نام

مدد دی جا رہی ہے۔"

ٹروٹسکی نے اگرچہ "مخالف فوجی پارٹی" کی کامیاب مخالفت کردی اور سیاسی بیرو نے اس کی تکذیب بھی کرادی لیکن جن فوجی افسران کو اسٹالین وغیرہ کی تدابیر سے فائدہ پہونچتا اور جو ٹروٹسکی کی مداخلت سے رُک گیا وہ ٹروٹسکی کے مخالف ہوگئے اور یہ مخالفت چند سال بعد رنگ لائی۔ ٹروٹسکی اپنی سوانح عمری میں اس سخت گیری اور اس کے نتائج کی طرف اشارہ کرتا ہوا لکھتا ہے:-

"میں فوجی تنظیم کے سلسلہ میں یا سخت گیر تھا اور متعلقین میرے اس طرزِ عمل سے ناراض تھے لیکن چونکہ اس نازک زمانہ میں انقلاب کی زندگی و موت کا سوال تھا اس لئے یہ غور کرنے کا وقت اور موقع نہ تھا کہ فرائض کی ادائیگی میں سختی کرنا میری ذات کے لئے کیا نتائج پیدا کرے گا لیکن اس زمانہ ہی سے اسٹالین نے ان خاص خاص اشخاص کو ایک لڑی میں منسلک کرنا شروع کردیا تھا جن کے دلوں میں میری فوجی خدمت کے دوران میں مجھ سے رنجش پیدا ہوگئی تھی ایسا کرنا اسٹالین کے ذاتی مفاد کے موافق تھا۔ وہ میرے لئے مصائب کا بیج بوتا رہا۔ اسٹالین نے جس تنظیم اور شرارت سے میری مخالفت کی اس کا احساس مجھے بہت بعد میں ہوا۔ در اصل اس نے انقلابی دور میں کام ہی یہ کیا کہ میرے خلاف غلط پروپیگنڈہ کرتا رہا۔ اس کا فطری رجحان بھی ان تخریبی سازشوں کی طرف تھا نیز اس کو خفیہ ذاتی عناد پر غور کرنے کی فرصت بھی تھی انقلاب کے زمانہ میں اسٹالین نے کبھی کوئی اہم اور معقول کام انجام نہیں دیا۔"

ٹروٹسکی کی خود نوشتہ سوانح عمری سے اسٹالین کے خلاف جتنی تلخی ٹپکتی ہے ابتدائی دور میں وہ اتنی گہری نہ تھی۔ اس کشیدگی کے زمانہ میں جب اسٹالن نے جنوبی محاذ پر جانے کی

اجازت لینن سے چاہی اور ٹروٹسکی سے مصالحت کرنے کا اشارہ کیا لینن اس کی سفارش کرنے پر آمادہ ہو گیا اور اس نے ٹروٹسکی کو حسب ذیل پیغام روانہ کر دیا:۔

"اسٹالین جنوبی محاذ کی ذمہ داری لینا چاہتا ہے اس کا خیال ہے کہ جب اس کی تدابیر کو عملی جامہ پہننے کا موقع دیا جائے گا اس وقت اُن کی درستی ثابت ہو سکتی ہے۔ میں اسٹالین کی اس خواہش کی اطلاع تمہیں اس لئے دے رہا ہوں تاکہ ہر پہلو سے اس پر غور کر لو اور اطلاع دو کہ کیا تم اسٹالین سے بذات خود مصالحت کی گفتگو کرنے کے لئے تیار ہو۔ اسٹالین زبانی گفتگو کرنے کے لئے تمہارے پاس آنے کے لئے تیار ہے۔ دوسرا امر غور طلب یہ ہے کہ کیا کسی خاص شرط پر تم اسٹالین سے تعاون کرنے پر تیار ہو۔ جہاں تک میرے خیال کا تعلق ہے میں اس کو ضروری خیال کرتا ہوں کہ اسٹالین سے مصالحت کی ہر امکانی کوشش کی جائے۔"

لینن کے اس پیغام کا یہ اثر ہوا کہ ان دونوں میں وقتی طور پر مصالحت ہو گئی اور اسٹالین جنوبی محاذ کی جنگی انقلابی کونسل کا از سر نو ممبر ہو گیا۔ کچھ مدت جنوبی محاذ پر رہنے کے بعد اسٹالین شمالی و مشرقی محاذ پر روانہ کر دیا گیا جہاں سے اس نے فوجی بدانتظامی کی اطلاع لینن کو دی اور اس زبون حالت کا ٹروٹسکی کو ذمہ دار ٹھیرایا۔ نیز یہ تجویز بھی پیش کی کہ ہر محاذ کو فوجی اعتبار سے علیحدہ علیحدہ کر دیا جائے کیونکہ ایک مرکز سے تمام محاذوں کو ہدایت دینا دشوار ہے اور یہ مرکزیت عمل میں تاخیر اور مقامی بدنظمی پیدا کرتی ہے۔ شمال و مشرقی محاذ پر اسٹالین نے مخالف افواج پر فتح پائی اور اس خوشخبری کی اطلاع دیتے ہوئے لینن کو تحریر کیا۔

"بحری ماہرین کا یہ فیصلہ تھا کہ کوہ سُرخ پر سمندر کے راستہ سے حملہ آور ہو کر

قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ مجھے افسوس کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ ماہرین کی بحری سائنس کا جنازہ نکل گیا کیونکہ وہ کوہ سرخ سمندر ہی کی جانب سے فتح ہو گیا۔ اگر میں دخل نہ دیتا اور بحری و برّی نقل و حرکت کے ضروری احکامات صادر نہ کرتا اس کوہ پر قبضہ ہونا نا ممکن تھا میں اپنی رائے سے کام کرنا اپنا فرض سمجھتا ہوں۔"

یہ ٹراٹسکی کے 'ماہرین' کے نظریہ کے خلاف اسٹالین کی عملی نکتہ چینی تھی۔ دوسرا واقعہ جس پر مخالفین نے ٹراٹسکی پر سخت نکتہ چینی کی شکست خوردہ جنرل کولچک کے تعاقب کرنے کا مسئلہ تھا۔ ٹراٹسکی تعاقب کرنے کے خلاف اور مشرقی محاذ سے فوجوں کو ہٹا کر وسطِ روس میں جنرل ڈینیکن کے خلاف بر سرِ پیکار لانے کا حامی تھا لیکن مرکزی کمیٹی نے ٹراٹسکی کی رائے تسلیم نہ کی اور جیسا بعد کے حالات سے ظاہر ہوا اگر ٹراٹسکی کی رائے پر عمل کیا جاتا فوجی اعتبار سے نقصان کا باعث ہوتا۔ اس زمانہ میں اسٹالین نے ٹراٹسکی کی نا اہلیت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لینن کو تار دیا۔

"اب صرف یہ سوال ہے کہ آیا مرکزی کمیٹی میں یہ جرأت ہے کہ واقعات سے درست نتائج نکال سکے۔ کیا مرکزی کمیٹی میں ضروری استقلال کردار ہے۔"

یہ صاف طور پر ٹراٹسکی کو اس کے عہدے سے برطرف کرنے کا اشارہ تھا۔ جب ٹراٹسکی کو اس مخالفت کی اطلاع ہوئی اس نے حکومت کے تمام اداروں سے استعفےٰ دے دیا تاکہ مرکزی کمیٹی اگر چاہے تو ٹراٹسکی کے علاوہ کسی بہتر رفیق کو اس اہم عہدے پر مامور کر دے۔ خانہ جنگی کے دوران میں اکابر بولشیوک کی آپس کی یہ چشمک اور ترشی دیگر بولشیوک کے لئے نہایت تکلیف دہ تھی۔ چنانچہ ٹراٹسکی کے استعفےٰ پر غور کرنے کے لئے تمام بولشیوک کے منتظمہ اداروں کا مشترکہ اجلاس ہوا جس میں حسبِ ذیل تجویز منظور ہوئی:۔

"ٹراٹسکی کا استعفیٰ منظور کرنا غیر ممکن ہے کیونکہ اس کی علیحدگی بولشیوک

حکومت کے لئے سخت بدنصیبی ہوگی"۔

اس تجویز پر اسٹالین کے بھی دستخط ثبت تھے۔ اسٹالین جو کل تک ٹروٹسکی کی شدید مخالفت کر رہا تھا آج اس کا مداح بن گیا۔ شاید یہ لینن کی ساحری تھی کہ اسٹالین کے دستخط اس قرار داد پر کرا دیئے۔ یہ لینن کی ہر دلعزیزی اور نظرِ الفت تھی جس نے بولشیوک کا شیرازہ باندھ رکھا تھا ورنہ ان کی خام نفسی کیفیات انقلاب کو کبھی کا تباہ کر چکی ہوتیں۔

اس زمانہ میں مخالف افواج نے پیٹروگریڈ پر یورش کردی۔ بولشیوک کو شکست ہوئی اور حالات اس درجہ نازک ہو گئے کہ لینن جیسے خوش فہم و باہمت جیسے انسان نے مزید مزاحمت کو بے سود خیال کرنا شروع کر دیا۔ پیٹروگریڈ جیسے اہم تاریخی مقام پر دشمن کا قبضہ ہو جانا انقلاب پر کاری ضرب لگاتا۔ اس مقام کی سیاسی اہمیت کو مدنظر رکھتے ہوئے لینن کی مرضی کے خلاف ٹروٹسکی نے یہی مناسب خیال کیا کہ اس مقام کو قبضہ میں رکھنے کے لئے سعی ضرور کرنی چاہیئے اس کا خیال تھا کہ پیٹروگریڈ کا ہاتھ سے نکل جانا انقلاب انگیز عناصر میں شکستہ دلی پیدا کر دے گا۔ نیز تمام یورپ میں رجعتی عناصر کا اعزاز بہت بڑھ جائے گا۔ ان تخیلات کے ماتحت ٹروٹسکی نے بذاتِ خود میدان جنگ پر پہونچ کر افواج کی سرکردگی اپنے ہاتھ میں لے لی۔ اس کی ہمت و شجاعت، اولوالعزمی و خوش تدبیری کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو شکست ہوئی اور پیٹر اعظم کی یادگار پر سُرخ انقلابی پرچم لہراتا رہا۔ اس غیر متوقع فتح سے تمام بولشیوک اس درجہ مسرور و متاثر ہوئے کہ اظہارِ مشکوریت اور داد شجاعت دینے کے لئے انقلابی روایات کے خلاف ایک اعزاز (ORDER OF THE RED FLAG) ایجاد کیا اور ایک عظیم الشان جلسے میں وہ اعزاز ٹروٹسکی کو عنایت کیا۔ نہ معلوم کیوں؟ اس جلسے میں اسٹالین شریک نہیں ہوا تھا۔ چونکہ اسٹالین بھی پیٹروگریڈ کے محاذ پر تھا اس لئے کیمونیف نے اسٹالین کو بھی اس اعزاز سے سرفراز کرنے کی تجویز پیش کی۔ اس تجویز پر کیلفن نے متعجب ہو کر دریافت کیا:-

"میں نہیں سمجھ سکا کہ اسٹالین کو یہ اعزاز کس صلہ میں دیا جا رہا ہے۔"
کیلینن کے اس استفسار پر بکھارن نے جواب دیا۔
"یہ اعزاز لینن کے اشارے سے دیا جا رہا ہے تاکہ اسٹالین کو حسد نہ ہو۔"

یہ لینن کی حسن تدبیر اور بیدار فہمی تھی جو حالات و واقعات کی ناسا عدت کے باوجود کمیونسٹ پارٹی میں توازن قائم کئے ہوئے تھی۔

حالانکہ اکابر بولشیوک ٹروٹسکی اور اسٹالین میں مصالحت رکھنے کی از حد کوشش کر رہے تھے لیکن کامیابی نہ ہوئی تھی۔ جب اسٹالین کو جنوبی محاذ پر جنرل ڈینیکن کے خلاف روانہ کیا اس نے حسب ذیل مطالبات پیش کر دئے:۔

(۱) ٹروٹسکی کو جنوبی محاذ کے معاملات میں دخل دینے کا حق نہیں ہونا چاہئے۔
(۲) جن کارکنوں کو میں غیر مفید خیال کرتا ہوں ان کو واپس بلا لیا جائے گا۔
(۳) جن کو میں کارآمد خیال کرتا ہوں ان کو فوراً محاذ پر روانہ کر دیا جائے گا۔

لینن کا حسن تدبیر کچھ ایسا تھا کہ اگرچہ ٹروٹسکی جنوبی محاذ سے دست بردار نہ ہوا اس کے باوجود اسٹالین خود مختار رہا۔ ٹروٹسکی کے طریقہ کار کی خامی اور اپنی کارگزاری کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسٹالین نے محاذ پر پہونچتے ہی لینن کو تار دیا:۔

"حالات میں تبدیلی کرنا از حد ضروری ہے۔ اس کے بغیر میں کچھ نہیں کر سکتا اگر ضروری تبدیلی کرنے کی اجازت موصول نہ ہوئی میں جنوبی محاذ پر رہنے کے عوض دوزخ میں جانا پسند کروں گا۔"

اسٹالین نے اس موقع پر نہ صرف ضروری تبدیلیوں کی فہرست روانہ کی بلکہ یہ دھمکی بھی دی کہ اگر کسی وجہ سے ان پر عمل درآمد کرنے کی اجازت موصول نہ ہوتی اس شکل میں وہ جنوبی محاذ کی کمان سے مستعفی ہو جائے گا۔ شاید استعفے کا ذکر تبدیلی کی فوری ضرورت

اور اہمیت کے اظہار کے لئے کیا گیا تھا نیز حالات کی خستگی کا ذکر ٹروٹسکی کی تدابیر پر تنقید تھی لینن نے اسٹالین کی تحریر بجنسہ سیاسی بیرو کے روبرو پیش کر دی۔ اس ادارے نے غور وخوص کے بعد حسب ذیل جواب اسٹالین کو روانہ کر دیا۔

"یہ بہت غیر مناسب معلوم ہوتا ہے کہ مقامی ردو بدل کی تجاویز استعفوں اور ترک تعاون کی دھمکیوں کے ہمراہ روانہ کی جائیں"

اس پر اسٹالین خاموش ہو گیا۔ لیکن سیاسی بیرو کے اس جواب کو بھی وہ ٹروٹسکی کے اثر کا کرشمہ سمجھا اور اس کی نفرت اپنے شریک کار سے زیادہ عمیق ہو گئی۔ عزم اور اس عزم کو تکمیل تک پہنچانے کے لئے شدید تشدد وجبر و قہر کرنا اسٹالین کا طرۂ امتیاز تھا۔ اور لینن ایک ماہر نفسیات کی طرح اسٹالین کی اس ظالمانہ لیکن کار آمد نفسی کیفیت کو بر سر کار لا رہا تھا اور جہاں کہیں بھی تشدد کی ضرورت ہوتی اسٹالین کو روانہ کر دیتا۔ ایک مرتبہ اسٹالین کی زبان پر شکوہ آہی گیا اور اس نے لینن کو لکھا

"میں نہیں سمجھ سکتا کہ کوہ قاف کی ذمہ داری میرے کاندھوں پر کیوں رکھی جا رہی ہے۔ دستور کے مطابق انقلابی جنگی کمیٹی (ٹروٹسکی) اس محاذ کی ذمہ وار ہے۔ اس کونسل کے ممبر جہاں تک مجھے علم ہے اچھی صحت کے مالک ہیں پھر کیوں بیمار و عدیم الفرصت اسٹالین پر ذمہ داری عائد کی جا رہی ہے"

لیکن لینن کی کارفرمائی کچھ ایسی تھی کہ باوجود گلوں شکووں اور اکابر بولشیوک کے باہم اختلاف کے مزدور آمریت قائم تھی اور اشتراکی زندگی کے زیادہ نمایاں آثار نظر آنے لگے تھے۔ لینن نے اگر ایک مرتبہ اسٹالین کی خوش فہمی پر اظہار اعتماد کرنے کے لئے اس کو جنوبی محاذ پر خود مختار بنا دیا دوسری مرتبہ ٹروٹسکی کو بھی ایک سادے کاغذ پر دستخط کر دیتے تاکہ ٹروٹسکی اپنی رائے کے مطابق ضروری احکامات کا اعلان

لینن کے نام سے کر دے۔ اس سادے کاغذ کے آخر میں یہ جملہ درج تھا:۔

”کامریڈ ٹراٹسکی کے احکامات کی نوعیت جانتے ہوئے مجھے ان کی ضرورت اور صحت کا پورا یقین ہے اور میں ان کی پُر زور تائید کرتا ہوں“

یہ لینن کا ٹراٹسکی پر اظہار اعتماد کرنے کا ایک طریقہ تھا اس طرح انقلاب کا قائد اعظم متعدد متضاد طبیعتوں کے شرکائے کار کے درمیان صلح و آشتی قائم رکھتا تھا۔

اس سلسلہ میں ایک واقعہ کی طرف اشارہ کرنا ضروری ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء کے آخیر میں ایک ایسا مسئلہ سامنے آیا جس پر لینن اور ٹراٹسکی میں شدید اختلاف ہو گیا اتنا شدید کہ یہ ہنگامی اختلاف لینن اور ٹراٹسکی کے درمیان انقلابِ قیادت کے لئے جدوجہد تصور کیا جانے لگا۔ عام طور پر یہ کہا جانے لگا تھا کہ مزدوروں کی انجمن کی نوعیت و فرائض کا مسئلہ زیر بحث نہیں ہے بلکہ اس پردے کے پیچھے بولشیوک پارٹی کی قیادت کا مسئلہ طے پا رہا ہے۔ واقعہ اس طرح پیش آیا کہ جب روس کی اقتصادی حالت خراب ہوئی ٹراٹسکی نے مزدور طبقہ میں فوجی طریقہ کی تنظیم کرنی چاہی اس خیال کے بموجب اس نے یہ تجویز پیش کی کہ ’ٹریڈ یونین‘ کی علیحدہ حیثیت نہ ہونی چاہیئے بلکہ اس کو حکومت ہی میں مدغم کر دینا چاہیئے۔ ’ٹریڈ یونین‘ کا فرض صرف یہ دیکھنا ہو کہ آیا مزدور طبقہ بولشیوک حکومت کے احکامات کی پابندی اور تعمیل کر رہا ہے یا نہیں۔ لینن اس تجویز کا مخالف تھا اس کے خیال کے مطابق چونکہ مزدور آمریت میں ہنوز سرمایہ دارانہ عناصر موجود تھے اور وہ مکمل طور پر مزدور کے حقوق کی حفاظت نہیں کر سکتی تھی اس لئے مزدور کے ٹریڈ یونین کی حکومت سے علیحدہ ایک مستقل حیثیت رکھنی چاہیئے تھی۔ اس معمولی سے مسئلہ پر ردّ و قدح اس درجہ شدید ہو گئی کہ یہ طاقت کا سوال بن گیا اور ٹراٹسکی و لینن میں سیاسی رسہ کشی شروع ہو گئی۔ ٹراٹسکی تخلیقی فکر و عمل کا بادشاہ مُدلل و معنی خیز تحریر و تقریر کا ماہر

آسانی سے شکست کھانے والا نہ تھا۔ یہ مسئلہ جب مرکزی کمیٹی کے روبرو پیش ہوا ٹروٹسکی نے اپنے استدلال اور سحر بیانی سے اس کمیٹی کو اپنا ہم رائے کر لیا ان حالات میں لینن کو کافی تشویش ہوئی لیکن وہ علانیہ طور پر ٹروٹسکی کا مدمقابل نہ بنا۔ اس نے زنیوولیف کی شگفتہ تقریر اور اسٹالین کی خفیہ تدابیر سے کام لے کر درپردہ ٹروٹسکی کے موافقین کو توڑنا شروع کر دیا اس سعی میں اسٹالین کی خفیہ تدابیر غیر متوقع طور پر کامیاب ہوئیں۔ ٹروٹسکی نے فوجی تنظیم کے دوران میں جو مخالفتیں پیدا کر لی تھیں وہ رنگ لائیں اور جب مارچ ۱۹۲۰ء کو بولشیوک پارٹی کی دسویں کانگریس میں یہ مسئلہ پیش ہوا تو لینن کو ۳۳۶ اور ٹروٹسکی کو صرف ۵۰ رائیں ملیں۔ اگرچہ مرکزی کمیٹی میں ٹروٹسکی کے زاویہ نگاہ کو شکست ہو گئی لیکن چونکہ مزدوروں کے ٹریڈ یونین کی زندگی کا انحصار حکومت کی مالی مدد پر تھا اس لئے کاغذ پر تو اس کی حیثیت علیحدہ رہی لیکن عملی طور پر وہ حکومت ہی کا ادارہ تھی اور کچھ عرصے بعد "ٹریڈ یونین" کا صرف یہ کام رہ گیا کہ وہ مزدور طبقہ کے متعلق حکومت کے جو احکامات صادر ہوں ان کو وضاحت کے ساتھ اس طبقہ کو بتا دے۔

اخلاقی و عملی طور پر اگرچہ ٹروٹسکی کو فتح ہوئی لیکن اس کے اس اقدام کا ٹروٹسکی کے حق میں یہ خراب نتیجہ نکلا کہ اس کے مخالفین کو متفق الرائے ہونے اور متحد ہو کر کام کرنے کا موقع مل گیا۔ ٹروٹسکی کی بحث و تکرار سے لینن بھی چونکا اور اس نے اپنا اثر قائم رکھنے کی غرض سے ان ۳ سیکرٹریوں کو جنھوں نے ٹروٹسکی کو رائے دی تھی علیحدہ کرنے کے بعد ان کی بجائے مالوٹوف (موجودہ وزیر خارجہ) کو سیکرٹری کے عہدے پر ممتاز کر دیا اور اس کی مدد کے لئے دو نائب سکرٹری مقرر کر دئیے۔ ان تینوں میں نہ اتنا تخلیقی فکر تھا کہ کسی مسئلہ پر اپنی ذاتی

رائے رکھتے اور نہ اتنی اخلاقی جرأت تھی کہ اس کا اظہار کر سکتے۔ ان تین مہروں کو سیاسی بساط پہ بٹھا کر لینن نے مرکزی کمیٹی پر اپنا اثر زیادہ مستحکم کر لیا۔

باوجود اس سیاسی کشمکش کے لینن کے دورِ حیات میں اکابر بولشیوک کی رنجشیں و نفرتیں اس درجہ نمایاں نہ تھیں کہ عام طور پر ان کا علم ہوتا۔ مخصوص لوگ ہی ان رنجشوں کی نوعیت جانتے تھے اور مبہم اشاروں میں ان پہ تبصرہ و تنقید کرتے تھے یہ ہمنشینوں کے راز تھے جو نامحرم نہیں جان سکتا تھا۔ جمہور کو یہی علم تھا کہ اکابر بولشیوک نہایت تندہی و تعاون سے کام کر رہے ہیں۔ اگر جمہور کو ان تمام تلخ اختلافات کا علم ہو جاتا جو لینن کی زندگی میں رونما ہو رہے تھے تب شاید بولشیوک کی حیات ختم ہو جاتی۔ اگر لینن کی وفات کے بعد اختلافات ختم اور حالات سب درست ہو جاتے اور بولشیوک .. پارٹی کا حکمران طبقہ اکابر بولشیوک کے ساتھ وہ سلوک روا نہ رکھتا جو رکھا گیا شاید یہ اختلافات تاریخ کے صفحہ پر نہ آتے۔ اکابر بولشیوک پہ مقدموں قید و بند۔ ان کے قتل و جلا وطنی نے دنیا کو اس مسئلہ کی طرف متوجہ کیا کہ کل کے ہمنشین آج ایک دوسرے کے ننگ و نام اور جان کے دشمن کیوں بنے ہوئے ہیں اس امر کی تحقیق کرنے پر یہ انکشاف ہوا کہ اکابر بولشیوک کا ظاہر اتعاون حسد و حرص سے ہم آغوش تھا۔

اکابر بولشیوک کے آپس کے اختلافات ایک افسانہ بن کر رہ گئے ہیں جس ملک میں تحریر و تقریر کی آزادی مفقود ہو اور اکابر ہستیاں۔ مورخین۔ ادیب۔ جمہور اپنے خیالات کا کافی و شافی طور پہ اظہار نہ کر سکیں۔ جہاں مطابع۔ کاغذ۔ ریڈیو سب حکومت کے قبضہ میں ہوں وہاں تاریخی حالات و واقعات معلوم کرنے کے صرف تین ذرائع رہ جاتے ہیں۔ ایک حکومت کی مطبوعات جو قدرتاً حکمران طبقہ کے نقطۂ نگاہ کو نہایت وضاحت سے اور معترضین کے زاویۂ نگاہ کو نہایت مسخ شکل میں پیش کرتی

ہیں۔ دوسرا ذریعہ معلومات ان مخرجین کی تصانیف ہیں جو انھوں نے غیر ممالک میں پہونچ کر شائع کیں۔ ظاہر ہے کہ مخرجین اور مفرورین ہر واقعہ کو اپنے رنگ میں پیش کریں گے ان کے علاوہ تیسرا ذریعۂ علم سرمایہ دار دنیا کے محققین اور اخبارات کے نمائندوں کی تصانیف ہیں یہ اصحاب اپنے ملک کی سیاسی مصلحتوں اور اپنے اخبارات کی خاص پولیسی کی بنا پر اس درجہ مجبور ہوتے ہیں کہ حالات و واقعات کو بے کم و کاست پیش نہیں کر سکتے بلکہ ان پر کوئی خاص سیاسی رنگ چڑھا کر پیش کرتے ہیں جہاں مورخ کے پاس واقعات معلوم کرنے کے صرف یہ چند ذرائع ہوں اور سب تاریخی لحاظ سے ناقابل اعتبار وہاں کسی واقعہ کی اصل نوعیت اس کے حسن و قبح۔ اسکی ذمہ داری کے متعلق حکم لگانا مشکل ہو جاتا ہے۔ اکابر بولشیوک جیفے کی خود نوشتہ سوانح کو شائع کرنے کی اجازت نہ ملنا حالانکہ غیر ممالک اس کو ہزارہا پونڈ معارضہ دینے کے لئے تیار تھے۔ اس کی علالت اور اس کی شریکِ حیات کی حکمران طبقہ سے علاج کی استدعا اور اس طبقہ کا اغماض۔ اس پر احساس کا تازیانہ کہ جس اشتراکی تصور کو پھیلانے کے لئے جیفے نے تمام زندگی صرف کر دی وہ نفا ہو رہا ہے۔ ان حالات میں جیفے کی خودکشی یہ کوئی واحد واقعہ نہیں ہے۔ جو اکابر بولشیوک چند سال گزرے روس کے حکمران طبقہ کی حرص و ہوس کے شکار ہوئے وہ سب غیر معمولی دل و دماغ کے انسان تھے اور یہ غیر ممکن ہے کہ ان میں سے ہر ایک نے متعدد تصانیف نہ چھوڑی ہوں لیکن روسی چنگیزیت میں ان کا شائع ہونا ناممکن تھا اور ہے۔ ان حالات میں روسی تاریخ کے متعلق نیز اسٹالین و ٹروٹسکی کی آپس کی رنجش کی بابت جو وقت گزرنے پر ایک سیاسی مسئلہ بن گئی تھی عقلی اندازہ لگایا جا سکتا ہے اور بس۔ نہ معلوم دیرینہ بولشیوک کی نظر میں نسبتاً ایک نو وارد شخص ٹروٹسکی کا آنا اور اپنی ذہانت و تخلیقی عمل کی بنا پر انقلاب کے قائدِ اعظم لینن کا دستِ راست بن جانا شاق گزرتا تھا

اور اس حسد کو فوجی مقابل پارٹی کا رنگ دے کر ٹروٹسکی کی تدابیر کو اس لئے درہم برہم کیا جارہا تھا کہ اس کے بڑھتے ہوئے اعزاز و اثر کو لینن اور جمہور کے دلوں سے نکال دیا جائے یا واقعی وہ ٹروٹسکی کے طریقہ کار کو انقلاب کے لئے سمِ قاتل خیال کرتے تھے یقین کے ساتھ کچھ کہا نہیں جا سکتا۔

حکمران طبقہ کی تشکیل

انقلاب جادو نہیں ہوا کرتا۔ وہ چشمِ زدن میں انسان کی نفسی کیفیت نہیں بدل سکتا۔ باشندگانِ روس میں قوت د حکومت پرستی۔ ہنگامی انفرادی مفاد سے وابستگی اور حقیقی ترقی سے لاپرواہی عام تھی۔ بولشیوک کے خانہ جنگی میں فتحیاب ہو جانے پر روسی جمہور کو بولشیوک پارٹی کی ممبری میں زر و مال نظر آنے لگا۔ چنانچہ مارچ ۱۹۲۰ء تک روس کے جمہور اتنی کثیر تعداد میں بولشیوک پارٹی کے ممبر ہو گئے کہ پارٹی کی تعداد ۳۱۳۰۰۰ سے بڑھ کر ۶۱۱۰۰۰ ہو گئی۔ ایسا ہونا ضروری تھا کیونکہ اس زمانہ میں بولشیوک پارٹی کا ممبر ہونا افلاس کے خلاف بیمہ کی مثل تھا۔ پارٹی کا ممبر بن کر حکومت میں کوئی معقول عہدہ مل جانا اور نسبتاً خوشحالی سے بسر ہو جانا یقینی تھا۔ زندگی میں چند روز عیش و آرام کی اُمید روسی جمہور کو بولشیوک پارٹی کا ممبر بن جانے پر مجبور کر رہی تھی۔

یہاں انقلاب کا ایک اہم مسئلہ سامنے آجاتا ہے وہ یہ کہ کسی ملک کے جمہور کا بہت قلیل حصہ انقلابی اصولوں کا شعور رکھتا ہے اور بلا کسی معاوضے کی امید رکھے انقلاب برپا کرتا ہے لیکن یہ جماعت اتنی قلیل ہوتی ہے کہ فتح ہو جانے کے بعد تمام ملک کا انتظام نہیں کر سکتی اور اس کو حکومت کے کاروبار کے لئے

اُن لوگوں کو شریکِ کار بنانا پڑتا ہے جن کی نظر کبھی انفرادی مفاد سے آگے نہیں جاتی۔ جب انفرادی مفاد کے دلدادہ ایک ہی تمنا و آرزو کے ساتھ کسی ادارے یا حکومت میں بہت بڑی تعداد میں شریک ہو جاتے ہیں تو ان کے خاص تصورات سے اس ادارے یا حکومت کا ماحول اثر پذیر ہو جاتا ہے۔ جب انفرادی نفع کے حامی جن کے دل و جان طلائی زنجیروں میں جکڑے ہوئے تھے کثیر تعداد میں بولشیوک پارٹی میں شامل ہو گئے یہاں بھی انھوں نے خود غرضی و انفرادیت پرستی کا ماحول پیدا کر دیا۔ دوسری وجہ جس نے حکمران طبقے کی تشکیل میں مدد دی وہ نفسیاتی تھی۔ جنگ کے دوران میں حکومت کے تمام اداروں کو فوجی طریقے پر منظم کرنا اور طاقت کو ایک مرکز پہ لانا ناگزیر ہو جاتا ہے۔ خانہ جنگی کے دوران میں تمام طاقت بولشیوک پارٹی کی اقلیت میں مرکوز ہو گئی تھی۔ جب کسی پارٹی کی اقلیت مدت تک حکومت پر قابض رہتی ہے اس کے افراد قدرتاً ایک دوسرے سے زیادہ قریب ہو جاتے ہیں اور پارٹی کے عام ممبروں کی خیر و بہبود سے بیگانہ ہو جاتے ہیں یہ حالات اس ملک میں بہت جلد رونما ہو جاتے ہیں جہاں عوام و خواص کی تعلیم تمدن و تمول میں نمایاں فرق ہوتا ہے۔ کسی ایسی سیاسی جماعت میں جس کے ممبر تمدنی اور تعلیمی اعتبار سے یکساں ہوں اس کی اقلیت میں حکومت اس درجہ احساسِ برتری پیدا نہیں کرتی جتنا کہ ایک غیر متمدن پارٹی کی اقلیت میں کرتی ہے۔ ٹروٹسکی حکمران طبقہ کی تشکیل پر روشنی ڈالتا ہوا لکھتا ہے:-

"دراصل واقعہ یہ تھا کہ خانہ جنگی کی وجہ سے تمام حکومتی امور میں مرکزیت پیدا کرنی ضروری تھی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زمامِ حکومت پارٹی کے چند افراد کے ہاتھ میں آ گئی اور جب ایک مدت تک کسی انسان کا طاقت پر قبضہ رہتا ہے ضرورت ختم ہو جانے کے بعد بھی حکومت

سے دست بردار ہونے پر اس کی طبیعت مائل نہیں ہوتی۔"

اشتراکیت سوز رجحانات کے ترقی پا جانے کی ایک اور بھی نفسیاتی وجہ تھی بولشیوک پارٹی کے عام ممبر نے چار سال کے قلیل عرصے میں زندگی کے اتنے نشیب و فراز دیکھے اور اس کی امیدیں اتنی بار بندھ بندھ کر ٹوٹیں کہ مستقبل کی زندگی کی خوشحالی کی کوئی امید نہ رہی۔ اب اس کو اپنے رہبروں کی حسنِ تدبیر پر حقیقی معنی میں یقین نہیں رہا۔ چنانچہ خانہ جنگی کے بعد حالات و واقعات کی رَو میں بہہ جانا ہی عام ممبر کا مطمحِ نظر ہو گیا تھا۔ چار سال تک اشتراکی دنیا کے حصول کی امیدیں روز و شب دلائی گئیں تھی۔ وہ ملک کے کسی گوشے میں رونما نہ ہوئی نہ صرف یہی بلکہ یہ اعلان کر دیا گیا کہ مغربی یورپ میں انقلاب نہ ہونے کی وجہ سے اشتراکی دنیا کے نمودار ہونے کی امیدیں ایک طویل مدت کے لئے معدوم ہو گئیں ہیں۔ ان حالات میں پارٹی کا عام ممبر سیاسی کشمکش سے اُکتا کر انقلابی مجاہد کی بجائے تماشائی بن گیا۔ خانہ جنگی کا یہ اثر بھی ہوا کہ بولشیوک پارٹی کے بہت سے ذہین و باہمت ممبر جو اشتراکیت پر صدق دل سے ایمان رکھتے تھے میدانِ جنگ میں کام آ گئے۔ ان کی ہمت اور انقلاب کی بے لوث خدمت کے مظاہرے جو جمہور کو اولوالعزمی کی دعوت دیتے تھے جب ختم ہو گئے تو عوام کے جوشِ انقلاب نے بھی ان کے خون کو گرمانا ترک کر دیا۔ ان تاریخی حالات میں یہ امر قابلِ تعجب ہوتا اگر پارٹی کی اقلیت اپنے آپ کو ایک علیحدہ جماعت میں منظم نہ کر لیتی اور حکمران طبقہ عالم وجود میں نہ آ جاتا۔

جس ملک کی سربرآوردہ سیاسی جماعت میں شکم پروری اور انفرادی نفع کا جذبہ کارفرما ہو جاتا ہے وہاں کے معاشرہ کی سیاسی و اقتصادی اور اخلاقی حالت خراب ہو جاتی ہے اور زندگی کے ہر گوشے میں تخریبی رجحانات نمودار ہو جاتے ہیں اس معاشرہ میں اگر جمہوری دستور کے مطابق ادارے وجود پاتے ہیں ان کے انتخابات

کے دوران میں انواع واقسام کے اثر۔ لالچ دباؤ۔ دھمکی سے رائے دہندگان کو کسی خاص امیدوار کو رائے دینے پر مجبور کیا جاتا ہے ایک ایسے ملک میں جہاں کل ضروریاتِ زندگی پر کسی ایک سیاسی جماعت کا قبضہ ہو وہ جماعت رائے دہندگان کو کسی خاص زاویۂ نگاہ رکھنے والے امیدواروں کی تائید میں رائے دینے پر بہزار طریقہ پر مجبور کر سکتی ہے۔ چونکہ عام طور پر روسی جمہور اور بولشیوک پارٹی کی اکثریت حرص و ہوس کے بندے تھے اس لئے بولشیوک پارٹی میں جو برسرِ اقتدار اقلیت۔ پیدا ہو گئی تھی اس نے رائے دہندگان کو حکومت۔ کارخانوں۔ فوج میں عہدے دے کر اپنا مدد و مددگار بنا لیا۔ پارٹی کے جن ممبروں نے ضمیر فروشی کرنے کی بجائے حکمران طبقے کے غلط اقدام پر نکتہ چینی کی ان کو اہم سیاسی و اقتصادی مرکزوں سے نکال کر ملک کے دُور دراز گوشوں میں روانہ کر دیا۔ نیز سربرآوردہ طبقے نے اپنے حواریوں کو ان کی جگہ مقرر کر دیا۔ مثلاً اگر کوئی پارٹی کا ممبر حکمران طبقہ کے رویّہ پر تنقید کرتا اس کو پیٹرو گریڈ یا ماسکو یا ایسے ہی کسی شہر سے جہاں اس ممبر کو کشادہ اور آرام دہ مکان زیادہ روزینہ۔ مہذب دوست۔ اچھی تعلیم گاہیں۔ بچوں اور شریکِ حیات کے لئے متمدن ہمسائے میسر تھے تبلیغ و اقتصادی اور سیاسی تنظیم کے بہانے یوکرین، کوہ قاف، سائبیریا کے کسی دیہات روانہ کر دیا جاتا۔ ایک متمدن انسان کا غیر متمدن ماحول میں رہنا سوہانِ رُوح ہوتا ہے اور اس بظاہر تبادلہ لیکن در اصل جلاوطنی کا ایک دماغی انسان کے دل و دماغ پر وہی اثر ہوتا ہے جو قیدِ تنہائی کا ہوتا ہے۔

حکمران طبقہ کا جب یہ سزا کا طریقہ بہت عام ہو گیا اس پر بعض پارٹی کے ممبروں نے ۱۹۲۰ء میں نویں کانگریس کے اجلاس میں سخت تنقید کی۔ ایک اکابر بولشیوک یورینوف نے حکمران طبقہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"بولشیوک پارٹی کے ممبروں میں سے اگر کوئی پارٹی کی اقلیت کے

حسنِ تدبیر اور غلط طریقہ کار پر اعتراض کرتا ہے اس ممبر کو انقلابی ضرورت کے پردہ میں ملک کے کسی دُور دراز گوشے میں تعینات کر دیا جاتا ہے تاکہ وہ حکمران طبقہ کے اصحاب حل وعقد کی غلط سیاست اور اصلاحات پر نکتہ چینی نہ کر سکے۔"

میلسیتو کی نے طعن کرتے ہوئے کہا:۔

"جس طرح مچھلی سر کی طرف سے سڑنی شروع ہوتی ہے اسی طرح بولشیوک پارٹی بھی سر کی طرف سے سڑنی شروع ہو گئی ہے۔"

یہ صاف اشارہ اس امر کی طرف تھا کہ بولشیوک پارٹی میں اکابر بولشیوک کا ایک حکمران طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو خواجگی کے تخریبی اثرات سے متاثر ہوتا چلا جا رہا تھا سپترونوف نے زیادہ وضاحت سے اظہارِ خیال کرتے ہوئے کہا:۔

"جہاں تک تصورات اور قوانین کا تعلق ہے آزاد انتخابات کے قوانین بھی موجود ہیں۔ مزدور طبقہ کی آمریت بھی قائم ہے اور بولشیوک پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے اجلاس بھی جمہوری طریقہ پر ہوتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ پارٹی کی نہیں بلکہ بولشیوک پارٹی میں آقاؤں کا جو طبقہ پیدا ہو گیا ہے اس کی آمریت قائم ہے۔"

یہ تنقید غلط نہ تھی۔ سیاسی بیرو کے چند نفوس تھے جو ملک کے تمام سیاسی و اقتصادی امور طے کرتے تھے اور جب ان کی تجاویز مرکزی کمیٹی یا سوویٹ کانگریس کے اجلاس میں پیش ہوتی تھیں ان کا منظور ہو جانا یقینی امر ہوتا تھا۔ لٹبونوف نے حکمران طبقہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"مرکزی کمیٹی اور منتظمہ بیرو معمولی سے معمولی عہدے دار کا تقرر بھی اپنے حواریین میں سے کرتے ہیں تاکہ ملک میں اقلیت حکمران رہے۔ جن

ممبروں کے ماسکو میں رہنے سے حکومت کو نکتہ چینی اور پردہ دری کا خطرہ ہوتا ہے ان کو یوکرین میں جلاوطن کر دیا جاتا ہے یوکرین اب سیاسی جلاوطنوں کے لئے وقف ہو گیا ہے۔"

لیکن باوجود اس تنقید اور احتجاج کے لینن۔ ٹروٹسکی اور دیگر اکابر بولشیوک حکمران طبقہ کا وقار بڑھانے میں سرگرم تھے یا تو وہ اس طریقہ کار کے نتائج اور ردعمل سے بے خبر تھے یا اُن کو یہ خیال تھا کہ آئندہ چل کر اس کے خراب نتائج کا سدباب کرنے میں کامیاب ہو جائیں گے کچھ کہا نہیں جا سکتا۔ تاریخ صرف یہ بتاتی ہے کہ دسویں کانگریس کا اجلاس ہو رہا تھا کہ کورنسٹیٹ کے ملاحوں کی بغاوت کی خبر آئی (اس کا ذکر پہلے گزر چکا ہے) یہ بغاوت لینن و ٹروٹسکی کے طریقہ کار پر انقلابی جمہور اور بولشیوک پارٹی کے عام ممبروں کی عملی تنقید تھی۔ اس بغاوت سے متاثر ہو کر لینن نے اقتصادی لحاظ سے وسیع آزادی دے دی جو 'نیپ' کے نام سے مشہور ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ پارٹی کی آزادی پر زیادہ قیود عائد کر دیں۔ سیاسی ماہرین کا یہ آزمودہ اور کامیاب طریقہ کار ہے کہ جو مراعات و اصلاحات ایک ہاتھ سے دیتے ہیں دوسرے ہاتھ سے واپس لے لیتے ہیں۔ لینن نے ایک طرف اقتصادی آزادی دی تو دوسری طرف آزادی تحریر و تقریر اور حکومت کی تجاویز پر نکتہ چینی کو سختی سے روکا۔ نیز محکمہ انصاف کے کمیسار کو تحریر کیا کہ چند عہدے داروں پر جن کا طریقہ کار حکومت کی پالیسی کے خلاف ہو سیاسی مقدمے چلائے جائیں۔

۱۹۲۱ء میں ٹریڈ یونین کانگریس کا اجلاس ہوا۔ مرکزی کمیٹی نے ایک مختصر سی کمیٹی اس اجلاس کی 'رہبری' کے لئے متعین کر دی۔ سیاسی دنیا میں جبر و قہر کو رہبری و رہنمائی اور قتل و جلاوطنی کو استیصال کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اس کمیٹی کا پوشیدہ مقصد ٹریڈ یونین کے اجلاس میں حکمران طبقہ کی مفید مطلب تجاویز منظور کرانا تھا

لیکن باوجود اس کمیٹی کی سعی کے حکومت کے مفید مطلب تجاویز منظور نہ ہو سکیں۔ اس کے برخلاف کانگریس کو ریپازآنوف کی مخالف تجویز پسند آئی۔ مخالف تجویز کے منظور ہونے کی خبر پاکر حکومت نے ٹریڈ یونین کے صدر ٹوسکی سے ریپازآنوف کی تجویز کو مسترد کرنے اور حکومت کی مجوزہ تجویز کو منظور کرانے پر اصرار کیا لیکن ٹوسکی کی بدقسمتی کہ وہ اس مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ ٹوسکی کی اس 'نااہلیت' پر حکومت سخت خشمناک ہوئی۔ حکومت نے نہ صرف بیرو کا، استیصال کر دیا بلکہ ٹوسکی کو ترکستان اور ریپازآنوف وغیرہ کو غیر ملک میں عہدے دے کر حکومت کے سیاسی مرکز سے ان کا اخراج کر دیا۔ اس کے بعد ایک اور رہبر کمیٹی اسٹالین اور ڈیزرڈنگی کی سرگردی میں عالم وجود میں لائی گئی جس نے پس پردہ کانگریس کے ممبروں کو 'استیصال' کا خوف دلاکر حکومت کی مجوزہ تجویز منظور کرائی۔ G.P.U (مسلح خفیہ پولیس) کے افسر ٹریڈ یونین کے بے دست و پا ممبروں سے ہر قسم کی تجویز منظور کرا سکتے تھے۔ لینن اور ٹروٹسکی اس جبر و قہر سے تجاویز منظور کرانے میں کامیاب ضرور ہو جاتے تھے لیکن ان کو یہ خبر نہ تھی کہ ان کی یہ مثال آئندہ چل کر ایک ایسا مہیب مسئلہ پیدا کر دے گی جس کو وہ حل نہ کر سکیں گے لینن و ٹروٹسکی کے اس طریقہ کار سے جمہوریت فنا اور حکمران طبقہ میں چنگیزیت آتی جارہی تھی۔ حکمران طبقہ اپنے قائدوں کی مثال سے متاثر ہو کر تدبیر و تفکر سے زیادہ جبر و قہر کو سراہنے لگا تھا اور بولشیوک پارٹی میں سے اتنی کثیر تعداد میں ممبروں کا اخراج کر دیا گیا تھا کہ ۱۹۲۲ء تک جب گیارہویں کانگریس کا اجلاس ہوا بولشیوک پارٹی کے ممبر ۷۳۰۰۰۰ سے کم ہو کر ۲۱۵۰۰۰ رہ گئے تھے۔ جن ممبروں کا اخراج کیا گیا ان میں کچھ واقعی اخراج کے قابل تھے چونکہ وہ انفرادی مفاد کی خاطر ملک کی حکمران پارٹی کے ممبر بن گئے تھے اور اشتراکی دستور کو کامیاب بنانے کی بجائے ان کا مطمح نظر اپنی ذاتی خوشحالی و فارغ البالی تھا اس لئے ان کا پارٹی سے خارج کر دینا ہی بہتر تھا لیکن ان کے ساتھ ساتھ بہت بڑی

تعداد میں ان پارٹی ممبروں کا اخراج کر دیا گیا جو خوددار۔ بیدار۔ سیاسی و اقتصادی حالات کو سمجھنے والے اور پارٹی کے غلط اقدام پر نکتہ چینی کرنے والے تھے اس طرح سے اگرچہ حکمران طبقہ نے اپنے آپ کو آئندہ تنقید سے بچا لیا لیکن کم فہم ممبروں میں یہ خیال بھی پیدا کر دیا کہ مقصد برآری کے لئے ہر عمل جائز ہے۔ پارٹی سے اخراج۔ دور دراز اور غیر ممالک کو معترضین کے تبادلے اور ان پر سیاسی مقدمے، یہ تین تخریبی ہتھیار لینن اور ٹراٹسکی نے اوّل اوّل خود استعمال کئے۔

گیارویں کانگریس میں لینن کی تجویز پر اسٹالین پارٹی کا سکرٹری مقرر کر دیا گیا اس تقرر کے سلسلہ میں ٹراٹسکی لکھتا ہے:۔

"اسٹالین کی جن خصوصیات نے لینن کو اس کا گرویدہ بنا دیا تھا وہ اس کی مستقل مزاجی اور طریقہ کار تھا جو ۱/۲ عیاری ہے۔ لیکن آخر کار لینن کو بھی اسٹالین کے محدود سیاسی زاویۂ نگاہ اور اس کی غیر لطیف فطرت و بے ضمیری کا اعتراف کرنا پڑا۔"

جو کچھ بھی بعد میں ہوا اس کا ذکر آئندہ آئے گا لیکن اس امر میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ لینن ۱۹۲۲ء میں اسٹالین کو آلہ کار بنا کر اپنی تدابیر کا اجرا کر رہا تھا اور اس طرح اسٹالین کو دہ عملی تعلیم مل رہی تھی جس نے آئندہ چل کر اس کو سوویٹ روس کا کامیاب حکمران بنا دیا یہ آخری کانگریس تھی جس میں بظاہر جمہوری طریقہ پر کارروائی ہوئی اور مخالفین کو اظہار خیال کا موقع ملا لیکن اس کانگریس کے اجلاس میں جب حکمران طبقہ نے اپوزیشن پارٹی بنانے کی تجویز کو اپنے اثر سے منسوخ کرا دیا اسی وقت پارٹی کے بیدار مغز سمجھ گئے کہ آزادی تحریر و تقریر ختم ہو گئی۔ اس کانگریس میں ریپازانوف نے حکمران طبقہ پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"انگلستان کی پارلیمنٹ مرد کو عورت میں تبدیل کرنے کے علاوہ سب کچھ کر سکتی ہے لیکن ہماری مرکزی کمیٹی اس درجہ معجز نما اور قوی ہے کہ اس نے

متعدد شدید انقلابی افراد کو خواتین میں تبدیل کر دیا اور لطف یہ ہے کہ اس قسم کی خواتین کی تعداد ہر روز بڑھ رہی ہے۔"

سٹاکوف نے آزادیٔ تحریر و تقریر کی حمایت کرتے ہوئے کہا:۔

"ہمیں یہ آزادی ہونی چاہیئے کہ لینن جو کچھ کل کہہ چکا ہے اُس کو آج دہرا سکیں۔"

ایک اور ممبر نے طعن سے کہا:۔

"اب مشین گن کے ذریعہ سے امور سمجھائے جانے لگے ہیں۔"

اس کانگریس میں حکمران طبقہ کے انتظامی پہلو پر تنقید کرتے ہوئے خود لینن نے کہا:۔

"سوویٹ روس کے دارالسلطنت میں یہ کیوں کر ممکن ہوا کہ مربہ کے کنٹریکٹ کے متعلق دو مرتبہ تحقیقات ہوئی۔ مرکزی کمیٹی کے دو ممبروں کیمونیف اور کراسن کو دخل دینا پڑا اور سیاسی بیرو کے حکم کی ضرورت ہوئی۔"

تبادلوں۔ سیاسی مقدموں اور استیصال نے عہدیداروں کو اس درجہ خوف زدہ کر دیا تھا کہ وہ کسی مسئلہ میں فیصلہ دینے سے گھبراتے تھے ان کو ہمیشہ یہ خوف رہتا تھا کہ کہیں ان کا فیصلہ اکابر بولشیوک کی مرضی کے خلاف نہ ہو اور ان کا استیصال نہ کر دیا جائے۔ جہاں جمہوریت ختم اور انصاف کی جگہ سیاسی چنگزیت لے لے وہاں انسان اپنے فہم اور قوتِ فیصلہ سے کام نہیں لیتا بلکہ زندگی کے خوف سے کسی امر کی ذمہ داری لینے سے اغماض کرتا ہے۔ لینن کے طریقہ کار نے یہ حالات پیدا کر دیئے تھے کہ معمولی امور کے فیصلہ کے لئے ان اکابرین کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا جن کو استیصال کا خوف نہ تھا۔ اس تنقید کے بعد لینن نے کہا:۔

"شاید ہماری سیاسی مشین خراب ہے لیکن جو انجن پہلی مرتبہ بنایا گیا تھا وہ بھی خراب تھا۔ امید افزا امر یہ ہے کہ حکومت کرنے کیلئے پرولتاری مشین ایجاد ہوگئی۔"

اول تنقید کی، اس کے بعد حکمران طبقہ کے موجودہ رویہ کو برقرار رکھنے کے لئے حجت بھی پیش کردی۔ یہ لینن کا خاص طریقہ کار تھا۔ ایک مرتبہ سیاسی مشین کی خامی کے متعلق مرکزی کمیٹی کے برخاست شدہ سکرٹری نے کہا:۔

"کامریڈ اسٹالین کی مثال لیجئے وہ سیاسی بیرو۔ انتظامی بیرو اور دیگر غیر معروف کمیٹیوں کا ممبر اور دو محکموں کا کمیسار ہے کیا واحد انسان کے لئے اتنا کام کرنا ممکن ہے۔"

لینن نے جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"ہمارے یہاں معقول کارکنوں کی کمی ہے ہر ادارے میں ایک ایسا کارکن ضرور ہونا چاہیئے جو فیصلہ کُن حکم دے سکے۔ اسٹالین کے علاوہ کونسا ایسا شخص ہے کیا کامریڈ مجھے بتائیں گے۔"

واقعہ یہ تھا کہ سوویٹ روس کے طول و عرض میں معدودے چند ہی ایسے افراد تھے جن کو استیصال کا خوف نہ تھا اور دراصل وہی کسی امر کے متعلق فیصلہ کُن رائے رکھ سکتے تھے اور اس پر عمل پیرا ہو سکتے تھے اگرچہ مسلح خفیہ پولیس کا صدر اسٹالین کا دوست پولش یہودی ڈیزرزنسکی تھا لیکن اسٹالین خود بھی سیاسی بیرو کی طرف سے G.P.U کے مرکزی ادارے کا ممبر تھا۔ G.P.U کے مرکزی ادارے کے ممبر ہونے کی حیثیت سے اسٹالین کو استیصال کا خوف نہیں ہو سکتا تھا اور یہی وجہ تھی کہ وہ ہر امر میں فیصلہ دے سکتا تھا۔ جمہوریت کو تباہ کر دینے سے بظاہر کامیابی ہوتی معلوم ہوتی ہے لیکن جبر و قہر آئندہ کے لئے سیاسی خرابیاں پیدا کر دیتے ہیں جن کا

احساس کچھ عرصے بعد ان کے نمو پا جانے پر ہوتا ہے۔ لینن نے کورنسٹنڈ کی بغاوت سے متاثر ہو کر آزادیٔ تحریر و تقریر سلب کر لی اور جبر و قہر کی تائید کرنی شروع کر دی لیکن شاید اس کی نظر اس طریقہ کار کے تخریبی پہلو پر نہیں گئی اور اگر گئی بھی تو یہ خیال کر کے کہ فی الحال جبر و قہر سے کام لیں بعد ازاں اس کا تدارک کر دیا جائے گا وہ مصلحتاً خاموش رہا۔ اگر انسانی زندگی کو اتنی فرصت مل جایا کرتی کہ وہ اپنی تمام تدابیر و مصالح ختم کرنے کے بعد داعیٔ اجل کو لبیک کہا کرتی اس حالت میں شاید اس خاک دان کی حالت بہتر ہوتی لیکن اکثر یہ دیکھا گیا ہے کہ مصلحین اپنی تمام تدابیر کے پورا کرنے سے قبل ہی اس دنیا سے رخصت ہو جاتے ہیں اور اپنے دل کی آرزو دل ہی میں لے جاتے ہیں۔

برطانیہ اور سوویٹ روس

برطانیہ اور سوویٹ روس کے تعلقات سمجھنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ ان دونوں ممالک کے اقتصادی پسِ منظر کو پیشِ نظر رکھا جائے۔ اس لئے چند سطروں میں ان کے مختصر سے اقتصادی حالات کا ذکر کرنا ضروری ہے۔ روس میں اگرچہ سوویٹ حکومت برسرِ اقتدار آ گئی تھی لیکن ملک میں اقتصادی بدحالی عام تھی۔ خوشحالی پیدا کرنے کا صرف ایک طریقہ تھا کہ سوویٹ حکومت مغربی یورپ کے سرمایہ دار ملکوں سے قرض لے کر اس رقم سے آلات اور کلیں خریدے اور ان کی مدد سے ملک میں صنعت وحرفت کو فروغ دے۔ ایسا نہ کرنے کی شکل میں اس امر کا شدید امکان تھا کہ افلاس سے بدحال ہو کر روسی جمہور دوبارہ انقلاب کر دیں اور سرمایہ دارانہ نظام از سرِ نو قائم کر دیا جائے۔ بولشیوک پارٹی جس نے سرمایہ دارانہ نظام فنا کرنے میں ہر قسم کی قربانی کی وہ ان امکانات سے خوف زدہ تھی اور اپنی عام سیاست اور معتقدات کے خلاف امپیریلسٹ برطانیہ سے سیاسی اور اقتصادی تعلقات قائم کرنے کے لئے آمادہ ہو گئی تھی۔

پہلی جنگِ عظیم کے بعد برطانیہ کی اقتصادی زندگی میں بھی آشوب آیا ہوا تھا صنعت وحرفت دم توڑ رہی تھی۔ بے روزگاری عام تھی۔ اجناس اور مصنوعات گراں تھیں۔ اس اقتصادی آشوب کو دُور کرنے کی یہی شکل ہو سکتی تھی کہ آلات اور کلیں برآمد

کی جائیں اور دوسرے ملکوں سے کچا مال درآمد کیا جائے۔ اس زمانہ میں روس ہی ایک ایسا ملک تھا جو بہت بڑے پیمانہ پر غلہ اور دوسرا کچا مال فروخت کر سکتا تھا اور آلات کلیں وغیرہ خرید سکتا تھا۔ بظاہر اس تبادلہ میں کوئی دشواری نہیں ہونی چاہیئے تھی کہ برطانیہ اور روس کلوں اور غلہ کا تبادلہ کر لیتے۔ اس امکان کے ماتحت سوویٹ حکومت نے برسر اقتدار آتے ہی مسٹر لٹوینوف کو برطانیہ میں سفیر مقرر کرنا چاہا تھا کہ جلد از جلد اس ملک سے اقتصادی تعلقات پیدا ہو جائیں اور برطانیہ کی مدد سے اقتصادی بدحالی کو دور کیا جا سکے لیکن اس ابتدائی زمانے میں برطانیہ کو یہ یقین تھا کہ سوویٹ حکومت ایک ایسا تماشہ ہے جو چند روز کے بعد ختم ہو جائے گا۔ دوسری بات یہ تھی کہ برطانیہ سیاسی اغراض کے ماتحت اشتراکی روس کو سرسبز ہوتے دیکھنا نہیں چاہتا تھا سوویٹ روس کے طاقتور ہو جانے سے تمام یورپ میں اشتراکی نظامِ حکومت کے جاری ہونے کا خوف مغربی تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر برطانیہ نے سوویٹ حکومت کی آئینی حیثیت تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ اقتصادی جبر کے ماتحت برطانیہ اس امر پر راضی ہو گیا کہ مسٹر لوکہرٹ کو روس میں برطانیہ کا ایجنٹ مقرر کرے اور مسٹر لٹوینوف کو روسی ایجنٹ کی حیثیت سے تسلیم کر لے۔ ان ایجنٹوں کی حیثیت کے متعلق دونوں حکومتوں میں گفت و شنید کے بعد یہ بھی طے پا گیا کہ ان ایجنٹوں کو خفیہ حروف استعمال کرنے اور سیاسی نامہ بر بروئے کار لانے کا حق ہو گا۔ اس فیصلے کے ماتحت ۱۴ جنوری ۱۹۱۸ء کو مسٹر لوکہرٹ موسکو روانہ ہو گئے اور مسٹر لٹوینوف نے لندن میں وکٹوریہ سڑک پر اپنا دفتر قائم کر لیا۔ اس زمانہ میں برطانیہ کے سرمایہ دار طبقہ کا اشتراکی روس کے خلاف جو رویہ تھا اس کا اندازہ اس امر سے بخوبی ہو جاتا ہے کہ جب مسٹر لٹوینوف نے اپنے دفتر کے دروازے پر "سوویٹ روس کے جمہوریہ کا سفارت خانہ" کا بورڈ لگایا اور مالک مکان کو اس کا علم ہوا تو اس نے مسٹر لٹوینوف کو مکان سے چلے جانے کا نوٹس دے دیا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ صاحب موصوف

کو مکان خالی کرنا پڑا۔ سوویٹ روس کا نمائندہ لندن کی سڑکوں پر مارا مارا پھرتا تھا لیکن دفتر کے لئے اس کو ایک کمرہ میسر نہیں آسکتا تھا۔ مجبور ہو کر مسٹر لٹوینوف نے اپنی رہنے کی جگہ ایک کمرے میں دفتر کھولا۔ ایک صاحب جو ان مصیبت کے دنوں میں مسٹر لٹوینوف سے ملے وہ ان کے مکان اور رہائش کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جنوری کی ایک ٹھٹھرتی شام کو موسلا دھار بارش ہو رہی تھی۔ میں سوویٹ روس کے نمائندے کی جاتے رہائش کی تلاش میں سرگرداں تھا بصد دشواری منزل مقصود تک پہنچا۔ دروازے پر دستک دی تو ایک خاتون نے دروازہ کھولا ان کے جسم پر نہایت ہی سادہ لباس تھا اور بال ترشے ہوتے تھے۔ چند لمحے بعد میں ایک چھوٹے سے کمرے میں لے جایا گیا جس کے سامان سے غربت ٹپک رہی تھی۔ البتہ کمرہ میں انگیٹھی خوب روشن تھی اور لکڑی کے تختے پر انگریزی کی چند کتابیں رکھی ہوئی تھیں۔ مسٹر لٹوینوف چائے پی رہے تھے انھوں نے کتھائی رنگ کی واسکٹ پہن رکھی تھی جو کافی استعمال شدہ معلوم ہوتی تھی۔ نوجوان خاتون ایک چھوٹی سی کرسی پر بیٹھ گئیں اور انھوں نے توس بنانے شروع کر دئے۔ یہ خاتون مسٹر لٹوینوف کی شریک حیات تھیں سوویٹ روس کا نمائندہ اسی عسرت میں بسر کر رہا تھا جس میں کہ کوئی برطانوی مزدور لیل و نہار گزارتا ہے۔"

۱۹۱۸ء میں سوویٹ روس سے باغی جنرلوں کی برطانیہ مدد کر رہا تھا۔ مسٹر لوکہرٹ نے روس پہنچ کر ان باغی جنرلوں سے ساز باز شروع کر دی۔ اس سلسلہ میں موصوف اپنی تصنیف "ایک برطانوی ایجنٹ کی سرگذشت" میں تحریر کرتے ہیں:۔

"سوویٹ حکومت کے شبہات درست تھے اگرچہ مجھے اس امر کا احساس

تک نہیں ہوا لیکن حقیقتاً میں اس تحریک کا حامی ہو گیا تھا جو جرمنی کے نہیں بلکہ سویٹ روس کے خلاف تھی۔"

مسٹر لوکہرٹ اپنی تخریبی کارروائیوں کی بنا پر ۳۱ ستمبر ۱۹۱۸ء کو گرفتار کر لئے گئے سویٹ حکومت کے اس اقدام کے تین روز بعد انتقام کے طور پر برطانوی حکومت نے مسٹر لٹوینوف کو لندن میں گرفتار کر لیا۔ کچھ دن بعد دونوں حکومتوں میں اپنے اپنے ایجنٹوں کی رہائی کے موضوع پر تبادلۂ مراسلات شروع ہو گیا۔ ایک ماہ تک خط و کتابت کا سلسلہ جاری رہا۔ اس عرصے کے بعد اگرچہ یہ دونوں ایجنٹ رہا کر دیئے گئے لیکن ان کی رہائی کے ساتھ سویٹ روس اور برطانیہ کے سیاسی تعلقات بھی ختم ہو گئے۔

پیرس کانفرنس

نومبر ۱۹۱۸ء کو جنگ عظیم کے اختتام پر پیرس میں دول متحدہ (برطانیہ امریکہ وغیرہ) کی ایک کانفرنس منعقد ہوئی جس میں سویٹ حکومت کو تسلیم کرنے نیز باغی جنرلوں کو سویٹ حکومت کے خلاف مدد دیئے جانے کے مسائل بھی زیر بحث آئے۔ مسٹر لائڈ جورج وزیر اعظم برطانیہ اور پریذیڈنٹ ولسن کی رائے تھی کہ سویٹ کو تسلیم کر لیا جائے لیکن حکومت فرانس کے نمائندے مسٹر کلیمنتو اس کے شدید مخالف تھے۔ اس کانفرنس میں طویل مذاکرات کے بعد چند متفقہ تجاویز طے پائیں جو پرنکیپو کی تجاویز کے نام سے مشہور ہیں۔ ان تجاویز کی روشنی میں پریذیڈنٹ ولسن نے ایک اعلان مرتب کیا جس کو دول متحدہ نے پسند کیا مختصراً اعلان یہ تھا۔

"انقلاب روس کو بلا کسی شرط کے تسلیم کیا جاتا ہے اس انقلاب کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی جائے گی۔ ہمارا مقصد یہ نہیں کہ روس میں جو عناصر برسرپیکار ہیں ان کو مدد دے کر خانہ جنگی کی آگ کو بھڑکایا جائے دول متحدہ یورپ میں امن کے قیام کے لئے کوشاں ہیں اور ان کو یقین ہے کہ جب تک روس میں امن و امان قائم نہیں ہو گا اس وقت تک یورپ میں سیاسی

پیچیدگی دُور کرنا ناممکن ہے۔ دول متحدہ اس مقصد کے مدنظر ان تمام عناصر کو جو روس میں برسراقتدار نہیں یا اقتدار قائم کرنے کی کوشش کر رہے ہیں مذاکرات کی دعوت دیتے ہیں۔"

دول متحدہ کا سوویٹ روس کی جانب یہ پہلا مصالحتی قدم تھا۔ لیکن اس ابتدائی زمانے میں سوویٹ حکومت سے حکومت فرانس اس قدر برافروختہ تھی کہ اس نے اس دعوت نامہ کو سوویٹ حکومت تک نہیں پہنچنے دیا۔ اس کارروائی سے حکومت فرانس کا یہ مقصد تھا کہ مذاکرات میں سوویٹ کے نمائندے شریک نہ ہوں اور ان کی عدم موجودگی میں تمام فیصلے سوویٹ کے خلاف صادر کر دیئے جائیں۔ سوویٹ حکومت کو ریڈیو سے اس اعلان کا علم ہوا اور بلا اس امر کا انتظار کئے کہ دول متحدہ کی جانب سے سرکاری طور پر یہ دعوت نامہ موصول ہو۔ سوویٹ حکومت نے حسب ذیل جواب روانہ کر دیا:۔

"سوویٹ حکومت کو ریڈیو سے یہ علم ہوا ہے کہ دول متحدہ نے روس کی برسراقتدار حکومتوں کے نمائندوں کو پرنکو پو کے مقام پر مذاکرات کی دعوت دی ہے۔ سوویٹ حکومت کو سرکاری طور پر ہنوز کوئی دعوت نامہ نہیں ملا۔ ریڈیو پر یہ اعلان کیا گیا ہے کہ اگر سوویٹ روس کی جانب سے جواب موصول نہیں ہوا تو یہ خاموشی شرکت سے انکار کے مترادف خیال کی جائے گی۔ اس لئے اس غلط فہمی کے ازالہ کی خاطر سوویٹ حکومت جواب روانہ کر رہی ہے۔۔۔۔ اگرچہ سوویٹ روس کی داخلی اور فوجی حالت روز بروز بہتر ہوتی جا رہی ہے تاہم حکومت کی یہ خواہش ہے کہ خانہ جنگی ختم ہو جائے۔ وہ مذاکرات میں شرکت کے لئے تیار ہے اور جیسا کہ اس کی جانب سے بارہا اعلان ہو چکا ہے سوویٹ حکومت امن کے قیام کی خاطر دول متحدہ کو اہم مراعات دینے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ

وہ اس نوعیت کی ہوں کہ مستقبل میں روس کے سیاسی اور اقتصادی ارتقا میں حارج نہ ہوں۔"

جیسا کہ اس مراسلہ سے ظاہر ہے سویٹ روس نے دول متحدہ کا دعوت نامہ قبول کر لیا لیکن باغی جنرلوں نے بولشیوک کے ساتھ بیٹھ کر مذاکرات کرنے سے انکار کر دیا۔ اس انکار کا یہ نتیجہ ہوا کہ پرنکوپو کانفرنس کا اجلاس نہ ہو سکا۔ روس میں خانہ جنگی جاری رہی اور برطانیہ باغی جنرلوں کو سامانِ حرب اور مالی امداد بافراط دیتا رہا۔ اس زمانے میں اخبار کے ایک نمائندے نے برطانیہ کے محکمہ خارجہ کے افسر سے دریافت کیا کہ کیا روس سے برطانیہ برسرِ جنگ ہے۔؟ تو اس سوال کا جواب دینے کے لئے اس نے اپنے اعلیٰ افسر سے رجوع کیا۔ اس اعلیٰ افسر نے حسب ذیل جواب دیا:۔

"ظاہر ہے کہ ہم سوویٹ روس سے جنگ کر رہے ہیں لیکن جہاں تک اخبارات اور عوام کا تعلق ہے ہم سوویٹ روس سے نہیں لڑ رہے ہے۔"

یہ جواب برطانیہ اور سوویٹ روس کے تعلقات کی درست ترجمانی کرتا تھا۔ اگر ایک جانب سوویٹ روس سے برطانیہ صلح کرنا چاہتا تھا تو دوسری سمت دارالعوام سے ایک کروڑ پچاس لاکھ کی رقم باغی جنرلوں کی مدد کے لئے منظور کرائی جا رہی تھی۔ دنیا میں برطانیہ کی اس دورُخی سیاست پر تنقید و تبصرہ جاری تھا کہ ۱۸ نومبر ۱۹۱۹ء کو برطانیہ کے وزیرِ اعظم مسٹر لائڈ جورج نے ایک ایسی تقریر کی جس نے دنیا کو مزید حیرت میں ڈال دیا۔ وزیرِ اعظم نے تقریر کے دوران میں کہا:۔

"ہم ایک نہ ختم ہونے والی جنگ میں متواتر اور بے اندازہ امداد نہیں دے سکتے۔ ہماری فوجیں روس سے باہر آگئی ہیں۔ صفائی سے عرض کر دوں کہ میں ان حالات سے خوش ہوں روس ایک دلدل ہے۔ اس ملک میں فتوحات آسانی سے ہو جاتی ہیں لیکن تم ان فتوحات میں دھنس کر رہ جاتے ہو۔

ماضی میں بڑی بڑی فوجیں اور عظیم الشان سلطنتیں ان بے نتیجہ فتوحات میں غائب ہو گئیں۔ روس میں مداخلت کرنا پُرخطرہ ہے۔ ہمیں کریمیا میں اس کا تجربہ ہو چکا ہے۔"

۱۳ر نومبر ۱۹۱۹ء کو دارالعوام میں اس موضوع پر سوالات کیے گئے جن کا جواب دیتے ہوئے مسٹر لائیڈ جارج نے کہا:۔

"جب عارضی صلح کا اعلان ہوا اس وقت سے اکتوبر کے مہینے کے آخیر تک برطانیہ دس کروڑ پونڈ کا سازوسامان روس کے باغی جنرلوں کو روانہ کر چکا ہے..... جنگِ عظیم کے اخراجات نے برطانیہ کو کافی زیر بار کر دیا ہے اور قرضہ میں مزید اضافہ کرنا حکومت کو مناسب معلوم نہیں ہوتا...... جیسا کہ وزیر مالیات نے بتایا ہے اس سال مالیہ سے روس کے (باغی) جنرلوں کو امداد دینے کی مد اڑادی گئی ہے۔ اگر دارالعوام نے یہ طے کیا کہ روس کو مزید امداد دی جائے تو مزید ٹیکس لگانے کی تجویز پر غور کرنا ہوگا..... یہ تجویز ہے کہ بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی جائے جس میں تمام اہم امور پر غور ہو۔ روس کا معاملہ بھی اس کانفرنس میں پیش ہوگا۔"

"مسٹر لائیڈ جورج کے صلح کن رویہ پر اظہار مسرت کرتے ہوئے سوویٹ روس کے وزیر خارجہ مسٹر چیچرن نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"مسٹر لائیڈ جارج کی صلح کن تقریر نے روسی عوام کو متاثر کیا ہے۔ اس تقریر سے دونوں حکومتوں میں خوشگوار تعلقات پیدا ہونے کے امکانات نمایاں ہو گئے ہیں جس کی ہماری حکومت کو آرزو تھی۔ ہماری حکومت کا سیاسی اور آئینی دستور ہماری منشا کے مطابق ہے۔ ہم صلح چاہتے ہیں تاکہ اقتصادی ترقی کر سکیں۔ ہم برطانیہ سے اقتصادی تعلقات پیدا

کرنے کے لئے قربانیاں دے سکتے ہیں۔ ہمیں علم ہے کہ آخر کار ان تعلقات سے ہمیں بہت فائدہ ہوگا اور برطانیہ کو بھی نقصان کی نسبت نفع بہت زیادہ ہوگا۔"

برطانیہ کے وزیرِ اعظم کی تقریر اور اس پر سوویٹ روس کے وزیر خارجہ کے اظہارِ مسرت کرنے سے یہ خیال پیدا ہو چلا تھا کہ اب مغربی یورپ سوویٹ حکومت کو تسلیم کرلے گا اور معمول کے مطابق روس کے تمام مغربی یورپ سے تجارتی تعلقات قائم ہو جائیں گے لیکن سیاسی حلقوں کے یہ اندازے غلط ثابت ہوئے۔ سرمایہ دار جمہوریتیں روس سے تجارتی تعلقات تو قائم کرنا چاہتی تھیں لیکن سوویٹ حکومت کو تسلیم کرنا ان پر شاق گذرتا تھا۔ چنانچہ پیرس سے دول متحدہ کی اعلیٰ کونسل کا یہ اعلان ہوا۔

"بیرونی سرمایہ دار ملکوں سے چونکہ مصنوعات روس نہیں جاتیں اس لئے ان سرمایہ دار ملکوں میں عام اقتصادی بدحالی پیدا ہو گئی ہے۔ اس آشوب کو دور کرنے کے لئے فیصلہ کیا جاتا ہے کہ روس اور دول متحدہ نیز دوسرے غیر جانبدار ملکوں کے درمیان سلسلہ خرید و فروخت قائم کر دیا جائے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنانے کے لئے یہ تجویز پیش کی جاتی ہے کہ روس کی کوآپریٹو انجمنوں کو ضروری مراعات دی جائیں تاکہ وہ روسی عوام کے لئے کپڑا۔ ادویات۔ زراعتی آلات اور دوسرا ضروری سامان خرید سکیں۔ روس سے غلہ اور سن وغیرہ جو ملکی ضرورت سے زیادہ پیدا ہوتا ہے اس کی درآمد کی جائے۔ روس کی جانب دول متحدہ کا جو عام سیاسی رویّہ ہے یہ فیصلہ اس پر اثر انداز نہ ہوگا۔"

مندرجہ بالا اعلان سے یہ واضح تھا کہ دول متحدہ روس سے تجارت تو کرنا چاہتے تھے لیکن سوویٹ حکومت کو تسلیم کرنا نہیں چاہتے تھے۔ بولشیوک حکومت کو آئینی طور پر

تسلیم نہ کرنا نیتوں کا فتور ظاہر کرتا تھا۔ دول متحدہ کے تحت الشعور میں یہ جذبہ کارفرما تھا کہ فی الحال مغربی یورپ کے اقتصادی آشوب کو دُور کرنے کے لئے روس سے خرید فروخت کا سلسلہ قائم کر دیا جائے۔ وقت آنے پر میدان جنگ میں سوویٹ روس کا مسئلہ حل کر دیا جائے گا۔ سرمایہ دار عناصر کی اس سیاست سے متاثر ہو کر ۲۹ جنوری ۱۹۲۰ئ کو برطانیہ کے مزدور طبقہ نے ایک اعلان میں کہا:۔

"برسر اقتدار طبقہ کے سالار جو اس وقت پیرس میں موجود ہیں وہ یورپ کے سیاسی حالات کی اس طرح صورت گری کر رہے ہیں کہ نئی جنگِ عظیم شروع ہو جاتے چونکہ دوسری جنگ لازمی طور پر طویل ہو گی اس لئے اس امر کا فیصلہ مزدور طبقہ کے ہاتھ میں ہو گا کہ کیا حکومت جنگ جاری رکھ سکتی ہے یا نہیں۔"

یہ اعلان اپنے مفہوم میں صاف تھا۔ مزدور طبقہ نے حکومت پر واضح کر دیا تھا کہ اگر اشتراکی روس کے خلاف جنگ کا آغاز کیا گیا تو مزدور طبقہ تعاون نہیں کرے گا اور بلا مزدور طبقہ کے تعاون کے جنگ میں کامیابی غیر ممکن ہے۔ برطانیہ کے مزدور ہر اہم موقعہ پر طبقاتی اخوت کا مظاہرہ کرتے تھے اور اشتراکی روس میں جان پڑ جاتی تھی۔ برطانیہ کے مزدور طبقہ کے مظاہروں اور اعلانات کا یہ اثر ہوا کہ ۱۰ فروری ۱۹۲۰ئ کو دارالعوام کے اجلاس کا افتتاح کرتے ہوئے شہنشاہ انگلستان نے اپنی تقریر میں کہا:۔

"یورپ میں امن و امان قائم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مشرقی یورپ میں نہ صرف امن قائم ہو جائے بلکہ وہاں اقتصادی خوش حالی پیدا کی جائے۔ خاص کر روس میں جب تک مشرقی یورپ کے وسیع ملک اپنی پیداوار مغربی یورپ کو روانہ نہ کریں گے اس وقت تک نہ عام گرانی دور ہو گی اور نہ دنیا میں خوشحالی پیدا کی جا سکے گی۔"

بادشاہ کی اس افتتاحیہ تقریر کے بعد برطانیہ کے وزیر اعظم مسٹر لائڈ جارج نے بیان دیتے ہوئے کہا:-

"جو کچھ روس دے سکتا ہے یورپ کو اس کی ضرورت ہے۔ مجھے معلوم نہیں ممبران اس امر سے آشنا ہیں کہ جنگ سے قبل کونسی اجناس کتنی مقدار میں یورپ کو دیتا تھا۔ اگر ان کو اس کا علم ہے تب وہ عام گرانی اور اقتصادی بدحالی کی وجوہات بخوبی سمجھ سکتے ہیں جنگ سے قبل دنیا کا ایک چوتھائی گیہوں روس سے آتا تھا۔ دنیا کا ⅘ سَن روس سے برآمد ہوتا تھا۔ برطانیہ میں جس قدر مکھن استعمال ہوتا تھا اس تمام مقدار کا ⅕ حصہ روس سے آتا تھا۔ جوار۔ باجرا وغیرہ نوے لاکھ ٹن سالانہ روس سے آتا تھا اور متعدد خام اجناس کثیر تعداد میں روس سے آتی تھیں۔ دنیا کو ان اشیاء کی ضرورت ہے۔ یورپ میں حالات مخدوش ہیں۔ گرانی نے ملک میں طبقاتی حسد و عناد پیدا کر دیا ہے روس کی سمت سے نہیں بلکہ طبقاتی کشمکش کی جانب سے داخلی طور پر ملک میں خطرہ پیدا ہو گیا ہے۔ میں پورے علم اور ذمہ داری کے ساتھ دارالعوام کو آگاہ کرتا ہوں کہ امن کے خطرے کا انسداد اجناس کی افراط سے ہی ہو سکتا ہے۔"

انگلستان کی مزدور اور لبرل پارٹی نے وزیر اعظم کی تقریر کا خیر مقدم کیا۔ لیکن قدامت پسند پارٹی کے قائد مسٹر چرچل نے جو اس زمانے میں وزیر جنگ تھے اس تقریر پر نکتہ چینی کرتے ہوئے کہا:-

"روسی خطرہ کا انسداد کرنے کے لئے ہمیں جرمن عوام اور جرمن جمہوریت سے مستحکم رشتہ قائم کرنا چاہیے۔ ہمیں ترکی کے بیدار مغز طبقہ کی بھی مدد

کرنی چاہیئے ہمیں وسطِ یورپ کے ممالک خاص کر پولینڈ کو ہر امکانی مدد دینی چاہیئے۔"

مسٹر لائڈ جورج اور مسٹر چرچل کی تقریروں سے ان دونوں مدبروں کے زاویۂ نگاہ کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ مسٹر لائڈ جورج بناتِ خود اس امر کے خواہشمند تھے کہ سوویٹ حکومت تسلیم کرنے کے بعد اس سے تجارتی تعلقات استوار کرنے کی راہ نکالنی چاہیئے لیکن مسٹر چرچل جرمنی۔ پولینڈ اور وسطِ یورپ کے دوسرے ملکوں کو ہر امکانی مدد دے کر روس سے دست و گریبان کرانا چاہتے تھے تاکہ دنیا سے اشتراکی تصور مٹا دیا جائے دول متحدہ کی کونسل کی یہ کوشش تھی کہ روس مختلف ریاستوں میں تقسیم کر دیا جائے۔ ان ریاستوں میں اگر ایک سوویٹ روس ہو تو کوئی مضائقہ نہیں۔ مناسب حالات پیدا ہونے پر اس کو فنا کر دیا جائے گا۔ چنانچہ اس کونسل نے ۲۴ر فروری کو حسبِ ذیل اعلان جاری کیا:۔

"وہ اکثریتیں جو سوویٹ روس کی سرحدوں پر واقع ہیں (یعنی سفید جنرلوں کی قائم کردہ حکومتیں) اور جن کی خود مختاری متحدہ اقوام نے تسلیم کرلی ہے اگر وہ دول متحدہ سے یہ مشورہ لیں گے کہ سوویٹ روس کی جانب ان کو کیا رویہ رکھنا چاہیئے تو اقوام متحدہ کا یہ جواب ہوگا کہ سوویٹ روس سے برسرِ پیکار ہونا ان اکثریتوں کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ دول متحدہ ان اکثریتوں کو ہرگز یہ مشورہ نہیں دے سکتے کہ وہ سوویٹ روس کے خلاف جارحانہ کارروائی جاری رکھیں۔ البتہ اگر سوویٹ روس نے ان اکثریتوں پر حملہ کیا تب دول متحدہ ان اکثریتوں کو ہر امکانی مدد دیں گی۔ گذشتہ تجربات کی بناء پر دول متحدہ سوویٹ روس سے سیاسی تعلقات قائم نہیں کر سکتیں جب تک بولشیوک حکومت اپنی

ریاست میں متمدن اقوام کا سیاسی دستور رائج نہ کرے۔ دول متحدہ اس حکومت کو تسلیم نہیں کر سکتیں۔ لیکن دول متحدہ کا خیال ہے کہ سوویٹ روس اور باقی ماندہ یورپ کے درمیان اقتصادی تعلقات کا قیام تمام دنیا کے لئے عافیت کا باعث ہوگا اس لئے اقتصادی تعلقات قائم کرنے چاہئیں۔ ان تعلقات کے قیام کے بعد بھی روس کی جانب دول متحدہ کا عام سیاسی رویہ وہی رہے گا جس کا ذکر کیا جا چکا ہے۔"

اعلیٰ متحدہ کونسل روس کے حصے بخرے کرنے کی تدابیر کر رہی تھی لیکن روس میں سیاسی بساط پلٹ چکی تھی۔ بولشیوک نے نہ صرف سائبیریا پر قبضہ کر لیا تھا بلکہ اہم ترین باغی جنرل ڈینیکن کو شکست دے دی تھی اور سفید فوج تتر بتر ہوتی جا رہی تھی۔ بولشیوک افواج کی فتوحات نے روس میں نقشہ پلٹ دیا تو دول متحدہ کو بھی اپنے رویہ میں ضروری تبدیلی کرنی پڑی۔

مسٹر کریسین کی آمد

متحدہ کونسل نے چونکہ یہ فیصلہ کیا تھا کہ سوویٹ روس سے اقتصادی تعلقات قائم کئے جائیں اس لئے ۲۶ مئی ۱۹۲۰ء کو مسٹر کریسین کی سرکردگی میں سوویٹ روس کا ایک تجارتی وفد برطانوی نمائندوں سے مذاکرات کے لئے لندن آیا۔ دونوں نمائندوں میں مذاکرات کے بعد حسب ذیل فیصلے ہوئے:-

(۱) عارضی صلح کر لی جائے اور طرفین اس کا پاس کریں۔

(۲) طرفین اس امر کا اعلان کردیں کہ وہ ایک دوسرے ملک کے ساز و سامان کی قیمت مناسب وقت میں ادا کر دیں گے۔

(۳) طرفین ایک دوسرے کے داخلی معاملات میں دخل انداز نہ ہوں گے۔

(۴) تجارت اور آمد و رفت کی مکمل آزادی ہوگی۔

مسٹر کریپس یہ شرائط لے کر موسکو روانہ ہو گئے۔ موسکو نے یہ شرائط منظور کر لیں ان حالات میں سیاسی حلقوں میں یہ یقین ہو چلا تھا کہ اب برطانیہ اور سوویٹ روس کے اقتصادی اور سیاسی تعلقات استوار ہو جائیں گے لیکن اس زمانہ میں بین الاقوامی بساط پر ایک بم پھٹا۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ برطانیہ اور فرانس کی خفیہ مدد سے پولینڈ نے روس پر حملہ کر دیا۔ اگر پولینڈ کو فتح ہو جاتی تب تو سرمایہ دار حکومتوں کی آنکھوں سے اشتراکی کانٹا ہمیشہ کے لئے نکل جاتا اور ان کی پوشیدہ تمنائیں بر آجاتیں۔ لیکن ہوا یہ کہ سرخ فوج نے نہ صرف پولش افواج کو اپنے ملک سے باہر نکال دیا بلکہ وہ پولینڈ میں گھس گئیں۔ جب پولینڈ کے دار السلطنت وارسا سے سرخ فوج صرف پچاس میل کے فاصلہ پر رہ گئی اور برطانیہ نے اپنا مُہرہ پٹتا ہوا دیکھا تو ایک نوٹ موسکو روانہ کیا جس میں کہا گیا تھا کہ اگر سرخ فوجوں کو پولینڈ کی سرحد سے باہر نہ لے جایا گیا تو پولینڈ کی ہمدردی میں برطانیہ سوویٹ روس سے جنگ کرنے پر مجبور ہو جائے گا۔ مسٹر کریپس کی عارضی صلح کی تجویز پیش کرنے کے چند روز بعد ہی برطانیہ کا یہ رویہ سب کو شاق گذرا۔ ان حالات میں مزدوروں کی ٹریڈ یونین کانگریس نے حکومت کی سیاست پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ایک تجویز میں کہا:۔

"یہ کانگریس حکومت سے مطالبہ کرتی ہے کہ سوویٹ روس کو جو شرطیں دی جا چکی ہیں اور جن کو موسکو کی حکومت نے منظور کر لیا ہے ان کی بنیادوں پر سوویٹ روس اور برطانیہ میں صلح ہو جانی چاہیئے۔"

حکومت نے ٹریڈ یونین کانگریس کی اس قرارداد کی پروا نہ کی۔ مسٹر کریپس جو شرائط نامہ پر دستخط کرنے لندن آرہے تھے ان کو برطانیہ نے تار دیا "اگر سوویٹ حکومت نے پولش حکومت سے صلح کی گفت وشنید ہنوز شروع نہ کی ہو تو مسٹر کریپس سفر کی زحمت گوارہ نہ فرمائیں" یہ تار زخموں پر نمک پاشی کے مترادف تھا۔ برطانیہ کی اس سیاست پر

تنقید کرتے ہوئے ۲۳ جون ۱۹۲۰ء کو مسٹر لٹوینوف نے کہا:۔

"معاہدہ ہو جانے کے بعد جب کہ سوویٹ وفد لندن روانہ ہو چکا ہے برطانیہ کا یہ نئی شرط پیش کرنا بین الاقوامی قانون کو مجروح کرتا ہے نیز روس اور پولینڈ کی جنگ میں برطانیہ کی غیر جانبداری پر روشنی ڈالتا ہے۔ سوویٹ وفد کو یقین ہے کہ برطانیہ کے جمہور اور مزدور طبقے خود یہ اندازہ لگالیں گے کہ ان کی حکومت کا یہ رویہ ان کے مفاد میں ہے یا نہیں۔ معاہدے کو التوا میں ڈالنا یقیناً حکومت فرانس کی سعی کا نتیجہ ہے جو اپنے شکست خوردہ پٹھو پولینڈ کو بچانا چاہتا ہے۔"

پولینڈ کو جب یہ اشارہ مل گیا کہ برطانیہ اس کی طرفداری میں روس سے دست و گریباں ہونے کے لئے تیار ہے تو باوجود اس امر کے کہ سرخ فوجیں وارسا سے پچاس میل رہ گئیں تھیں۔ پولینڈ نے روس سے صلح کرنے کی کوئی خواہش ظاہر نہیں کی۔ برطانیہ کے وزیر جنگ مسٹر چرچل پولینڈ نوازی پر تلے ہوئے تھے۔ پولش حکومت کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ حالات کے زیادہ خراب ہونے پر برطانیہ اور روس میں جنگ شروع ہو جائے گی۔ اس جنگ کا یہ نتیجہ ہوگا کہ بلا لڑے روس کا بہت بڑا حصہ پولینڈ کے ہاتھ لگ جائے گا۔ ان حالات میں پولینڈ سوویٹ روس سے صلح کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ برطانیہ اور سوویٹ روس کے درمیان جنگ کے امکانات قوی ہو جانے پر برطانیہ کی مزدور جماعت نے جنگ روکنے کی کوشش شروع کر دی۔ اس سلسلے میں مزدور پارٹی کے سکرٹری مسٹر ہینڈرسن نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اپنی پارٹی کی تمام شاخوں سے برطانیہ کے وزیر اعظم کو تار روانہ کرائے جس میں یہ مطالبہ کیا گیا تھا کہ پولینڈ کو فوج اور سامانِ حرب روانہ نہ کیا جائے۔ انگلستان کے طول و عرض میں تمام اہم مقامات پر جلسے ہوئے جس میں برطانیہ اور سوویٹ روس کے درمیان صلح رکھنے کا مطالبہ کیا گیا۔ ۱۳ اگست ۱۹۲۰ء کو مزدور پارٹی کی جانب سے لندن میں

نہایت عظیم الشان جلسہ ہوا جس میں صرف حکومت کی تخریبی سیاست کے خلاف احتجاج کیا گیا بلکہ قرارداد کے ذریعہ سے ایک ادارۂ عملی کونسل کی تشکیل کی گئی جس کا یہ مقصد قرار دیا گیا کہ سوویٹ کے خلاف جنگ کی صورت میں یہ کونسل برطانیہ کے اقتصادی محاذ پر جارحانہ کارروائی شروع کر دے گی۔ روس کی اشتراکی حکومت سے برطانیہ کی مزدور جماعت کی یہ عملی ہمدردی ایسی نہ تھی کہ قدامت پسند پارٹی کو فکرمند نہ کرتی۔ چنانچہ دوسرے روز ٹائمز نے اپنے اداریہ میں مزدور طبقے کو دلاسا دیتے ہوئے کہا:۔

"مزدور پارٹی کے قائدین کو علم ہونا چاہیے کہ اس ملک میں کسی کا ارادہ روس سے جنگ کرنے کا نہیں ہے۔"

مزدور جماعت کے مظاہروں سے مرعوب ہو کر انگلستان کے رجعتی عناصر نے روس کے خلاف جنگ کی سعی تو ختم کر دی لیکن یہ کوشش برابر جاری رہی کہ اینگلو سوویٹ تجارتی معاہدے نہ ہونے چاہئیں۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ روس میں جنرل رینگل کی بغاوت کو اہمیت دی جانے لگی۔ فرانس نے جنرل رینگل کو روس کا حاکم تسلیم کر لیا۔ برطانیہ کے رجعتی عناصر نے یقین کے ساتھ کہنا شروع کر دیا کہ جنرل موصوف کو عنقریب سوویٹ حکومت پر فتح ہو جائے گی اس لئے بولشیوک سے تجارتی معاہدہ کرنا لاحاصل ہے۔ رجعتی عناصر رینگل کی امداد کس طریقہ سے کر رہے تھے۔ اس کا اندازہ حسب ذیل واقعہ سے ہو جاتا ہے۔

۲۸ فروری ۱۹۲۱ء کو ڈیلی ہیرلڈ نے سوویٹ روس کے سرکاری اخبار پراودا کی جعلی کاپی کا عکس اخبار میں دیا اور برطانوی حکومت کی یہ سازش فاش کی کہ جعلی پراودا لندن میں چھپتا ہے جس میں رینگل کی فتوحات کی غلط خبریں طبع کی جاتی ہیں اور وہ کاپیاں لاکھوں کی تعداد میں رینگل کی فوجوں اور روسی عوام میں تقسیم کی جاتی ہیں تاکہ وہ فتح کی خبریں پڑھ کر رینگل کی مدد پر کمربستہ رہیں۔ اس اخبار پر لندن کے پریس کا نام بھی

ہوتا تھا اس لئے اخبار کی کاپیاں پہلے اسکاٹ لینڈ یارڈ میں جاتی تھیں وہاں پریس وغیرہ کا نام تراش دیا جاتا تھا تاکہ اخبار کے جعلی ہونے کا ثبوت نہ مل سکے۔ جب ڈیلی ہیرلڈ نے یہ خبر دی تب سب نے اس کو اخباری نمائندے کی جدت طبع کا نتیجہ سمجھا لیکن بعد میں یہ خبر درست ثابت ہوئی۔ دارالعوام میں اس خبر کے متعلق سوال کیا گیا تو محکمہ داخلہ کے سکرٹری نے جواب دیتے ہوئے کہا کہ محکمہ اطلاعات ڈائرکٹر نے بلااں کے علم کے یہ حرکت کی تھی۔ عذر گناہ گناہ سے بدتر تھا۔ رجعتی عناصر کی بدقسمتی کہ نومبر ۱۹۲۰؁ء کو سرخ فوجوں نے جنرل رنگل کو شکست فاش دے دی اور چند ہی روز میں وہ قصہ پارینہ بن گیا۔ میدان جنگ کے نتائج کے اثرات سیاست دانوں کو خاص لائحہ عمل اختیار کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ سوویٹ حکومت کے استحکام کی شکل پیدا ہو جانے پر برطانیہ کے سرمایہ دار اخبارات نے یہ اعلان کرنا شروع کر دیا کہ برطانوی کابینہ کی اکثریت کا خیال یہ ہے کہ سوویٹ روس سے صلح کر لی جائے اور تجارتی تعلقات قائم کر لئے جائیں۔ مسٹر لائڈ جورج نے دارالعوام میں یہ اعلان کیا کہ کابینہ کے فیصلے کے مطابق سوویٹ روس سے تجارتی معاہدے کا مسودہ تیار کیا جائے گا۔ مسٹر کریسن جو موسکو سے واپس آ گئے تھے برطانوی نمائندوں سے اس مسودہ کی بابت گفت و شنید کر رہے ہیں۔ معاہدہ کی شرائط وضع کرنے میں دو ماہ لگے۔ اس تاخیر کی یہ وجہ تھی کہ چند امور پر دونوں حکومتوں کا متفقہ فیصلہ کرنا دشوار تھا۔ ان امور کی وضاحت اس لئے ضروری ہے کہ آئندہ چند سال تک برطانیہ اور سوویٹ روس کے تعلقات کا مسئلہ ان امور سے وابستہ رہا۔ برطانیہ کے حسب ذیل مطالبات تھے:۔

(۱) سوویٹ روس کروڑوں پونڈ کے اس قرضے کو تسلیم کرلے جو جنگ عظیم میں برطانیہ نے زار روس کو دیا تھا۔

(۲) روس میں برطانوی رعایا کی کروڑوں پونڈ کی مالیت کی فیکٹریاں

وغیرہ جس پر بولشیوک حکومت نے غاصبانہ قبضہ کر لیا ہے ۔ وہ مالکین کو واپس کی جائیں ۔ جو فیکٹریاں تباہ ہو گئی ہیں ان کا تاوان دیا جائے وغیرہ ۔

(۳) بولشیوک حکومت سلطنت برطانیہ میں اشتراکیت کی تبلیغ فوراً بند کر دے ۔

(۴) سوویٹ حکومت اپنے ملک میں ایسے قوانین جاری کرے جن کو متمدن قومیں قبول کر سکیں ۔

بولشیوک حکومت ان مطالبات کا حسب ذیل جواب دیتی تھی :۔

(۱) جب حکومت نے زار روس کو قرضہ دینے کا اعلان کیا تھا تو بولشیوک پارٹی نے برطانیہ کو متنبہ کر دیا تھا کہ اگر پارٹی برسراقتدار آئی تو قرضہ تسلیم نہیں کرے گی ۔

(۲) خانہ جنگی کے دوران میں برطانیہ نے باغی جنرلوں کو امداد دے کر سوویٹ روس کو جو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہے پہلے برطانیہ اس کا تاوان روس کو ادا کرے ۔ اس کے بعد برطانوی رعایا کی ملکیت کی واپسی یا اس کی قیمت کی ادائیگی کی بابت غور کیا جائے گا ۔

(۳) بولشیوک پارٹی حکومت نہیں بلکہ کمیونسٹ انٹرنیشنل اشتراکیت کی تبلیغ کرتی ہے اور جس طرح برطانیہ کے لئے یہ غیر ممکن ہے کہ وہ دنیا کے کسی گوشے میں رومن کیتھولک چرچ کو تبلیغ کرنے سے روکے اسی طرح حکومت روس کے لئے یہ غیر ممکن ہے کہ وہ حکومت سے غیر متعلق ادارے کمیونسٹ انٹرنیشنل کے معاملات میں دخل دے ۔

(۴) سوویٹ حکومت کا سیاسی دستور اور قوانین ملک کے جمہور کی مرضی

کے مطابق وضع کر لئے گئے ان میں ترمیم و تنسیخ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔
مندرجہ ذیل معاملے پر مدت تک ردو قدح ہوتی رہی آخر کار مندرجہ ذیل شرائط قرار پائیں:۔

(۱) یہ معاہدہ عارضی ہے صلح کا عام معاہدہ اس کی جگہ لے گا۔
(۲) فریقین آپس میں تجارت کرنا فوراً شروع کر دیں گے۔
(۳) فریقین ایک دوسرے کے خلاف سازش یا پروپیگنڈہ نہیں کریں گے اور دوسرے ملک کے سیاسی اور تمدنی اداروں پر بھی نکتہ چینی نہیں کریں گے۔
(۴) روس کی موجودہ حکومت یا گذشتہ حکومت کے خلاف جو مطالبات تھے ان کا فیصلہ عام معاہدے کے وقت ہوگا۔

۴ مارچ ۱۹۲۱ء کو مسٹر کریسن ان شرائط کی منظوری لے کر موسکو سے واپس ہوئے اور ۱۶ مارچ ۱۹۲۱ء کو دونوں فریقین نے اس معاہدے پر اپنے دستخط ثبت کر دیئے جیسا کہ معاہدے کی دفعات سے ظاہر ہے۔ یہ معاہدہ قطعی عارضی تھا اور عارضی معاہدوں کی بنیادوں پر اگر تجارت ہوتی بھی ہے تو نہایت مختصر ہوتی ہے۔ اس عارضی معاہدے نے مختصر سی تجارت کی راہ نکال دی۔ لیکن جن مسائل پر اختلاف تھا ان کا کوئی حل نہ ملا سرمایہ دار حکومتوں کی یہ سعی جاری رہی کہ سویٹ روس سے زار کے قرضہ اور تاوان کی ایک ایک پائی وصول کی جاتے۔ اس زمانے میں جب دریائے وآلگا کے علاقے میں شدید قحط پڑا اور لاکھوں روسی موت کی نیند سونے لگے اس وقت بھی سرمایہ دار حکومتوں نے اپنی روسی دشمنی کم نہ کی بلکہ مغربی ممالک نے جو امدادی کمیشن مقرر کیا تھا اس نے یہ اعلان کیا کہ پہلے سویٹ حکومت زار روس کا قرضہ تسلیم کرے اور آئندہ جو قرضہ دیا جائے گا اس کی ادائیگی کی ضمانت دے۔ اس وقت روس کے قحط زدہ علاقہ کے لئے امداد دی جا سکتی ہے۔

کینس کانفرنس عارضی معاہدہ کو صرف سات ماہ ہی گذرے ہوں گے کہ فریقین ایک دوسرے پر معاہدہ کی خلاف ورزی کرنے کے الزامات لگانے لگے۔ اس سلسلہ میں خاص کر کمنٹرن کی تبلیغ پر زیادہ نکتہ چینی ہوتی تھی یہ آپس کی ردوقدح تعلقات میں آشوب پیدا کردیتی تھی۔ اور اگر یہ تجارت دونوں ملکوں کا مطمح نظر تھی اس میں رکاوٹیں پیدا ہوجاتی تھیں۔ ان غیر اطمینان بخش حالات کو دور کرنے کیلئے سوویٹ روس کے تجارتی ڈیلیگیشن نے ۳۰ اکتوبر ۱۹۲۱ء کو برطانیہ کے محکمہ خارجہ کو ایک نوٹ روانہ کیا جس میں کہا گیا تھا کہ سوویٹ حکومت زار کے ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم سے قبل کے قرضے کی ادائیگی پر غور کرنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ روس کو ضروری مراعات دی جائیں اور ایسے حالات پیدا کئے جائیں کہ سوویٹ حکومت قرضہ ادا کرنے کے قابل ہوجائے نوٹ کے آخیر میں یہ بھی کہا گیا تھا کہ سوویٹ روس سے مستقل صلح کرنے کے لئے ایک بین الاقوامی کانفرنس منعقد کی جائے۔

جنیوا کانفرنس روس کی خواہش کے مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۲۲ء کو دول متحدہ نے جنیوا میں ایک کانفرنس منعقد کی جس میں سوویٹ حکومت کو تسلیم کرنے کا معاملہ پیش کیا گیا۔ اس زمانے میں برطانیہ میں بے روزگاری کی تعداد بیس لاکھ تک پہنچ گئی تھی اور تمام یورپ میں بے روزگاری کی وبا عام تھی جو اسی طرح دور ہوسکتی تھی کہ سوویٹ روس کو تسلیم کرلیا جائے اور بہت بڑے پیمانے پر تجارت شروع کردی جائے۔ لیکن مغربی ملک سوویٹ حکومت کو کوئی مراعات دینے کے لئے تیار نہ تھے۔ اس کانفرنس میں بھی وہی قرض کی ادائیگی۔ تاوان۔ کمنٹرن کی تبلیغ اور سوویٹ قوانین کی منسوخی کے مسائل زیر بحث آئے۔ خانہ جنگی کے دوران میں مغربی ممالک نے روس کو جو نقصان پہنچایا روس اس کا تاوان چاہتا تھا سوویٹ روس نے بھی چار عرب چھ کروڑ چہتر لاکھ پونڈ کا مطالبہ پیش کیا۔ اس کانفرنس میں فریقین میں بحث جاری تھی کہ ایک اور

واقعہ رونما ہوگیا جس کو راپیلو کا معاہدہ کہتے ہیں۔

راپیلو کا معاہدہ جنگِ عظیم کے بعد روس اور جرمنی کی فوجی اور اقتصادی حالت بہتر ہوگئی تھی اور فاتح ممالک ان دونوں کو اپنا باجگزار بنانا چاہتے تھے۔ ان حالات میں یہ دونوں ملک ایک دوسرے سے قریب ہوتے گئے مصیبت زدوں کے درمیان تعاون کی راہ بہت جلد پیدا ہوجاتی ہے۔ چنانچہ ان دونوں ملکوں نے ۱۶ اپریل ۱۹۲۲ء کو مختصر سے مذاکرات کے بعد ایک معاہدہ پر دستخط کردیئے جو راپیلو کے معاہدہ کے نام سے موسوم ہے۔ اس معاہدہ کی شرطیں حسبِ ذیل تھیں:۔

(۱) دونوں ممالک ایک دوسرے سے کسی تاوان کا مطالبہ نہیں کرینگے۔

(۲) ہر معاملہ ایک دوسرے کے مفاد کو مدنظر رکھ کر کیا جائے گا۔

(۳) دونوں ملکوں کے درمیان فوراً سیاسی تعلقات قائم کردیئے جائینگے۔

(۴) دونوں ملک ایک دوسرے کے ساتھ دوستی کے اصول کے مطابق تجارت کریں گے۔

(۵) دونوں ملک ایک دوسرے کو ہر امکانی مدد دیں گے تاکہ اُنکی اقتصادی حالت درست ہوجائے۔

برطانیہ اور فرانس نے راپیلو کے معاہدے کو خطرہ کی نظر سے دیکھا۔ روس کی سترہ کروڑ کی آبادی اور جرمن قوم کی آلائی مہارت کا تعاون دول متحدہ کے لئے کچھ مدت بعد قوی خطرہ ثابت ہوسکتا تھا۔ ان حالات میں باخبر سیاسی حلقوں کا یہ گمان تھا کہ جنیوا کانفرنس فوراً ختم کردی جائے گی۔ لیکن یہ خیال درست ثابت نہیں ہوا۔ جنیوا کانفرنس جاری رہی اور اس میں یہ فیصلہ ہوا کہ ہیگ میں ایک اور کانفرنس منعقد کی جائے جو مسائلِ حاضرہ پر مزید غور کرے۔

ہیگ کانفرنس ۱۵؍جون ۱۹۲۲ء کو ہیگ کانفرنس شروع ہوئی اور از سوئے نوشتند۔ گفتند۔ برخاستند کا جمہوری تماشا شروع ہوگیا۔

اہلِ معاملہ نے وہی اپنے دیرینہ مطالبات دہرانے شروع کردیئے۔ روس اپنی اقتصادی احتیاج کو مدنظر رکھتے ہوئے چند مخصوص قرضے تسلیم کرنے اور سرمایہ دار تاجروں کو مراعات دینے پر بھی راضی ہوگیا۔ مسٹر لٹوینوف نے دورانِ تقریر میں یہ وعدہ کیا کہ وہ اپنی حکومت کو حسب ذیل امور غور کرنے کے لئے روانہ کردیں گے۔

(۱) سوویٹ حکومت دوسرے ممالک کے باشندوں کے قرضے کو جو انھوں نے روس کی گذشتہ حکومتوں کو دیا ہے قبول کرلے۔

(۲) جو غیر ممالک کی ملکیت روس کی قومی ملکیت قرار دے دی گئی ہو اس کا سوویٹ حکومت تاوان ادا کردے۔

ابھی سوویٹ حکومت کا ان دونکات کے متعلق جواب موصول نہیں ہوا تھا کہ فرانس کی خفیہ تدابیر نے اس کانفرنس کو ختم کرادیا۔ اس سے شاید سوویٹ حکومت کی تذلیل مقصود تھی۔

اگرچہ جنیوا اور ہیگ کانفرنسیں اپنے مقاصد میں ناکامیاب رہیں لیکن اس میں سوویٹ حکومت کو شرکت کی دعوت دینا اس امر کا اعتراف تھا کہ بلا روسی تعاون کے یورپ میں مستقل طور پر خوشحالی پیدا نہیں ہوسکتی۔ اس عملی اعتراف کے باوجود جب لوزین کانفرنس منعقد ہوئی تو دولِ متحدہ نے روس کو شرکت کی دعوت نہ دی۔

لوزین کانفرنس جب ترکی افواج نے یونانی فوجوں کو ایشیائے کوچک سے نکال دیا تو برطانیہ کو آبنائے باسفورس وغیرہ کے مستقبل کی بابت فکر لاحق ہوگیا۔ اس زمانے میں سوویٹ حکومت اور ترکی میں گہرے دوستانہ تعلقات تھے۔ برطانیہ کو یہ گمان گزرا کہ اگر باسفورس۔ دردانیال اور انجین سمندر پر اس وقت

برطانوی تسلط قائم نہ ہوا تو یہ سوویٹ حکومت کے اثر میں چلے جائیں گے اس طرح روس کو بحر روم میں داخلہ کا راستہ مل جائے گا جو برطانوی مفاد کے خلاف ہوگا۔ ان تمام امور کے مدنظر دول متحدہ نے لوزین کے مقام پر ایک کانفرنس منعقد کی لیکن روس کو شرکت کی دعوت نہیں دی۔ روس بحر اسود کی ایک طاقت ہے اور چونکہ دول متحدہ نے سوویٹ سے باغی جنرلوں کو در دانیال کے راستہ سے مدد پہنچائی تھی اس لئے اس راستے پر برطانوی اثر ہو جانے کو روس خطرہ کی نظر سے دیکھتا تھا۔ لوزین کانفرنس کے انعقاد پر روس نے دول متحدہ کو ایک یادداشت روانہ کی جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ بحر اسود کا طویل ساحلی علاقہ روسی ہے۔ اس لئے روس کسی دوسری حکومت کا آبنائے باسفورس پر اثر برداشت نہیں کرسکتا۔ اگر اس مسئلہ کو طاقت سے حل کرنے کی کوشش کی گئی تب سوویٹ حکومت اس امر کے لئے بھی تیار ہے۔ اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے روس کے ایک مصنف نے لکھا:۔

"ہم یہ برداشت نہیں کرسکتے کہ جب کبھی لارڈ کرزن کو بدہضمی کی شکایت ہو تو وہ بیمار ہے۔ ان مقامات پر گولہ باری کرنی شروع کردیں جو بحر اسود پر واقع ہیں۔"

روسی مصنف کی تحریر کا یہ انداز مادی حالات کا نتیجہ تھا۔ اس زمانہ میں روس کی اقتصادی حالت بہتر اور سوویٹ حکومت کے قیام کے آثار زیادہ روشن ہوتے جارہے تھے۔ جب طاقت پیدا ہو جاتی ہے تو ہر بے انصافی کا جواب ترش کلامی سے دیا جانے لگتا ہے۔ اب فرانس کی روس سے دشمنی بھی ختم ہوگئی۔ اس زمانے میں فرانس کے مشہور اخبار "ٹمپ" نے حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا:۔

"اس سال روس یورپ کے سیاسی حلقہ میں داخل ہوگیا ہے اور یہ ضروری ہے کہ یورپ کی سیاسی تشکیل میں روس کو شریک کیا جائے

اس زد و قدح کا یہ نتیجہ نکلا کہ سوویٹ روس کو لوزین کانفرنس میں شرکت کرنے اور اظہار خیال کی اجازت مل گئی۔ ۴ر دسمبر ۱۹۲۲ء کو لوزان کانفرنس کا اجلاس ہوا تو روسی نمائندے نے بھی مذاکرات میں شرکت کی۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ اس زمانے میں انگلستان میں نئے انتخابات ہو چکے تھے اور مسٹر لائڈ جورج جو کہ سوویٹ روس سے تعلقات کے قیام کے حامی تھے ان کی پارٹی کو شکست ہو چکی تھی۔ قدامت پسند پارٹی کی وزارت برسر اقتدار آ گئی تھی۔ مسٹر بونر لا وزیر اعظم بن گئے تھے اور لارڈ کرزن بدستور وزیر خارجہ تھے۔ نئی کابینہ میں لارڈ کرزن روس کی مخالفت کرنے میں مکمل طور پر آزاد ہو گئے۔ چنانچہ لارڈ موصوف نے کانفرنس کے پہلے ہی اجلاس میں ایک تجویز پیش کی جس میں یہ کہا گیا تھا کہ باسفورس درِ دانیال اور ایجین سمندر میں ترکی کے جو جزائر ہیں اُن کو غیر مسلحہ کر دیا جائے اور ایک کمیشن مقرر کیا جائے جو اس امر کی نگرانی کرے کہ ترکی کی حکومت اس تجویز پر پوری طرح عمل کرتی ہے یا نہیں اس تجویز کا یہ مقصد تھا کہ ترکی کی حکومت جنگی جہازوں کو بحر اسود میں آنے سے نہ روک سکے۔ روس کی سرحد بحرِ اسود پر ہے اس لئے روس اس تجویز کو ہرگز تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ لوزان میں رد و قدح جاری تھی کہ برطانیہ کو روس کے خلاف پروپیگنڈا کرنے کا ایک اور سنہری موقع مل گیا۔

قحط زدہ علاقوں کی مدد

حکومت روس کی اقتصادی حالت اتنی اچھی نہیں تھی کہ وہ ایک تباہ کن قحط کا مقابلہ کر سکتا۔ چنانچہ جب روس میں شدید قحط کی صورت پیش آئی تو حکومت پریشان ہو گئی۔ قحط زدہ علاقوں کو کچھ نہ کچھ مدد دینی بھی ضروری تھی۔ چنانچہ اس زمانہ میں روس کی حکومت نے یہ حکم جاری کر دیا کہ گرجاؤں کی جو بیش قیمت

اشیاء ضرورت سے زیادہ ہوں ان کو بیرونی ممالک میں فروخت کیا جائے۔ اور جو رقم وصول ہو اس سے بھوکی ننگی مخلوق کی مدد کی جائے۔ کچھ پادریوں نے اس قانون کی خلاف ورزی کی اور گرجاؤں کی غیر ضروری اشیاء کے لئے جانے میں مزاحم ہوئے۔ اس پر حکومت نے ان پادریوں پر مقدمے چلائے اور حسب قانون سزائیں دیں۔ اس سلسلے میں ایک رومن کیتھولک پادری کو غداری کے الزام میں سزائے موت بھی دے دی گئی اس پر سرمایہ دار طبقہ نے تمام دنیا میں بڑی شد و مد سے یہ پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا کہ روس میں مذہبوں کا استیصال کیا جا رہا ہے۔ اس سلسلہ کی ایک کڑی یہ تھی کہ موسکو میں برطانیہ کے ایک اعلیٰ آفیسر مسٹر ہوڈگسن نے روس کے محکمہ خارجہ کو ایک نوٹ روانہ کیا جسمیں یہ کہا گیا تھا کہ پادری کا قتل تمام متمدن دنیا میں غم و غصہ کی لہر دوڑا دے گا۔ اس نوٹ کے موصول ہونے پر روس کے محکمہ خارجہ نے احتجاج کیا کہ برطانیہ روس کے ملکی معاملات میں دخل دے رہا ہے جس کو برداشت نہیں کیا جا سکتا۔ اس نوٹ میں اس وحشیانہ طریقہ کار کا بھی ذکر تھا جو برطانیہ نے آئرلینڈ۔ ہندوستان اور مصر میں روا کر رکھا تھا۔ اس کے بعد طعن یہ تھا کہ ان واقعات کی موجودگی میں برطانیہ کا اس موقع پر بنی نوع انسان کی بہبودی اور انسانی زندگی کے وقار کی حمایت میں یہ بلند آہنگ نوٹ نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتا۔ سوویٹ روس کی یہ جسارت کہ اس نے اپنے نوٹ میں باجگذار قوموں پر تشدد کا ذکر کیا۔ برطانیہ کو بہت ناگوار گذرا اور مسٹر ہوڈگسن نے اس نوٹ کو سرکاری طور پر قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ اس پر روس کے محکمہ خارجہ کے ایک اعلیٰ افسر نے جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"ہمیں امید ہے کہ آئندہ برطانیہ سوویٹ روس کے داخلی معاملات میں
دخل دینے سے اجتناب کرے گا"

برطانیہ چاہتا تو یہ معاملہ یہاں ختم کیا جا سکتا تھا لیکن اس کی برہمی دور نہ ہوئی اور

حکومت کے اشارے سے رجعتی اخبارات "روس میں مذہب کا استیصال" کے عنوان سے مقالے لکھتے رہے۔ برطانیہ نے اسی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ ۸ مئی ۱۹۲۳ء کو موسکو کی حکومت کو ایک نوٹ روانہ کیا جس میں حسب ذیل مطالبات کئے گئے تھے :-

(۱) پادریوں کے ان مقدموں کے متعلق روسی حکومت اپنا نوٹ واپس لے۔

(۲) برطانیہ کی مچھلی پکڑنے والی کشتیاں جن کو سوویٹ حکومت نے غضب کر لیا ہے ان کو واپس کر دیا جائے۔ سوویٹ حکومت کا یہ مطالبہ تھا کہ برطانیہ کی مچھلی پکڑنے والی کشتیاں روسی ساحل کے بارہ میل کے فاصلے پر رہیں۔ برطانیہ تین میل کی حد مقرر کرتا تھا۔ سوویٹ حکومت ان کشتیوں کو پکڑتی تھی جو بارہ میل کی حد ملحوظ نہیں رکھتی تھیں۔

(۳) مسٹر ڈیوس کے قتل اور مسز سٹینگ کے قید کئے جانے کی ذمہ داری سوویٹ حکومت قبول کرے۔ نیز یہ معاملہ ایک ثالث کے روبرو پیش کیا جائے جو تاوان وہ مقرر کر دے روسی حکومت ادا کرے۔

(۴) سوویٹ حکومت ایران۔ افغانستان اور ہندوستان میں کمیونزم کی تبلیغ اور دیگر مساعی بند کرے۔ افغانستان اور ایران میں جو روسی نمائندے متعین ہیں ان کو واپس بلا لیا جائے۔

(۵) اگر سوویٹ حکومت نے دس روز کے اندر اندر یہ تمام شرائط غیر مشروط طور پر پوری نہ کیں تو برطانیہ انگلو روسی تجارتی معاہدے کی پابندی کرنے پر مجبور نہیں ہو گا۔

برطانیہ کے اس نوٹ کی اشاعت سے تمام دنیا کو یہ گمان گذرا کہ سلطنت برطانیہ کا ارادہ روس سے لڑنے کا ہے اور اس امر کے لئے قانونی بہانے تلاش کئے جا رہے ہیں۔ اسی زمانے میں مارشل فوچ نے پولینڈ اور چیکوسلاویکیہ کی فوجوں کا معائنہ کیا اور

ان کی بہادری اور تنظیم کی تعریف کی۔ برطانوی فوج کے جنرل اسٹاف کے اعلیٰ افسر لارڈ ٹاون نے پولش فوجوں کو سراہا۔ برطانیہ سے ایک فوجی مشن غیر سرکاری طور پر رومانیہ پہنچا۔ لارڈ فرنچ بسر علیہ گئے۔ اگرچہ اس زمانہ میں پولینڈ اور رومانیہ کو بیرونی خطرہ نہیں تھا تاہم یہ ملک اپنی فوجیں بڑھا رہے تھے۔ اور اپنے مالیہ کو زیر بار کر رہے تھے۔ اطالیہ کے سفیر مقیم موسکو نے اپنی حکومت کو مشورہ دیا کہ تمام بیرونی ملکوں کے نمائندوں کو روس سے واپس بلا لیا جائے اور اس ملک سے تمام تجارتی تعلقات منقطع کر دیئے جائیں۔ ان تمام امور سے یہ مترشح ہو رہا تھا کہ سوویٹ حکومت کے خلاف جنگ کا اعلان ہونے والا ہے۔ لارڈ کرزن کے نوٹ کو دو دن ہی گذرے تھے کہ لوزان کانفرنس کے روسی نمائندے مسٹر وریسکی کو اُنکے ہوٹل میں قتل کر دیا گیا۔ یہ قتل ایک جاسوس نے کیا تھا۔ جب دو روز بعد لوزان کانفرنس کا جلسہ ہوا قتل پر تاسف کا رسمی اظہار تک نہیں کیا گیا۔ اس امر کا ذکر کرتے ہوئے اخبار مانچسٹر گارجین نے تحریر کیا:۔

> "آج صبح کانفرنس کی کارروائی شروع ہوئی اور اس افسوسناک قتل کی جانب اشارہ تک نہیں کیا گیا۔ یہ خاموشی یہاں محسوس کی جارہی ہے عصمت پاشا نے آج ایک بیان دیا جس میں ایک عزیز دوست کے قتل پر رنج کا اظہار کیا ہے۔"

جس روز روسی نمائندے کا قتل ہوا اسی روز برطانیہ کے محکمہ خارجہ کے نائب سکرٹری نے دارالعوام میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے بتایا کہ ایک جہاز ارجنگل کے سمندر میں اس ہدایت کے ساتھ روانہ کیا گیا ہے کہ اگر سوویٹ حکومت تین میل کی حدود تسلیم نہ کرے اور برطانوی کشتیوں کے گشت میں مزاحم ہو تو بصورت ضرورت طاقت استعمال کی جائے۔ اس بیان پر حزب اختلاف کے ممبر بہت برہم ہوتے اور پارلیمان کے اجلاس میں چلاتے "تم جنگ کرنا چاہتے ہو" اس مظاہرے سے متاثر ہو کر نائب سکرٹری نے شام کو بیان دیا جسمیں حزب

اختلاف کو یہ اطمینان دلانے کی کوشش کی گئی تھی کہ حکومت کا ارادہ روس کے خلاف جنگ کرنے کا نہیں ہے۔ برطانیہ کے مزدور طبقے کو حکومت کے اس بیان پر اطمینان نہ ہوا اور اس نے نہ صرف تمام ملک میں حکومت کی سیاست کے خلاف احتجاجی جلسے کئے بلکہ تمام ٹریڈ یونینوں کی مشترکہ کونسل نے ایک احتجاجی بیان جاری کیا جس میں کہا گیا تھا:۔

"یہ کونسل سوویٹ روس سے تجارتی تعلقات منقطع کرنے کی سعی کے خلاف احتجاج کرتی ہے چونکہ اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ برطانیہ میں نہ صرف بے روزگاری بڑھ جائے گی بلکہ یورپ کا سیاسی توازن اس درجہ درہم برہم ہو جاوے گا کہ جنگ کا خطرہ پیدا ہو جائے گا۔ یہ ادارہ تمام سیاسی اور صنعتی مزدور اداروں سے درخواست کرتا ہے کہ وہ حکومت کی سیاست کے خلاف احتجاج کریں۔"

حکومت پر زور ڈالنے کے علاوہ پارلیمان کی لیبر پارٹی نے سوویٹ حکومت سے درخواست کی کہ برطانوی نوٹ کا جواب نرم لب ولہجہ میں دیں چونکہ لیبر پارٹی مصالحت کی کوشش کر رہی ہے۔ سوویٹ حکومت نے ایک طویل جوابی نوٹ برطانوی نمائندہ مقیم ماسکو کو دیا۔ نیز مسٹر کریسن اسی روز لندن روانہ ہو گئے۔ ان کے آنے پر مذاکرات کا ایک طویل سلسلہ شروع ہو گیا۔ مدت تک ہر مطالبہ پر ردوقدح جاری رہی۔ آخر کار سوویٹ روس کو اپنی خراب اقتصادی حالت کے مدنظر جھکنا پڑا اور برطانیہ کے تمام مطالبات کم وبیش مان لینے پڑے۔

یورپ میں اشتراکی اثرات کی فتح و شکست

۱۹۱۷ء و ۱۹۱۸ء میں دُنیا دو گروہوں میں منقسم تھی ایک وہ جو سرمایہ داری کو برقرار رکھنا اور دوسرا وہ جو اس بوسیدہ نظام کو بدلنا چاہتا تھا۔ لینن اور اس کے شرکاء کار کے بین الاقوامی انقلابی نعرے کا پس منظر پیش کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ مختلف ممالک میں جو انقلابی رجحانات رونما ہوتے ان کا اختصار سے ذکر کر دیا جائے۔

برطانیہ اور فرانس:۔ یہ ایک سیاسی کلیہ ہے کہ جنگ کے اختتام کے بعد فاتح ممالک انقلابی حالات سے بہت کم متاثر ہوتے ہیں۔ اس سیاسی استحکام کی اصل وجہ یہ ہوتی ہے کہ وہ مفتوح ممالک کو لوٹ کر اپنے ملک کے جمہور کی اقتصادی حالت نسبتاً بہتر کرنے میں جلدی کامیاب ہو جاتے ہیں۔ جمہور کو آسائش نصیب ہو جانے پر انقلابی عناصر کی سعی بے سود ہو جاتی ہے۔ لیکن پہلی جنگ عالم کے بعد انقلابی موج اتنی تیزی و توانائی سے بڑھی کہ فاتح ممالک بھی اس کے اثر سے محفوظ نہ رہ سکے۔ ہر انقلابی تحریک کسی ملک کے خاص حالات سے متاثر ہوتی ہے۔ انگلستان میں انقلابی تحریک جمہور کے اس مطالبہ میں ظاہر ہوئی کہ ملک کی تمام بالغ آبادی کو دستور ساز اداروں کے انتخابات

میں رائے دہندگی کا حق ملنا چاہیے۔ اس مطالبہ کی پشت پر یہ منطق تھی کہ ملک میں غریب اور مزدور طبقہ اکثریت میں ہے، عوام کو حق رائے دہندگی مل جانے کا یہ اثر ہوگا کہ پارلیمنٹ میں مزدور طبقہ اکثریت میں آجائے گا۔ اور اس طرح آئینی طور پر سرمایہ دارانہ نظام کو بدلنا ممکن ہو جائے گا۔ جمہور کو اس جدوجہد میں کامیابی ہوئی اور ۱۹۱۸ء میں پارلیمنٹ کے ایک بل کی منظوری کے ذریعہ سے رائے دینے کا حق قریب قریب ہر باشندے کو مل گیا۔ اس جدید اصلاح کا یہ اثر ہوا کہ مزدور جماعت کے کثیر ممبر پارلیمنٹ کے انتخابات میں کامیاب ہو گئے اور لیبر پارٹی سرکاری طور پر حزب اختلاف (اپوزیشن پارٹی) تسلیم کر لی گئی۔ رائے دہندگی کا حق عام ہونے کا دوسرا اثر یہ ہوا کہ آئرلینڈ کی انقلابی پارٹی سن فن کے ممبر پارلیمنٹ میں منتخب ہو کر آگئے اور انھوں نے آئرلینڈ کی آزادی کے لئے پہلے سے زیادہ شدید اور مؤثر طریقہ پر جدوجہد شروع کر دی۔ ان کی قربانی وایثار کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۹۲۱ء میں آئرلینڈ کی خود مختاری تسلیم کر لی گئی۔ اس زمانے میں انگلستان میں بے روزگاروں کی تعداد بیس لاکھ تک پہونچ گئی تھی اور سیاسی بے چینی جو بے روزگاری کا لازمی نتیجہ ہوتی ہے بڑھ رہی تھی۔ ان مساعد حالات میں اگر انگلستان کی مزدور جماعت دور اندیشی اور سیاسی فہم سے کام لیتی تو اس کا برسر اقتدار آکر اشتراکی نظام کا اجرا زیادہ دشوار نہ ہوتا۔

پہلی جنگ کے بعد نہ صرف یہ کہ فرانس کا وقار بڑھ گیا بلکہ اس کے خزانے بھی طلا و نقرہ سے معمور ہو گئے تھے لیکن آبادی میں پہلے کی نسبت بیس لاکھ سے بھی زیادہ کمی واقع ہو گئی تھی اور پیدائش کے اعداد وشمار سے صاف ظاہر تھا کہ اگر بعد میں بھی یہ کمی قائم رہی تو فرانسیسی قوم چند صد سال میں خود بخود نیست ونابود ہو جائے گی۔ دوران جنگ میں سب سے زیادہ تباہی شمالی فرانس پر آئی۔ جنگ کے فوراً بعد فرانس نے کثیر قرضہ لے کر شمالی فرانس کی خاص طور پر اور کل فرانس کی عام طور پر بہت بڑے پیمانے پر

اس اُمید پر تعمیر شروع کر دی کہ جرمنی سے جو تاوانِ جنگ وصول ہوگا اس سے قرضہ ادا کر دیا جائے گا۔ لیکن تجربہ نے یہ بتایا کہ جرمنی تاوان جنگ ادا کرنے سے قاصر رہا۔ اس وجہ سے فرانس کا مالیہ کبھی متوازن نہ ہو سکا اور اس ملک کے سیاسی بحر میں طوفان ہی آتے رہے آئے دن کابینہ بدلتی رہتی تھی۔ جس تیزی سے اشتراکی پارٹی کے ممبروں کی تعداد فرانس کی پارلیمنٹ میں بڑھی اس سے وہاں کے جمہور کے انقلابی رجحانات کا پتہ چلتا ہے۔

اطالیہ :۔ اگرچہ اطالیہ فاتح ممالک میں سے تھا اور یہاں انقلابی رجحانات کو زیادہ قوی نہیں ہونا چاہیئے تھا لیکن اس سرزمین پر غیر متوقع حالات ظہور میں آئے۔ اس کی اصل وجہ یہ تھی کہ اطالیہ کی اقتصادی حالت بہت خراب تھی۔ حکومت کا خرچ اس کی آمدنی سے بہت زیادہ تھا۔ چونکہ جنگ کے دوران میں صنعت وحرفت تباہ اور مشینیں وغیرہ زیادہ استعمال سے ناکارہ ہو گئیں تھیں اس لئے جو سپاہی میدانِ جنگ سے واپس ہو رہے تھے حکومت ان کے لئے کوئی کام مہیا نہیں کر سکتی تھی۔ جنگ کے بعد مسلح بے روزگار سپاہی حکومت کے لئے پیام مرگ ثابت ہوتے ہیں۔ تنخواہوں اور اجرتوں میں معمولی اضافہ ہوا لیکن ضروریات زندگی کی قیمتیں کئی گُنی زیادہ گراں ہو گئیں تھیں۔ ان حالات میں یہ تعجب خیز ہوتا اگر انقلابی رجحانات رونما نہ ہوتے۔ اطالیہ میں اشتراکی پارٹی نمودار ہو گئی اور اس نے بولشیوک کی تقلید شروع کر دی۔ ملک کے طول وعرض میں زندگی کے ہر شعبہ میں ہڑتالیں اور زبردآزمائیاں ہونے لگیں اس جدوجہد کا یہ نتیجہ ہوا کہ ۱۹۱۹ء میں جب اطالوی پارلیمنٹ کے انتخابات ہوئے ان میں پہلے سے دوچند اشتراکی ممبر کامیاب ہوئے اور حکومت کے تمام محکموں میں اشتراکی پارٹی کے ممبر عہدہ دار مقرر کر دیئے گئے۔ شمالی اطالیہ میں اشتراکیوں نے متعدد مقامات پر انتخابات کے ذریعہ سے میونسپلٹیوں پر قبضہ کر لیا۔ اطالیہ میں اشتراکی رجحانات کی کامیابی کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ ستمبر ۱۹۲۰ء میں انقلابی مزدوروں

نے دیہات کے کارخانوں پر قبضہ کر کے ان کی تنظیم اشتراکی اصولوں پر کر دی۔ جزیرہ سسلی میں غریب کسانوں نے امیر زمینداروں کی آراضیات پر زبردستی قبضہ کر لیا۔ اس زمانے میں اگرچہ فسطائی پارٹی نمودار ہو گئی تھی لیکن وہ ہنوز اشتراکی پارٹی کی نسبت اقلیت میں تھی۔

جرمنی:۔ جرمنی میں ابتدا ہی سے تمام سیاسی جماعتیں پہلی عالمگیر جنگ کی تائید میں نہیں تھیں ۱۹۱۵ء میں جرمن پارلیمنٹ میں متعدد سوشل اشتراکی ممبروں نے کارل لیبنج کی تقلید کی اور جنگ کے لئے مالیہ کے مطالبہ کی منظوری کے خلاف رائے دی۔ کچھ عرصے بعد جنگ کی مخالفت اس درجہ بڑھی کہ سوشل ڈیموکریٹ جماعت دو مختلف الخیال پارٹیوں میں منقسم ہو گئی۔ ان میں ایک گروہ جنگ کا حامی تھا اور دوسرا مخالف جنگ کی مخالف پارٹی کے قائد کارل لیبنج اور روز الکسمبرگ تھے ان دونوں قائدین کی انقلابی جدوجہد جاری تھی کہ ۱۹۱۶ء میں اتحادیوں کی اقتصادی ناکہ بندی نے جرمنی کے سامنے موت لا کھڑی کی۔ اشیائے خوردنی کے نقدان نے لاکھوں جرمنوں کو موت کی آغوش میں سُلا دیا۔ البتہ امیر طبقہ غیر آئینی طور پر اپنی دولت و تعلقات کے اثر سے زیادہ پریشان نہ تھا اور خوراک مہیا کر لیتا تھا۔ فوجی محاذ کا حال خوراک کے محاذ سے زیادہ زبوں تھا۔ لاکھوں جرمن سپاہی جانیں قربان کر رہے تھے لیکن کامیابی دور ہوتی جاتی تھی۔ ان حالات میں ملک کے طول و عرض میں سیاسی اضطراب پیدا ہو جانا لازمی تھا۔ ۱۹۱۸ء میں قریب پانچ لاکھ مزدوروں نے صلح کی تائید میں ہڑتال کی۔ جرمن حکومت کی کم فہمی دیکھئے کہ اس نے ان باغی مزدوروں کو سزا کے طور پر محاذ پر روانہ کر دیا جہاں پہونچ کر انھوں نے بغاوت کے جراثیم فوج میں داخل کر دئے۔ جب متواتر شکستیں ہو رہی ہوں بغاوت کے جراثیم بہت سرعت سے تمام فوج میں پھیل جاتے ہیں۔ حکومت کی

اس قسم کی تخریبی تدابیر سے داخلی بے چینی تو فرو نہیں ہوئی البتہ محاذ پر بدنظمی پھیل گئی جرمنی کے شکست کھا جانے پر جمہور نے جنگ کی تمام ذمہ داری حکومت پر ڈال دی۔ ۲۹ اکتوبر کو اشتراکی پارٹی نے قیصر ولیم سے تخت وتاج سے دست بردار ہونے کا مطالبہ کر دیا اور بہت سرعت سے شہر اور دیہات میں اشتراکی ادارے قائم کرنے شروع کر دیے۔ ہر مقام پر ملاحوں، سپاہیوں، مزدوروں کی کونسلیں وجود میں آنے لگیں اور انھوں نے اپنے افسروں کو برطرف کر کے حکومت کا کاروبار اپنے ہاتھ میں لینا شروع کر دیا۔ بلوریا سے بھی قیصر کے خلاف وہی صدا اٹھی جو پروشا سے اٹھی تھی۔ اس فوجی مرکز میں بھی انقلابی عناصر کی کونسلیں تشکیل کی جانے لگیں۔ جب قیصر ولیم کو یہ یقین ہو گیا کہ اشتراکی رجحانات پر فتح پانی ناممکن ہے تو وہ ہولینڈ فرار ہو گیا۔ جرمنی میں اشتراکی حکومت قائم ہو گئی لیکن چند روز بعد یہاں بھی مجلس دستور ساز کے انعقاد۔ کابینہ کی نشستوں کے تعین اور حکمران اداروں کی تشکیل پر اختلافات رونما ہونے شروع ہو گئے۔ اس زمانہ میں اگر کوئی بیدار مغز قائد جرمنی میں موجود ہوتا تو یہاں بھی اشتراکی نظام قائم ہو جاتا۔

آسٹریا:۔ آسٹریا کی تاریخ میں ۲۱ اکتوبر ۱۹۱۸ء اس لئے یادگار ہے کہ اس روز ملک کے دارالعوام نے شہنشاہیت کے خاتمہ کا اعلان کرنے کے بعد عارضی حکومت قائم کی۔ ۱۲ نومبر کو انقلابیوں نے وآئنا میں بغاوت کی اور عارضی حکومت پر مجبور کیا کہ وہ آسٹریا کو جمہوری نظام دے۔ لیکن دنیا کے کسی خطہ کو جمہوریت کہہ کر پکارنے سے اس کی اقتصادی مشکلات حل نہیں ہوا کرتیں۔ آسٹریا اور ہنگری دونوں کی پیداوار مل کر ملکی وقومی ضرورتوں کے لئے تو کافی تھی لیکن تنہا آسٹریا میں غلّہ کی پیداوار اتنی کم ہوتی تھی کہ بغیر غلّہ کی درآمد کئے کل آبادی کو زندہ رکھنا غیر ممکن تھا غلہ کی درآمد کا انتظام نہ ہو سکا اور کچھ ہی عرصے بعد خوراک کی کمی کی وجہ سے ملک میں حالات نہایت نازک ہو گئے۔ اجناس گراں ہونی شروع ہو گئیں اور سکّے کی قیمت اتنی گر گئی

کہ ٹیکس کی رقم حکومت کا کاروبار جاری رکھنے کے لیے بہت ناکافی ثابت ہونے لگی۔ جمہور میں اشیاء کے خریدنے کی استطاعت نہ رہی تو صنعت وحرفت دم توڑنے لگی۔ اقتصادی پیچیدگیاں سیاسی الجھنوں کا پیش خیمہ ہوا کرتی ہیں۔ اقتصادی حالات کی نزاکت نے سیاسی حالات کو بھی نازک بنا دیا۔ ایسے حالات انقلابی جماعتوں کے لیے سازگار ہوتے ہیں چنانچہ اشتراکی جماعتوں نے ان حالات سے پورا فائدہ اٹھایا۔ اگرچہ انقلابی عناصر اپنی مستحکم حکومت قائم نہ کر سکے تاہم انقلابی عناصر مدت تک قومی زندگی میں سرگرمی دکھاتے رہے۔

ہنگری:۔ شکست خوردہ ملک میں انقلابی حالات پیدا ہو جانے لازمی ہوتے ہیں۔ ۲۵ اکتوبر ۱۹۱۸ء کو شہنشاہ ہنگری کی مرضی کے خلاف کاؤنٹ میکائیل نے ایک قومی کونسل تشکیل کر لی جس نے صلح کا اعلان کر دیا۔ اس کارروائی کے بعد پارلیمنٹ کو برخاست کر کے تمام عوام کو حق رائے دہندگی دے دیا۔ ۱۳ نومبر کو شہنشاہ چارلس نے سلطنت سے دست برداری اختیار کر لی اور ۱۶ نومبر کو ہنگری کی جمہوریت قرار دے دی گئی۔ کاؤنٹ میکائیل نے ابھی حالات پر پوری طرح قابو نہ پایا تھا کہ ہنگری میں بلاکن نامی ایک شخص وارد ہوا۔ ابتدائی عمر میں یہ کسی بیمہ کمپنی کا ایجنٹ تھا۔ پھر روس چلا گیا جہاں کچھ عرصے مقید بھی رہا۔ جب ہنگری میں انقلابی حالات رونما ہوئے تو بلاکن ایک جعلی پروانہ راہداری لے کر ہنگری آگیا اور بولشیوک کے قدم بقدم ایک اشتراکی تحریک جاری کر دی۔ اس تحریک کو بہت ہی تھوڑے عرصے میں اتنی زبردست کامیابی ہوئی کہ کاؤنٹ کو مستعفی ہونا پڑا اور ۲۱ مارچ ۱۹۱۹ء کو ہنگری میں ایک اشتراکی حکومت برسر اقتدار آگئی۔ طاقت پر قبضہ کرتے ہی نئی حکومت نے فوج کی تنظیم شروع کر دی۔ روس سے رشتہ یگانگت قائم کر کے متوسط طبقہ کو غیر مسلح اور ملک میں اشتراکیت کا اجرا کر دیا۔ ملک کی تمام معدنیات۔ فیکٹریاں

بنک۔ گرجا کی اراضی وغیرہ قومی ملکیت قرار دے دی گئیں۔ اندرونی و بیرونی تجارت صرف حکومت کا حق قرار پایا۔ چند روز بعد متوسط طبقہ کے افراد کی گرفتاریاں عمل میں آنے لگیں اور ان کے اخبارات بند کر دئے گئے۔ مختصر یہ کہ ہنگری میں اشتراکی حکومت قائم ہو گئی۔

رومانیہ:۔ جب روس اور ہنگری میں اشتراکی نظام برسر اقتدار آیا تو رومانیہ بھی متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔ جمہور کے مطالبہ پر وہاں بھی بڑے بڑے جاگیرداروں اور زمینداروں کی اراضیات کو غریب کاشتکاروں میں تقسیم کر دیا گیا۔ ۱۹۲۰ء میں ایک قانون نافذ ہوا جس کی رُو سے جو جاگیردار خود کاشت نہیں کرتے تھے اور غیر ممالک میں تفریحات کرتے پھرتے تھے ان کی اراضیات ضبط کر لی گئیں۔

مندرجہ بالا حالات اگرچہ نہایت مختصر ہیں تاہم ان سے یہ ضرور ظاہر ہو جاتا ہے کہ پہلی جنگ عظیم کے بعد یورپ کے طول و عرض میں رجحانات طاقتور ہوتے جاتے تھے یہی وہ حالات تھے جن کے ماتحت لینن و ٹروٹسکی عالم میں انقلاب ہونے کو یقینی خیال کرتے تھے۔ اگر انصاف سے دیکھا جائے تو وہ اپنے اس اندازے میں حق بجانب تھے لیکن چونکہ روس کے علاوہ دیگر ممالک میں اشتراکی جماعتیں پوری طرح منظم نہیں تھیں اس لئے مندرجہ بالا انقلابی حالات مدت تک قائم نہ رہ سکے کچھ عرصے بعد یورپ کے رجعتی عناصر نے انقلابی عناصر کو شکست دینی شروع کر دی۔ جو انقلابی موج آگے بڑھ رہی تھی وہ پیچھے ہٹنی شروع ہو گئی اور تمام عالم رجعتی رجحانات و تصورات سے متاثر ہونے لگا۔ روس بھی اس جہان کا ایک حصہ ہے وہاں بھی یہ عالمگیر رجعتی موج بڑھی۔ رجعتی رجحانات کے توانا ہونے کا مغربی یورپ پر تو یہ اثر ہوا کہ وہاں سرمایہ دارانہ، فسطائی و نازی عناصر غالب آگئے۔ لیکن روس اس انداز سے متاثر ہوا کہ وہاں ترقی پسند اشتراکی عناصر یعنی لینن اور

ٹروٹسکی اور ان کے ہمخیال شرکار کار کو شکست اور نسبتاً رجعتی اشتراکی اسٹالین اور اس کے حواریین یعنی روس کے موجودہ حکمران طبقہ کو فتح ہونی شروع ہو گئی۔ دنیا ایک وحدت ہے۔ بین الاقوامی حالات ہر ملک کی سیاست پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ یورپ میں اشتراکی رجحانات کو شکست ہوئی تو لینن اور ٹروٹسکی کی بھی شکست لازمی ہو گئی۔ اس طرح روس میں رجعتی عناصر برسر اقتدار آ گئے۔ اگر اشتراکی رجحانات یورپ میں فتحیاب ہو جاتے تو روس میں حکمران طبقہ رونما نہ ہوتا۔ یہ بین الاقوامی تصور تھا جس کی بنا پر لینن وغیرہ انقلاب روس کو انقلابِ عالم کا ایک جز خیال کرتے تھے اور اس کی حیات اور موت کا فیصلہ تمام عالم کے سیاسی رجحانات سے وابستہ کرتے تھے۔ اگر روس بروقت مدد دے کر یورپ میں اشتراکیت کو شکست نہ ہونے دیتا تو وسطی یورپ میں اشتراکی انقلاب ہو جانا یقینی تھا اور وسطی یورپ میں انقلاب عالم کے مترادف ہوتا۔

جو صورتِ حالات پہلی جنگ عظیم کے بعد رونما ہوئی تھی وہی دوسری جنگ عظیم کے بعد آج بھی رونما ہو رہی ہے۔ جرمنی۔ آسٹریا۔ ہنگری کے حصص پر روس کا قبضہ ہے۔ پولینڈ میں موسکو کی مجوزہ حکومت قائم ہے۔ یوگوسلاویکیا میں اشتراکی مارشل ٹیٹو برسر اقتدار ہے۔ اٹلی کی کابینہ میں کمیونسٹ وزیر ہیں۔ بلجیم میں اشتراکی بہت قوی ہیں۔ فرانس کی میونسپلیٹیوں کے انتخابات میں اشتراکی اور کمیونسٹ پارٹیوں کے ممبر بکثرت کامیاب ہو گئے ہیں۔ انگلستان میں لیبر پارٹی برسر اقتدار آ گئی ہے چین میں اشتراکی ایک سیاسی قوت بن گئے ہیں غرض کہ دنیا کے جس گوشہ پر بھی نظر پڑتی ہے وہاں انقلابی اثرات روبہ ترقی نظر آتے ہیں اگرچہ دنیا کی پرولتاری جماعت میں ہر قسم کی اہلیت موجود ہے اور اس کی انقلابی صلاحیتوں کی طرف سے کسی صورت میں بھی مایوس نہ ہونا چاہیئے تاہم یہ کہے بغیر نہیں رہا جا سکتا کہ روس کے حکمران طبقہ کی سیاست نے پرولتاری انقلاب کے بین الاقوامی اتحاد کے تخیل پر بہت کاری ضرب لگائی ہے اور اس امر کا خوف ہے کہ شاید اس مرتبہ بھی بین الاقوامی سرمایہ داری کے متحدہ حملوں کی منتشر پرولتاری جماعتیں تاب نہ لا سکیں اور تاریخ پھر اپنے آپ کو دہرائے۔

حکمران طبقہ کی نشوونما

انقلاب بالذات ترقی پیدا نہیں کرتا۔ اس کا صرف یہ کام ہوتا ہے کہ وہ ان اقتصادی سیاسی، معاشرتی، مذہبی، اخلاقی قیود کو توڑ دے جو معاشرہ کی زندگی پر بار بن گئی ہوں۔ بعد از انقلاب ترقی اسی حد تک ہوتی ہے جس کے امکانات انقلاب سے قبل معاشرہ میں پیدا ہو چکے ہوں۔ انقلاب روبہ ترقی رجحانات کو پیدا نہیں کرتا بلکہ پیدا شدہ روبہ ترقی رجحانات کے ارتقا کے لئے ایک وسیع فضا پیدا کر دیتا ہے۔ جب تک کہ معاشرہ کے تمام افراد ذہنی ارتقا کی بلند منزل پر پہونچ نہ جائیں انقلاب انگیز دور کے چند افراد کے پیکر تدبیر و تفکر ہونے سے آئندہ ترقی کے امکانات شگفتہ نہیں ہو جاتے۔ روسی جمہور فکر و عمل سے عاری ان چند نفوس کے دوش بدوش نہ چل سکے جو اشتراکی دنیا پیدا کرنا چاہتے تھے ان چند غیر معمولی دل و دماغ کے افراد نے جس نوعیت کی مزدور آمریت قائم کرنے کی کوشش کی اس کا ذکر گذشتہ ابواب میں آچکا ہے۔ سیاسی مرکز سے دور دراز تبادلے۔ غیر ممالک میں تعیناتی۔ پارٹی سے اخراج، زر و مال کی ضبطی۔ اولاد و شریک حیات سے جدائی۔ قید سائبیریا میں جلا وطنی۔ استیصال یہ سب طریقے کام میں لے کر اشتراکی نظام قائم کرنے کی سعی جاری تھی۔ لینن اپنی آنکھوں سے حکمران طبقہ کی نشوونما اور اس کے طریقہ کار کا نظارہ کر رہا تھا لیکن مصلحتاً خاموش تھا۔ کورنسٹد کے ملاحوں کی بغاوت اور رجعتی عناصر کی از سر نو سیاسی جد و جہد نے

اس کو جبر و قہر پر آمادہ کر دیا تھا۔ دیہات سے بولشیوک کے خلاف شورشوں وسازشوں کی خبریں آنے پر لینن نے کہا:۔

"ان سب کو قتل کر دو۔ اپیل سننے کی ضرورت نہیں۔ ان کو موت کا حکم سناؤ اور دار پر لٹکا دو۔"

لینن کی سخت گیری حکمران طبقہ کے لئے آبِ حیات ثابت ہو رہی تھی چونکہ تشدد کے ذریعہ سے وہ طبقہ تمام ملک میں اپنا اثر قائم کرنے میں کامیاب ہو رہا تھا۔ یہ حالات تھے کہ لینن پر فالج گرا اور وہ مدت کے لئے ملکی معاملات میں حصہ لینے کے ناقابل ہو گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں حکمران طبقہ اپنے مفاد کے تحفظ اور اس کے استحکام میں اور بھی سرگرم ہو گیا۔ لینن کی علالت کے دوران میں بہت سے نئے اعزازات ایجاد کر دئے گئے۔ شہروں شاہراہوں، ہسپتالوں، جہازوں، عمارتوں، کارخانوں کے نام اکابر بولشیوک کے نام پر رکھے گئے۔ زارسٹن نے اسٹالین گریڈ نام پایا۔ الیساؤٹ گریڈ۔ زینوویف کے نام پر زینووسک ہو گیا اور گاسشیا ٹروٹسکی کے نام پر ٹروٹسک کہلایا جانے لگا۔ غرض وہ تمام بدعتیں، جن کے تباہ کرنے پر انقلابیوں کو کسی زمانے میں ناز تھا عود کر آئیں۔ یہاں یہ امر قابلِ غور ہے کہ حکمران طبقہ کی یہ ہمت نہ ہوئی کہ لینن کو اس طریقہ پر خوش کرنے کی کوشش کرتا۔ قائدِ انقلاب کے نام پر کسی شہر کا نام نہیں رکھا گیا۔

لینن بسترِ علالت سے ازسرِ نو کرسیٔ صدارت پر آیا۔ اس کو ایک نئی دنیا نظر پڑی اور کیوں نہ پڑتی۔ لینن کی عدم موجودگی میں یہ رجحان قوی ہو گیا تھا کہ روس میں اشتراکی نظام قائم ہو گیا ہے لہٰذا مزید سیاسی جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ معمولی دل و دماغ کا انسان پانچ سال کی متواتر سیاسی جدوجہد سے اکتا ہی جاتا ہے اس لئے کوئی تعجب نہیں کہ لینن کی عدم موجودگی میں حکمران طبقہ نے اپنی زندگی کو خوشحال بنانے کی کوشش شروع کر دی تھی اور ان کو ایک اکابر بولشیوک اسٹالن قیادت کے لئے مل گیا تھا۔ ایک اکابر بولشیوک

جس کو آسانی سے رجعتی نہ کہا جا سکے وہ کسی تحریک کی سرکردگی شروع کردے اس شکل میں اس تحریک کی ترقی کو روکنا مشکل ہو جاتا ہے۔ علالت سے اٹھ کر لینن کو حکمران طبقہ کی وسعت اور غیر جمہوری رجحان کا علم ہونے پر اس نے پہلا خط جو سیاسی بیرو سے اسٹالین کو لکھا اس کا پہلا جملہ یہ تھا:

"ہم بدعنوانیوں کے سمندر میں زندگی بسر کر رہے ہیں"

اس زمانے کی سیاسی حالت پر تنقید کرتے ہوئے لینن نے مختلف موقعوں پر حسب ذیل خیالات کا اظہار کیا:-

"مجھے بحیثیت صدر ہر روز اشتراکیوں کے غرور و خود نمائی کے اتنے افسانے اور دروغ بافیاں سننی پڑتی ہیں کہ طبیعت پر بار ہونے لگتا ہے۔ اشتراکیوں میں تمدن کی کمی ہے۔ دراصل ...۷۰ہم حکام کمیونسٹ پارٹی کی زندگی کی تشکیل کر رہے ہیں نہ کہ کمیونسٹ پارٹی حکام کی زندگی پر اثر انداز ہو رہی ہے۔ یہ مانا کہ گذشتہ زمانہ میں روس کے متوسط طبقہ کی تمدنی حالت خراب تھی لیکن اس خرابی کے باوجود وہ ہمارے ذمہ دار کمیونسٹ سے ضرور بہتر تھی۔"

"ہم سے بہت سی غلطیاں سرزد ہوئیں اور شاید بہت سی سرزد ہونا ہنوز باقی ہیں چونکہ ہماری مشین کو چلانے والے اعلیٰ افسر (حکمران طبقہ) نااہل ہیں شاید اعلیٰ عہدوں پر دس ہزار افسر ہیں مجھے درست تعداد معلوم نہیں لیکن وہ سب پارٹی کے ممبر ہیں اور لاکھوں کی تعداد میں ادنیٰ افسر ہیں جو کسی زمانہ میں زار کی حکومت میں افسر ہوا کرتے تھے یہ سب اشتراکی نظام کو انفرادی مفاد کے لئے استعمال کر رہے ہیں۔"

"زار کے زمانہ کی سیاسی مشین ہنوز زندہ ہے ہمارا فوری کام یہ ہونا چاہئے

کہ اس کو تبدیل کریں"۔

لینن نے حسب عادت صرف تنقید ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ حکمران طبقہ کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ایک نئے ادارے کنٹرول کمیشن کی بنیاد ڈالی۔ اس ادارے میں صرف مزدور طبقے کے نمائندے منتخب ہو سکتے تھے جن کا یہ فرض قرار دیا گیا تھا کہ وہ حکومتی طبقے پر محتسبانہ نظر رکھیں اور حکومت کے عہدے داروں کا حکمران طبقہ نہ بننے دیں۔ لینن کا خیال تھا کہ مزدوروں کا خود مختار ادارہ سیاسی و انتظامی طاقت کو چند ہاتھوں میں سمٹ کر آجانے سے روکے گا۔

مزدوروں کا ایک علیحدہ ادارہ ضرور وجود میں آگیا لیکن روس کے عام جمہور کی تمام کمزوریاں اُن نمائندوں میں بھی تھیں جو کنٹرول کمیشن کے ممبر منتخب ہوئے تھے جہاں انسان کا منتہائے نظر انفرادی نفع ہو وہاں ضمیر کی خریداری صرف قیمت کا سوال رہ جاتی ہے حکمران طبقے نے جو ملک کی تمام اشیاء کا مالک تھا مراعات نیز ضروریات زندگی کی فراہمی۔ لالچ دلا کر بہت ہی قلیل عرصے میں کنٹرول کمیشن کے ممبروں کو اپنے زیر اثر کر لیا۔ جن افراد کا احتساب چند درم میں خریدا جا سکتا ہو وہ اگر احتساب کے لئے ہزار ادارے بھی جاری کر دیں تب بھی معاشرہ کے تخریبی رجحانات کو نہیں روک سکتے۔ کنٹرول کمیشن سے جو امیدیں وابستہ تھیں ان کی ناکامی اور اپنی جسمانی صحت کی خرابی نے لینن کو اس امر پر مجبور کر دیا کہ تُرش صاف گوئی سے کام لے۔ حالات کا رخ دیکھ کر لینن نے اکابر بولشیوک کی سیرت پر ایک نوٹ تحریر کیا جو بعد میں 'صحیفہ' کے نام سے مشہور ہوا۔ اس نوٹ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ لینن کو تخریبی رجحانات کا کامل علم ہو گیا تھا۔ لینن اس نوٹ میں تحریر کرتا ہے:۔

"اس وقت بنیادی مسئلہ پارٹی میں اتحاد قائم رکھنے کا ہے۔ اسٹالین اور ٹروٹسکی کی آپس کی کشمکش سے پارٹی میں انتشار پیدا ہونے کا خطرہ ہے یہ خطرہ اس طرح رفع ہو سکتا ہے کہ مرکزی کمیٹی کے ممبروں کی تعداد بڑھا کر ۵۰ یا ۱۰۰ کر دی جائے۔ پارٹی سکریٹری اسٹالین نے ضرورت سے زیادہ

اختیارات اپنے عہدے سے متعلق کر لئے ہیں اور مجھے خوف ہے کہ وہ ان اختیارات کو اکثر پوری احتیاط سے استعمال نہیں کرتا۔ ٹروٹسکی ذاتی طور پر مرکزی کمیٹی کی سب سے قابل ہستی ہے لیکن اس کو اپنے اوپر ضرورت سے زیادہ اعتماد ہے۔ وہ معاملات کے انتظامی و حکومتی پہلو پر زیادہ توجہ دیتا ہے۔ اسٹالین و ٹروٹسکی کی طبیعتوں کی افتاد اس درجہ مختلف ہے کہ غیر ارادی اور غیر محسوس طور پر دفعتاً پارٹی میں انتشار کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہے۔ اسٹالین میں لطافت کم ہے ہم آپس میں اسکے غیر لطیف ہونے کو برداشت کر سکتے ہیں۔ لیکن پارٹی کے جنرل سکرٹری کو ایسا نہیں چاہئے میں تجویز کرتا ہوں کہ پارٹی ممبروں کو اسٹالین کو سکرٹری کے عہدے سے برطرف کر دینا چاہئے اور اس عہدے پر ایسے ممبر کو ممتاز کرنا چاہئے جو زیادہ متحمل مزاج۔ زیادہ بردبار و وفادار ہو اور پارٹی کے عام ممبروں کے ساتھ حسنِ سلوک سے پیش آئے۔ میری یہ تدابیر اگرچہ بظاہر حقیر معلوم ہوتی ہیں لیکن ان پر عمل کرنے سے ٹروٹسکی اور اسٹالین میں تصادم کا خطرہ اور نتیجتاً پارٹی میں انتشار پیدا ہونے کے امکانات بہت کم ہو جائیں گے۔"

یہ صحیفہ صرف اکابر بولشیوک کے مطالعہ کے لئے مخصوص تھا جس میں ہمنشینوں پر بہت لطیف پیرائے میں تنقید کی گئی تھی اس میں جو نازک اشارے کئے گئے تھے ان کو محرم راز ہی بخوبی سمجھ سکتے اور یہ بتا سکتے تھے کہ خاص اشارہ کس شریک کار کی طرف ہے اور کیوں ہے۔ اسی زمانہ میں لینن کے لئے ایک اور تکلیف دہ واقعہ رونما ہو گیا جورجیہ میں اسٹالین نے اپنے دو نائبوں کے ذریعہ سے بہت ظلم کیا۔ ایک نائب نے جورجیہ کے ایک اکابر بولشیوک مڈآنی کے ساتھ اس درجہ غیر مہذب سلوک کیا کہ اس کو زدوکوب کیا

جب دوسرے نائب نے لینن کو اس اخلاق سوز واقعہ کی اطلاع دی اس پر لینن بہت برافروختہ ہوا۔ ۳۰ دسمبر کو اپنی خفیہ یادداشت میں لینن تحریر کرتا ہے :-

"اگر اوڈ جونکڈمی نے اتنی مخرب اخلاق حرکت کی کہ وہ دست درازی پر اُتر آیا جیسا کہ ڈیزرزنکسی نے مجھ سے ذکر کیا اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ ہم کس پستی میں جا گرے ہیں"

۳۱ دسمبر کو اسی معاملہ کی بابت خفیہ یادداشت میں تحریر کرتا ہے :-

اوڈ جونکڈی کو عبرت انگیز سزا ملنی چاہیئے ......

ڈیزرزنکسی نے جو غیر منصفانہ اور یک طرفہ احکامات جاری کر رکھے ہیں ان کو منسوخ کر دینا چاہیئے ......

جورجیہ کو روسی قومیت میں شامل کرنے کی شدید تحریک جاری ہے اس کی سیاسی ذمہ داری اسٹالین اور ڈیزرزنکسی پر ہے ......

حالات کو بھیانک بنانے میں اسٹالین کی جلد بازی اور انتظامی تشدد کو بہت دخل ہے اور مقامی حب الوطنی کے خلاف اس کا بغض بہت بڑھا ہوا ہے سیاسی معاملات میں بغض وعناد کی بنا پر عمل کرنا خرابی پیدا کرتا ہے ......

اس زمانہ میں لینن کو یہ احساس ہو گیا تھا کہ عنقریب ہی قدرت اس کو اپنے دامن میں جگہ دینے والی ہے اور انقلاب کو اس کی رہبری کے بغیر منزلِ مقصود کی طرف جانا ہوگا جس قدر مرض میں اضافہ ہوتا جاتا تھا لینن اسی قدر تیزی سے احکامات جاری کرتا جاتا تھا تاکہ اپنی فرصتِ حیات ہی میں تخریبی رجحانات کو روک دے اس مقصد کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک مضمون جس کا عنوان تھا "یادداشت کے چند ورق" لکھا جس میں روس کے لئے پہلا قدم یہ بتایا گیا تھا کہ وہ تمدن میں مغربی یورپ کے دوش بدوش آئے۔ اسی زمانہ میں

لینن نے 'انسپکشن' کے ادارے پر تنقید کی۔ اس ادارے کا اعلیٰ حاکم اسٹالین تھا۔ اگرچہ دوران تنقید میں بولشیوک روایات کے مطابق تخریبی حالات کی ذمہ دار شخصیت (اسٹالین) کا نام نہیں لیا گیا لیکن سیاسی نگاہ رکھنے والے تنقید کے ہدف کو پہچانتے تھے۔ تنقید کرتے ہوئے لینن نے تحریر کیا:-

"ہمیں صاف گوئی سے کام لینا چاہیے۔ انسپکشن کا اعزاز اس درجہ گر چکا ہے کہ اس کے جاری کردہ احکامات کو کوئی قابل عمل خیال نہیں کرتا۔ ہر شخص یہ جانتا ہے کہ انسپکشن سے زیادہ خراب حالت روس کے کسی دوسرے ادارے کی نہیں ہے۔ میں 'انسپکشن' کے افسرانِ اعلیٰ اور ان اصحاب سے جن کا تعلق اس ادارے سے ہے دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ وہ دل پر ہاتھ رکھ کر مجھے بتائیں کہ ایسا کمیشن ہمارے کس کام آسکتا ہے؟"

اس مضمون میں حکمران طبقہ پر اس درجہ سخت تنقید کی گئی تھی کہ اسٹالین کے اشارے پر سیاسی بیرو نے اس کے شائع ہونے کی مخالفت کی۔ اس مضمون میں بار بار سیاسی مشین کی خرابی کا ذکر تھا۔ حکمران طبقہ مشین کی بابت زہریلے اشاروں کو سمجھ گیا اور مدمقابل بن کر کھڑا ہو گیا۔ جب مضمون چھپنے میں دیر ہوئی لینن سمجھ گیا کہ حکمران طبقہ مانع ہو رہا ہے لینن نے مضمون شائع کرنے پر اصرار کیا۔ لینن کی شریکِ حیات نے ٹروٹسکی کو تار دیا۔ ٹروٹسکی نے مداخلت کی۔ حکمران طبقہ کی قوت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ کنٹرول کمیشن جو حکمران طبقہ پر احتساب کے لئے مقرر ہوا تھا اس کا صدر بھی اسی حکمران طبقہ کا ایک شخص کوبیشیاؤ مقرر ہو گیا تھا۔ ظاہر ہے کہ جس ادارے کا صدر حکمران طبقہ کا ہی ایک فرد ہو وہ ادارہ حکمران طبقہ کا احتساب نہیں کر سکتا تھا۔ جب لینن کے مضمون "کم بہتر لیکن بہتر" کے نشر کرنے پر رد و قدح بڑھی تو کوبیشیاؤ نے یہ رائے دی "پراودا" اخبار کی ایک علیحدہ کاپی شائع کر دی جائے جس میں لینن کا یہ تنقیدی مضمون ہو اور وہ کاپی

"بڈھے" کو دے دی جائے وہ یہ خیال کر کے کہ مضمون چھپ گیا خاموش ہو جائے گا باقی کاپیاں حسب دستور بلا اس مضمون کے شائع کر دی جائیں۔ لیکن لینن اور دیگر اکابر بولشیوک کے اصرار سے یہ مضمون ۴ مارچ کو مجبوراً شائع کرنا پڑا۔

لینن کی زندگی کے آخری دو سال حکمران طبقہ سے جدوجہد میں گزرے۔ اب حکمران طبقہ بیمار لینن سے ہر حالت میں زیادہ قوی تھا لینن کی موجودگی وعدم موجودگی اب اس طبقے کے لئے یکساں تھی۔ اسٹالین کا خیال تھا کہ لینن کی شریک حیات کرپسایا اس کو غلط اطلاعات دے کر حکمران طبقے کے خلاف برافروختہ کر رہی ہے۔ اس خیال کی بنا پر اسٹالین کرپسایا سے بیزار تھا اور تلخی سے پیش آتا تھا۔ کرپسایا کا بیان ہے کہ لینن نے اسٹالین کو جو آخری خط لکھوایا اس میں اسٹالین سے تعلقات کے ختم کر دینے کی اطلاع درج تھی۔ لیکن جیسا اوپر بیان کیا جا چکا ہے یہ محرموں کے راز تھے جن کے متعلق ذکر دار کار ہمنشینوں میں بھی کنایۃً ہوتے تھے اور اگر کوئی نامحرم حکمران طبقہ کی زندگی و اکابر بولشیوک کے آپس کے اختلافات کی طرف اشارہ بھی کرتا تب سیاسی ضرورت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس کی سنجیدگی سے تردید کر دی جاتی۔ حکمران طبقہ کے مخالف اکابر بولشیوک ممبروں کا ہنوز یہ خیال تھا کہ لینن صحتیاب ہو کر از سر نو رہبری کرے گا اور حالات رُو بہ اصلاح ہو جائیں گے۔

جب لینن پر بیماری کا دوسرا حملہ ہوا اسٹالین۔ زینوویف۔ کیمونیف نے قائد کی جگہ لینے اور حکومتی اداروں پر اثر قائم کرنے نیز ٹروٹسکی کا اثر زائل کرنے کی سعی شروع کر دی۔ شاید ان کو یہ یقین ہو گیا تھا کہ لینن اس حملہ سے جانبر نہ ہو سکے گا۔ ٹروٹسکی بھی اپنی ایک جماعت منظم کر سکتا تھا لیکن اس کو ہنوز لینن کے صحت یاب ہو جانے کا گمان تھا اس کا خیال تھا کہ تندرست ہو کر لینن خود حکمران طبقے اور بزرگان حرص وہوس کی سرکوبی کر دے گا اس لئے ٹروٹسکی اور دیگر اکابر بولشیوک خاموش رہے۔ یہ خاموشی مثلث،

(اسٹالین۔ زینوئیف۔ کمیونیف) کے لئے بہت مفید مطلب ثابت ہوئی۔ ان کو خفیہ تدابیر کرنے۔ اپنی علیحدہ پارٹی بنانے نیز اس کا اثر قائم کرنے کا سنہری موقع مل گیا۔ لینن کی تجویز کے مطابق مرکزی کمیٹی اور کنٹرول کمیشن کے ممبروں کی تعداد بڑھا کر ۴۰ اور ۵۰ کردی گئی تھی اور ہر اجلاس مشترکہ ہونے لگا تھا لیکن ۹۰ اشخاص کے اجلاس کا منعقد ہونا ہر وقت ممکن نہ تھا اس لئے یہ ایک رسم بن گئی کہ منتظمہ کمیٹی اور سیاسی بیرو جس میں سات ممبر اور چار ڈپٹی ممبر ہوتے تھے ضروری احکامات صادر کرتے رہتے اور مرکزی کمیٹی اور کنٹرول کمیشن کا صرف یہ کام رہ گیا تھا کہ اپنے اجلاسوں میں منتظمہ کمیٹی اور سیاسی بیرو کے جاری کردہ احکامات پر اپنی مہر ثبت کردیں۔ اس طرح تمام قوت منتظمہ کمیٹی اور سیاسی بیرو میں مرکوز ہوگئی۔ اب اسٹالین کے لئے صرف یہ سوال رہ گیا کہ ان مختلف اداروں کے ممبروں پر اپنا اثر قائم کرے۔ پارٹی کے جنرل سکرٹری اور G. P. U کے حاکم کے لئے ایسا کرنا مشکل نہ تھا۔ ٹروٹسکی پر تو براہ راست ضرب لگانے کی ہمت نہ ہوئی لیکن اسٹالین نے اپنے حریف کے ہمخیال اکابر ممبروں کو سیاسی ضرورت کے بہانے سے دوسرے ممالک میں سفیر بنا کر روانہ کردیا۔ جب ٹروٹسکی کے دوست ریکاسکی (یوکرین کے کمیسار کی کونسل کا صدر) کو اس بہانے سے کہ لندن میں ایک بارعب سفیر رکھنے کی ضرورت ہے لندن جلاوطن کیا گیا اس پر یوکرین کے صوبہ کی کمیونسٹ کمیٹیوں کے تمام سکرٹریوں نے احتجاج کیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تمام سکرٹریوں کا دور دراز تبادلہ کردیا گیا۔ حکمران طبقہ کے اس طریقہ کار نے بہت سے پارٹی ممبروں کو نالاں کردیا اور انھوں نے مخالف جماعتوں کی تشکیل شروع کردی لیکن یہ رجحان بھی حکمران طبقے پر اثر ڈالنے میں کامیاب نہ ہوا۔

جس حکمران طبقہ کا ملک کی تمام اشیاء پر قبضہ ہو۔ نیز G. P. U جیسے خفیہ اور کارآمد ادارے جن کے قبضۂ قدرت میں ہوں وہ ہزار طریقہ سے مخالف عناصر کو فنا کرسکتا ہے جو مخالفین سیاسی زندگی میں نمایاں تھے ان کو مختلف عہدے دے کر مغربی یورپ کو روانہ کردیا

جو غیر معروف کارکن تھے ان کو مشرق بعید، منگولیا اور سائبیریا کی ویرانی میں جگہ ملی جو عوام تھے ان کو کارخانوں سے نکال دیا گیا۔ روس میں چونکہ تمام اقتصادی زندگی پر حکومت کا قبضہ ہے اس لئے وہاں کسی کو حکومت کے کارخانہ سے نکال دینا اس کو بھوکا و پیاسا مار دینے کے مترادف ہوتا ہے۔ مخالفین کا استیصال کرنے کے یہ چند طریقے عام تھے لیڈر اور کارکن کے منتشر ہو جانے پر مخالف تحریکات خود بخود فنا ہونی شروع ہو گئیں

ان حالات میں ٹروٹسکی نے پھر خاموشی توڑ دی اور حکمران طبقہ پر تنقید کرنی شروع کی لیکن اس کی تحریر و تقریر کا انداز اس درجہ عالمانہ اور استعاروں میں ملبوس ہوتا تھا کہ ملک میں بہت کم لوگ اس کے اشاروں اور کنایوں کو سمجھتے تھے۔ ٹروٹسکی کی علمی تحریروں تقریروں کا جمہور پر کچھ اثر نہ ہوا البتہ حکمران طبقے نے نکتہ چینی سے برافروختہ ہو کر اپنے آپ کو زیادہ قوی بنانے کی سعی شروع کر دی۔ اس سلسلے میں سب سے پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ اسٹالین نے بحیثیت پارٹی کے جنرل سکرٹری ہونے کے اپنے حوارئین میں سے تمام صوبوں کے سکرٹری منتخب کر دیئے۔ صوبوں کے سکرٹریوں نے اپنے خوشہ چینیوں میں سے ضلعوں کی پارٹی کے سکرٹری مقرر کئے۔ ضلع کے پارٹی سکرٹری نے شہر و قصبہ کے، اور قصبہ کے سکرٹری نے گاؤں کے، اس طرح تمام روس پر حکمران طبقہ کے قائد اعظم اسٹالین کا جال بچھ گیا۔ اسی زمانہ میں حکمران طبقہ نے شراب کی خرید و فروخت از سر نو جائز قرار دے کر نیز اس پر ٹیکس لگا کر اپنے مالیہ کو ملک کی صنعتی و حرفتی ترقی سے بے نیاز کر لیا۔ شراب کو عام کرنے سے قبل حکمران طبقہ کی خوشحالی کا دار و مدار صنعت و حرفت کی ترقی پر تھا اس کی ابتری کا اثر چونکہ حکمران طبقے کی جیب پر بھی پڑتا تھا۔ اس لئے حکمران طبقے کا ایک حصہ خود حکومت کی اقتصادی تدابیر پر معترض ہوتا رہتا تھا۔ لیکن شراب کے ٹیکس نے حکمران طبقے کے قائدوں کی یہ مشکل بھی آسان کر دی۔ انقلاب کے بعد اگرچہ شراب کی خرید و فروخت قطعی طور پر ممنوع قرار دے دی گئی تھی اور اس قانون کی بدولت میں

ہر اشتراکی رطب اللسان تھا لیکن سیاسی ضرورت عجیب ہوتی ہے۔ حکمران طبقے نے شراب کی خرید وفروخت کو جائز قرار دے کر اور اس پر ٹیکس لگا کر کثیر رقم فراہم کر لی جس سے انھوں نے حکمران طبقے کی پرورش شروع کر دی۔ جب حکمران طبقے کی اس طرح شکم سیری ہو گئی اب ان کو کیا غرض تھی کہ حکومت کے اقتصادی طریقہ کار پر نکتہ چینی کرتے۔ پراویدا کے اڈیٹر نے جب اس جدید ٹیکس پر تنقیدی مضمون سپرد قلم کیا اس کو ادارت سے علیحدہ کر دیا گیا۔

حکمران طبقہ کا یہ طریقہ کار اس درجہ غیر جمہوری اور سیاسی تخریب پیدا کرنے والا تھا کہ ٹروٹسکی خاموش نہ رہ سکا اس نے ایک سال کی خاموشی کے بعد مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"پارٹی کے مستعد و تجربہ کار سیاسی طور پر بیدار ممبروں سے یہ عرض کرنا کہ وہ موجودہ سیاسی بیماری (حکمران طبقہ) سے بلا درد و کرب پیدا کئے نکلنے کی سعی کریں صرف اپنا حق ہی نہیں بلکہ اپنا فرض خیال کرتا ہوں۔"

اس کا جواب دیتے ہوئے سیاسی بیرو نے ٹروٹسکی کی خام کاریوں۔ غلط تدبیروں۔ لینن سے اختلاف کی ایک طویل فہرست اس کو روانہ کر دی اس کے جواب میں ٹروٹسکی نے اپنی بریت پیش کرتے ہوئے حکمران طبقہ کی قلعی کھولی۔ اس قسم کی مخالفت حقیقت سے ہٹ کر کس درجہ فروعی ہو جایا کرتی ہے اس کے اظہار کی ضرورت نہیں، یہاں یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ یہ ان اختلافات کی بنیاد تھی جو بعد میں جی۔ پی۔ او۔ کے انصاف سوز مقدموں کی شکل میں رونما ہوئے۔

اس زمانے میں ۴۶۔ اشتراکی مشاہیر نے مرکزی کمیٹی کو ایک خط لکھا جس میں ملکی تنظیم کے لئے نئی راہیں بتائی گئی تھیں۔ اس خط کا طرز خیال وہی تھا جو ٹروٹسکی کا تھا اس تحریر کا یہ اثر ہوا کہ مرکزی کمیٹی نے اپنے طریقہ کار بدلنے کا وعدہ کر لیا اور از سر نو ملک میں جمہوریت کے عود کر آنے کے امکانات پیدا ہو گئے۔ حکومت نے اقتصادی کمیشن کے

انعقاد۔ تنخواہوں میں مساوات اور حکمران طبقہ میں تخفیف کرنے کا بھی وعدہ کر لیا۔ روبہ ترقی عناصر کی بدقسمتی کہ اس زمانہ میں ٹروٹسکی بیمار ہو گیا اور اس کے شرکائے کار نے یہ غلطی کی کہ ایک اعلان کیا کہ اگر حزب اختلاف انتخابات میں کامیاب ہو گئی تو وہ حکومت کا نظام اور عہدہ داروں کو فوراً بدل دے گی۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ لاکھوں عہدے دار جن کا عیش و آرام حکمران طبقے کی عافیت پر منحصر تھا۔۲۶ مشاہیر کے خلاف فضا پیدا کرنے میں مشغول ہو گئے اور کیوں نہ ہوتے ان کے لئے حکمران طبقے کی تباہی ان کی ذاتی تباہی کے مترادف تھی۔ اپنے انفرادی مفاد کو خطرے میں دیکھ کر حکمران طبقے کی اکابر ہستیوں سے لے کر گاؤں کے حقیر سے حقیر عہدے دار تک حکمران طبقے کو برسر اقتدار رکھنے پر آمادہ ہو گیا۔ یہ حالات حکمران طبقہ کے قائدین کے لئے اتنے سازگار تھے کہ اب ان کو نظام کی تبدیلی کا خوف نہ رہا بلکہ اب وہ صرف مصلحتِ وقت کی بنا پر کبھی کبھی مخالفین و معترضین کے تعاون کے جویا اور ان کی قابلیت کا اعتراف کرتے رہتے جو حقیقی نہ تھا بلکہ مخالفین کو اخلاقی طور پر غیر مسلح کرنے کا ایک طریقہ تھا۔

حالات سے مجبور ہو کر ٹروٹسکی نے ایک اور مضمون "نیا لائحہ عمل" کے عنوان سے نشر کیا اس میں دیرینہ اکابر بولشیوک پر زیادہ صاف طور پر حملہ کیا گیا تھا اور نوجوانانِ ملک سے یہ درخواست کی گئی تھی کہ وہ حکمران طبقہ کا استیصال کر دیں اور خوشامدی اور انفرادی رجحانات کو بیخ و بن سے اکھاڑ ڈالیں تاکہ آئندہ کوئی شخص یا گروہ پارٹی کو جبر و قہر کے ذریعہ سے خاموش نہ کر سکے۔ اس مضمون کا طرز تحریر قدرے عام فہم تھا۔ اس کے نشر ہونے پر جمہور کو بھی اکابر بولشیوک میں اختلاف کا علم ہو گیا۔ چونکہ ٹروٹسکی نے جمہور سے صاف الفاظ میں حکمران طبقہ کو برطرف کرنے کی اپیل کی تھی۔ اس لئے حکمران طبقہ کے لئے بھی یہ ضروری ہو گیا کہ ہر ہتھیار سے ٹروٹسکی پر حملہ آور ہو جائے۔ سب سے پہلے اسٹالین نے ٹروٹسکی کے پارٹی میں نووارد ہونے پر روشنی ڈالی اور یہ طعن کیا کہ وہ دیرینہ بولشیوک

نہیں اور نہ دیرینہ بولشیوک کو اس کی امداد کی ضرورت ہے پارٹی کے جنرل سکرٹری کا بولشیوک
کی روایات کے خلاف ٹروٹسکی کا نام لے کر اس کی ذات پر حملہ صوبہ سے لگا کر دیہات تک
کے پارٹی سکرٹری کو یہ اشارہ تھا کہ ٹروٹسکی پر ہر طرف سے حملہ ہو۔ چنانچہ سب طرف
سے انواع و اقسام کی مخالفت ہونی شروع ہوگئی۔ بیمار ٹروٹسکی پہلا تیر چلا کر لاکھوں تیروں
کا ہدف بن گیا۔ اگر تندرستی بحال رہتی تب شاید وہ مخالفین کو قائل کرنے میں کامیاب
ہوجاتا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ یہی زمانہ بستر علالت پر گذرا اور مخالفین کو تنظیم کا کھلا
میدان مل گیا۔ اس زمانہ میں بھی باوجود اس امر کے کہ تمام حکمران طبقہ بیمار قائد کے خلاف زہر
اگل رہا تھا ٹروٹسکی کا اعزاز روس میں اس درجہ بڑھا ہوا تھا کہ تمام جمہور حکمران طبقہ کے طریقہ
تنقید و طعن پر معترض ہوتے اور انھوں نے مختلف طریقہ سے حکومت پر روشن کر دیا کہ
ٹروٹسکی پر جو الزامات لگائے جا رہے ہیں ان کو جمہور جھوٹ و افترا خیال کرتے ہیں چنانچہ
عوام کے سیاسی اضطراب کو دبانے کے لئے سیاسی بیرو کی طرف سے ۱۸ دسمبر کے
پراودا میں حسب ذیل بیان شائع ہوا:۔

"مرکزی کمیٹی نیز سیاسی بیرو اور اس کے دوسرے اداروں کا کام بلا کامریڈ
ٹروٹسکی کے تعاون کے نہیں ہوسکتا۔ یہ کہنا بالکل بہتان و افترا ہے کہ ان
اداروں کے ممبر کامریڈ ٹروٹسکی کی امداد سے بے نیاز ہوگئے ہیں.......
تمام اداروں میں کامریڈ ٹروٹسکی کا تعاون ضروری ہے سیاسی بیرو اس امر
کا یقین دلاتا ہے کہ آئندہ کامریڈ ٹروٹسکی کے تعاون حاصل کرنے کی ہر
امکانی کوشش کی جائے گی"

لیکن اس قسم کے بیانات عوام کو خاموش کرنے کا حربہ تھے نہ کہ ٹروٹسکی سے تعاون کی
کوشش۔ حکمران طبقہ کی طرف سے ظاہرا اس قسم کے اعلانات و تقریریں ہوتی رہتی تھیں لیکن
درپردہ پارٹی سکرٹریوں کے ذریعہ سے ٹروٹسکی کے اثر زائل کرنے کی تدابیر جاری تھیں۔

ٹروٹسکی اسی زمانہ میں زیادہ علیل ہو کر طبی مشورے کی بنا پر کوہ قاف چلا گیا۔ اس کی عدم موجودگی میں مخالف پارٹی نے یہ غلطی کی کہ جنوری ۱۹۲۴ء کو جو کانفرنس منعقد ہوئی اسمیں شرکت کی اس کانفرنس کے نمائندے حکمران طبقہ کے منتخب کردہ یا اس کے زیر اثر تھے چنانچہ انھوں نے حکمران طبقہ کی ہر تجویز کی تائید کی اور مخالف پارٹی کی ہر تجویز رد کر دی گئی۔ اس کانفرنس نے اب حکمران طبقہ کو زیادہ دلیر کر دیا چونکہ اب وہ یہ کہہ سکتے تھے کہ ملک کی اکثریت ان کے ساتھ ہے حالانکہ اس قسم کی اکثریت کے کچھ معنی نہیں ہوتے۔ ہر سرمایہ دار ملک اپنے طریقۂ کار کے لئے اس قسم کی اکثریت کے پردے میں اپنے طبقاتی مفاد کو پیش پیش رکھتا ہے اس کانفرنس میں زینوویف نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"کامریڈ ٹروٹسکی کے اقتدار اور ان کی غیر معمولی اہلیتوں کا سب کو اعتراف ہے ہمیں آپس میں اس سے زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں لیکن غلطی غلطی ہوتی ہے۔"

تنقید کا یہ طریقہ کہ مخالف کی تعریف کرنے کے بعد اس کی تکذیب کر دی جائے مؤثر ثابت ہوتا ہے اور سیاسی دنیا میں جب کسی سیاسی ہستی کا اثر زائل کرنا ہو تو یہی طریقہ تنقید اختیار کیا جاتا ہے۔ ابھی ٹروٹسکی کوہ قاف کے ریلوے پر اپہنچا نہ تھا کہ ٹفلس میں اس کو اسٹالین کا تار ملا۔ جس میں لینن کی وفات کی خبر درج تھی۔

لینن کی وفات

لینن مدارس کے ایک انسپکٹر کے گھر میں پیدا ہوا۔ بڑے بھائی کو شہنشاہ روس کے قتل کے جرم میں سولی پر چڑھتے دیکھا خود ۲۰ سال کی عمر سے نظر بندی و افلاس، مصائب و آلام کا شکار بنا رہا۔ عمر کا زیادہ حصہ جلا وطنی میں گزارا۔ انقلابی سعی میں کبھی کامیاب کبھی ناکامیاب۔ کبھی آزاد و کبھی مقید۔ کبھی دوستوں سے بیگانہ کبھی دشمنوں کا دوست۔ کبھی فتح و نصرت ہمکنار اور کبھی شکست و نامرادی سے ہم آغوش۔ کبھی گھاس کے تودوں میں سر چھپاتے اور کبھی پٹیر گریڈ کی شاہراہوں پر رونق محفل۔ کبھی دلوں کی آرزو اور کبھی ایک نحیف یہودی لڑکی کی گولی کا نشانہ۔ کبھی جنیوا کی غلیظ سرائے میں مکین اور کبھی کریملن میں صدر جمہوریہ روس۔ تاریخ کی ورق گردانی کرنے سے ایسی بہت سی ہستیاں نظر پڑیں گی جو گمنامی سے شہرت اور پستی سے رفعت تک پہنچیں لیکن ایسی ہستیاں بہت کم ہیں جنھوں نے دنیا کو ایک نیا طریقہ کار۔ ایک نیا تصور۔ ایک نیا فلسفہ اور زندگی کا ایک انوکھا تخیل دیا ہو۔ لینن دنیا کی ان معدودے چند ہستیوں میں سے تھا جنھوں نے نئی قدروں کو معاشرے کے ہر گوشہ میں جاری و ساری کرنا چاہا اور اسی سعی و کوشش میں اپنی زندگی صرف کی۔

وفات سے چند روز قبل لینن نے اپنے آپ کو اس درجہ زندہ محسوس کیا کہ (ثلج) برف پر چلنے والی گاڑی منگوا کر برفانی فضا کے نظارہ کو نکلا۔ شکار کی خاطر ایک بندوق بھی ساتھ رکھ لی۔ کمرے میں چلا پھرا۔ پہرے کے سپاہی سے گفتگو کی۔ یہ زندگی کی چند مسرتیں باقی تھیں اور بس۔

ان مسرتوں سے مسرور ہو جانے کے بعد ۲۱ جنوری ۱۹۲۴ء کو ۵۴ سال کی عمر میں داعی اجل کو لبیک کہہ دیا۔ ایک طوفان خیز زندگی گورکی کے ایک خاموش کمرے میں سکون پا گئی۔ جس انسان کی روح کو دنیا کے چار سو زنجیر بنے ہوئے تھے وہ لامحدود فضا میں گم ہو گیا۔ چند آب دیدہ ہمنشین اس خاموش پیکرِ انقلاب کے ارد گرد کھڑے ہوئے تھے اور دنیا اس دُرِ نایاب کے خفتہ ہو جانے سے بے خبر تھی۔ ماسکو کی سڑکوں پر قرائن سے جمہور یہ گمان کر رہے تھے کرسیمائی ہستی کو آج قرار آ گیا لیکن جو اس کا ذکر تیقن سے کرتا تھا وہ گرفتار کر لیا جاتا تھا۔ غیر ممالک کے اخباری نمائندے اس خبر کی تصدیق کے لئے بے تابانہ کریملن کی عمارت کے ارد گرد طواف کرتے نظر آتے تھے۔ لیکن کوئی اس گمان کی تصدیق نہیں کر سکتا تھا۔ اکابر بولشیوک دلوں میں افسردگی لیکن لبوں پر مہرِ خاموشی لئے کریملن کی عمارت میں آتے جاتے دکھائی دیتے تھے لیکن کوئی اس بازاری افواہ کی تصدیق نہیں کرتا تھا۔ وفات کے ۴۸ گھنٹے کے بعد دنیا کو یہ علم ہوا کہ آنے والے تاریخی دور کا قائد اعظم اس دنیائے فانی سے رخصت ہو گیا۔

لینن نے انقلاب انگیز ہستیوں کے انجام کا ذکر کرتے ہوئے اپنے کسی مضمون میں کہا تھا:۔

"انقلاب انگیز ہستیوں کی وفات کے بعد ان کو اوتار میں تبدیل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے ان کے سر پر الوہیت کا تاج رکھ دیا جاتا ہے اور ان کی ذات اور ان کے نام معاشرہ کے مقہور طبقات کو ان کی خراب حالت میں مستقل طور پر رکھنے کا آلہ کار بنا لئے جاتے ہیں نہ صرف یہ بلکہ انقلاب انگیز مصلحین کی اصل انقلابی تعلیم کو مفلوج اس کی نوکِ خار کی سی چبھن کو فنا کر دیا جاتا ہے اور اس کے اصولوں کو خاک میں ملا دیا جاتا ہے۔"

لینن کی وفات کے بعد اس کی ذات اور انقلابی اصولوں کے ساتھ وہی ہوا جس کی وہ پیشین گوئی کر گیا تھا۔ قائد کی وفات کے سلسلہ میں سیاسی بیرو نے جو پہلا کام کیا وہ یہ تھا کہ تمام ملک کو ماتم کرنے کی ہدایت کی۔ ماسکو میں یہ حکم جاری کر دیا گیا کہ ماتمی علم بلند کئے جائیں

اور اگر کوئی ایسا نہ کرے اس پر جرمانہ عائد کیا جائے۔ تمام اخبارات نے لینن کے متعلق مافوق البشریت باتیں کہنی شروع کردیں حکومت نے اس کی تجہیز و تکفین کے سلسلہ میں رسومات کی ایک دنیا پیدا کردی۔ مومیائی لگا کر اس کی میت کو فرعون کی طرح رکھا گیا اور تمام ملک کو ہدایت کی گئی کہ اس کی زیارت کے لئے آئیں اور سعادتِ انقلاب حاصل کریں۔ بستر پر شاداب گلوں کے انبار کی نکہت۔ کافوری شمعوں کی نرم و خنک روشنی۔ چارسو خوش رنگ لہراتے ہوئے علم۔ معتقد عوام کا نہ ختم ہونے والا طواف اور لینن کے بے نقاب و بے روح جسم کی زیارت۔ یہ منظر جمہور کے معتقدانہ توہمات کو جلا دینے کے لئے کافی تھا۔ دل و دماغ میں توہمات کی بیداری عقل کی موت ہوتی ہے۔ چنانچہ لینن کی حقیقی مارکسی تعلیم پس پشت ڈال دی گئی اور روس میں ایک نیا سیاسی مذہب "لیننیت" کے نام سے جاری ہو گیا۔ جس نے لینن کو خدا اور اسٹالن کو اس کا رسول قرار دے دیا۔

لینن کی قدآدم تصاویر۔ اس کے مجسّمے اس کی تصویر کے میڈل اور بورڈ لاکھوں کی تعداد میں ملک میں تقسیم ہوئے اور روس کے بعید سے بعید گوشے میں کوئی درودیوار ایسا باقی نہ رہا جس پر لینن کی تصاویر آویزاں نہ کردی گئی ہوں۔ سگریٹ کیس۔ راکھ دان اور زیبائش کی تمام اشیاء کو قائد کی شباہت سے مزیّن کیا جانے لگا۔ جس کرسی پر لینن بیٹھا کرتا تھا جس پلنگ پر سویا کرتا تھا جس مکان میں رہا کرتا تھا حکومت ان کی تصاویر عام طور پر فروخت کر رہی تھی شہروں۔ شاہراہوں۔ درسگاہوں۔ اداروں۔ تفریح گاہوں۔ باغات کے نام لینن کے نام پر رکھے جارہے تھے ان حالات کو آخری زیبائش اسٹالن کی تقریر نے بخشی جس میں لینن کو مثل خدا کے "تو" سے یاد کیا گیا تھا جنازہ پر تقریر کرتے ہوئے اسٹالن نے کہا۔

(۱) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے ہم کو یہ حکم دیا تھا کہ کوئی ایسا مخرب اخلاق عمل نہ کریں کہ پارٹی ممبر کے نام کو بٹہ لگے اے کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تیرے حکم کا احترام کریں گے۔

(۲) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے ہم کو حکم دیا تھا کہ ہم آنکھ کی پتلی کی مثل پارٹی کے اتحاد کی حفاظت کریں اے کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تیرے حکم کا احترام کریں گے۔

(۳) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے پرولتاری آمریت کو قائم رکھنے نیز اس کو قوی بنانے کا حکم دیا تھا۔ کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم تیرے اس حکم کو پورا کرنے کی ہر امکانی کوشش کریں گے۔

(۴) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے مزدور اور کسان کا اتحاد قائم رکھنے کیلئے حکم دیا۔ اے کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ ہم اس حکم کی تعمیل کریں گے۔

(۵) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے سوویٹ حکومت کو وسیع کرنے اور قوی بنانے کا حکم دیا تھا اے کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ تیرے اس حکم کی تعمیل کریں گے۔

(۶) دائمی جدائی کے وقت کومریڈ لینن تو نے کمیونسٹ انٹرنیشنل سے وفادار رہنے کا حکم دیا تھا کومریڈ لینن ہم تیرے نام کی قسم کھاتے ہیں کہ اپنی زندگیاں دنیا کے تمام مزدوروں کی انجمن کمیونسٹ انٹرنیشنل کا اثر بڑھانے اور اس کو قوی بنانے میں صرف کریں گے۔

ایک غیر متمدن و غیر تعلیم یافتہ ملک میں غیر معمولی شخصیت اگر زندگی میں نہیں تو وفات کے بعد اوتار ضرور مان لی جاتی ہے۔ دوران زندگی میں اس کو اوتار بنانا اس لئے دشوار ہوتا ہے چونکہ اس قسم کے تخیل کی وہ ہستی خود تردید کرتی رہتی ہے لیکن موت کے بعد اس تردید کو کسر نفسی کی طرف محمول کر کے اس کو خدا کا رتبہ دے دیا جاتا ہے۔ غیر متمدن روس میں لینن کا خدا۔ اس کے کلام کا کلام الٰہی اور اسکے احباب کا پیغمبر بن جانا ناگزیر تھا۔ جب روس کے جدید پیغمبروں نے لینن کی قبر پر مختلف قسم کی رسومات کے مظاہرے سے جمہور میں اپنا وقار قائم کرنا چاہا اس پر لینن کی شریک حیات سے نہ رہا گیا اس نے ان رسومات پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"تم اپنے رنج کا اظہار لینن کی شخصیت کی ظاہرا عزت سے نہ کرو اسکی قبر پر مقبرہ یا اسکے

نام پر محلات تعمیر نہ کرو۔ اسکی یاد میں پُر شوکت رسومات جاری نہ کرو..... اپنی زندگی میں لینن نے کبھی ظاہر کو اہمیت نہیں دی۔ مجازی مظاہرے اسکو ہمیشہ برگشتہ خاطر کر دیتے تھے۔ اسوقت یہ یاد کرو کہ ملک میں افلاس اور بدنظمی کسقدر عمیق ہے اگر تم حقیقتاً لینن کے نام کا احترام کرنا چاہتے ہو تو تمہیں بچوں کیلئے تفریح گاہیں۔ مدرسے۔ کتب خانے شفاخانے سرائیں اور اسی قسم کے مفید ادارے قائم کرنے چاہئیں اور سب سے اہم امر یہ ہے کہ اپنی عملی زندگی کو اس کی تعلیم کا ترجمان بنانا چاہیئے"

لیکن حق کی یہ نحیف آواز حکمران طبقہ کے شور و شغب میں گم ہو گئی۔ سوویٹ کانگرس نے فوراً لینن کے چھ مجسمے نصب کرنے کی منظوری دیدی۔ مشہور بولشیوک ریزآلوف جو موسکو کے سُرخ چوک کو قبرستان میں تبدیل کرنے پر معترض تھا اور چند اکابر بولشیوک جو نغمہ و سرود کے ساتھ قبر پر پرستارانہ قسم کی رسومات جاری کرنیکے خلاف تھے ان کی آواز حکمران طبقہ کے کانوں تک نہ پہنچی اور اگر پہنچی بھی اسکی طرف التفات نہ ہوا جو شخص اپنی زندگی میں اپنے ہر غلط اقدام پر خود تنقید کرتا رہا اور برملا کہتا رہا "مجھ سے غلطیاں ہوئیں اور ہوتی رہیں گی"۔ اسکی موت کے بعد اس پر تنقید کرنا ایک سنگین جرم قرار دیدیا گیا۔ دراصل اس طریقہ کار سے حکمران طبقہ نے اپنے آپ کو تنقید سے بچا لیا۔ پہلے یہ کہا کہ لینن معصوم من الخطا تھا اس کے بعد یہ کہا کہ لیننیت لینن کا کلام ہے اس لیئے اس میں غلطی کا امکان نہیں ہو سکتا اس کے بعد یہ کہا حکمران طبقہ چونکہ لیننیت کا پیرو ہے اسلیئے اس کا ہر عمل ماوراء التنقید اور سراپا حسن و خوبی ہے حکمران طبقہ کے سرتاج اسٹالین نے اپنے مدرسانہ انداز میں ایک مختصر سا رسالہ "لیننیت کے بنیادی اصول" تحریر کیا۔ اس میں لینن کی تعلیم کو اس طرح پیش کیا تھا کہ حکمران طبقہ کا ہر تخریبی اقدام مرحوم قائد کی اصل تعلیم کے مطابق معلوم ہو۔ پارٹی کے جنرل سکرٹری نے اس کا مطالعہ ہر پارٹی ممبر پر فرض قرار دے دیا اسی زمانہ میں بیس لاکھ جمہور جو سیاسی طور پر ناخواندہ اور تمدنی طور پر انفرادیت پسند تھے پارٹی کے ممبر بنائے گئے اور ان کی سیاسی تعلیم کے لیئے یہ مختصر رسالہ قرار پایا۔ اس رسالہ میں حکمران طبقہ کے جدید مذہب کے اصول درج تھے۔ اس مذہب کا نام سیاسی مصالح کی بنا پر اسٹالینیت کی بجائے لیننیت

قرار دے دیا گیا تھا۔

انقلاب روس کو صرف ۲۶ سال گزرے ہیں تاریخی لحاظ سے ہم اس انقلاب سے اتنے قریب ہیں کہ حقائق ہنوز سیاسی تاریکی میں گم ہیں گذشتہ حالات کا موجودہ روس کی داخلی سیاست سے ہنوز اس درجہ گہرا تعلق باقی ہے کہ سیاسی مصلحت کو مدنظر رکھتے ہوئے محرم راز لوگوں کا انقلابی تاریخ کے خفیہ حالات پر سے نقاب اُٹھانا موجودہ حکمران طبقہ کے رجحانات پر ضرب لگانا ہوگا۔ شاید اسٹالین کی موت کے کچھ عرصے بعد ۱۹۱۴ئہ کی جنگ کے بعد کے حالات میں صرف تاریخی لحاظ سے دلچسپی رہ جائے اس شکل میں شاید روس کے ۱۹۱۷ء سے لے کر ۱۹۲۴ء تک کے واقعات زیادہ صفائی سے بیان کیے جانے لگیں۔ یہ ناممکن معلوم ہوتا ہے کہ اکابر بولشیوک نے جن میں سے ہر ایک غیر معمولی دل و دماغ کا انسان تھا متعدد تصانیف نہ چھوڑی ہوں لیکن جن مصالح کی بنا پر جیفے کی سوانح کی طباعت کو حکمران طبقہ نے روکا یہاں تک کہ اس نے خودکشی کر لی۔ بہت ممکن ہے اسی محدود زاویۂ نگاہ کی بنا پر دوسرے اکابر بولشیوکوں کی تصانیف شائع نہ ہونے دی گئی ہوں یہاں تک کہ وہ فنا کر دیئے گئے۔

اس دنیا کی یہ رسم کہن ہے کہ اس میں تخریبی و تنظیمی رجحانات کے تصادم سے ترقی پیدا ہوتی ہے۔ انسانی ترقی میں باطل کا بھی نمایاں حصہ ہے جب بنی نوع انسان کے ارتقا کا یہی طریقہ کا ٹھیرا تب کیونکر ممکن تھا کہ دنیا اشتراکیت کی منزل سے گزرتی اور باطل حکمران طبقہ کی شکل میں نمودار ہو کر اس کی ترقی کو نہ روکتا۔ جس طرح دشمن کا حملہ مدافعت کرنے والے میں غلبہ پانے کا جوش پیدا کرتا ہے اسی طرح باطل کا حملہ حق میں غلبہ پانے کا جوش پیدا کرتا ہے۔ جس شدت سے باطل حملہ آور ہوگا اسی شدت سے حق اس پر غلبہ پانے کی کوشش کرے گا۔ یہ مکافات کا قانون ہے جس نے حکمران طبقہ پیدا کیا اور وہ دن دور نہیں کہ نئی قدریں جو مارکسیت کی بنیادی حقیقتیں ہیں وہ از سر نو روسی معاشرے میں جاری و ساری ہو جائیں گی۔

روس انقلاب کے بعد

سیاسی کشمکش، اقتصادی حالات، جنگ کی داستان

اور

اشتراکی انقلاب کا مستقبل

(۱۹۲۵ء سے زمانۂ حاضرہ تک)

گذارش

زیرِ نظر حصّہ کو " انقلابِ روس " کا دوسرا حصہ سمجھنا چاہیئے۔ پہلے حصہ میں روسی انقلاب کے واقعات غیر جانبدارانہ زاویۂ نگاہ کے ماتحت قلمبند کیے گئے ہیں۔ روس میں انقلاب کو بروئے کار لانے کا زمانہ لینن کی حیات تک رہتا ہے اس لئے "انقلابِ روس" لینن کی وفات پر ختم ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد روس میں ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جسے انقلاب کے ردِ عمل سے تعبیر کرنا کسی طرح بے جا نہ ہوگا۔ یہ دورِ اقتدار اور لیڈر شپ حاصل کرنے کے لئے اسٹالن کی تگ و دو سے شروع ہوتا ہے اور آج تک جاری ہے۔ اس کتاب میں روس کے اُن سیاسی اور اقتصادی حالات سے بحث کی گئی ہے جو اسٹالن اور لینن کے دوسرے شرکاء کار کے درمیان سیاسی رسہ کشی اور بعد میں اسٹالن کے کامل اقتدار کے نتیجہ کے طور پر رونما ہوئے ہیں۔ واقعات کا یہ سلسلہ روس اور جرمنی کی جنگ تک پہونچ جاتا ہے۔ مذکورہ بالا واقعات کی ترتیب میں

اس بات کا التزام رکھا گیا ہے کہ اس کتاب کے مباحث پہلے حصّہ سے علیحدہ کر کے بھی آسانی کے ساتھ سمجھ میں آسکیں۔ اگرچہ روس کے اشتراکی دور سے حقیقت آشنا ہونے کے لئے بہتر یہی ہے کہ ان ہر دو کتابوں کا سلسلہ وار مطالعہ کیا جائے لیکن اگر بعض حضرات کی نظر سے پہلا حصہ نہ بھی گذرا ہو تو ان کے لئے اس دوسرے حصّہ کا آزادانہ مطالعہ بھی فائدے اور دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔ امید ہے اس کتاب سے اہل ذوق کی معلومات میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا۔ اور اردو زبان میں روس کے متعلق اتنی تفصیلی معلومات پیش کرنے کی یہ سعی اپنے مقصد میں کامیاب ثابت ہوگی۔

جوہر

لینن کے بعد

ٹراٹسکی اور اسٹالن میں اختلاف

روس کے قائد اعظم لینن کی وفات کے بعد اس کی جانشینی کا مسئلہ عذابِ الٰہی کی طرح تمام سوویٹ روس پر چھا گیا۔ اہم واقعات ہونے سے قبل ہی اپنا سایہ ڈالنا شروع کر دیتے ہیں لیکن انھیں دُور بین نگاہیں ہی دیکھ سکتی ہیں۔ جمہور اس سے آخر دم تک بے خبر ہی رہتے ہیں۔ لینن کے دورانِ علالت میں اس کی جانشینی کا مسئلہ اکابر بولشیوک میں علانیہ طور پر کبھی معرض بحث میں نہیں آیا۔ البتہ ان میں جو گروہ بندی شروع ہو گئی تھی وہ ان کے دلوں کی تمناؤں کی برابر غمازی کرتی تھی۔ لینن دو سال تک فالج کے اثر سے صاحبِ فراش رہا۔ مکمل دو سال امید و بیم میں گذرے۔ لینن کی موت کے امکانات ابھی زیادہ نہ تھے۔ لیکن ہوس آگیں طبیعتوں نے اس کی حیات ہی میں مفید تعلقات اور حکومت کے عمال و حکام میں ضروری تغیر و تبدّل کرنا شروع کر دیا۔ ابوالہوسوں کی اپنے مستقبل کو روشن کرنے کے لئے یہ ایک تمہید تھی۔ لینن کی علالت کے دوران ہی میں اسٹالین۔ زینولیف۔ کیمونیف نے اتحاد ثلاثہ قائم کر کے قائد کے سیاسی اعزاز کی وراثت کے لئے سعی شروع کر دی۔ اس مقصد کو حاصل کرنے کے لئے قدرتی

طور پر پہلا قدم یہی ہو سکتا تھا کہ اس شخصیت کے سیاسی اعزاز۔ علمی احترام اور علمی کارناموں کو خاک میں ملایا جائے جو اس زمانے میں اپنی اہلیتوں کی بنا پر تمام اشتراکی دنیا میں قائد کا جانشین تصور کیا جا رہا تھا۔ ٹراٹسکی کی حیثیت بولشیوک پارٹی میں اگرچہ ایک نو وارد کی تھی لیکن قدرت نے اس میں وہ تمام خصوصیات اور اہلیتیں ودیعت فرمائی تھیں جو قیادت کے لئے ضروری ہوتی ہیں۔ تمام روس کو یہ گمان تھا کہ لینن کی وفات کے بعد ٹراٹسکی ہی اس کی جگہ لے گا۔ لیکن سیاسی نظر رکھنے والے جمہور کے اس یقین کو زیادہ اہمیت نہیں دیتے تھے۔ ان کو یہ علم تھا کہ روس کے طول و عرض میں شہری و دیہی سوویٹ کے سکرٹریوں کا ایک جال بچھ گیا ہے۔ یہ عہدے دار انفرادی نفع کے دلدادہ ہیں اور انقلاب سے اُکتا گئے ہیں۔ وہ کسی ایسے انسان کے سر پر قیادت کا تاج رکھنا نہیں چاہتے جس کا مطمح نظر انقلاب عالم ہو اور جو ان کی امن و امان کی زندگی کے لئے خطرہ بن جائے۔ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد جب ایک مدت تک عالمگیر انقلاب رونما نہ ہوا تو بہت سے بولشیوک مدبرین یہ سمجھنے لگے تھے کہ عالمگیر انقلاب کے امکانات قطعی طور پر ختم ہو گئے ہیں اور اب انھیں صرف روسی انقلاب ہی پر اکتفا کرنا چاہئے۔ ان کو یہ علم نہ تھا کہ روس کا اشتراکی انقلاب دنیا کی انقلابی رَو کا مرہونِ منّت ہے۔ اور اگر یہ رَو دب دَبا کر صرف ایک لہر رہ گئی تو روس کے اشتراکی انقلاب کا قیام بھی غیر ممکن ہو جائے گا۔ متعدد بولشیوک مستحکم جمہوری حکومت اور اشتراکی انقلاب میں کچھ فرق نہ سمجھتے تھے۔ ان کے نزدیک زار روس کا تباہ ہو جانا اشتراکی انقلاب کے مترادف تھا۔ بہت سے بولشیوک مدبر اشتراکی حکومت کی بابت یہی تصور رکھتے تھے کہ وہ ایک طاقتور حکومت ہونی چاہئے جس کا حاکم بولشیوک پارٹی کا ایک ممبر ہو۔ اس کے سیاسی و اقتصادی تصورات خام ہوں کہ پختہ اس امر سے ان کو سروکار نہ تھا۔ اسٹالن کا زاویۂ نگاہ شہر و دیہات کے سوویٹ سکرٹریوں کے مندرجہ بالا خیالات کی پوری طرح تائید کرتا تھا اس لئے اس کا برسرِ اقتدار آنا قدرتی

امر تھا۔ اسٹالن نے قائد کی جانشینی کے لئے جو سیاسی رسا کشی ہونے والی تھی اس میں اپنا پلّہ بھاری رکھنے کے لئے ایک ترکیب یہ چلی کہ لینن کی موت کے فوراً ہی بعد لینن لبوی کے نام سے پارٹی میں .... ۲۴۰ ممبروں کا اضافہ کر لیا۔ یہ وہی لوگ تھے جو اب تک انقلاب کو الگ تھلگ رہ کر دیکھ رہے تھے جس انقلابی جماعت میں دو لاکھ چالیس ہزار انفرادیت پسند ممبر شامل ہو جائیں اس میں انقلاب کے لئے سرفروشی کا جذبہ پرورش نہیں پا سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ پارٹی میں لازمی طور پر ہنگامی مفاد اور ابن الوقتی کا ماحول پیدا ہو گیا۔ کچھ عرصے بعد یہ ماحول ان افراد کو بھی متاثر کرنے لگا جو بین الاقوامی اشتمالی تصور رکھتے تھے۔

لینن کی وفات کے کچھ عرصے بعد اکابرِ ثلاثہ (اسٹالین۔ زینویف۔ کیمونیف) کے اشارے پر کریملن کی عمارت سے لے کر گاؤں کے سوویٹ کے سکریٹری کی تاریک کوٹھری تک ٹراٹسکی پر تنقیدی تقاریر سے گونج اٹھی۔ جس طرح خانگی زندگی کے آداب مقرر ہیں اور انھیں معاشرتی زندگی میں غیر نوشتہ قانون کی اہمیت حاصل ہے اسی طرح سیاسی زندگی کے آداب بھی متعین ہیں۔ ان غیر نوشتہ قوانین میں سب سے اہم آئین یہ ہے کہ چھوٹے افسروں کو افسران بالا دست کے حکم کی ضرورت نہیں بلکہ انھیں اپنی ذہانت سے کام لے کر ایسا طریقہ کار اختیار کرنا چاہیئے جس سے ان کے خداوندانِ نعمت کا مقصد پورا ہو جائے۔ حکامِ اعلیٰ صرف پالیسی تجویز کرتے ہیں۔ اس پالیسی کو کامیاب بنانے کے لئے مختلف طریقہ کار اختیار کرنا افسران زیردست کا کام ہوتا ہے۔ چنانچہ اکابرین کے ابرو کے اشارے کو پہچان کر روس کے تمام افسروں نے ٹراٹسکی کی تصاویر جو اب تک دفاتر، اسکولوں، کتب خانوں کی دیواروں پر آویزاں تھیں اتارنا شروع کر دیں اور اس کا نام مقامی اعزازی فہرستوں سے خارج کرنا شروع کر دیا۔ لیکن باوجود اس تمام سعی کے جب ٹراٹسکی صحت یاب ہو کر کوہ قاف سے واپس ہوا تو پارٹی کے عام ممبروں اور جمہور نے

حسبِ دستور نہایت جوش وخروش اور انتہائی خلوص کے ساتھ اس کا خیر مقدم کیا۔ ٹراٹسکی کی ذات سے جمہور کا لگاؤ اور عقیدت مندی دیکھ کر اکابرِ ثلاثہ نے اپنی کوششوں میں کئی گنا اضافہ کر دیا اور رائے عامہ کو اس کے خلاف ابھارنے میں ہمہ تن مشغول ہو گئے اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ چند دور از کار اور مبہم تصورات کو ٹراٹسکی ازم کا نام دیا گیا اور ان کی تردید میں ایک جریدہ بولشیوک کے نام سے جاری کر دیا۔

حکمران طبقہ جس کے دستِ قدرت میں پروپیگنڈے کے تمام ذرائع ہوں وہ کسی فرد کی سیاسی حیثیت اور شخصی وقار کو خاک میں ملانے کے لئے کیا کچھ نہیں کر سکتا لیکن مخالفوں کی تمام کوششوں کے باوجود جب تیرھویں[۱۳] کانگریس کے اجلاس میں ٹراٹسکی تقریر کرنے اٹھا تو حاضرین نے اس کی تقریر کشادہ دلی سے سُنی۔ ٹراٹسکی کے مخالفین جو کچھ کل تک کہتے رہے تھے ٹراٹسکی دورانِ تقریر میں ان کے الفاظ دہراتا جاتا تھا اور خود ان تخیلات کی تائید کرتا جاتا تھا۔ اس طرح حکمران طبقے پر یہ طعن کرنا مقصود تھا کہ جو کچھ کل تک تم کہتے رہے ہو اس کا آج میرے لئے دہرانا کیوں گناہ خیال کیا جا رہا ہے۔ ٹراٹسکی نے پہلے بخارن کی تقریر سے حسبِ ذیل اقتباس پیش کیا:-

"انتخابات اکثر مصنوعی ہوتے ہیں۔ متعدد اُمیدواروں کی اہلیتوں اور کمزوریوں پر بحث و مباحثہ کئے بغیر پارٹی سکرٹری جلسے میں کسی خاص امیدوار کا نام پیش کرتا ہے۔ اور تجویز سے اختلاف رکھنے والوں کو ہاتھ بلند کرنے کی ہدایت کرتا ہے۔ چونکہ امیدوار کا نام حکومت کی طرف سے پیش ہوتا ہے اس لئے کسی امیدوار کی علانیہ مخالفت کرنا حکومت کے تیروں کا ہدف بننے کے مترادف ہوتا ہے۔ حکومت کے ڈر سے کسی اُمیدوار کی مخالفت کرنے کی جرأت نہیں ہوتی۔ دراصل ملک میں جمہوری انتخابات نہیں ہوتے بلکہ حکومت نمائندوں کو نامزد کرتی ہے۔"

بخارن کی یہ تنقید اس امر کا اعتراف تھا کہ کسی ملک میں جمہوری طریقہ کار اس وقت بہتر نتائج پیش کر سکتا ہے جب کہ عوام تہذیب و تمدن۔ فکر و فہم کی بلند منازل پر ہوں۔ ورنہ جمہوری دستور بھی بآسانی چند لوگوں کا آلہ کار بن سکتا ہے یہ کچھ مشکل نہیں ہے کہ انتخابات بظاہر جمہوری طرز پر ہوں لیکن درپردہ امیدوار نامزد کیئے جائیں۔ معاشرہ افراد سے مرکب ہوتا ہے۔ اگر کسی معاشرے کے افراد غیر متمدن ہیں اس معاشرے میں بہتر سے بہتر سیاسی دستور خراب نتائج پیدا کرے گا۔ سیاسی دستور معاشرے کے افراد کی اہلیت کے مطابق نتائج پیدا کرتا ہے۔ بخارن کی مندرجہ بالا تنقید کی تائید کرنے کے بعد ٹراٹسکی نے کیمونیف کی تقریر کا حسب ذیل جملہ دہرایا:۔

"اگر ہم تمام ملک کے لئے اقتصادی پروگرام نہ بنائیں گے تو ملک کی اقتصادی زندگی میں تنظیم پیدا نہیں ہو سکتی۔"

اور ملک کی اقتصادی ترقی کے لئے لائحہ کار تیار کرنے پر زور دیا۔ اس ابتدائی زمانہ میں اسٹالن اور اس کے شرکار کار کو آلاتی ترقی میں عجلت کرنا عبث معلوم ہوتا تھا اور وہ ٹراٹسکی سے برابر اس امر پہ ناخوش رہتے تھے کہ وہ تیزی کے ساتھ مشین کاری کو ترقی دینا چاہتا تھا۔ اس تقریر میں ٹراٹسکی نے لیننسٹ لیوی کے ذریعہ سے دو لاکھ چالیس ہزار ممبروں کے اضافہ کو پارٹی کی جمہوریت پسندی پر محمول کیا۔ اور حکومت کے اس عمل کی تائید کی پھر کہا:۔

"ہم میں سے کوئی بھی نہ پارٹی کے فیصلہ کو بدلنا چاہتا ہے نہ بدل سکتا ہے پارٹی کا فیصلہ ہمیشہ درست ہوتا ہے۔ ہم پارٹی میں رہ کر ہی کوئی مفید کام سرانجام دے سکتے ہیں۔ انگریزی کی ایک مثل ہے 'میرا ملک، خواہ غلطی پر ہو یا صحیح راستہ پر وہ میرا ملک ہے'۔ خاص خاص امور میں ہم کو اپنی پارٹی کے متعلق یہ کہنے کا تاریخی حق زیادہ پہنچتا ہے۔ اگر ہماری پارٹی کوئی غلط فیصلہ

بھی کرتی ہے تو مختلف الرائے لوگوں کو یہی کہنا چاہیئے کہ خواہ غلط ہو یا صحیح لیکن چونکہ یہ پارٹی کا فیصلہ ہے۔ اس لئے مجھے آخری دم تک اس پر کاربند رہنا چاہیئے۔"

ٹراٹسکی ہنوز اس غلط فہمی میں تھا کہ "لینینسٹ لیوی" کے بعد بھی پارٹی وہی دیرینہ سرفروشوں کی جماعت ہے جس کی غلطیاں بھی کسی اصول کے ماتحت ہوتی ہیں اور تحریر و تقریر کے ذریعہ سے غلطی کے ازالہ کے امکانات باقی رہتے ہیں۔ لیکن درحقیقت اب بولشیوک جماعت میں ہنگامی مفاد کا جذبہ سرایت کر چکا تھا۔ اگرچہ مندرجہ بالا اقتباس سے یہ ظاہر ہے کہ ٹراٹسکی صرف خاص خاص امور میں ہی غلطی کی شکل میں بھی پارٹی کے فیصلہ کو لبیک کہنے کا حامی تھا۔ لیکن اس امر میں ردّ و قدح کی گنجائش تھی کہ جماعت کا کونسا عمل اس قابل ہے کہ باوجود غلط ہونے کے اس کی تائید کی جائے اور کہاں جماعت کی مخالفت کرنا ہر ممبر کا حق ہے۔ اسٹالن نے اس کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"کیا کوئی اس کرۂ ارضی پر ہماری پارٹی سے زیادہ منظم جماعت کی نشان دہی کر سکتا ہے۔ تعجب ہے کہ باوجود ہماری جماعت میں آہنی تنظیم ہونے کے مخالفین اس پارٹی سے بھی تنگ دل ہیں۔ ان کو دنیا میں اس جماعت سے بہتر جماعت کہاں مل سکتی ہے؟ شاید ستارہ مریخ میں مل سکے۔"

اسٹالن کا استدلال درست تھا۔ لیکن حقیقت یہ تھی کہ اب بولشیوک جماعت جمہوری و انقلابی نہیں رہی تھی بلکہ حکمران طبقے کی سرکردگی میں انفرادی و ہنگامی مفاد کو برقرار رکھتے ہوئے ملک میں اشتمالی طریقہ کار جاری کرنا چاہتی تھی۔ ان دونوں مقاصد میں تضاد تھا لیکن حکمران طبقہ کی آنکھوں پر ان کے انفرادی مفاد کے جذبہ نے اتنے گہرے پردے ڈال دیئے تھے کہ ان کی نظر ان دونوں مقاصد کے تضاد کی طرف نہیں جاتی تھی۔ اشتمالیت طبقاتی و انفرادی مفاد کے لئے سمّ قاتل ہے۔ اور طبقاتی و انفرادی مراعات اشتمالی انقلاب کے لئے

زہر کا اثر رکھتی ہیں۔ یہ ناممکن ہے کہ تاریخ کے کسی دَور میں طبقاتی وانفرادی مراعات۔ اور اشتمالیت بیک وقت جمع ہو جائیں۔ حکمران طبقہ کی یہی غلطی ہے کہ وہ طبقاتی وانفرادی مفاد اور اشتمالیت کو یکجا لاکر نظام تیار کرنا چاہتا ہے۔ اس کانگریس میں چونکہ بظاہر آزاد انتخاب کے ذریعہ سے منتخب شدہ لیکن حقیقتاً حکومت کے نامزد کیے ہوئے نمائندے شریک تھے اس لئے حکمران طبقہ کی ہر تجویز منظور کی جا رہی تھی۔ اس زمانہ میں مرکزی کمیٹی نے یہ فیصلہ کیا کہ لینن کا صحیفہ جو در اصل تمام اکابر بولشیوکوں پر تنقید تھی نہ شائع کیا جائے۔ اور کئی سال بعد تک جب کبھی بھی اس صحیفہ کی بابت استفسار کیا گیا تمام اکابر بولشیوکوں نے بیک زبان اس سے لاعلمی ظاہر کی۔ تیرھویں کانگریس کے بعد حکمران طبقہ اپنی تجاویز کو جمہور کی آواز کے نام سے پیش کرنے لگا اور اختلاف رکھنے والوں کی بیخ کنی میں سرگرم ہو گیا۔

سوویٹ کانگریس پر تسلط حاصل کرنے کے بعد حکمران طبقے نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کو زیر نگین لانا چاہا۔ اب تک کمیونسٹ انٹرنیشنل کی حیثیت ایک خود مختار بین الاقوامی انقلابی ادارے کی تھی جس میں تمام دنیا کی اشتمالی پارٹیاں حصہ لیتی تھیں اور تبادلۂ خیالات کرتی تھیں ان سب کی حیثیت مساوی تھی۔ بولشیوک کو فقط یہ اعزاز حاصل تھا کہ چونکہ وہ کامیاب انقلاب کر چکے تھے اس لئے ان کی ہر تجویز کو ایک تجربہ کار پارٹی کی تجویز کی حیثیت سے زیادہ وقعت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ اس ادارے کا بنیادی تخیل انقلاب عالم تھا۔ انٹرنیشنل کے اجلاسوں میں ہر اشتمالی پارٹی اپنے اپنے ملک کے انقلابی حالات پیش کرتی تھی اور بحث ومباحثہ کے بعد ایک متفقہ لائحہ کار قرار پاجاتا تھا جس کے مطابق انقلابی پارٹیاں اپنے اپنے وطن واپس ہو کر عمل پیرا ہوتی تھیں۔ انٹرنیشنل روس کی اشتمالی حکومت اور وہاں کے سیاسی واقتصادی مسائل پر بھی بہت آزادی سے تنقید کرتی تھی جس کا اثر روس کے سیاسی دستور اور اقتصادی نظام پر پڑتا تھا۔ لینن کے دور حیات میں چونکہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کا بنیادی تخیل یہ تھا کہ انقلابِ عالم میں اشتمالیت کی کامیابی مضمر ہے۔ اس لئے باوجود اس

امر کے کہ مالی اعتبار سے دوسرے ممالک کی انقلابی پارٹیاں موسکو کی دست نگر تھیں۔ لینن نے کبھی ان کو روسی سیاست کا آلہ کار نہ بنایا۔ اس نے خالص روسی مفاد کی خاطر کبھی اُن سے ایسا مطالبہ نہیں کیا جس سے ان کے ملک کی انقلابی تحریک کو ضرر پہنچنے کا امکان ہوتا لینن کو روس کی اقتصادی حالت درست کرنے کے لئے اگرچہ سرمایہ دار ممالک سے قرضے اور آلات کی اشد احتیاج رہی لیکن اس نے سرمایہ دار ممالک کی انقلابی پارٹیوں سے کبھی یہ مطالبہ نہیں کیا کہ وہ اپنے ملک میں مزدور طبقے کو سرمایہ دار کی غلامی میں مستحکم رکھیں۔ تاکہ سرمایہ دار خوش ہو کر روسی حکومت کی سیاسی حیثیت مان لیں۔ اور نہ صرف زر نقد بلکہ آلات اور کلوں سے روسی صنعت و حرفت کو آراستہ کر دیں دوسرے ممالک کی انقلابی تحریکوں کو قربان کر کے اس نے کبھی روس کے ملکی و قومی مفاد حاصل کرنے کی کوشش نہیں کی۔ لیکن حکمران طبقہ نے انٹرنیشنل کو بھی اپنے مفاد کے لئے استعمال کرنا شروع کر دیا۔ حکمران طبقہ کو کمیونسٹ انٹرنیشنل کی طرف سے یہ خطرہ تھا کہ کہیں وہ ٹراٹسکی کی بائیں پارٹی کے سیاسی و اقتصادی لائحہ عمل کی تائید نہ کر دے۔ انٹرنیشنل کا ایسا اقدام بائیں پارٹی کو بہت توانائی بخشتا۔ اس خطرہ کا سد باب کرنے کے لئے ماسکو کی حکومت نے سرمایہ دار ممالک میں انٹرنیشنل کی شاخوں کو وہاں کے سیاسی لائحہ کار کے متعلق احکامات نافذ کرنا شروع کر دئے۔ یہ مقامی قائدوں کی خوش فہمی پر ماسکو کی عملی تنقید تھی۔ اس نئے دستور کے خلاف ہر خود دار اور ذی ہوش مدبر کو احتجاج کرنا چاہئے تھا چنانچہ متعدد مقامات کے قائدوں نے اس دستور کی مخالفت کی۔ اس کا جواب حکمران طبقہ نے یہ دیا کہ احتجاج کرنے والوں کو عہدوں سے برطرف کر دیا۔ چند برطرف ہوئے۔ باقی ماندہ خاموش ہو گئے اس برطرفی و خاموشی کا راز یہ تھا کہ تمام ممالک کی کمیونسٹ پارٹیاں ماسکو کی مالی امداد پر جیتی تھیں۔ خداوندان نعمت جس امر کا حکم دیں اس سے روگردانی کرنا آسان امر نہیں ہوتا۔ ماسکو کے اقتصادی دباؤ کا یہ نتیجہ نکلا کہ روس کے حکمراں طبقہ کے خوشہ چیں انٹرنیشنل کی ہر شاخ کے صدر و سکرٹری مقرر ہو گئے۔ جب کمیونسٹ انٹرنیشنل میں

شرکت کے لئے ماسکو آئے تو انھوں نے حکمران طبقہ کی ہر تجویز کو سراہا اور ان کے ہر اقدام کی تائید کی، اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ روس میں حکمران طبقہ کا وقار اور زیادہ ہو گیا جس نسبت سے اکابر ثلاثہ کا وقار بڑھا اس ہی نسبت سے ٹراٹسکی اور اس کے شرکار کا کم ہوا۔ اپنی تدابیر کی کامیابی پر انھوں نے اتنی زیادہ توانائی محسوس کی کہ اسٹالن نے ایک تقریر کے دوران میں صاف طور پر کہہ دیا:۔

"تاریخ کی کوئی جدوجہد ایسی نہیں ہوئی جس میں کشت وخون نہ کرنا پڑا ہو۔ مختلف الرّائے لوگوں کو اس وقت تک شکست نہیں دی جا سکتی جب تک کہ ان کے قائدین کے وقار کو ختم نہ کر دیا جائے اور جبتک مختلف الخیال لوگوں پر مکمل فتح نہ حاصل ہو جائے گی اس وقت تک پارٹی میں انتشار کا خطرہ رہے گا"

جیسا کہ اس اقتباس سے ظاہر ہے اسٹالن نے غیر مبہم الفاظ میں یہ اعلان کر دیا کہ حکمران طبقہ بائیں پارٹی پر شدید حملہ کرنے والا ہے اور اس سلسلہ میں پہلا وار ٹراٹسکی پر ہوگا۔ یہ اعلان ہوتے ہی حکمران طبقہ اور اس کے خوشہ چینوں نے پیرس سے لے کر شنگاہی اور برلن سے لے کر نیویارک تک ٹراٹسکی اور اس کے معاونین پر تحریری وتقریری حملے شروع کر دیئے۔ ماسکو نے اب غداری کا یہ منفی معیار قائم کر دیا تھا کہ جو شخص ٹراٹسکی کی تکذیب کرنے سے اغماز کرے وہ بھی غدار قرار دیا جائے۔ ٹراٹسکی کی تضحیک وتکذیب میں کوئی دقیقہ اُٹھا رکھنا حکومت کے جور وستم کو دعوت دینے کے مترادف ہوتا تھا۔ حکمران طبقے کی اس یورش کے باوجود ٹراٹسکی خاموش ہی رہا۔ اگر کسی غیر ملک کے جریدہ میں پورب کے عام سیاسی حالات پر تبصرہ کے دوران میں روس کی حالت کا ذکر اس کے لئے ناگزیر ہو جاتا تو وہ مبہم اشاروں میں تنقید کرتا اور بس۔ اس مبہم تنقید کا یہ اثر ہوا کہ تمام دنیا میں بائیں پارٹی کے مؤیّد خاموش رہے اور اس طرح حکمران طبقہ نے بلا مزاحمت تمام اشتراکی دُنیا پر اپنا

اثر قائم کر لیا کسی سیاسی جماعت یا گروہ کا تخریبی تدابیر کے ذریعہ برسر اقتدار آجانا ملک کی اقتصادی حقیقتیں نہیں بدل سکتا۔ مخالف پارٹی کے قائد کی تکذیب کسی اقتصادی مسئلہ کا حل نہیں ہوا کرتی۔ ٹراٹسکی پر تیر اندازی کے باوجود روس زراعتی ملک ہی رہا۔ زراعتی ملک کو آلاتی بنانا جوئے شیر لانے سے کہیں زیادہ دشوار ہے۔ روس کی صنعت وحرفت خانہ جنگی کے دوران میں تباہ ہو چکی تھی جو باقی تھی وہ چند شہروں تک کی ضروریات پورا کرنے سے قاصر تھی۔ سرمایہ دار ممالک اشتراکی روس کو قرضہ یا آلات و مشینیں کیوں دیتے سویٹ روس کا خزانہ خالی تھا۔ اس کے کاغذی سکّے کی کون قدر کرتا۔ ان حالات میں ملک کو آلاتی بنانے کی صرف چار تدبیریں تھیں۔

(۱) حکمران طبقے کی مراعات وغیرہ پر جو مالیہ صرف ہو رہا تھا اس میں تخفیف کی جائے۔

(۲) کولک اور برجوازی طبقہ پر مزید ٹیکس لگایا جائے۔

(۳) صنعت وحرفت میں زیادہ تنظیم پیدا کی جائے۔ اور ناتجربہ کار افراد کو صنعتی وحرفتی عہدوں سے برطرف کر دیا جائے۔

(۴) کسان سے جبراً غلہ وصول کیا جائے اور اس کی برآمد کے ذریعہ سے غیر ممالک سے آلات و مشینیں منگوائی جائیں۔

بائیں پارٹی کا خیال تھا کہ پہلی تین تدابیر سے اتنا سرمایہ مہیا ہو سکتا تھا کہ روس کو قلیل عرصے میں آلاتی بنایا جا سکتا تھا۔ لیکن حکمران طبقہ اپنی اقتصادی مراعات میں تخفیف کرنے کے لئے تیار نہ تھا حکومت کا خیال تھا کہ کولک اور برجوازی پر ان کی بساط سے زیادہ ٹیکس لگا ہوا ہے۔ صنعت وحرفت میں جو ناتجربہ کار اشخاص ذمہ دار عہدوں پر ممتاز تھے وہ چونکہ حکمران طبقہ سے تعلق رکھتے تھے اس لئے حکومت ان کو کیوں برطرف کرتی۔ آرام کی زندگی کو کون ترک کرتا ہے آٹھ سال کی مسلسل جدوجہد کے بعد جو عافیت ملے اس سے مستقبل کی ترقی کی خاطر دست بردار ہو جانا بڑے دل والوں کا کام ہوتا ہے۔ ملک کی

اقتصادی زندگی کی تنظیم حکمران طبقہ نے اس درجہ خود غرضی اور نکمے طریقے پر کر رکھی تھی کہ کارخانوں کی تیار کردہ اشیاء کا بہت بڑا حصہ یا خود حکمران طبقہ کے استعمال میں آرہا تھا یا مختلف طریقہ پر متوسط درجہ کے سرمایہ دار (نپ مین) کے چنگل میں چلا جاتا تھا جس کو وہ بلیک مارکیٹ میں فروخت کر کے کافی فائدہ اٹھا رہے تھے نپ مین امیر ہوتا جا رہا تھا اور حکومت غریب۔ حکومت کے عمال اور نپ مین درپردہ شریک کاروبار تھے جو حالات آجکل کنٹرول اور راشن کی وجہ سے پیدا ہو رہے ہیں وہی حالات نہایت شدید شکل میں روس میں ظاہر ہو رہے تھے۔ ان حالات میں حکومت نے چوتھی تدبیر پر شدید سختی سے عمل کیا اور یہ چاہا کہ کسان سے جبریہ غلہ وصول کر کے بیرونی ممالک کو روانہ کیا جائے اور اس کے تبادلہ میں مشینیں وغیرہ درآمد کی جائیں اس طرح حکمران طبقہ کے عیش و آرام میں بھی فرق نہیں آئے گا اور ملک بھی آلاتی ہو جائے گا۔ چنانچہ اس تدبیر کے ماتحت فوجی دستے دیہات کو روانہ کر دئے گئے۔ ٹراٹسکی خاموش رہا لیکن جب حکومت کے مسلح سفیر دیہات میں غلہ فراہم کرنے پہنچے وہاں غصہ کی لہر دوڑ گئی اور جنوبی روس میں مزدوروں اور کسانوں نے بغاوت کر دی۔ اسٹالن کے وطن جورجیا میں کونسٹا دکی بغاوت کا منظر دکھائی دینے لگا۔ حکومت نے بغاوت ضرور دبا دی لیکن اس وقت سے کسان پر حکومت کا تشدد بھی ختم ہو گیا۔ اس بغاوت کے موضوع پر تقریر کرتے ہوئے مولوٹوف نے کہا:۔

"جو حادثہ جورجیا میں رونما ہوا اس کی تکرار کا امکان تمام روس میں ہے ان بغاوتوں کا سدباب اسی وقت ہو سکتا ہے کہ کسان کی طرف سے ہم اپنا طرز عمل بدل دیں۔"

اسٹالن نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"ہمیں یا تو عام مزدور اور کسان کو اپنے حاکمانہ طریقۂ عمل پر تنقید کرنے کا موقع دینا چاہیے ورنہ بغاوت کی شکل میں تنقید ہو گی۔"

یہ وہی جملے تھے جو لینن نے کونسٹاڈ کی بغاوت کے موقع پر کہے تھے۔ بائیں پارٹی کسان پر جبر و تشدد کے خلاف تھی اور حکومت کو اس اقتصادی پالیسی کے تباہ کن نتائج سے ڈرا چکی تھی۔ بغاوت نے بائیں پارٹی کے زاویہ نگاہ کو درست ثابت کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس پارٹی کا وقار جمہور میں بہت بلند ہو گیا۔ مخالفین کے وقار کا عروج حکمران طبقہ کب برداشت کر سکتا تھا چنانچہ بائیں پارٹی پر شدید ضرب لگانے کی تدابیر کی جانے لگیں اس سلسلہ میں " اکابر ثلاثہ " نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ اہم سیاسی مورچوں پر اپنے چیدہ کارکن مقرر کر دئے۔

چیکا کا دیرینہ صدر اور اسٹالن کا محرم راز ڈیزازنسکی اعلیٰ اقتصادی کونسل اور چیکا کا دوسرا افسر اعلیٰ انسچیلٹ انقلابی فوجی کونسل کی صدارت پر ممتاز کر دیتے گئے۔ ٹراٹسکی نے ۱۹۳۷ء میں بین الاقوامی مزدور کمیشن کے سامنے بیان دیتے ہوئے انسچیلٹ کا گلہ کرتے ہوئے کہا:۔

"انسچیلٹ کا باپ میرا دوست تھا۔ ایک مرتبہ میں اس سے ملنے گیا وہاں انسچیلٹ بھی کھیل رہا تھا اسکی عمر اس وقت شاید دس سال کی ہو گی اس کی پتلون میں ایک سوراخ تھا جس کی وجہ سے وہ شرمندگی محسوس کر رہا تھا میرے پاس آیا تو اس سوراخ پر ہاتھ رکھے ہوئے آیا جب یہ لڑکا جوان ہو گیا اس کی ذہانت کو دیکھتے ہوئے میں نے اس کو فوجی عدالت کا جج بنا دیا لیکن آج وہ بھی حکمران طبقے کا خوشہ چیں بنا ہوا ہے۔"

ان دونوں کے عہدے سنبھالتے ہی اقتصادی۔ سیاسی۔ فوجی اداروں اور یونیورسٹیوں سے ٹراٹسکی کے معاون اور ہمخیال لوگوں کا اخراج کرنا شروع کر دیا۔ روس میں عہدے سے برطرفی نان شبینہ سے محتاجی کے مترادف ہوتی ہے۔ اشتراکی سرزمین میں انسان یہ نہیں کر سکتا کہ کسی نجی ادارے میں ملازمت کر لے وہاں غیر سرکاری بنک۔ کالج۔ اسکول۔ کارخانے ہوتے

ہی نہیں وہاں انسان نہ اپنا کوئی ذاتی کام شروع کر سکتا ہے اور نہ کسی غیر ملک کو ہجرت کر سکتا ہے وہاں عہدے سے علیحدگی کے بعد انسان کو خودکشی کرتے ہی بن پڑتی ہے مصائب و آلام سے فرار کا صرف یہی راستہ ہے کہ انسان تہ خاک سو جائے اس زمانے میں بائیں جماعت کے معطل شدہ حضرات خودکشی میں عافیت دیکھتے تھے ان خودکشی کرنے والوں میں ٹراٹسکی کا دیرینہ سکرٹری گلازمین بھی تھا۔ اس کی خودکشی کی خبر سن کر ٹراٹسکی بہت متاثر ہوا ایک ماتمی نوٹ پارٹی کے اخبار پراودا کو شائع کرنے کے لیئے روانہ کیا لیکن اخبار کے مدیروں نے اس کو شائع کرنے سے انکار کر دیا۔ سیاسی بیرو اور کونسل آف کمیسار کے ممبر ہونے کے باوجود اس اشتراکی سرزمین میں ٹراٹسکی اخبار کے ذریعہ سے اپنے عزیز دوست اور سکرٹری کی خودکشی پر اظہار تاسف نہیں کر سکتا تھا۔

اسی زمانے میں ٹراٹسکی نے ۱۹۱۷ء اور ۱۹۱۹ء کے درمیان جو چند مقالے نشر کیے تھے ان کا ایک مجموعہ دو جلدوں میں شائع کرایا۔ اس مجموعے کے شروع میں ساٹھ صفحہ کا ایک دیباچہ بعنوان "اکتوبر کے انقلاب کے اسباق" بھی تھا اس دیباچہ میں زینولیف و کیمونیف کے ۱۹۱۷ء کے طرز عمل پر چند تنقیدی حملے تھے۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اکتوبر ۱۹۱۷ء میں یہ دونوں حضرات بغاوت کے خلاف تھے اور انقلابی جدوجہد کو صرف آئینی طور پر جاری رکھنا چاہتے تھے یہ اختلاف اتنا عمیق تھا کہ لینن ان کا بولشیوک پارٹی سے اخراج کرنے پر آمادہ ہو گیا تھا لیکن ٹراٹسکی اور دیگر اکابر بولشیوکوں کی مخالفت نے لینن کو اس ارادے سے باز رکھا لینن اکثر کہا کرتا تھا کہ اگر ٹراٹسکی وغیرہ مخالفت نہ کرتے تو میں ضرور اخراج کر دیتا اور یہ سخت غلطی ہوتی اگرچہ دیباچہ میں اسٹالن کا نام نہیں لیا گیا تھا لیکن لینن کے روس آنے سے قبل اسٹالن کی ادارت میں پراودا اخبار نے بورژوازی جمہوریت کے قیام کی حمایت میں جو مقالے تحریر کیے تھے ان کا ذکر تھا۔ جمہور تو ان اشاروں کو کیا سمجھتے البتہ اکابر ثلاثہ کو برہم کرنے کے لیئے یہ اشارے کافی تھے۔ اس مجموعہ کا طبع ہونا تھا کہ انھوں نے ٹراٹسکی پر

یورش کردی۔ اسٹالن نے فوراً ایک کتابچہ "ٹراٹسکی ازم اور لینن ازم" سپرد قلم کیا۔ کیمونیف نے دوسرا کتابچہ "لینن ازم اور ٹراٹسکی ازم" تحریر کیا۔ زینویف نے تیسرا کتابچہ "بولشیوک ازم اور ٹراٹسکی ازم" رقم کیا۔ جس طرح مذہبی ادب میں خیر و شر۔ نیکی و بدی حق و باطل کا مقابلہ کیا جاتا ہے اس طرح ان کتابچوں میں بھی حکمران طبقہ کے ایجاد کردہ مذہب "لیننیت" کا مقابلہ ٹراٹسکی کے "شیطانی" دین ٹروٹسکیت سے کیا گیا تھا۔ ٹراٹسکی کے مجموعہ کے چند ہزار نسخے جمہور پر کیا اثر کرتے البتہ اس پر تنقید کتابچوں کی شکل میں لاکھوں کی تعداد میں تقسیم ہوئی تاکہ جمہور کو ٹراٹسکی کے خلاف کر دیا جائے۔ اس پروپیگنڈے کے باوجود جب یہ خبر مشہور ہوئی کہ ٹراٹسکی گرفتار کر لیا گیا ہے تو جمہور میں سنسنی پھیل گئی۔ بہت ممکن ہے کہ حکمران طبقہ نے یہ خبر خود اڑائی ہو تاکہ یہ اندازہ لگایا جائے کہ ہنوز ٹراٹسکی کا جمہور پر کتنا اثر باقی ہے اگر جمہور خاموش رہتے تو شاید ٹراٹسکی کو اسی زمانہ میں گرفتار کر لیا جاتا لیکن عوام کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر کیمونیف نے فوراً سرکاری طور پر تردید کرتے ہوئے کہا:۔

"مرکزی کمیٹی کے کسی ممبر نے ٹراٹسکی کے خلاف کارروائی کرنے کی کوئی تحریک پیش نہیں کی کسی کا پارٹی سے اخراج یا کسی کو قید کر دینا یہ سب تخریبی عمل ہیں جو پارٹی میں اتحاد پیدا نہیں کر سکتے"

اسٹالن نے جمہور کے سامنے اس خبر کی تردید کرتے ہوئے کہا:۔

"میں سزا کے قطعی طور پر خلاف ہوں۔ ہم مختلف زاویہ نگاہ رکھنے والوں کو سزا دینا نہیں چاہتے مخالفین سے صرف بحث و مباحثہ کرنا منظور ہے"

دراصل واقعہ یہ تھا کہ حکمران طبقہ سزا تو دینی چاہتا تھا لیکن ہنوز مناسب موقع کا متلاشی تھا۔ ٹراٹسکی ان کتابچوں کا مطلب سمجھ گیا اس نے انقلابی فوجی کمیٹی سے استعفیٰ دے دیا۔ لیکن سیاسی بیورو کا ممبر رہا۔ جب کچھ عرصے بعد "اکابر ثلاثہ" میں آپس میں اختلاف پیدا ہوا اور زینوویف ٹراٹسکی سے آملا تو اس وقت وہ کہا کرتا تھا:۔

"ٹراٹسکی کے مجموعہ پر ردو قدح اصل میں برسرِ اقتدار آنے کی سعی کی ایک کڑی تھی۔ اس بحث و مباحثہ کی ساری خوبی یہ تھی کہ پرانے اختلافات نئے مسائل سے منسلک کر کے ٹراٹسکی کے تخیلات کی تردید کی جا رہی تھی۔"

ایک دوسرے موقع پر زینوویف نے کہا:۔

"دیباچہ کا معاملہ تو ٹراٹسکی پر یورش کرنے کا ایک بہانہ تھا۔"

اکابر ثلاثہ

زینوویف کیمونیف اور اسٹالن میں اختلاف

زینوویف۔ کیمونیف اور اسٹالن کا اتحاد ٹراٹسکی کی مشترکہ مخالفت پر مبنی تھا۔ ٹراٹسکی کے سیاسی وقار کو زخمی کرنے کی آرزو اتحاد ثلاثہ کی محرک تھی جب اس کو سرنگوں کرنے میں کامیابی ہوگئی تو گویا اتحاد کی بنیاد بھی منہدم ہوگئی۔ ٹراٹسکی کو قصہ پارینہ بنانے کے بعد ان تینوں میں نبرد آزمائی شروع ہوگئی۔ زینوویف کا پیٹروگریڈ سوویٹ کے صدر اور کیمونیف کا ماسکو سوویٹ کے صدر کی حیثیت سے ان سیاسی مرکزوں پر کافی اثر و اقتدار تھا۔ اسٹالن کا اثر صوبوں کے سوویٹ پر تھا۔ پیٹروگریڈ اور ماسکو میں مزدور طبقہ طاقتور تھا۔ وہ زینوویف و کیمونیف کو بائیں پارٹی کے اقتصادی و سیاسی تصورات پر عمل پیرا ہونے کے لئے مجبور کرتا تھا صوبوں میں کسان کی رجعتی سیاست کارفرماں تھی۔ اسٹالن اپنے عمل اور تقاریر میں ان کی ترجمانی کرتا تھا۔ اس فرق کی بنا پر ان تینوں میں مختلف سیاسی و اقتصادی مسائل پر بحث و مباحثے رہتے تھے۔ ہمسایہ ممالک کے سیاسی حالات نے روس پر گہرا اثر ڈالا جس طرح اٹلی اور جرمنی کی فسطائی اور نازی آمریت کی تقلید میں مشرق کے غلام ملکوں میں بھی ہائی کمانڈ وجود میں آگئی اور جمہوری اداروں میں فسطائی رجحانات پیدا ہوگئے اس طرح مغربی یورپ

میں اشتمالیت کے شکست کھاجانے پر روس میں بھی رجعتی عناصر برسر اقتدار آ گئے اور یہی اسٹالن کی قیادت کا راز ہے۔ سنہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کے بعد بین الاقوامی سرمایہ داری کی فتح نیز روس کی اقتصادی پس افتادگی نے وہاں ایک حکمران طبقہ پیدا کر دیا۔ اس حکمران طبقے نے اپنی بقا کی خاطر رجعتی رجحانات کو تقویت دینا شروع کر دی۔ یہ عمل اور رد عمل ہنوز جاری ہے۔

اس زمانہ میں سیاسی بیورو میں سات ممبر تھے سٹالن[۱]۔ بخارن[۲]۔ ریکوف[۳]۔ ٹومسکی[۴]۔ ٹراٹسکی[۵] زینو ویف[۶]۔ کیمونیف[۷]۔ پہلے چار ہمنوا تھے۔ ٹراٹسکی تنہا تھا اور آخری دو ممبر ہم رائے تھے زینو ویف و کیمونیف کا اسٹالن سے اصولی امور پر بحث و مباحثہ کرنا اس لئے بے معنی تھا کہ سیاسی بیورو میں جنرل سکرٹری کی اکثریت تھی اور اسٹالن کی پارٹی کی ہر تجویز کا منظور ہو جانا لازمی تھا۔ البتہ سیاسی و اقتصادی مسائل پر رد و قدح جاری تھی کہ دسمبر سنہ ۱۹۲۵ء میں پارٹی کانگریس کا چودھواں اجلاس منعقد ہوا۔ اس اجلاس میں صوبوں کی سوویٹ کے پارٹی سکرٹری شریک تھے جن کو ہنگامی عافیت و آرام کی خواہش نے پارٹی کے عہدوں کا گرویدہ بنا دیا تھا۔ پارٹی میں عہدے عنایت کرنا جنرل سکرٹری اسٹالن کے قبضۂ قدرت میں تھا اس لئے تمام مقامی پارٹی سکرٹری جنرل سکرٹری کے ابرو کے اشاروں پر چلتے تھے۔ اس کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے کیمونیف تلخ حقائق زبان پر لے آیا اس نے کہا

"ہم سالار و سردار منتخب کرنے کے نظریہ کے خلاف ہیں ہم انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی قیادت کے حامی ہیں۔ ہمیں یہ شکایت ہے کہ سکرٹریٹ نے آئین و قوانین سازی کے اختیارات غصب کر لئے ہیں۔ یہ اختیارات وہ بلا شرکت غیرے خود ہی استعمال کرتا ہے۔ ہم اس یک عملی کے خلاف ہیں۔ ضروری آئین و قوانین بنانا پارٹی کے ادارۂ سیاسی بیورو کا حق ہے۔ سکرٹریٹ کا صرف یہ منصب ہے کہ سیاسی بیورو کے مجوزہ قوانین کا اجرا کرے پارٹی کے ادارۂ منتظمہ کو قوانین سازی کا حق نہیں ہے۔ منتظمہ بیورو

یعنی سکرٹریٹ کو سیاسی بیورو کے ماتحت رہنا چاہیئے (شور وغل) ہم اس کو نہایت خطرناک خیال کرتے ہیں کہ جو ادارۂ عاملہ ہو وہ قانون سازی بھی شروع کر دے اس طرح سکرٹریٹ بجائے پارٹی کے مجوزہ لائحہ عمل پر کاربند ہونے کے پارٹی کو کسی خاص راہ پر چلنے کے لئے مجبور کر سکتی ہے (شور وغل) مجھے یہ یقین ہو گیا ہے کہ کامریڈ اسٹالن اکابر بولشیوک کے درمیان اتحاد قائم نہیں رکھ سکتے (حاضرین: جھوٹ ۔لغو ۔آخر بک دیا ۔ہم تمہیں سالار نہیں مان سکتے اسٹالین زندہ باد)

مہذب دنیا میں کسی ملکی دستور پر نظر ڈالی جائے تو یہی نظر آتا ہے کہ قانون ساز اور ادارۂ عاملہ جدا جدا ہوتے ہیں ۔مہذب ممالک میں پولیس اور مجسٹریٹ ہمیشہ الگ الگ رہے ہیں ۔ اگر پولیس ہی فیصلہ صادر کرنے لگے تو وہ متمدن حکومت نہیں بلکہ چنگیزی بن جاتی ہے ۔کیمونیف کی تنقید اگرچہ وزنی تھی لیکن بے اثر رہی اس کانگریس میں جب زینولیف تقریر کرنے اٹھا اس کا بھی وہی حشر ہوا جو اس کے ہمنوا کا ہو چکا تھا ۔ اسٹالن نے ان دونوں کا جواب دیتے ہوئے کہا ۔

"کامریڈو ں میں صاف گو اور سخت مزاج انسان ضرور ہوں یہ حقیقت ہے میں اپنی ان کمزوریوں پر پردہ ڈالنا نہیں چاہتا ۔جراحی کے بہت تباہ کن اثرات ہوتے ہیں آج ایک کا ۔کل دوسرے کا ۔پرسوں تیسرے کا اخراج ۔غرض یہ کہ پارٹی ہی ختم ہو جائے گی ۔ اب یہ بخارن کے خون کے پیاسے ہو رہے ہیں لیکن میں ان کو بخارن کے خون سے پیاس نہیں بجھانے دوں گا (زینولیف چلایا!) یہ خون کا سوال نہیں ہے یہ سیاسی رجحانات کا سوال ہے ہم ایک دوسرے پر تنقید بھی کریں گے اور گہرے دوست بھی رہیں گے) خود ہمارے مخالفین آپس میں مختلف الخیال ہیں ۔ البتہ وہ اس امر پر متفق الرائے ہیں کہ سکرٹریٹ کے نظام میں تبدیلیاں ہونی چاہئیں ان کے اس مطالبہ کے پس پشت ایک

افسانہ ہے ۱۹۲۴ء میں یہ لوگ ایک کوٹھری میں جمع ہوئے (قہقہہ) جہاں انھوں نے یہ فیصلہ کیا کہ سیاسی بیورو کو ختم کر دیا جائے اور سکرٹریٹ ہی قوانین بنائے اور وہی اس کا اجرا کرے۔ سکرٹریٹ کے قائد سٹالن ٹراٹسکی اور زینوویف ہوں اس کے یہ معنی تھے کہ ریکوف۔ کالینن۔ ٹومسکی مولوٹوف۔ بخارن کے تعاون و مدد کے بغیر پارٹی کام کرے ایسا ہونا غیر ممکن تھا اس معاملہ میں جب انھوں نے میری رائے دریافت کی میں نے اس امر کی تائید نہ کی اور یہ بھی تحریر کر دیا کہ بغیر بحث و مباحثہ میں پڑے میں اپنے عہدے سے مستعفی ہونے کے لئے تیار ہوں۔ اب وہ اپنی دیرینہ خواہش کے برعکس قانون سازی اور ان کا اجرا دو مختلف اداروں کے سپرد کرنا چاہتے ہیں۔ مجھے خوف ہے کہ پارٹی ان کی تجویز کو منظور نہیں کر سکتی (آوازآئی بہت خوب) ہم جراحی کے خلاف ضرور ہیں لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ اکابر بولشیوک کو یہ اجازت ہے کہ پارٹی ممبروں پر وہ اپنی قیادت کا رعب ڈالتے رہیں ہم کسی قائد کے روبرو سر نہیں جھکائیں گے (خوب و تالیاں) ہمارا مطمح نظر اتحاد ہے ہم جارحانہ طریقہ کار کو نفرت کی نظر سے دیکھتے ہیں۔ پارٹی کی خواہش ہے کہ آپس میں اتحاد رہے اگر زینوویف و کیمونیف کی بھی یہی آرزو ہے تو چشم ما روشن دل ما شاد ورنہ بغیر ان کے پارٹی میں اتحاد قائم کیا جائیگا (تالیاں)

اس قسم کی تقریروں کے پس پردہ سٹالن قیادت کا تاج حاصل کرنے کی کوشش میں مشغول تھا۔ بعد کے حالات و واقعات نے اسٹالن کی اس تقریر کو غیر حقیقی ثابت کر دیا۔ ٹراٹسکی بخارن۔ ٹومسکی وغیرہ کے خون سے اسٹالن کے ہولی کھیلنے کا ذکر آگے آئیگا یہاں صرف یہ عرض کر دینا کافی ہے کہ شاید اسٹالن کی اصطلاح میں اس قسم کی صلح کل تقاریر اور آخر کار اکابر بولشیوک کے خون میں اپنے ہاتھ رنگنا زبان و دل کی جدلیات کہلاتے ہیں جس طلسم کاری

سے سٹالن نے چند سال بعد ان اکابر بولشیوک کو اپنی حرص وہوس کا شکار بنایا اور جس بہیمانہ انداز میں ان شہ کار کار کے قتل وغارت سے سٹالن نے اپنی قیادت کی راہ نکالی وہ ایسا عبرت ناک افسانہ ہے جس سے روس کے حکمران اور تعلیم یافتہ طبقات کی نفسی کیفیات بے نقاب ہوتی ہے اس کانگریس میں چونکہ صوبوں کی سوویٹ کے سکریٹری اکثریت میں تھے اس لئے سٹالن کی ہر تجویز کی تائید ہوتی لازمی تھی۔ اس فتح کے بعد اپنی مکمل اکثریت قائم کرنے کے خیال سے سٹالن کی متوسط پارٹی نے سیاسی بیورو کے ممبروں کی تعداد ۶ سے ۹ تک بڑھائی۔ یہ تین نئے ممبر بھی اشتمالی نظام کے اجزار کے ساتھ ساتھ مراعات کے قیام کے حامی تھے ان تینوں ممبروں کے نام یہ ہیں۔ کیلینن (موجودہ صدر سوویٹ روس) مولوٹوف (موجودہ کمیسار خارجہ) اور وریشلوف (فیلڈ مارشل) ۱۹۴۱ء کے بعد سے وریشولوف کا اخبارات میں ذکر آنا بند ہو گیا ہے۔ حال میں اخبارات کے ذریعہ سے یہ علم ہوا ہے کہ ان کو فوجی وانقلابی کمیٹی سے برطرف کر دیا گیا۔ ٹراٹسکی کی یہ تنقید کہ وریشولوف پانچ سو نوجوانوں کی کمان تو شاید کر سکے لیکن پچاس ہزار مسلح فوج کی کمان کے ناقابل ہے دوسری جنگ عظیم میں درست ثابت ہوئی۔

زینولیف وکیمونیف پر اب روس کی وسعت تنگ ہو گئی۔ لینن کے آلام ومصائب کے زمانہ کے ساتھی۔ جلاوطنی کے ہمنشین انقلابی نعروں میں ہم آہنگ لیکن اب ان کو سرزمین روس پر گوشہ عافیت میسر نہ تھا جن اکابر کے نام پر اعزاز کے طور پر شہروں، شاہراہوں اور درس گاہوں کو موسوم کیا گیا ہو ان کی عافیت اگر پا بہ زنجیر ہو جائے تو ان کے خاک نشیں معتقدین پر کیا کچھ نہ گزرے گا۔ ان مقہور قائدین کے غیر معروف پیروکاروں کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا اس کی خوں چکاں داستان تاریخ کے صفحات میں ہمیشہ محفوظ رہیگی۔ زینولیف وکیمونیف کے ہزاروں پیروکار چشم زدن میں عہدوں سے برطرف کر دئے گئے۔ سرمایہ دارانہ دنیا میں عہدے سے برطرفی گردن زدنی کے مترادف نہیں ہوتی لیکن روس

میں صنعت و حرفت و زراعت پر حکومت قابض ہے۔ ذاتی کاروبار کرنا ممنوع ہے وہاں یہ نہیں ہو سکتا کہ حکومت کا عہدہ ترک کیا اور کسی غیر سرکاری بنک یا ٹرسٹ ۔ کارخانہ اسکول وغیرہ میں ملازمت کر لی اس لئے وہاں عہدے سے علیحدگی خودکشی کے حکم کے مترادف ہوتی ہے روس کا حکمران طبقہ مخالفین کو آئینی طور پر خودکشی کرنے پر مجبور کر سکتا ہے۔

سیاسی دنیا کا یہ ایک کامیاب طریقہ کار ہے کہ جب کسی عظیم شخصیت کو فنا کرنا مقصود ہو تو پہلے اس کے معاونین و معتقدین کو تباہ کر دیا جائے۔ اور جب وہ تنہا رہ جائے تو اس پر تحریر و تقریر کے تمام راستے بند کر دئے جائیں اس کے بعد اخبارات و ریڈیو کے ذریعہ سے اس کا مضحکہ اُڑایا جائے اس طرح جب اس کا وقار بالکل ختم ہو جائے تب اُسے نذرِ دار کرنا چاہیئے۔ زینویف و کیمونیف فنا کی اس ابتدائی منازل سے گزر رہے تھے ابھی ان کے معاونین پر ضرب لگائی جا رہی تھی وہ خود بطور آثار الصنادید کے مرکزی کمیٹی اور سیاسی بیرو کے ہنوز ممبر تھے۔

ٹراٹسکی اور اسٹالن میں اتحاد

ٹراٹسکی کی خاموشی بسیاسی مصالح کی بناء پر تبدیل آب و ہوا کے لئے کوہ قاف کو روانگی۔ زینویف و کیمونیف کی معرکہ آرائیوں پر سکوت یہ سب اس امر کی علامات تھیں کہ شاہین گرفتار دام ہو گیا۔ ٹراٹسکی کی اس راست روی کا صلہ پارٹی نے یہ دیا کہ کوہ قاف سے واپسی پر اس کو ٹکنیکو۔ سائنٹفک سروس کا ڈائرکٹر مقرر کر دیا۔ آلاتی محکمہ کی سالاری ٹراٹسکی کو اس لئے راس آئی کہ اب اس کو تمام ملک کو آلاتی بنانے کا موقع مل گیا۔ آلاتی ترقی اشتمالیت کی شرط اولین ہے۔ جو شے وہ سیاسی دروازے سے نہ لا سکا اس کو اب آلاتی دروازے سے لانے میں سرگرم ہو گیا۔ کسی ملک کو آلاتی بنانے کے لئے بجلی ناگزیر ہوتی ہے۔ اس لئے ٹراٹسکی نے سب سے قبل دریائے ڈنپر

کے کنارے دنیا کے سب سے عظیم الشان برقی اسٹیشن کی بنیاد ڈالی جو تمام روس کی صنعت و حرفت کو بجلی مہیا کرنے کے لئے کافی تھا۔ لینن کہا کرتا تھا اشتمالیت دو اجزاء سے مرکب ہے مزدور آمریت اور برق مزدور آمریت خواہ کتنی ہی مسخ شکل میں سہی قائم ضرور تھی اس لئے اس مرکب کے دوسرے جزو کی تعمیر میں ٹراٹسکی منہمک ہو گیا، اصلی مقصد حاصل ہوتے دیکھا تو وہ سیاسی اختلافات اور سٹالن سے تلخیاں کو فراموش کر کے اقتصادی زندگی کی تشکیل میں لگ گیا۔ اس زمانہ میں جب لینن کے صحیفہ کی بابت دریافت کیا گیا تو اس نے صحیفہ کی موجودگی سے مبہم الفاظ میں انکار کر دیا۔ ٹراٹسکی کی تقلید کرتے ہوئے لینن کی شریک حیات کرپسکیا نے بھی صحیفہ سے لاعلمی ظاہر کر دی۔ اب ٹروٹسکی ازم حکمران طبقہ کے لئے کوئی محشر خیز مسئلہ نہیں رہا۔ اخبارات و جرائد نے اس موضوع پر خاموشی اختیار کر لی عقاب گرفتار ہو جاتے تو اسکی پرواز کا ذکر بے محل ہو جاتا ہے۔ ان ایام میں ٹراٹسکی ازم کا ذکر صرف سکرٹریوں کے کشادہ مکانوں کے گول کمروں تک محدود تھا اور بس۔

اگر ٹراٹسکی اور اسٹالن میں اتحاد قائم رہتا تو یہ امر یقینی تھا کہ روس ۱۹۴۱ء میں اتنا طاقتور ہو جاتا کہ جرمنی کو اس پر حرص آگیں نگاہیں اٹھانے کی جرأت نہ ہوتی اور اگر حملہ آور بھی ہوتا تو اس کی یورش کو اسٹالن گریڈ کی بجائے پولینڈ کی سرزمین پر روک لیا جاتا اور روس کے تمام صنعتی و زراعتی علاقے تباہی سے بچ جاتے۔ لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ اس زمانہ میں حکمران طبقہ کی بصیرت اتنی کوتاہ تھی کہ وہ ملک کو جلد از جلد آلاتی بنانے کی اہمیت ہی نہ سمجھتا تھا۔ ٹراٹسکی نے مرکزی کمیٹی میں جب ڈنیپر وسٹری کے برقی مستقر کے قیام پر زور دیا تو سٹالن نے جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"ہمارے لئے ڈنیپر وسٹری کے برقی مستقر کا قیام اتنا ہی بے محل ہے جتنا ایک کسان کے لئے بجائے گائے کے ایک گراموفون خرید لینا۔"

نادان حکمران طبقہ مشین کاری کی اہمیت کو کیا سمجھتا اس کے ذہن میں ہنوز یہ امر بھی نہ آیا تھا کہ اشتمالیت بغیر مشین کاری کے عبث ہے اور مشین کاری بغیر برقی مستقر کے ناممکن اس حقیقت کو سمجھنے کے لئے حکمران طبقہ کو ایک سال لگا اور بصد خرابی صرف ۱۹۲۸ء میں پہلی پنج سالہ پلین کا اجرا ہوا۔ اس پر طرہ یہ کہ ان پلینوں کے اجرا میں اتنی بے نظمی اور تساہل برتا گیا کہ تیسری پنج سالہ پلین کو ۱۹۴۱ء میں جرمن حملہ کی بنا پر خیرباد کہنا پڑا اور جرمنی کے آلاتی فوجی دستوں کا روسی مقابلہ نہ کر سکے۔ وقت حاصل کرنے اور بلٹز کا زور کم کرنے کے لئے سٹالن گریڈ تک پسپائی اور امریکہ و برطانیہ کی دریوزہ گری پر مجبور ہونا یہ سب روس کی آلاتی کمزوری کا نتیجہ تھا۔ اس عرصہ میں کہ روسی صنعت و حرفت سامان حرب تیار کرے اور اتحادی خلیج فارس کے راستے سے سامانِ حرب روس پہنچائیں۔ جرمن تمام جنوبی و مغربی روس کو تباہ کرنے میں کامیاب ہو گئے۔ ۱۹۲۶-۲۷ء میں سٹالن کو یہ وہم و گمان بھی نہ تھا کہ آلاتی ترقی کے متعلق اس کا "گراموفون" کا نظریہ کروڑوں روسیوں کو موت کی نیند سلا دے گا۔ ٹراٹسکی کی دوربین نگاہیں آنے والے حادثہ کو دیکھ رہی تھیں لیکن ایک یا معدودے چند انسان کسی قوم و ملک کے تاریخی گناہ کو نہیں دھو سکتے۔ صدیوں کی خفتگی کا خمیازہ بھگتنا ہی پڑتا ہے۔ اس کے اثرات سے کوئی ملک و قوم محفوظ نہیں رہ سکتی۔

بائیں پارٹی

زینوویف ۔ کیمونیف اور ٹراٹسکی میں اتحاد

زینوویف و کیمونیف کو اپنا سیاسی مستقبل تاریک دکھائی دینے لگا تو ان کو ٹراٹسکی سے اتحاد کی ضرورت محسوس ہوئی اور وہ کل کے دشمن کو بغلگیر کرنے کی فکر کرنے لگے۔ اپریل ۱۹۲۶ء میں مرکزی کمیٹی کے اجلاس میں ان دونوں نے حکومت کے خلاف وہی تجاویز پیش کیں جو بائیں پارٹی کی تجاویز تھیں۔ اس طرز عمل سے یہ اظہار کرنا مقصود تھا کہ اب یہ دونوں بھی بائیں پارٹی کے ہمخیال ہو گئے ہیں۔ اس اجلاس میں بھی وہی مسائل زیر بحث تھے جن پر آجتک بے نتیجہ ردّ و قدح ہوتی تھی یعنی مزدور کی خستہ حالی۔ ملک کی اقتصادی ابتری۔ اجرتوں کا فرق۔ کولک (امیر زمیندار) کی سیاسی طاقت اور اقتصادی بدتری۔ سرمایہ داری کے عود کر آنے کا خطرہ۔ اشیاء کی گرانی۔ صنعت و حرفت کی سُست رفتاری۔ رہائشی مکانات کا فقدان۔ راشننگ کی بدعنوانیاں۔ بلیک مارکیٹ کی خفیہ کارروائیاں۔ لاکھوں لاوارث بچّوں کی چوری ان سب میں اہم ترین غلّہ کی فراہمی اور صنعت و حرفت کو عروج دینے کا مسئلہ تھا۔ مشین کی تیار شدہ اشیاء اتنی گراں تھیں کہ کسان ان کو خریدتے پر راضی نہ ہوتا تھا۔ ایک جوڑا جوتے کے لئے وہ دو من غلہ کیوں دیتا۔ حکومت کے پاس کپڑا۔ جوتے صابن

دھاگا اور اسی قسم کی کسان کی ضرورت کی کم قیمت اشیار یا سونا چاندی کہاں تھے کہ حکومت کسان کو دیتی اور اس کے تبادلہ میں غلہ لیتی۔ نہ حکومت کے پاس اور کسی شکل میں سرمایہ تھا کہ سرمایہ دار ممالک کو نقد دیا جاتا اور آلات اور کلیں خرید کی جاتیں سونا چاندی نہ ہونے کی شکل میں یہی ہو سکتا تھا کہ سوویٹ روس سرمایہ دار ممالک کو غلہ بھیجے اور تبادلہ میں آلات و مشینیں فراہم کرے جبراً غلہ فراہم کرنے کی شکل میں اس بات کا خطرہ تھا کہ کسان کہیں بغاوت یا ہڑتال نہ کر بیٹھے لیکن اگر ایسا نہ کریں تو شہروں کی آبادی بحری و بری فوج۔ مزدور طبقہ حکومت کے عمال کو کس طرح زندہ رکھا جائے؛ یہ معمہ تھا جس پر مدت سے بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری تھا۔ اس مسئلہ کے حل کی مختلف صورتیں پیش کی جا رہی تھیں حکمران طبقہ اور اس کے مخالفین کی ملک کے متعلق تشخیص تو ایک ہی تھی۔ لیکن وہ دونوں مریض ملک کے لئے دو مختلف نسخے تجویز کرتے تھے۔ بائیں پارٹی کا خیال تھا کہ عمال حکومت پر جو کثیر مالیہ صرف ہو رہا تھا اس میں نصف کے قریب تخفیف کر کے کولک اور بر جوازی طبقوں پر ٹیکس لگا کر سرمایہ جمع کیا جائے اور اس سرمایہ سے آلات منگوائے جائیں۔ ملک کی اقتصادی ابتری کا وہ یہ سبب بتاتے تھے کہ حکمران طبقہ نے اپنے ذاتی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے نااہل و ناتجربہ کار لوگوں کو صنعت و حرفت کی ترقی کا ذمہ دار بنا رکھا ہے یہ کارکن صرف اپنے ذاتی، حکمران طبقہ کے مفاد کے لئے صنعت و حرفت کو نقصان پہنچا رہے ہیں اگر دیانت داری و تن دہی سے کام کیا جائے تو اس اقتصادی پستی کی حالت میں بھی کارخانے اتنی کثیر تعداد میں اشیائے استعمال ارزاں قیمت پر تیار کر سکتے ہیں کہ غلہ اور ان اشیار میں صحیح نسبت پر تبادلہ ہو جائے اور کسان ان کو بخوشی خرید سکے۔ اس طرح غلہ فراہم کر کے دوسرے ملکوں کو بھیجا جائے اور تبادلہ میں آلات منگوائے جائیں۔ بائیں پارٹی ملک کی اقتصادی مشکلات کا ایک اور سبب یہ بتاتی تھی کہ مشین سے تیار شدہ اشیار کارخانوں سے نکل کر بلیک مارکیٹ میں متوسط سرمایہ دار (نپ مین) کے قبضہ میں چلی جاتی ہیں اگر اس کا انسداد کر دیا جائے تو

کارخانوں کی تیار کردہ اشیاء اور زراعتی پیداوار کی قیمتوں میں بڑی حد تک صحیح نسبت تبادلہ قائم ہو سکتی ہے اور بلا جبر و تشدد کے غلہ فراہم کیا جا سکتا ہے۔

حکومت اس مسئلہ کی اہمیت محسوس کرتی تھی لیکن وہ حکمران طبقہ کی اقتصادی مراعات کو ختم کرنا اور اس طبقہ کے نااہل لوگوں کو صنعت و حرفت سے برطرف کرنا نہیں چاہتی تھی۔ چونکہ عمال سیاسی بساط پر حکومت کے مہرے تھے اس لئے ملک کے کل مالیہ کا جو کثیر حصہ حکمران طبقہ پر صرف ہوتا تھا اس میں تخفیف کرنا بھی وہ اپنے سیاسی مفاد کے خلاف سمجھتی تھی۔ اسٹالن اور اس کے شرکار کار اس وقت بہت مشکل میں تھے اگر بائیں پارٹی کی تجاویز پر عمل پیرا ہوتے ہیں تو اس پارٹی کا وقار ملک میں بڑھتا ہے اور اگر اقتصادی امور کی طرف سے لاپرواہی اختیار کرتے ہیں تو ملک میں سیاسی بے چینی اور بغاوت کا خطرہ پیدا ہوتا ہے اسٹالن نے اس مسئلہ پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:۔

"اگر ہم موجودہ سرمایہ سے دو چند سرمایہ بیرونی ممالک سے مشین اور کلیں خریدنے میں صرف کردیں تو اس کے یہ معنی ہوں گے کہ صنعت و حرفت کے دوسرے کاموں کے لئے ہمارے پاس مطلق سرمایہ نہ بچے گا۔ نیز زراعتی قرضہ دینے کے لئے بھی ہمارے پاس سرمایہ کی کمی واقع ہو جائے گی۔ آلات و اشیاء کی درآمد زیادہ ہوگی تو ہمارے سکہ کی نسبت تبادلہ درہم برہم ہو جائیگی ہم آلات اور مشینوں کی درآمد کے لئے غلہ ہی باہر بھیج سکتے ہیں لیکن اگر غلہ بیرونی ممالک کو روانہ کردیا تو ملک میں قحط کے حالات پیدا ہو جائینگے غلہ کا نرخ زیادہ ہو جانے کے معنی یہ ہوں گے کہ مزدور کی اصل اجرت بہت کم ہو جائے گی اس طرح مزدور طبقہ میں بے چینی پیدا ہونا لازمی ہے اس وقت ایسا معلوم ہو گا گویا دیدہ و دانستہ ملک میں قحط پیدا کیا جا رہا ہے۔"

حکومت اور بائیں پارٹی میں یہ ردوقدح جب طول پکڑ گئی تو حکمران طبقہ کی طرف

سے اقتصادی کونسل کے کمیسار ڈزرژنسکی نے ایک تقریر کے دوران میں بائیں پارٹی کو دھمکی دیتے ہوئے کہا بائیں پارٹی کے لئے خشک بارود تیار کیا جارہا ہے اگرچہ خشک بارود کا استعارہ اخبارات میں نہیں آیا لیکن بائیں پارٹی کے قائدین جنھوں نے اپنے کانوں سے یہ الفاظ سنے تھے فوراً یہ سمجھ گئے کہ اب پہلے سے زیادہ شدید مصائب برداشت کرنے کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ ڈزرژنسکی تقریر کے بعد گھر واپس ہوا۔ شریک حیات سے مصافحہ کرکے اپنی خواب گاہ میں چلا گیا اور وہاں سے صبح کو اسکی نعش برآمد ہوئی اس واقعہ نے فضا کو اور مکدر کر دیا اور دونوں پارٹیوں میں زیادہ برہمی پیدا ہوگئی۔ اس کا اظہار اس طرح ہوا کہ اسٹالن نے لینن کے چند غیر مطبوعہ خطوط جن میں زینوئیف وکیمونیف پر تنقید تھی شائع کر دئے اس پر ان دونوں زخم خوردہ حضرات نے اسٹالن سے لینن کا صحیفہ شائع کرنے کا مطالبہ کیا اس مطالبہ سے برہم ہو کر سٹالن نے کیمونیف کا فروری ۱۹۱۷ء کا ایک وفادارانہ تار جو اس نے گرانڈ ڈیوک کو روانہ کیا تھا نشر کر دیا کیمونیف نے اس تار سے انکار کیا اور اپنے دعوے کی تصدیق میں لینن کا بیان پیش کیا اس پر سٹالن نے کہا کہ مصلحت وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے لینن نے اس امر کی تردید کر دی تھی ورنہ امر واقعہ یہی ہے کہ تار دیا گیا تھا غرضیکہ بحث ومباحثہ کا معیار اتنا گرا کہ اصولی اختلاف کے ساتھ ساتھ ہر امر معرض بحث میں آنے لگا۔ سیاسیات سے ہٹ کر ذاتیات پر حملے ہونے لگے حکمران طبقے کے قبضۂ قدرت میں ملک کے تمام اخبارات۔ جرائد اور سامان طباعت تھے اس نے بالشیوک پارٹی کے دیرینہ خادموں کے خلاف شدید پروپیگنڈا کرنا شروع کر دیا اور مخالفین کے جوابات نشر نہ ہونے دئے۔

جس ملک میں ایک ذات ملک کے تمام آلات وذرائع پیداوار پر قابض ہو جائے اور دولت آفرینی کے تمام وسائل پر اس کا سکہ چلنے لگے تو وہاں اظہار خیال کے تمام دروازے بند ہونے کے بعد تنقید کا خفیہ شکل میں ہونا ناگزیر ہے۔ خفیہ طریقہ کار حکومت کو مخالفین

کے علانیہ فنا کرنے کا موقعہ دیتا ہے۔ سیاسی دنیا میں حکومت بعض اوقات مخالفین کے لئے ایسے حالات وواقعات پیدا کر دیتی ہے کہ وہ خفیہ کارروائیوں پر مجبور ہو جائیں تاکہ بغاوت کا الزام رکھ کر ان کو تہِ تیغ کیا جا سکے۔ جب جمہوری طور پر تنقید کی راہیں مسدود ہو گئیں تو زینوئیف نے حالات وواقعات پر غور کرنے کے لئے آبادی سے دور جنگل میں اپنے معاونین کا ایک خفیہ جلسہ طلب کیا جس میں نائب کمیسار جنگ بھی شامل تھا خفیہ پولیس نے اس جلسہ کی اطلاع سٹالن کو دی اس پر پارٹی نے زینوئیف و کیمونیف کے استیصال کرنے کا قطعی فیصلہ کر دیا اس سلسلہ میں حسبِ دستور سٹالن نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ان دونوں شرکاء کے خلاف پروپیگنڈا شدید کر دیا انھوں نے اس کا انتقام اس طرح لیا کہ اتحاد ثلاثہ کے زمانہ میں انھیں محرم راز خیال کر کے سٹالن نے ٹراٹسکی کا وقار ختم کرنے کے متعلق ان سے جن خفیہ تدابیر کا ذکر کیا تھا مرکزی کمیٹی میں اس کا بھانڈا پھوڑ دیا اس پر سٹالن نے یہ بتایا کہ وہ کس بُری طرح ٹراٹسکی کو پارٹی سے خارج کرنے کے خواہشمند تھے اور اس سلسلہ میں انھوں نے کیسی کیسی کوششیں کی تھیں۔ گھر کے بھیدیوں میں مناقشہ پیدا ہو جائے تو گھر کے راز سب پر عیاں ہو جاتے ہیں۔ سٹالن۔ زینوئیف اور کیمونیف نے اتحاد ثلاثہ کے زمانہ میں ٹراٹسکی کے خلاف جو تخریبی کارروائیاں کی تھیں اور ان تینوں میں سے جس کے مشورے سے کی گئی تھیں وہ سب باتیں زبان پر آ گئیں سوویٹ روس کی تاریخ کا ایک باب ان ناپاک انکشافات کا آئینہ دار ہے۔

اس زمانہ میں چین نے منچوریا کی ریل پر جو روس کی ملکیت تھی قبضہ کر لیا اور سٹالن نے سیاسی بیورو کے روبرو یہ مسئلہ پیش کئے بغیر چین سے اعلان جنگ کر دیا سٹالن کا یہ عمل نہایت درجہ غیر آئینی تھا۔ سیاسی بیورو کے حکم کے بغیر اعلان جنگ روانہ کر دینا سٹالن کی شخصی حکومت کے مترادف تھا۔ سٹالن کی اس غیر آئینی حرکت پر بائیں پارٹی معترض ہوئی۔ پولینڈ کی کمیونسٹ پارٹی نے جب رجعتی جنرل پلڈسکی کی حمایت کی تو پولینڈ کی کمیونسٹ

پارٹی کے اس طرز عمل کا ذمہ دار بھی بائیں پارٹی نے حکومت کی غلط بین الاقوامی سیاسیات کو ٹھیرایا۔ انگلستان کی ہڑتال جو بڑی شد و مد کے ساتھ چھ ماہ تک جاری رہنے کے بعد برطانیہ میں انقلاب برپا کرنے میں کامیاب نہ ہوئی بائیں پارٹی نے اس شکست کی ذمہ داری بھی حکمران طبقہ کی غلط سیاسیات اور طریقہ کار پر رکھی۔ حقیقتاً حکومت روس کی یہ متعدد غلطیاں اس بنیادی غلطی کی وجہ سے تھیں کہ حکمران طبقہ نے انقلاب عالم کا تخیل مسترد کرنے کے بعد دنیا کے انقلابی حالات کو اپنے ملکی و قومی مفاد کے کام میں لانا شروع کر دیا تھا جن انقلابی حالات کی کامیابی و ناکامی سے حکمران طبقہ کے نہم خام میں روس کو کوئی فوری فائدہ مرتب ہوتا نہ معلوم ہوتا اس سے سوویٹ روس لاپرواہ رہتا۔ صرف یہی نہیں بلکہ افسوس ناک امر یہ تھا کہ اگر کسی سرمایہ دار ملک میں انقلابی حالات پیدا ہو جانے سے روسی مفاد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا تو حکمران طبقہ اپنے گروہی قومی و ملکی مفاد کی خاطر دوسرے سرمایہ دار ملک کی پرولتاری انقلابی تحریک کو فنا کرنے میں سرمایہ دار حکومت کی مدد کرنے میں بھی دریغ نہ کرتا مثلاً اگر سرمایہ دار فرانس روسی اشتراکی حکومت تسلیم کرنے کی قیمت یہ رکھتا کہ کمنترن فرانس کی کمیونسٹ پارٹی کو ہدایت دے کہ وہ فرانس کے مزدور طبقہ میں تبلیغ و تنظیم کرنا بند کر دے تو انٹرنیشنل کے صدر مقام ماسکو سے اس قسم کے احکامات فرانس کی کمیونسٹ پارٹی کو صادر ہو جاتے اس طرح اگرچہ اشتراکی روس کی حیثیت تسلیم کر لی جاتی لیکن فرانس کی انقلابی تحریک ختم ہو جاتی۔ سرمایہ دار ممالک کے اشتمالی جمہور اشتراکی روس کی اس ملک و قوم پروری کو دیکھ کر یا تو خاموش ہو جاتے یا پھر آہستہ آہستہ دوسری پارٹیوں میں ضم ہو جاتے تھے مثلاً جوزف۔ ای۔ ڈیوس اپنی مشہور تصنیف مشن ٹو موسکو میں بتاریخ ۱۵ فروری ۱۹۳۷ء لکھتے ہیں "فرانس کے سفیر کلونڈ سے مذاکرات ہوئے۔ ان سے کمنترن کے متعلق طویل گفتگو ہوئی۔ یہ ذکر آیا کہ کمنترن کی تحریک بین الاقوامی تعلقات میں اعتبار پیدا نہیں ہونے دیتی .... تاہم روس نے فرانس کے ساتھ جو معاہدہ کیا ہے اس پر روس کار بند معلوم ہوتا ہے

اس کا ثبوت یہ ہے کہ فرانس کے گذشتہ انتخابات میں فرانس کی کمیونسٹ پارٹی کے چالیس فی صدی ممبر اپنی پارٹی سے علیحدہ ہو کر سوشل ڈیموکریٹک پارٹی میں شامل ہو گئے ہیں اس اندراج سے یہ ظاہر ہو جاتا ہے کہ روس کا حکمران طبقہ سرمایہ دار ملکوں سے اس نوعیت کے معاہدے کر رہا تھا جس سے سرمایہ دار ملکوں کی کمیونسٹ پارٹیوں میں انتشار پیدا ہو رہا تھا۔ حکمران طبقہ کی اس تخریبی سیاست کی دوسری مثال لیجئے۔ سنہ ۱۹۳۱ء میں جرمنی میں ریخ کے انتخابات میں ایک کروڑ تیس لاکھ جرمنوں نے جرمنی کے اشتراکی و اشتمالی امیدواروں کو رائے دی لیکن روس کے حکمران طبقہ کی غلط سیاست کا یہ نتیجہ نکلا کہ سنہ ۱۹۴۱ء میں جرمنی میں معدودے چند جرمن بھی نہ نکلے جو جرمنی کے مشرقی اقدام کے خلاف صدائے احتجاج بلند کرتے اگر روسی حکومت دوربینی سے کام لے کر ایک کروڑ تیس لاکھ جرمنوں کی عملی ہمدردی اپنے ساتھ رکھتی تو روس پر جرمن حملہ ہونا غیر ممکن ہو جاتا اور روس اس جنگ کی مہیب تباہی سے بچ جاتا۔ مندرجہ بالا واقعات بین الاقوامی نقطۂ نگاہ سے بہت اہم تھے۔ پارٹی اخبار نہ ہونے کی وجہ سے بائیں پارٹی ان امور کے متعلق تقریریں کرتی پھرتی تھی۔ تقریریں محدود حلقے ہی کو متاثر کر سکتیں ہیں اس لئے روسی جمہور بائیں پارٹی کے تخیلات سے بہت کم متاثر ہونے پائے۔ دوسری بات یہ تھی کہ ناخواندہ روسی جمہور بین الاقوامی سیاست کو سمجھتے بھی کیا اور اس میں دلچسپی بھی کیا لیتے۔

بائیں پارٹی اپنی تقریروں سے جمہور کو تو نمایاں طور پر متاثر نہ کر سکی لیکن اس نے سٹالن کی متوسط پارٹی کو خشم ناک ضرور کر دیا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ لینسیوج کو مرکزی کمیٹی زینولیف کو سیاسی بیورو اور کیمونیف کو صنعت و حرفت کے کمیسار کے عہدے سے برطرف کر دیا گیا اور ان کی جگہ وسطی پارٹی کے ممبر مقرر کر دئے گئے۔ لینن گراڈ میں زینولیف کی جگہ کیروف سوویٹ کا صدر مقرر کر دیا گیا۔ زینولیف اب صرف کمیونسٹ انٹرنیشنل کا صدر رہ گیا تھا لیکن اس کو زبان ہلانے کی اجازت نہ تھی۔ بائیں پارٹی کے غیر اہم ممبر ہزاروں کی تعداد

میں تبادلہ کے پردے میں ایسے ایسے مقامات پر جلاوطن کردیئے گئے جہاں کی آب وہوا خراب تھی اور علاج ومعالجہ کا کوئی معقول انتظام نہ تھا۔ اگر ایک ایسے شہر سے جہاں مہذب دوست واحباب۔ صاف مکانات کشادہ سنفری سرائیں۔ علمی درسگاہیں۔ متمدن ہمسائے تجربہ کار معالج ہوں کسی کو بدل کر ایک ایسے دیہات میں تعینات کردیا جائے جہاں مندرجہ بالا آسائشیں میسر نہ ہوں بلکہ جس جگہ غلیظ ماحول متعدد مہلک بیماریوں کا باعث بنا ہوا ہو جہاں شریکِ حیات اور لختِ جگر کی ماحول سے وحشت زندگی کو تلخ بنا رہی ہو اس جگہ کی زندگی موت سے کہیں زیادہ تکلیف دہ ثابت ہوتی ہے۔ حکمران طبقہ کا بائیں پارٹی کے استیصال کا یہ بھی ایک طریقہ تھا۔

سیاسی دنیا میں کسی قائد پر ضرب لگانے سے قبل اس کے حواریین کو فنا کیا جاتا ہے اس عمل جراحی کے بعد قائد پر حملہ ہوتا ہے۔ چنانچہ مندرجہ بالا طریقہ پر بائیں پارٹی کا شیرازہ منتشر کرنے کے بعد سٹالن نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کے اجلاس میں حسب ذیل اعلان کردیا کہ

"یہ نہیں ہوسکتا کہ ہم کسی اصول کی صرف تنقید ہی کرتے رہیں اور اس اصول کے ماننے والوں پر ضرب نہ لگائیں۔ کسی اصول کی تردید کرنا کافی نہیں ہوتا بلکہ اس اصول کے ماننے والوں پر حملہ کرنا بھی ضروری ہوتا ہے۔"

یہ اس امر کا اعلان تھا کہ آئندہ صرف بحث ومباحثہ اور دور دراز دیہات کے تبادلوں ہی پر اکتفا نہیں کیا جائے گا بلکہ مختلف الخیال افراد کا پارٹی سے اخراج کردیا جائے گا۔ اخراج کے بعد ہر پارٹی ممبر کے لئے سرزمین روس میں سوائے عسرت کی زندگی یا خودکشی کے کوئی چارہ کار نہیں ہوتا۔ سٹالن کے اس اعلان کی جب کمیونسٹ انٹرنیشنل نے مخالفت نہ کی تو اس پر متوسط پارٹی اور بھی دلیر ہوگئی اور بائیں پارٹی کا استیصال زیادہ سرگرمی سے کیا جانے لگا۔

سیاسی دنیا میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ سر برآوردہ طبقہ مخالف جماعت کو تباہ کرنے کے بعد اس کا لائحہ کار کسی دوسرے نام سے اختیار کر لیتا ہے اکثر انسانوں میں یہ کمزوری ہوتی ہے کہ وہ طاقت کو اپنے ہاتھ سے نہیں دینا چاہتے وہ کسی دوسرے کے ہاتھ سے مفید امور کا اجراء اس خوف سے نہیں ہونے دیتے کہ کہیں اس کا وقار نہ بڑھ جائے اور طاقت اس کے ہاتھ میں نہ چلی جائے۔ مخالفین کے لائحہ عمل کو درست خیال کرنے کی شکل میں بھی سر برآوردہ طبقہ اس کو اس وقت تک اختیار نہیں کرتا جب تک کہ مخالفین کو تباہ نہ کرلے۔ مخالفین کی تباہی کے بعد ان کا طریقہ کار اختیار کرنے میں ہاتھ سے طاقت نکل جانے کا خطرہ باقی نہیں رہتا۔ بائیں پارٹی کو درہم برہم کرنے کے بعد روس کے سالاروں نے صنعت و حرفت کی ترقی میں کثیر سرمایہ صرف کرنے کا حکم دے دیا۔ اس حکم پر جنرل سکرٹری سٹالن۔ کونسل آف کمیسار کے صدر ریکوف اور کنٹرول کمیشن کے صدر کیبوشیف کے دستخط تھے۔ کمیونسٹ پارٹی کے دستور کے بموجب سیاسی بیورو اور مرکزی کمیٹی کی منظوری کے بغیر اس قسم کے اہم احکامات کا اجراء قطعی بے ضابطہ تھا۔ لیکن اب وہ جمہوری روایات فراموش ہو چکی تھیں اور اشتراکی شہنشاہیت ان تین ہستیوں میں مرکوز ہو گئی تھی۔

حکمران طبقہ نے طاقت کے غرور کا مظاہرہ اس طرح کیا کہ ٹراٹسکی اور پیٹیاکوف کو اقتصادی محکمہ کے عہدوں سے الگ کر دیا اور کیمونیف کو بطور سفیر جاپان جانے کا حکم دے دیا۔ بائیں پارٹی کے غیر معروف ممبروں کو سائبیریا کے برفانی میدانوں میں جلاوطن کیا جاتا تھا لیکن اکابر بالشیوک کی جلاوطنی سفارتی عہدوں پر تعینات کئے جانے کی شکل میں ہوتی تھی۔ کیمونیف نے جلاوطن ہونے سے انکار کیا۔ حکمران طبقہ کے اس جبر و تشدد کو لینن کی شریک حیات برداشت نہ کر سکی اور اس نے لینن کے صحیفہ کی ایک نقل اشاعت کے لئے دے دی۔ میکس ایسٹ مین نے اس کو امریکن اخبارات میں

شائع کر دیا۔ دنیا کے سیاسی حلقوں میں اس صحیفہ کا بہت چرچا ہوا لیکن روسی جمہور میں اس کے متعلق لاعلمی ہی رہی۔ کریسپکا کا یہ اقدام بائیں پارٹی کے لئے سمِ قاتل ثابت ہوا۔ جمہور تک تو یہ صحیفہ پہنچ نہ سکا نقصان یہ ہوا کہ حکمران طبقہ ہمہ تن قہر و غضب بن گیا اور اس نے بائیں پارٹی کے جلسے منعقد کرنے بھی غیر ممکن کر دیتے۔ جہاں بائیں پارٹی کا جلسہ ہوتا حکومت کے گرگے پہنچ جاتے اور جلسے کو درہم برہم کر دیتے اخبارات کے ذریعہ سے اظہار خیال کرنا تو بائیں پارٹی کے لئے پہلے ہی ناممکن تھا اب تقریروں کے ذریعہ سے بھی ناممکن ہو گیا۔ بائیں پارٹی کے چند نوجوانوں نے حکومت کے اس رویہ کا یہ جواب دیا کہ صحیفہ کی کاپیاں ٹائپ کر کے خفیہ طور پہ جمہور میں تقسیم کرنی شروع کر دی۔ نوجوانوں کی اس قسم کی کارروائیاں جمہور کو تو بیدار نہ کر سکیں البتہ سربرآوردہ طبقہ زیادہ دشمنی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔

صحیفہ میں چونکہ تمام اکابر بولشیوک پر تنقید تھی اور اس سے ظاہر ہوتا تھا کہ ان میں آپس میں اختلاف تھے۔ اس لئے اس کا بین الاقوامی اثر بُرا پڑا۔ ٹراٹسکی وغیرہ اس حد تک جانا نہیں چاہتے تھے کہ ان کے آپس کے اختلافات کا علم سرمایہ دار ممالک کو روس پر حملہ آور ہونے کی دعوت بن جائے۔ چنانچہ دنیا کے روبرو اپنی یک جہتی کا ثبوت دینے اور اپنی بے سروسامانی سے مجبور ہو کر زینو ئیف۔ ٹراٹسکی۔ کیمو نیف پٹیاکوف وغیرہ نے اپنے دستخطوں سے ایک اعلان شائع کیا جس میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ آئندہ یہ لوگ حکومت پر تنقید نہ کریں گے۔ البتہ ان کے انفرادی اعتقادات بدستور رہیں گے۔ اسٹالن نے بائیں پارٹی کے اس اعتراف غلط کاری سے یہ فائدہ اٹھایا کہ ٹراٹسکی اور کیمو نیف کو سیاسی بیورو اور زینو ئیف کو انٹر نیشنل کی صدارت سے برطرف کر دیا اور ان کی جگہ وسطی پارٹی کے ممبر مقرر کر دیے لیکن یہ تینوں کمیونسٹ پارٹی انٹرنیشنل اور مرکزی کمیٹی کے بدستور ممبر رہے۔

انقلاب اپنی عمر کے دسویں سال میں داخل ہو رہا تھا لیکن بولشیوک پارٹی میں

بجائے دورِ رفتہ کی یک جہتی کے انتشار روز افزوں تھا۔ آپس کی کشیدگی بڑھ رہی تھی کہ چین میں کمیونسٹ اور رجعتی عناصر میں خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ پراودا نے اس خانہ جنگی کو انقلابِ عالم کی تمہید کہہ کر پکارا۔ اس میں شک نہیں کہ اگر حکمران طبقہ اس انقلاب کو اپنی خام تدابیر سے فنا نہ کر دیتا تو وہ یقیناً انقلاب عالم کا پیش خیمہ ثابت ہوتا۔ بائیں پارٹی نے گو خاموش رہنے کا وعدہ کر لیا تھا لیکن مسئلہ اتنا اہم تھا۔ اور حکمران طبقہ نے اس انقلاب کی رہبری میں ایسی اجتہادی اور سیاسی اور فوجی غلطیاں کرنا شروع کر دی تھیں کہ بائیں پارٹی اور متوسط پارٹی میں از سرِ نو بحث شروع ہو گئی۔

انقلابِ چین

بائیں پارٹی اور حکمران طبقہ میں کشمکش

چین میں سرمایہ داری کا آغاز اگرچہ بیسویں صدی کے اوائل میں ہو گیا تھا لیکن یہ وسیع ملک ۱۹۱۴ء تک ایک غیر متمدن و زراعتی ملک کہلانے کا ہی مستحق تھا پہلی جنگ عظیم کا یہ تو تخریبی پہلو تھا کہ اس نے مغربی یورپ اور روس کو تباہ و برباد کر دیا۔ اس تخریب میں تعمیر کے چند پہلو بھی پنہاں تھے جن کی وجہ سے زراعتی ممالک کو آلاتی طور پر ترقی کرنے کا موقع مل گیا۔ یورپ کے اقتصادی مقابلہ سے محفوظ ہو کر چین نے صنعت و حرفت کا بہت بڑے پیمانہ پر انتظام کیا۔ غیر ملکی سرمایہ کی مساعی کے باوجود چند سال کے عرصے میں چینیوں کے ۲۷ بنک جن کا مجموعی سرمایہ پچیس کروڑ چینی ڈالر تھا وجود میں آ گئے اور انھوں نے ہر طریقہ پر چینیوں کی قائم کردہ فیکٹریوں کی امداد کرنا شروع کر دی۔ اس طرح جو چینی کارخانے قائم ہوئے ان میں ۱۹۲۷ء تک پچاس لاکھ مزدور کام کرنے لگے سرمایہ داری کی یہ وہ منزل تھی۔ جہاں سرمایہ اور مزدور کا تضاد نمایاں ہو جاتا ہے اور ان میں اقتصادی بنیادوں پر سیاسی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ زراعتی چین بھی تضاد سے مبرا نہیں تھا۔ چین کی چالیس کروڑ آبادی میں سے ۸۵ فی صدی کاشتکار تھے۔ چین کی

زرخیز زمین زمینداروں ۔ جاگیرداروں ۔ فوجی سالاروں اور مذہبی رہبروں کے لئے جن کی تعداد کسی طرح ۲۰ فی صدی سے زیادہ نہ تھی وجہ عیش و نشاط بنی ہوئی تھی اور ۸۰ فیصدی غریب کاشتکاروں کے لئے باعث زحمت و نامرادی تھی ۔ اس افیون زدہ ملک کا غریب کسان اپنی تباہ حالی پر گریہ وزاری تو کرتا رہتا تھا لیکن اس میں وہ بصیرت و ہمت پیدا نہیں ہوئی تھی جو اپنے لئے ترقی کی راہیں نکال لیتی ہیں ۔ چین میں یہ مایوس کن حالات تھے کہ ۱۹۱۷ء میں روس میں اشتراکی انقلاب رُونما ہوا ۔ ہمسایہ ملک ہونے کی حیثیت سے چین انقلاب روس سے از حد متاثر ہوا اور اس سُست نہاد ملک کے قائدِ اعظم ڈاکٹر سن یٹ سان کا ایک برقیہ لینن کے نام پیام مبارک باد لایا ۔ ڈاکٹر موصوف نے بولشیوک کی تقلید میں ایک سیاسی انقلابی پارٹی کمنٹانگ کی بنیاد بھی ڈال دی اور اس کے حسب ذیل تین بنیادی اصول مقرر کئے ۔

۱۔ وطنیت

۲۔ جمہوریت

۳۔ جمہور کی آسودگی و تحفظ

سوویٹ حکومت کی طرف سے جولائی ۱۹۱۹ء کو چین کے جمہور کے نام ایک منشور شائع ہوا جس کی رُو سے وہ تمام چینی علاقے جو زار روس نے غصب کر رکھے تھے چین کو واپس کر دئے گئے ۔ مشرقی ریل کی پٹری بھی چین کی ملکیت تسلیم کر لی گئی دوسرے یورپی ممالک کی طرح چین میں روس کو جو غیر منصفانہ مراعات ملی ہوئی تھیں اُن سے دست بردار ہونے کا بھی اعلان کر دیا گیا ۔ لینن کی اس سیاسی راست بازی نے چین کو تسخیر کر لیا ۔ لینن کی حکمت عملی کا یہ اثر ہوا کہ اشتراکی فلسفۂ حیات اور سیاسی تصورات پر تمام چین غور کرنے لگا ۔ چینی زبان میں کارل مارکس انگلز اور لینن کی تصانیف کے تراجم شائع ہونے شروع ہو گئے اور ہر پیر و جوان نے ان کا مطالعہ کرنا شروع کر دیا ۔ بدحال جمہور

میں انقلابی تخم ریزی اتنی کارگر ہوئی کہ ۱۹۲۱ء میں بیرونی منگولیا میں انقلاب ہوکر سوویٹ طرز کی حکومت قائم ہو گئی۔

ڈاکٹر سن یٹ سان بورژوازی طبقہ کے ایک فرد تھے اور ان کی سیاست اسی طبقہ کے رنگ میں رنگی ہوئی تھی۔ ان کا خیال تھا کہ سرمایہ دارانہ نظام میں بھی یہ اہلیت موجود ہے کہ وہ غریب کی اقتصادی حالت درست کر سکتا ہے۔ ڈاکٹر موصوف کے نزدیک چین کا سیاسی مسئلہ یہ تھا کہ غیر قومی و ملکی سرمایہ کا وطن سے اخراج کر دیا جائے یہ وہی طرز خیال تھا جو محکوم اقوام کی سرمایہ دار جماعت کا ہوتا ہے۔ لینن کے بین الاقوامی اشتراکی فکر اور ڈاکٹر موصوف کے سیاسی تصورات میں اگرچہ حبہ برابر بھی ہم آہنگی نہ تھی تاہم دونوں اپنی اپنی مصلحتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک دوسرے سے قریب آ گئے تعاون سے ڈاکٹر صاحب کا یہ مقصد تھا کہ بولشیوک کے انقلابی تجربہ اور مدد سے فائدہ اٹھا کر امپیریل حکومتوں کا چین سے اخراج کر دیا جائے۔ لینن کی نظر اس پر تھی کہ اس کو ماہرین انقلاب چین روانہ کرنے اور جمہور میں اشتراکی تبلیغ کرنے کا موقع مل رہا تھا۔ ان مختلف اور ایک حد تک متضاد آرزوؤں کے ماتحت دونوں قائدین اپنے اپنے مفاد کی خاطر تعاون پر آمادہ ہو گئے۔ جب ڈاکٹر چیفے اور اس کے بعد کراخان سفیر روس کی سعی سے ڈاکٹر صاحب کا روس کے ماہرین انقلاب کو چین آنے اور جمہور کی تنظیم کرنے کا دعوت نامہ آیا تو ایک بروڈن نامی انقلابی کو چین روانہ کیا گیا اس انقلابی نے چین پہنچتے ہی کمنتانگ کی نئی بنیادوں پر تعمیر شروع کر دی۔ سرخ فوج کو وجود میں لانے اور جمہور میں تنظیم پیدا کرنے کی غرض سے فوجی اور تبلیغی کالج قائم کئے اس سعی کا یہ نتیجہ نکلا کہ تھوڑے ہی عرصہ میں چین میں کمیونسٹ پارٹی پیدا ہو گئی اور اس نے اتنی تیزی سے ملک کی سیاسی زندگی میں نمایاں حیثیت حاصل کر لی کہ ۱۹۲۴ء میں کمیونسٹ پارٹی کے ممبروں کو کمنتانگ کی ممبری کا حق مل گیا۔ کمیونسٹ نکتۂ نگاہ سے چین کی سیاست

میں یہ ایک اہم واقعہ تھا چونکہ اب کمیونسٹ پارٹی کے کمنٹانگ پر قابض ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے تھے۔ لیکن انقلابی عناصر کی بدبختی یہ کہ اسی سال لینن مرض الموت میں گرفتار ہو گیا اور روس میں اسٹالن کی سالاری میں ایک حکمران طبقہ پیدا ہو گیا جس کا نظریہ خالص قومی اور ملکی تھا۔ اس طبقہ کا مفاد اس میں تھا کہ چین میں انقلاب نہ ہو۔ اس سلسلہ میں ناظرین کی یاد تازہ کرنے کی خاطر مختصر طور پر ان امور کی جانب چند اشارے کرنے ضروری ہیں جن کا مفصل ذکر ہم اپنی تصنیف "انقلاب روس" میں کر چکے ہیں۔

پہلی جنگ عظیم کے اختتام پر تمام متمدن دنیا میں انقلابی عناصر کی فتح کے بعد شکست کا دور شروع ہوا تو روس بھی اس کے اثرات سے محفوظ نہ رہ سکا۔ یہاں بھی بین الاقوامی انقلابی تصورات کو قومی و ملکی رجحانات پسپا کرنے لگے یعنی اسٹالن اور حکمران طبقہ نے اپنے مدمقابل لینن اور ٹراٹسکی کو شکست دے دی۔ لینن اور ٹراٹسکی کا "مستقل انقلاب" کا سیاسی نظریہ یہ تھا کہ دنیا کی "پرولتاری" جماعت اشتراکی انقلاب کے لئے تیار ہے سرمایہ داری میں آشوب آچکا ہے اگر بیدار مغز قائدین پرولتاری جماعت کی رہبری کریں تب کامیاب انقلاب ہونے کے قوی امکانات ہیں۔ روسی انقلاب کو دنیا کی سرمایہ دار حکومتوں سے زبردست خطرہ ہے۔ روس کا انقلاب اسی حالت میں زندہ رہ سکتا ہے کہ متعدد ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک اشتراکیت قبول کر لیں۔ اسٹالن اور حکمران طبقہ کا "واحد ملک میں انقلاب" کا نظریہ یہ تھا کہ روسی انقلاب بغیر بین الاقوامی مدد کے قائم رہ سکتا ہے دنیا کا پرولتاری طبقہ اشتراکی انقلاب کے لئے تیار نہیں ہے۔ روس کی قومی و ملکی بہبودی کو دنیا کی مزدور جماعت کے مفاد و عافیت پر ترجیح دینی چاہئے۔ یہ دونوں نظریئے ایک دوسرے کی ضد تھے اور ان نظریوں کی فتح و شکست پر ٹراٹسکی یا اس کے مدمقابل کی فتح و شکست کا دار و مدار تھا۔ مثلاً اگر روس کی انقلابی مدد سے متعدد ممالک میں کامیاب اشتراکی انقلابات ہو جاتے تو اس کے معنی یہ ہوتے کہ ٹراٹسکی کا "مستقل انقلاب" کا نظریہ

درست تھا۔ اس شکل میں روسی جمہور ٹراٹسکی کے زیر اثر آجاتے اور حکمران طبقہ کو شکست ہو جاتی۔ اس صورت میں لازمی طور پر اسٹالن کی سعی یہ تھی کہ ایسے حالات پیدا نہ ہونے پائیں جو ٹراٹسکی کے نظریے کی تائید میں پیش کئے جائیں۔ بہ الفاظ دیگر اسٹالن اور حکمران طبقہ کی فتح اس میں مضمر تھی کہ کسی ملک میں اشتراکی انقلاب نہ ہونے پائے جب چین میں کمیونسٹ پارٹی کا اقتدار بڑھا اور اشتراکی انقلاب کے آثار نمایاں ہوئے۔ ان حالات میں اسٹالن اور حکمران طبقہ کو اپنی شکست اور ٹراٹسکی کی فتح نظر آنے لگی۔ ٹراٹسکی کی فتح کے امکانات سے متاثر ہو کر اسٹالن اور حکمران طبقہ نے چینی انقلاب کو فتح کرنے کی ٹھان لی تاکہ وہاں کا انقلاب ٹراٹسکی کے مستقل انقلاب کے نظریے کو صحیح اور درست نہ ثابت کر سکے (ان ہی وجوہات کی بنا پر اسٹالن نے جرمنی میں اشتراکی انقلاب کو فنا کر دیا تھا) چین میں نام نہاد انٹرنیشنل نے جو تخریبی سیاست روا رکھی۔ اسٹالن نے چین کی کمیونسٹ پارٹی کو کامیاب اشتراکی انقلاب سے جس مجرمانہ طریقہ پر روکا اور اس کی تباہی کے لئے چیانگ کائی شیک کو جس طرح مواقع بہم پہنچائے مندرجہ بالا وجوہ کی روشنی میں ان سب اعمال و افعال میں مقصد و معنی دکھائی دینے لگتے ہیں۔ چین میں اشتمالی انقلاب ہو جانے کی شکل میں اسٹالن کو ایک اور بھی خطرہ تھا۔ یہ امر یقینی تھا کہ جس طرح انقلاب کے فوراً بعد متعدد سرمایہ دار ممالک روس پر حملہ آور ہوئے تھے اسی طرح وہ چین میں بھی انقلاب کو فنا کرنے اور اس وسیع ملک کے حصے بخرے کرنے کی سعی کریں گے اور اپنی کوشش میں کامیاب ہو جائیں گے۔ اس طرح ان طاقتور سرمایہ دار ممالک سے روس کی مشرقی سرحد مل جائے گی اور ان ممالک کے متحد ہو کر روس پر حملہ آور ہونے کے امکانات نہایت قوی ہو جائیں گے۔ اس لئے اسٹالن کو اس میں عافیت معلوم ہوتی تھی کہ چین میں طوائف الملوکی اور قرونِ وسطیٰ کی تاریکی چھائی رہے۔

یہاں قدرتی طور پر یہ سوال ذہن میں آتا ہے کہ اگر ۱۹۱۸ء میں چند ہزار غیر مسلح و نیم مسلح بدحال

بولشیوک سرمایہ دار ممالک کے حملوں سے فنا نہ ہو سکے تو یہ کیوں قیاس کر لیا گیا کہ چین جس کی ملک کو اب اشتراکی روس آ سکتا تھا سرمایہ دار ممالک سے شکست کھا جائے گا حقیقت یہ بھی کہ چین میں کمیونسٹ انقلاب ہونے کی شکل میں اسٹالن تضاد میں پھنس جاتا یعنی یہ کہ کمیونسٹ انقلاب کے رونما ہوتے ہی سرمایہ دار ممالک چین پر حملہ آور ہوتے۔ اگر انقلابی چین ان رجعتی حکومتوں کو شکست دینے میں کامیاب ہو جاتا تب ٹراٹسکی کا مستقل انقلاب کا نظریہ درست ہو جاتا اور اس کے یہ معنی ہوتے کہ بائیں پارٹی کا اقتدار روس میں بہت بڑھ جاتا اور یہ شکل اسٹالن اور حکمران طبقہ کے لئے زہر قاتل ثابت ہوتی۔ اگر چینی انقلاب کو شکست اور رجعتی حکومتوں کو فتح ہو جاتی تو ان طاقتور سرمایہ دار حکومتوں کا چین میں قیام روس کے پہلو میں ہمیشہ خار بنا رہتا جو خطرے کے وقت مہلک ثابت ہو سکتا تھا۔ اس بنیادی حقیقت کو ذہن نشین کر لینے کے بعد چین کے متعلق اسٹالن کی جو حکمت عملی تھی اس میں ربط محسوس ہونے لگتا ہے۔

اسٹالن نے چین کے انقلاب کو تباہ کرنے کی سمت پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ۱۹۲۵ء میں ماسکو میں سن یٹ سان یونیورسٹی قائم کی جس میں طلبار کو مارکسیت کی جگہ اسٹالنیت یعنی قومی اور ملکی تصورات کی تعلیم دی جانے لگی۔ جب یہ طلبار نام نہاد تعلیم حاصل کرنے کے بعد چین واپس آئے تو یہی لوگ کمیونسٹ پارٹی کے قائدین بنے۔ ظاہر تھا کہ یہ روسی حکومت کے اشاروں پر ناچتے تھے۔ دوسرا قدم یہ اٹھایا کہ ماسکو نے بر ڈون کو جدید اسٹالنی نظریے کے مطابق طریقہ کار بدلنے کے احکامات صادر کر دئے۔ بر ڈون حکومت کا تنخواہ خوار تھا۔ اس نے سیاست کی وہی تخریبی طرح ڈال دی جس کا اسکو حکومت کی جانب سے حکم ملا تھا۔ بر ڈون نے اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ کمیونسٹ پارٹی کو ڈاکٹر سن یٹ سان کی پارٹی کمنتانگ میں مدغم کر دیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ جمہور رجعتی کمنتانگ کو بھی انقلابی جماعت تصور کرنے لگے اور ملک میں اس پارٹی کا اقتدار بڑھانے میں سرگرم

ہو گئے۔ ملک کے طول وعرض میں کمیونسٹ تبلیغ و تنظیم کرتے تھے لیکن نام کمنتانگ کا ہوتا تھا۔ جمہور اس مغالطے میں مبتلا ہو گئے کہ کمنتانگ بھی کمیونسٹ پارٹی کی ایک شاخ ہے۔ دو سبب اور تھے اول یہ کہ کمنتانگ مزدور و کسان کی تنظیم میں پیش پیش تھی جمہور اور عام کمیونسٹ کمنتانگ کے اس اقدام کو اشتراکی رجحان خیال کرتے تھے۔ حالانکہ کمنتانگ کا اس سے اصل مقصد یہ تھا کہ ان عناصر سے ہڑتالیں، بلوے اور فیکٹریوں میں سبوتاج (بدنظمی) کرا کے غیر ملکی سرمایہ کو ملک سے فرار ہونے پر مجبور کیا جائے تاکہ ملکی سرمایہ کو اس کی جگہ لینے کا موقع ملے۔ اس کے بعد مزدور و کسان کی انقلابی تحریک کچل دی جائے۔ دوسرے یہ کہ کمنتانگ بھی ریاستی سرمایہ دار کی حامی تھی۔ چونکہ انقلاب روس کے ابتدائی زمانہ میں لینن نے سرمایہ داری کی تائید کی تھی اس لئے چینی جمہور اور عام کمیونسٹ اس کو اشتراکیت کی خام شکل خیال کرتے تھے۔ حالانکہ ریاستی سرمایہ داری از خود کوئی خاص نوعیت نہیں رکھتی۔ اگر کسی ملک میں سرمایہ دار طبقہ برسر اقتدار ہوتا ہے تب ریاستی سرمایہ داری کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ ملک کی تمام صنعت و حرفت پر سرمایہ داروں کا قبضہ ہے۔ سرمایہ داری کی یہ شکل برطانیہ اور امریکہ کی سرمایہ داری سے کہیں زیادہ شدید اور مہلک ہوتی ہے۔ صرف اس وقت جبکہ مزدور طبقہ برسر اقتدار ہو ریاستی سرمایہ داری کو اشتراکیت کی طرف پہلا قدم تصور کیا جا سکتا ہے۔ عنانِ حکومت مزدور طبقہ کے قبضہ و اختیار میں ہو تو صنعت و حرفت بھی مزدور ہی کے قبضہ میں رہنی چاہیئے۔ کمنتانگ پارٹی ریاستی سرمایہ داری کی ضرور حامی تھی لیکن وہ سرمایہ دار جماعت کا اقتدار چاہتی تھی یعنی کمنتانگ پارٹی نہایت شدید طریقہ سے سرمایہ داری کی حامی تھی۔ جمہور اور عام کمیونسٹوں میں چونکہ سیاسی بصیرت نہیں تھی اس لئے ریاستی سرمایہ داری کی اصطلاح کے شکار ہو کر وہ کمنتانگ کو کمنترن کی شاخ خیال کرتے تھے۔

۱۹۲۵ء کے اوائل میں ڈاکٹر سن یٹ سان کا انتقال ہو گیا اور ان کی قیادت پر فوجی

یونیورسٹی کے شیخ چیانگ کائی شیک متمکن ہوگئے۔ کسی قائد کی وفات کا اس کے مخالفین پر ہمیشہ یہ ردعمل ہوتا ہے کہ وہ متحد ہوکر مرحوم کی پارٹی پر اس امید میں حملہ آور ہوتے ہیں کہ قائد کی جانشینی کے مسئلہ پر اختلاف کی وجہ سے اس وقت مخالف صفوں میں انتشار ہوگا اس سے فائدہ اٹھایا جائے۔ چنانچہ ڈاکٹر موصوف کی وفات پر حسب شہنشاہیت پسند اور رجعتی عناصر نے سر اٹھایا تو کمنٹانگ کو اپنی زندگی مستعار معلوم ہونے لگی اس نازک وقت میں کمیونسٹ پارٹی رجعتی عناصر کے خلاف میدانِ کارزار میں صف آرا ہوئی اور فتنہ کو دبا دیا۔ لیکن چونکہ کمیونسٹ پارٹی کمنٹانگ میں مدغم ہو چکی تھی اور ہر تحریک کمنٹانگ کے نام پر کی جاتی تھی اس لئے کمیونسٹ کی ہر فتح کے بعد ملک میں بجائے کمیونسٹ کے کمنٹانگ کا وقار بڑھتا تھا۔ اس وقت ماسکو کو یہ چاہیئے تھا کہ کمیونسٹ پارٹی کو کمنٹانگ سے علیحدہ ہونے اور سوویٹ پروگرام جاری کرنے کی ہدایت دیتی لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ چین کے اشتراکی انقلاب میں اسٹالن کو اپنی موت دکھائی دیتی تھی۔ اس لئے کمیونسٹ پارٹی کو کمنٹانگ میں ہی رکھا گیا جب کمیونسٹ پارٹی نے رجعتی عناصر کو شکست دے دی تو چیانگ کائی شیک کو یہ خطرہ پیدا ہوگیا کہ کمیونسٹ اس پر بھی وار نہ کریں۔ اس خطرے کا سدباب کرنے کے لئے چیانگ کائی شیک نے چین میں اپنی آمریت کا اعلان کر دیا اور کمیونسٹ تحریک کو غیر قانونی قرار دے دیا۔ یہ اقدام ڈاکٹر سن یٹ سان کی سیاست کے مطابق تھا۔ ڈاکٹر موصوف نے چین کے ارتقا کی تین منزلیں بیان کی تھیں۔

۱۔ چین میں فوجی حکومت کا قیام جو دشمنانِ ملک کا استیصال کرے۔

۲۔ پارٹی کی آمریت کا قیام جو عوام کو تعلیم و سیاسی شعور دے کر ان کو جمہوریت کے لئے تیار کرے۔

۳۔ جمہوریت۔

ان منازل میں چونکہ کمیونزم کا ذکر نہ تھا اس لئے چیانگ کائی شیک کمیونسٹوں کو فنا کرنا مرحوم قائد کی مرضی کے عین مطابق خیال کرتا تھا۔ طبقاتی جنگ میں، آزمودہ سیاست یہی ہوتی ہے کہ ایک طبقہ کو دوسرے سے برسر پیکار کرایا جائے۔ چنانچہ چیانگ نے بورژواری طبقہ کو مسلح کر کے غریب مزدور و کسان پر بھوکے درندے کی طرح چھوڑ دیا لیکن باوجود شدید تشدد کے انقلابی تخیلات روز افزوں ترقی پر تھے اور خود کمنتانگ میں ترقی پسند افراد کی ایک جماعت پیدا ہو گئی تھی جو اپنے آپ کو بائیں پارٹی کہتی تھی۔ کیونکہ یہ پارٹی انقلابی رجحانات لئے ہوئے تھی اس لئے چیانگ اس کو کمیونسٹ اثر کا نتیجہ خیال کرتا تھا۔ اس یقین کے ماتحت چیانگ کی دائیں پارٹی نے ایک جلسہ منعقد کیا جسمیں کمیونسٹ اثر کو روکنے کے لئے مندرجہ ذیل قرارداد پاس کی۔

۱۔ کمیونسٹ کا کمنتانگ سے اخراج کر دیا جائے۔
۲۔ کمیونسٹ کے سیاسی بیورو کو بند کر دیا جائے۔
۳۔ بردڈن کے فوجی مشیر اس سے علیحدہ کر دئے جائیں۔

سرمایہ داری کا تضاد چین میں کمیونسٹ رجحانات پیدا کر رہا تھا۔ اور باوجود چیانگ کی سعی کے انقلابی رجحانات توانا ہی ہوتے جا رہے تھے۔ لیکن اس دور کا سب سے زیادہ تعجب خیز امر یہ تھا کہ چیانگ کی کمیونسٹ دشمنی کے باوجود کمنترن کے اجلاس میں اس کا ایک نمائندہ شریک ہوتا تھا اور اس کو اظہار خیال کا حق بھی دے دیا گیا تھا۔ اس زمانہ میں ماسکو سے چینی نمائندہ کا برقیہ آیا کہ کمنترن اس امر پر متفق ہے کہ موجودہ اقتصادی و سیاسی حالات میں چین میں کمیونسٹ انقلاب نہیں ہو سکتا۔ یہ برقیہ اسٹالن و ٹراٹسکی کے اختلاف کا نتیجہ تھا۔ اس برقیہ کا مفہوم چیانگ سمجھ گیا کہ وہ چینی کمیونسٹ کے خلاف شدید کارروائی کر سکتا ہے ماسکو کی پیشانی پر شکن نہ آئے گا۔ چنانچہ چیانگ نے کمیونسٹ کو غدار کہنا شروع کر دیا۔ اس کے بعد فوج میں جو کمیونسٹ عناصر تھے ان کا استیصال کیا۔ اگر اسٹالن یا کمنترن کو

چین میں اشتراکی انقلاب کرنا مقصود ہوتا تب اس سے زیادہ بہتر موقعہ ملنا ناممکن تھا۔ دائیں پارٹی کی نبرد آزمائی اور فوج میں استیصال کی بنا پر عام طور پر ملک میں سیاسی بے چینی پھیلی ہوئی تھی اس زمانہ میں اگر انقلابی عناصر کا واحد محاذ قائم کر کے چیانگ کائی شیک کی افواج پر حملہ کیا جاتا تو کمیونسٹوں کی فتح یقینی تھی لیکن چونکہ ایسا کرنے سے ٹراٹسکی کے مستقل انقلاب کے نظریے کی تائید ہوتی تھی اس لئے اسٹالن کوئی تعمیری قدم نہیں اٹھاتا تھا۔ نہ صرف یہ ہی بلکہ کنٹن میں کمنٹانگ کی بائیں پارٹی اور فوج میں کمیونسٹوں کا جو قتل عام ہوا اس کا روسی اخبارات میں ذکر تک نہیں ہونے دیا گیا۔ چینی کمیونسٹ کے قتل عام پر جب اشتراکی روس خاموش رہا اور کمنٹرن نے چیانگ کے خلاف جارحانہ کارروائی کرنے کے بجائے چینی کمیونسٹ کو صبر وضبط کی تلقین کی اس پر چیانگ کائی شیک کی ہمتیں اور بھی بڑھ گئیں۔ اور اس نے مئی ۱۹۲۹ء کو کمنٹانگ کی مجلس عاملہ کا ایک خاص اجلاس منعقد کر کے ایک قرارداد کے ذریعہ سے چین کمیونسٹ پارٹی پر حسب ذیل پابندیاں عائد کر دیں!

۱۔ کمیونسٹ پارٹی ڈاکٹر سن ہٹ سان کے سیاسی اصولوں پر نکتہ چینی نہیں کر سکتی اس کو ان کی قطعی طور پر پابندی کرنی ضروری ہے۔

۲۔ کمیونسٹ پارٹی کے لئے اپنے تمام ممبروں کی مکمل فہرست کمنٹانگ کو دینی ضروری ہے (اس مطالبہ سے مقصد یہ تھا کہ بتدریج تمام کمیونسٹ پارٹی کو قتل کر دیا جائے)

۳۔ کمنٹانگ پارٹی کے مرکزی اداروں میں کمیونسٹ عہدہ حاصل نہیں کر سکتے۔

۴۔ کمنٹانگ پارٹی کی اجازت کے بغیر کوئی کمیونسٹ ممبر پارٹی کے نام پر جلسہ طلب نہیں کر سکتا اور کمنٹانگ کے معاملات زیر بحث نہیں لا سکتا۔

۵۔ اگر کمیونسٹ پارٹی اپنے ان کارکنوں کو جو کمنٹانگ پارٹی کے ممبر ہیں کسی امر میں ہدایت دینا چاہے تو یہ ہدایت سب سے پہلے کمنٹانگ کی مشترکہ کمیٹی کے روبرو پیش ہونی چاہئے

اس کی منظوری ہو جانے کے بعد کمیونسٹ پارٹی کوئی ہدایت کمنٹانگ کے کمیونسٹ ممبروں کو دے سکتی ہے۔ (اس شترکہ کمیٹی میں ممبروں کی اکثریت کمیونسٹ کے خلاف تھی)

۶۔ کمنٹانگ کا کوئی ممبر بلا اس ادارے سے مستعفی ہوئے کمیونسٹ پارٹی کا ممبر نہیں بن سکتا۔ اور ایک مرتبہ کمیونسٹ پارٹی کا ممبر ہونے کے بعد از سرِ نو کمنٹانگ پارٹی کا ممبر مقرر نہیں ہو سکتا۔

ان تجاویز کے بعد اس امر کے یقین کرنے میں خفیف سے شک کی بھی گنجائش نہیں رہتی کہ کمنٹانگ کا مقصد کمیونسٹوں کو نیست و نابود کرنا تھا۔ لیکن ان حالات کے باوجود ماسکو میں کمنٹانگ ہی کو اہمیت حاصل تھی اور اسٹالن۔ بخارن وغیرہ چینی کمیونسٹ پارٹی کو کمنٹانگ پارٹی میں مدغم رہنے اور اس کی سیاسی رہبری قبول کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ چینی جمہور اور کمیونسٹ پارٹی کے عام ممبر اس مغالطہ میں تھے کہ اسٹالن اور بخارن کے مشورے ان کے انقلابی تجربے اور اشتراکی حکمت عملی کے مطابق ہی ہوں گے۔ اس لئے وہ ان مشوروں پر سختی سے کاربند تھے۔ جمہور اور عام کمیونسٹوں کو یہ علم نہ تھا کہ لینن کی موت کے بعد سے روس میں اشتراکی رجحانات ختم ہو چکے تھے اور حکمران طبقہ اپنے مفاد کے لئے ٹراٹسکی کے مستقل انقلاب کے نظریئے کو غلط ثابت کرنے کے لئے ہر ملک کے قائدین کو غلط مشورے دے دے کر انقلابی عناصر کو فنا کرانا چاہتا تھا تاکہ ببانگِ دہل یہ اعلان کیا جا سکے کہ ٹراٹسکی اور اس کے شرکار کار کی سیاست قطعی طور پر غلط ثابت ہو گئی اور اسٹالن مارکس اصولوں کا سب سے بڑا ماہر ہے۔

روس کے ترقی پسند قائدین جنھوں نے انقلاب کی خدمت میں عمریں گزار دیں تھیں اور جو اس امید پر زندہ تھے کہ دنیا میں اشتراکی انقلاب ہونے والا ہے وہ اسٹالن اور حکمران طبقہ کی اس تخریبی سیاست پر خاموش نہیں رہ سکتے تھے چنانچہ ٹراٹسکی

نے روس کی کمیونسٹ پارٹی سے مطالبہ کیا کہ چین کی کمیونسٹ پارٹی کو ایک منشور جاری کرنے کی اجازت دی جائے جس میں چین کی کمیونسٹ پارٹی کے کمنٹانگ سے علیحدگی کا اعلان ہو نیز چین کی کمیونسٹ پارٹی کی طرف سے حسب ذیل پروگرام کا اعلان کیا جائے :۔

۱۔ ملک میں سوویٹ ادارے تشکیل دیئے جائیں گے۔

۲۔ مزدور طبقہ کو ہتھیاروں سے مسلح کیا جائے گا۔

۳۔ ذرائع رسل و رسائل اور تمام غیر منقولہ اشیاء کو قومی ملکیت قرار دیا جائے گا۔

۴۔ مزدور طبقہ کے لیئے آٹھ گھنٹہ کا دن مقرر کیا جائے گا۔

۵۔ امیر زمینداروں اور جاگیرداروں کی آراضیات کو ضبط کر لیا جائے گا۔

۶۔ بنکوں کو قومی ملکیت قرار دیا جائے گا۔

۷۔ سرخ فوج منظم کی جائے گی۔

۸۔ رجعتی عناصر کو غیر مسلح کر دیا جائے گا۔

اگر اس زمانہ میں ٹراٹسکی کے مشورے پر عمل در آمد ہوتا تو یہ یقینی امر تھا کہ جمہور کی اکثریت کمیونسٹ پارٹی سے تعاون کرتی اور چین میں کامیاب اشتراکی انقلاب ہو جاتا لیکن جیسا کہ بارہا دہرایا جا چکا ہے ایسا ہونا اسٹالن اور حکمران طبقہ کی موت ہوتی چنانچہ حکومت نے انقلابی سعی کو دبا دیا۔ حکومت کے اس طرز عمل پر ٹراٹسکی نے زور دیا کہ کمنترن کا اجلاس منعقد کیا جائے تاکہ چین کے مسائل پر بحث ہو سکے اور جو تباہ کن سیاست صرف حکمران طبقہ کا مفاد مدنظر رکھ کر عمل میں لائی جا رہی تھی اس کو روکا جائے لیکن حکمران طبقہ اپنی تخریبی سیاست کا راز کب فاش ہونے دیتا تھا۔ چنانچہ مسلسل چار سال تک کمنترن کا اجلاس منعقد نہیں کیا گیا۔ چین کے کمیونسٹ قائدین نے جب اس امر پر زور دیا کہ چین میں جارحانہ قدم اٹھانے اور مزدور و کسان کے مفاد کو زیادہ شدید اور علانیہ طور پر پیش کرنے کی ضرورت ہے تو چینی قائدین کی یہ رائے نہ صرف روسی اخبارات میں حکومت نے

شائع نہ ہونے دی بلکہ روس کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی سے بھی پوشیدہ رکھی گئی۔ اس زمانہ میں ریڈک نے چیانگ کی سیاست پر نکتہ چینی کی تو سٹالن نے اس کی صفائی پیش کرتے ہوئے کہا کہ چیانگ کائی شیک ماسکو کی ہدایات پر عمل کر رہا ہے اور ہم کو اس کی سیاست کی درستی پر پورا بھروسہ ہے۔

ایک مفکر برجوازی طبقہ کے سالار کی طرح چیانگ کائی شیک کی حکمتِ عملی یہ تھی کہ وہ کمیونسٹ پارٹی کو برسرِ کار لاکر مزدور اور کسان طبقہ کو منظم کراتا تھا۔ بعد ازاں ان کو غیر ملکی سرمایہ داروں اور اُن کے حواریین سے لڑواتا تھا۔ جب لاکھوں مزدور اور کسان اپنی جانیں قربان کر کے غیر ملکی سرمایہ داروں کو شکست دے چکتے تھے تو چیانگ اپنی فوج لیکر وارد ہو جاتا۔ اور باقی ماندہ مزدوروں اور کسانوں کو شکست دے کر اپنی حکومت قائم کر لیتا تھا چیانگ مشرقی چین پر اس حکمتِ عملی سے قابض ہوا۔ کمیونسٹ پارٹی نے مشرقی چین کے جمہور کو انقلابی قدم اٹھانے پر آمادہ کیا۔ جب وہ اپنے وطن میں کمیونسٹ پارٹی کی سرکردگی میں انقلاب برپا کرنے میں کامیاب ہو گئے تو چیانگ اپنی تازہ دم افواج لے کر مشرقی چین میں نمودار ہوا اور اس نے انقلابی عناصر کو نیست و نابود کر کے اپنی حکومت قائم کر لی۔ چیانگ کی حکمتِ عملی شنگھائی میں نہایت بھیانک شکل میں نمودار ہوئی۔ مشرقی چین فتح کرنے کے بعد چیانگ نے اس علاقہ سے ایک مہیب زرخرید فوج فراہم کی اور شنگھائی کی سمت روانہ ہو گیا۔ وہاں کے مزدور طبقہ نے چیانگ کی آمد کی خبر پاکر شنگھائی میں کامیاب بغاوت کی اور اس پر قابض ہو گئے۔ اس واقعہ کے بعد چیانگ اپنی تازہ دم افواج لے کر شنگھائی پہنچ گیا۔ اس نے فاتح مزدور طبقہ کو تہ تیغ کر دیا۔ اور خود شنگھائی پر قبضہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں حکومتِ روس کے نمائندے کی حسبِ ذیل یادداشت جو اس نے ماسکو روانہ کی تھی بصیرت افروز ہے۔

"جب چیانگ کائی شیک کی جانب اقدام کی خبر آئی تو اس مقام کے

جمہور میں بہت جوش پھیل گیا۔ اور مزدور طبقہ نے افواج کے آنے سے
قبل ہی شنگھائی پر قبضہ کر لیا۔ ۲۱ روز تک جمہور جن میں زیادہ تعداد
کمیونسٹوں کی تھی اس شہر پر قابض رہے۔ چیانگ کی افواج اگرچہ شنگھائی
پہنچ گئیں تھیں لیکن شہر میں داخل نہیں ہوئیں۔ اس تاخیر کا یہ مقصد تھا
کہ انقلابی اور سرمایہ دار عناصر جب آپس میں لڑ کر کمزور ہو جائیں گے
اس وقت چیانگ کی افواج مزدوروں کو شکست دے کر شہر پر آسانی
سے قابض ہو جائیں گی۔ چیانگ کائی شیک کی افواج کی ایک ڈویژن
سیو نامی کے کمان میں تھی۔ یہ جنرل چونکہ کمیونسٹ خیال کا تھا اس لئے
چیانگ اس کو شنگھائی سے دُور روانہ کرنا چاہتا تھا۔ سیو نے کمیونسٹ
پارٹی کو یہ اطلاع دی کہ چیانگ نے اس کو بلایا اور بہت تنگ مزاجی
سے پیش آیا۔ سیو کا خیال تھا کہ شنگھائی میں جو کمیونسٹ حکومت قائم ہو گئی
تھی چیانگ اس کو ختم کرنا چاہتا تھا۔ سیو کمیونسٹوں کی مدد کرنے اور
ان کے دوش بدوش صف آرا ہو کر میدانِ کارزار کے لئے تیار تھا
لیکن یہاں کے کمیونسٹ قائدین نے اس کو یہ جواب دیا کہ ہنوز
چیانگ کے مقابلہ پر آنا قبل از وقت ہو گا۔ قائدین کے اس جواب
پر سیو اپنی فوج کے ہمراہ شنگھائی سے مراجعت کر گیا اور دوسرے
ڈویژن نے شنگھائی میں داخل ہو کر مزدور طبقہ اور کمیونسٹ پارٹی
کو تہِ تیغ کرنا شروع کر دیا۔"

چین سے اس ستم کی اطلاعات آ رہی تھیں لیکن روسی حکومت خاموش تھی۔
اسٹالن کی اس سیاست پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ٹراٹسکی نے کہا:۔
"جب چین کا مزدور طبقہ انقلابی جدوجہد کرنے اور چینی حکومت کی

تشکیل کے لئے تیار تھا روسی حکومت چین کے برجوازی طبقہ سے ہمکنار رہی۔ روس کے حکمران طبقہ نے کمنٹانگ کی دائیں جماعت کو اپنا آلہ کار بنانا چاہا۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ خود اسٹالن اس رجعتی جماعت کے ہاتھ میں کٹ پتلی بنا رہا۔ مارچ ۱۹۲۶ء کو جب چیانگ نے مزدور طبقہ کو گولی کا نشانہ بنا کر اپنی شخصی آمریت قائم کی تو ان خبروں کو روس کے حکمران طبقہ نے روسی جمہور سے پوشیدہ رکھا۔ روسی حکومت نے روسی جمہور پر اس امر کا بھی اظہار نہیں ہونے دیا کہ کمنٹانگ کے تمام ممبر رجعت پسند ہیں۔ روس کے حکمران طبقہ نے چین کی کمیونسٹ پارٹی کو خود مختار ہونے کا بھی مشورہ نہیں دیا اور کبھی ان کو یہ ہدایت نہیں کی کہ وہ فوج کی وفاداری حاصل کرنے کی کوشش کریں۔ روسی حکومت نے چینی مزدور و کسان کے مفاد کو ہمیشہ پس پشت ڈالا اور چیانگ کو مرکز میں فوجی آمریت قائم کرنے دی۔ اس نے مزدوروں کو قتل کیا تو حکمران طبقہ نے یہ کہا کہ چیانگ نے کمیونسٹ پارٹی کا انضباط قبول کر لیا ہے غرض کہ حکومت ہمیشہ واقعات سے پیچھے رہی۔"

اسٹالن نے ٹراٹسکی کی اس تنقید کا یہ جواب دیا۔

"اس وقت جو چین میں سوویٹ کے قیام کی تائید کرتا ہے وہ دراصل انقلاب چین کی کمنٹانگ کی منزل کو پھلانگنا چاہتا ہے اور ایسا کرنا انقلاب کے لئے مشکلات پیدا کرنا ہوگا۔"

چین کے کامیاب انقلاب میں اسٹالن کو اپنی سیاسی موت دکھائی دے رہی تھی اس لئے یہ ناممکن تھا کہ وہ چین کے انقلاب کو کامیاب ہونے دیتا۔ عملی سیاست کا یہ ایک آزمودہ اصول ہے کہ جب کسی تحریک کو اس طرح ناکام بنانا ہو کہ اس کا الزام بھی

اپنے اوپر نہ آئے تو یہ کیا جاتا ہے کہ جس وقت امداد سے تحریک کے کامیاب ہونے کے امکانات نہ ہوں۔ اس وقت درست مشورے اور امداد دی جائے۔ اس طرح اعتراض و طعن کا جواب بھی ہو جاتا ہے اور اپنا مقصد بھی حاصل ہو جاتا ہے۔ اسٹالن نے بھی ایسا ہی کیا جب مزدوروں اور کمیونسٹوں کے مرکزی مقامات مثلاً شنگھائی۔ وہان۔ کنٹان میں چیانگ کائی شیک مزدوروں اور کمیونسٹوں کو نیم مردہ کر چکا اور ان کا شیرازہ بکھر گیا۔ اس وقت ماسکو نے سوویٹ کے قیام۔ سُرخ فوج کی تنظیم۔ مزدوروں کو مسلح کرنے کی ہدایات روانہ کر دیں۔ اسٹالن کا چینی انقلاب کے ناکام ہو جانے پر چین کے انقلابیوں کو یہ مشورے دینا ایک دوسرے مقصد کی بناء پر تھا وہ چاہتا تھا کہ چیانگ کائی شیک باقی ماندہ انقلابی عناصر کو بھی تہ تیغ کر دے اور روسی جمہور سے یہ کہا جا سکے کہ ماسکو نے تو ٹراٹسکی کی حسب منشاء عمل کرنا چاہا لیکن ٹراٹسکی کی سیاست اس درجہ ناقص ثابت ہوئی کہ اس پر عمل در آمد کرنے سے چین کے انقلابی عناصر کو بجائے فائدہ کے نقصان ہی ہوا۔

وقت کے تقاضے اس طرح معدوم نہیں ہوا کرتے جس طرح اسٹالن ان کو فنا کرنا چاہتا تھا۔ دوسری جنگ عظیم نے یہ ثابت کر دیا کہ کمیونسٹ پارٹی چین میں ایک ایسی طاقت ہے جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

اسٹالن کی کامیابی

بائیں اور دائیں پارٹیوں کی بیخ کنی!

چین کی خانہ جنگی کے بارے میں روسی حکومت کی حکمت عملی پر بائیں پارٹی کو اول دن ہی سے اعتراض تھا۔ اس کے ۸۳ ممبروں نے مرکزی کمیٹی کے پاس ایک مقالہ بھیجا جس پر تین ہزار ممتاز اشخاص کے دستخط تھے۔ اس مقالہ میں حکومت کی چین سے متعلقہ سیاست پر سخت تنقید کی گئی تھی اور مختلف سیاسی اور اقتصادی معاملات پر بائیں پارٹی کا زاویۂ نظر واضح کیا گیا تھا۔ مرکزی کمیٹی کے جس جلسہ میں اس مقالہ پر بحث ہونے والی تھی حکومت نے اس کو خفیہ رکھنے کی تجویز پیش کردی۔ یہ کہا گیا کہ چین کا معاملہ بین الاقوامی اثرات کا حامل ہے۔ اس پر نہایت خفیہ طریقہ سے بحث و مباحثہ ہونا چاہیئے۔ اس اجلاس سے مختصر نویس اٹھا دیئے گئے اور اس کی کارروائی اخبارات میں شائع نہیں کی گئی۔ اس طرح حکومت نے بائیں پارٹی کی تنقید کو جمہور تک پہنچنے سے روک لیا۔ مرکزی کمیٹی کے ممبروں میں بائیں پارٹی اقلیت میں تھی۔ ان کی تنقیدیں اور مدبرانہ تقریریں چائے کے پیالے میں ایک طوفان بن کر رہ گئیں۔ بائیں پارٹی کے چند جوشیلے ممبر حکومت کے اس حیلے سے برافروختہ ہو گئے اور انھوں نے قائدین کی تقریریں اور مقالے ٹائپ کر کے تقسیم کرنا شروع کر دیئے۔ ان

کی یہ سعی بہت محدود حلقہ کو متاثر کر سکی۔ حکومت نے اس کے جواب میں مدت تک پارٹی کانگریس، سوویٹ کانگریس، کمیونسٹ انٹرنیشنل، مرکزی کمیٹی وغیرہ کے اجلاس منعقد نہ کیئے۔ بولشیوک کی قدیم روایات کے مطابق حزب اختلاف کو ان اداروں میں اظہار خیال کا قانونی حق حاصل تھا۔ اگر ان کا اجلاس منعقد ہوتا تو اپوزیشن کو تقریریں کرنے کی اجازت دینا پڑتی اور ان کو اخبارات میں بھی شائع کرنا پڑتا۔ جلسے طلب نہ کر کے حکومت نے بائیں پارٹی کی زبان اور ہاتھ کاٹ دیئے۔

اس زمانہ میں ایک اور سیاسی پیچیدگی رونما ہو گئی۔ سوویٹ روس نے ہڑتال کے دوران میں برطانیہ کے مزدور طبقہ کو مالی مدد دی تھی۔ حکومت برطانیہ نے اس اقدام سے ناراض ہو کر ۱۹۲۷ء میں روس سے سیاسی و اقتصادی تعلقات منقطع کر لئے اس صورتِ حال پر تقریر کرتے ہوئے اسٹالن نے کہا:-

"مجھے ابھی معلوم ہوا ہے کہ برطانیہ نے روس سے سیاسی و اقتصادی تعلقات منقطع کر لئے ہیں۔ بولشیوک پارٹی کو ایک سمت سے جنگ کے خطرے کا مقابلہ کرنا پڑ رہا ہے دوسری جانب سے پارٹی میں انتشار پیدا ہونے کا اندیشہ لاحق ہے چیمبرلین سے لگا کر ٹراٹسکی تک ہمارے مخالفین کا ایک متحدہ محاذ قائم ہے........ یقین رکھیئے کہ ہم اس نئے محاذ کو ضرور تباہ و برباد کر دیں گے۔"

اختلافات ہر جماعت میں ہوتے ہیں لیکن مخالفین کا استیصال نہیں کیا جاتا دوسری جنگِ عظیم میں جب مسٹر چیمبرلین اپنی سیاست میں ناکامیاب رہے تو مسٹر لائڈ جارج نے دارالعوام میں تنقید کرتے ہوئے کہا:-

"میں وزیرِ اعظم سے اپیل کرتا ہوں کہ ملک و قوم کے سامنے قربانی کی مثال پیش کریں میری رائے میں فتح کے لئے وزیرِ اعظم صرف اس طرح مدد کر سکتے

ہیں کہ وہ کرسی وزارت قربان کر دیں۔"

سر اسٹیفورڈ کرپس نے اسی موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا تھا:۔

"ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب ملک کی حفاظت کے لئے ملکی حکومت پر حملہ کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔"

ان تقاریر پر مسٹر چیمبرلین نے یہ جواب نہیں دیا "لائڈ جارج اور کرپس سے لگا کر ہٹلر تک ایک متحدہ محاذ قائم ہے۔" یہ بھی نہیں ہوا کہ سیاست کی ناکامی کے باوجود کنزرویٹیو مسٹر چیمبرلین ہی کو مانتے رہتے بلکہ وزیر اعظم کو کرسی وزارت خالی کرنی پڑی۔ لارڈ موسلے جو علانیہ طور پر نازی تھے ان کو بھی صرف نظر بند ہی کیا گیا۔ ان کا ملک سے نہ اخراج کیا گیا اور نہ استیصال بلکہ حالات کے روبہ اصلاح ہو جانے پر ان پر سے قیود بھی ہٹالی گئیں۔ متمدن ممالک میں اختلافات اس طرح حل کئے جاتے ہیں۔

برطانیہ کے روس سے سیاسی تعلقات منقطع کرنے پر عوام و خواص میں جنگ کا خوف زیادہ شدید ہو گیا جو قوم متواتر کئی سال جنگ کے تباہ کن اثرات کا شکار رہی ہوئی جنگ کا خطرہ اس کی نفسی کیفیت میں ایک ہیجان پیدا کر دیتا ہے۔ وہ ملکی دقومی وفاداری کے نام پر ہر امر کی تائید پر راضی ہو جاتی ہے حکمران طبقہ نے جمہور کی اس نفسی کیفیت سے فائدہ اٹھانے کے لئے سیاسی بیورو کا ایک اجلاس طلب کیا اور اس میں ٹراٹسکی اور زینوئیف کو مرکزی کمیٹی سے خارج کر دینے کا مطالبہ پیش کر دیا۔ اسٹالن نے یہ دھمکی دی کہ اگر اس تجویز کو منظور نہیں کیا گیا تو وہ مستعفی ہو جائے گا۔ بائیں پارٹی نے چونکہ انگلستان کی ہڑتال اور چینی انقلاب کے سلسلہ میں ٹراٹسکی اور بخارن پر سخت نکتہ چینی کی تھی اس لئے یہ دونوں بھی بائیں پارٹی سے ناراض تھے انھوں نے بھی اسٹالن کی تجویز کی مخالفت نہ کی سیاسی بیورو میں اس تجویز کی منظوری کے بعد ماہ اکتوبر میں مرکزی کمیٹی کا اجلاس طلب کیا گیا اور ٹراٹسکی اور زینوئیف کا مرکزی کمیٹی سے بھی اخراج کر دیا گیا۔ بائیں پارٹی کی

ممتاز ہستیوں کا جب یہ حشر ہو تو حزب اختلاف کے نسبتاً غیر اہم ممبروں میں مخالفت کے نتائج کا خوف پیدا ہو جانا لازمی تھا۔ اخبارات کی تضحیک۔ عہدوں سے برطرفی۔ سائبیریا کے برفانی میدانوں میں جلاوطنی اور چیکا کی شمشیر کے خوف نے حزب اختلاف کے متعدد ممبروں کو حکومت سے معافی مانگنے پر آمادہ کر دیا۔ اس گروہ میں لینن کی شریک حیات بھی تھی۔ پسپا ہوتے ہوئے دشمن پر شدید حملہ کرنا بہت موثر ہوتا ہے۔ اسٹالن نے مخالفین کی شکستہ صفوں پر بہت سخت حملے شروع کر دیئے۔ ٹراٹسکی اور زینولیف تو مورد عتاب تھے ہی کیمونیف کو بھی کمیونسٹ انٹرنیشنل سے خارج کر دیا گیا صرف یہ ہی نہیں بلکہ حزب اختلاف کے خلاف پولیس کی تیسرے درجہ کی کارروائیاں عمل میں آنے لگیں۔ جی۔ پی۔ او (روس کی خفیہ فوج) نے حزب اختلاف کے چند جوشیلے نوجوان ممبروں سے ایک خفیہ پریس کی بنا ڈلوائی اور پھر اُسے پکڑوا دیا۔ اس واقعہ پر روشنی ڈالتے ہوئے جی۔ پی۔ او کے چیف نے مرکزی کمیٹی میں کہا کہ اس پریس کا سلسلہ سائبیریا سے ملتا ہے جہاں حکومت کے خلاف بغاوت کرنے کی خفیہ تدابیر کی جارہی ہیں اور اس خفیہ سازش میں بائیں پارٹی کے ممبر شریک ہیں۔ اس مصنوعی بغاوت کے انکشاف کے بعد اسٹالن نے حسب ذیل تقریر کی:۔

”مخالفین مجھ پر ذاتی حملے کر رہے ہیں اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ ان کے خفیہ راز اور سازشوں کا حال میں اوروں سے زیادہ جانتا ہوں۔ اسٹالن کون ہے ایک غیر اہم انسان ہے۔ لینن نے کہا تھا ”اسٹالن غیر مہذب ہے اس کی خامیاں اگرچہ ہمنشینوں میں برداشت کی جا سکتی ہیں لیکن پارٹی کے جنرل سکرٹری ہونے کی حیثیت سے برداشت نہیں کی جاسکتیں۔ اس لئے میں تجویز کرتا ہوں کہ اسٹالن کو جنرل سکرٹری کے عہدے سے برطرف کر دیا جائے اور کسی ایسے پارٹی ممبر کو جنرل سکرٹری مقرر کیا جائے جو اسٹالن سے زیادہ بُردبار متحمل مزاج اور وفادار ہو“ حاضرین جلسہ ہاں

میں اُن لوگوں کے ساتھ غیر مہذب ہوں جو خود غیر مہذب ہیں۔ غدّارانہ طور پر عہد شکنی کرتے ہیں اور پارٹی میں انتشار و تباہی پھیلانا چاہتے ہیں میں نے اپنے اس غیر مہذب رویّہ کو کبھی پوشیدہ نہیں رکھا اور نہ میں اب اس پر پردہ ڈالنا چاہتا ہوں۔ مرکزی کمیٹی کے پہلے اجلاس سے لے کر تیرھویں اجلاس تک میں یہ درخواست کرتا رہا کہ مجھے جنرل سکرٹری کے عہدے سے سبکدوش کر دیا جائے۔ کانگریس نے غور و فکر کرنے کے بعد یہ تجویز منظور کی کہ اسٹالن ہی جنرل سکرٹری رہے اس تجویز پر ٹراٹسکی زینولیف اور کیمونیف کے بھی دستخط ہیں۔ ان حالات میں میں کیا کرتا۔ کیا میں جنرل سکرٹری کے عہدے سے دست بردار ہو جاتا میری یہ فطرت نہیں کہ کام کی ذمّہ داری مجھ پر عائد کی جائے اور میں اغماض کروں۔ ایک سال گزرا کہ میں نے از سرِ نو یہ التجا کی کہ مجھے اس عہدے سے سبکدوش کر دیا جائے لیکن مجھے اس عہدے پر رہنے کے لیے مجبور کیا گیا۔ ان حالات کو پیش نظر رکھ کر آپ حضرات خود فرمائیں کہ میں اور کیا کر سکتا تھا۔ یہ شکایت کی جا رہی ہے کہ ہم پارٹی سے اخراج کرنے کے بعد ممبروں کو گرفتار کر رہے ہیں ہاں ہم گرفتار کر رہے ہیں اور اس وقت تک کرتے رہیں گے جب تک وہ اپنی خفیہ تخریبی کارروائیاں قطعی طور پر بند نہ کر دیں گے کہا جا رہا ہے اس تنظیم کا جبر و تشدد کبھی روا نہیں رکھا گیا۔ یہ بھی غلط ہے۔ دور رفتہ میں سابیکوف کے گروہ کے ساتھ کیا سلوک کیا گیا اور اس مزدور جماعت کا کیا حشر ہوا جو اپنے آپ کو حق کی جماعت کہتے تھے کون نہیں جانتا کہ خود ٹراٹسکی زینولیف اور کیمونیف نے ان پارٹیوں کی گرفتاری کی تحریک پیش کی تھی۔ لینن کا صحیفہ جس کے شائع نہ کرنے کا مخالفین مجھ پر برابر طعن کرتے رہتے ہیں اس کی طباعت میرے

حکم سے نہیں بلکہ مرکزی کمیٹی کی ایک منظور شدہ تجویز کے مطابق روکی گئی تھی"۔
مرکزی کمیٹی کا یہ اجلاس اس لئے اہم ہے کہ اس کی تجویز کے مطابق بائیں پارٹی کے ممبر علانیہ طور پر گرفتار کئے جانے لگے۔ اسی سال، نومبر ۱۹۲۷ء کو اکتوبر کے انقلاب کا جشن سالگرہ تمام روس میں منایا گیا۔ اس روز تمام اہم مقامات پر فوجی تنظیم کے ساتھ کارخانے کے مزدوروں کے جلوس نکالے گئے۔ مزدوروں کی صفوں کے ہمراہ کارخانہ کے افسر اور عام لباس میں جی۔پی۔او (روس کی خفیہ پولیس) کے کارکن بھی تھے تاکہ غیر مطمئن مزدور کوئی مظاہرہ نہ کرسکیں۔ بائیں پارٹی نے بھی اس جشن میں شرکت کی اور حکومت کے جبر و تشدد کے خلاف خاموش مظاہرہ کرنا چاہا۔ اس مظاہرے کی نوعیت یہ تھی کہ جو مزدور بائیں پارٹی کے ہمخیال تھے انھوں نے جلوس میں اپنے جھنڈے جن پر بائیں پارٹی کے نعرے ثبت تھے ہوا میں لہرانے شروع کر دئے اس کا جواب پولیس اور جی۔پی او۔ نے یہ دیا کہ ان مظاہرہ کرنے والوں پر گندے انڈے، سڑے ہوئے آلو مارنے شروع کر دئے لیکن جب مظاہرہ کرنے والے بدستور اپنے پرچم لہراتے رہے تو خفیہ پولیس نے ان سے جھنڈے چھین کر تلف کر دئے۔ ٹراٹسکی جو موٹر میں اس جلوس کے ہمراہ تھا اس کی موٹر پر ایک گولی لگی لیکن وہ بالکل بال بال بچ گیا۔ لینن گراڈ میں ۷ نومبر کو جلوس نکلنے سے قبل زینولیف کو اس کے مکان میں نظر بند کر دیا گیا۔ رہائی پر زینولیف نے ٹراٹسکی کو حالات سے اطلاع دی اور تحریر کیا کہ حکومت ہمارے اس خاموش مظاہرے کو بغاوت کہہ کر پکارے گی اس لئے جمہور کو اس کی نوعیت سے اطلاع دینے کا انتظام فوراً کرنا چاہیے۔ زینولیف کا گمان غلط نہ تھا۔ حکومت نے بائیں پارٹی کے اس مظاہرے کو بغاوت کہہ کر پکارا اور مظاہرہ کرنے والوں کے ساتھ وہی سلوک کیا جو باغیوں کے ساتھ روا رکھا جاتا ہے۔ ۱۵ر نومبر ۱۹۲۷ء کو ٹراٹسکی اور زینولیف کا پارٹی سے اخراج کر دیا گیا۔

بائیں پارٹی پر اسٹالن کی فتح

ڈاکٹر جیفے ۲۷ سال تک انقلابی سعی میں لینن کے دوش بدوش رہا تھا اور چین میں اپنی سفارت کے زمانہ میں اس نے چینی جمہوریت کے صدر ڈاکٹر سن ہٹ سن کو اشتراکی روس کا اس درجہ گرویدہ بنالیا تھا کہ جب سن ہٹ سن مرنے لگا تو اپنی سیاسی جماعت کو یہ وصیت کر گیا کہ سوویٹ روس سے اتحاد پیدا کرنا۔ انقلاب کا جاں نثار جیفے حکمران طبقے کے ہاتھ سے کس طرح خودکشی پر مجبور ہوا۔ اس کے اسباب خود اس کی زبانی سنئے اس خط سے حکمران طبقے کے اس طرزِ عمل اور طریقۂ کار کا بھی حال معلوم ہو جاتا ہے جو اس نے مختلف زاویۂ نگاہ رکھنے والوں کے ساتھ روا رکھا جو شخص اپنی زندگی موت کی نذر کر رہا ہو وہ جھوٹ نہیں بولا کرتا اس لئے یہ خط خاص اہمیت رکھتا ہے کمیونسٹ پارٹی سے ٹراٹسکی کے اخراج کے ایک دو روز بعد جیفے نے خودکشی کی اور حسبِ ذیل خط ٹراٹسکی کے نام چھوڑا :۔

"عزیز من۔ تمام عمر میرا یہ عقیدہ رہا ہے کہ سیاسی کارکن کو یہ اچھی طرح معلوم ہونا چاہیئے کہ اسے کب اس دنیا کو الوداع کہنا ہے۔ جب حالات اور واقعات اشارہ کریں کہ اب اس خاکدان سے رخت سفر باندھنے کا وقت آگیا۔ تو اس کی تکمیل میں عجلت کرنا تاخیر سے بہتر ہے۔

تیس سال سے میرا فلسفہ زندگی یہ رہا ہے کہ حیاتِ انسانی اس لمحہ تک کوئی معنی رکھتی ہے جس وقت تک کہ وہ کسی لامحدود و لامکاں تصور کی خدمت میں سرگرم رہ سکے۔ اس طلسم کدہ میں مجھے سوائے بنی نوع انسان کی خدمت کے کسی دوسری شے کی خدمت کرنا عبث معلوم ہوتا ہے اگر بنی نوع انسان کی خدمت کے سوا انسانی زندگی کا کوئی اور بلند و برتر مقصد ہے جس کے حصول کی سعی انسان کو کرنا چاہیئے تو بظاہر وہ مقصد اتنا

مستقبل میں واقع ہے کہ ہم خاک کے پتلوں کو بنی انسان کی خدمت پر ہی اکتفا کرنا چاہیئے۔ اس تصور ہی میں میں نے اپنی زندگی کے مفہوم کو پایا۔ جب میں اپنی زندگی کے گذشتہ ۲۷ سال پر جو پارٹی کی خدمت میں گذرے ہیں نظر ڈالتا ہوں تو یہ محسوس کرتا ہوں کہ مجھے بلا خوف تردید یہ کہنے کا حق ہے کہ میں اپنی طویل زندگی میں شعوری طور پر اس فلسفہ زندگی پر سختی کے ساتھ کاربند رہا ہوں۔ میں نے اس تصور کے مطابق زندگی بسر کی اور اس اعتبار سے میری زندگی کا ایک لمحہ بھی بیکار نہیں گذرا۔ لیکن اب یہ احساس ہے کہ حیات بے حقیقت ہو چکی ہے اور موجودہ زندگی کو خیرباد کہنے کا وقت آگیا ہے۔ چند سال سے اصحاب حل و عقد نے مجھ پر کوئی ایسا فرض عائد نہیں کیا جس میں اپنی اہلیتوں کو مکمل طور پر کام میں لا سکتا۔ جیسا کہ تمہیں علم ہو گا۔ گذشتہ سال سے سیاسی بیورو نے مجھے بائیں پارٹی کے رکن ہونے کی بنا پر کوئی سیاسی کام نہیں دیا۔

میری صحت خراب ہوتی جا رہی ہے ۲۰ ستمبر ۱۹۲۷ء کو نہ معلوم کیوں مرکزی کمیٹی کے ڈاکٹروں کے کمیشن نے مجھے طبی معائنہ کے لئے طلب کیا اور یہ بتایا کہ میری صحت بہت زیادہ خراب ہو چکی ہے جس کا مجھے احساس نہیں۔ ڈاکٹروں نے یہ مشورہ دیا کہ مجھے فوراً مغربی یورپ کے کسی دار الشفا میں علاج کے لئے داخل ہو جانا چاہیئے اور جب وطن میں قیام رہے یہاں بھی برابر علاج کراتا رہوں۔ اس پر میں نے دریافت کیا کہ غیر ملک میں جا کر علاج کرانے سے صحت کے کیا امکانات ہیں اور کیا یہ ممکن نہیں کہ وطن میں رہ کر میں کوئی کام بھی کرتا رہوں اور علاج بھی کراتا رہوں۔ میرے اس استفسار پر طبیبوں نے یہ جواب دیا کہ میری مرضی کا کسی روسی دار الشفا میں

علاج ہونا غیر ممکن ہے مجھے کسی مغربی ملک میں جاکر ہی علاج کرنا ہوگا۔

آج دو ماہ ہونے کو آئے نہ مجھے غیر ملک روانہ کرنے کا کوئی انتظام ہوا ہے اور نہ میڈیکل کمیشن نے علاج شروع کیا ہے اس پر طرہ یہ ہے کہ کریملن کے دواخانہ سے مجھے جو ادویات مفت دستیاب ہوجایا کرتی تھیں وہ سلسلہ بھی بند کردیا گیا ہے۔ اب مجھے یہ ادویات شہر کے دواخانہ سے قیمتاً خریدنی پڑتی ہیں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جب سے حکمران طبقہ کا یہ نظریہ ہوا ہے کہ بائیں پارٹی کے پیٹ میں گھونسا مارو اس وقت سے مجھے مفت ادویات دینا بھی ممنوع قرار دے دیا گیا ہے۔

جب تک میری صحت کی حالت ایسی رہی کہ کام کرسکوں میں نے حکمران طبقہ کے اس طرز عمل کی پرواہ نہ کی لیکن جب حالت زیادہ خراب ہوئی تو میری شریک حیات خود میڈیکل کمیشن کے ڈاکٹر سلیمہ شکو کے پاس امداد کے لئے گئیں انھیں یہ جرأت اس لئے ہوئی کہ ڈاکٹر موصوف یہ اعلان کرتے رہتے تھے کہ لینن کے ہمنشینوں کو بیماری و موت سے بچاؤ میری مونس کی جہد وسعی کے باوجود اس کے سوا کچھ نہ ہوا کہ ڈاکٹر صاحبان نے ایک پرچے پر اپنی تشخیص تحریر کردی اور یہ کہہ دیا کہ مجھے کم از کم ایک سال کے لئے مغربی ملک کے کسی دارالصحت میں فوراً چلا جانا چاہیئے۔

نوروز سے میں صاحب فراش ہوں اور تکلیف ناقابل برداشت ہوتی جارہی ہے۔ چلنے پھرنے سے بھی معذور ہوں نہ یہاں علاج ہے اور نہ کسی غربی ملک کے دارالصحت میں میرے لئے کوئی انتظام کیا جارہا ہے۔ مرکزی کمیٹی کے ڈاکٹروں میں سے کوئی بھی میرے معائنہ کو نہیں آیا جب بلایا گیا تو انھوں نے معمولی سے نسخے لکھ دیئے۔ مجھے کوئی فائدہ نہیں [illegible] سکتے

(جیفے خود طبیب تھا) ایک ڈاکٹر صاحب نے میری شریک حیات سے یہ کہا کہ چونکہ آپ بھی جیفے کے ہمراہ رہنا چاہتی ہیں اس لئے ان کی روانگی التوا میں پڑی ہوئی ہے۔ اس پر میریا نے ان کو یہ اطمینان دلایا کہ بحالت مجبوری وہ میرے ہمراہ جانے پر اصرار نہ کریں گی اگرچہ میری صحت ایسی ہے کہ وہ مجھے تنہا چھوڑنا گوارا نہیں کرتیں۔ اس پر ڈاکٹر صاحب نے میرا کو یقین دلایا، اگر آپ وطن میں رہنے کے لئے تیار ہیں تو اس معاملے کے فیصلے میں تاخیر نہ ہوگی۔ اسی روز شام کو میرے پاس یہ اطلاع آتی ہے میرا علاج روس ہی میں ہوگا۔ حکومت کے اس فیصلے کی یہ وجہ معلوم ہوتی ہے کہ ڈاکٹروں کی رائے میں میرے علاج میں طویل مدت لگے گی اور چونکہ حکومت طویل مدت تک غیر ممالک کے دارالصحت میں میرے قیام کا صرفہ برداشت نہیں کر سکتی اس لئے جانا ہی ملتوی ہو گیا۔

حال میں مجھے اپنی سوانح تحریر کرنے کے معاوضہ میں ۲۰ ہزار ڈالر ایک غیر ملک سے مل رہے تھے میں اس لئے خاموش ہو گیا کہ اگر میں نے اپنی سوانح لکھی تو سیاسی بیورو کے روبرو پیش کرنی ہوگی جو اس میں رد و بدل کر کے مطالب و معانی بالکل مسخ کر دے گا۔ سیاسی بیورو کا سنسر حقیقت کو بے نقاب نہیں ہونے دیتا اور انقلاب کی تاریخ کو غیر حقیقی بتانے میں سرگرم ہے ان حالات میں اس کے سوا کیا چارہ کار تھا کہ مرکزی کمیٹی سے مالی امداد کی درخواست کی جاتی۔ حکومت ایک ہزار ڈالر بھی میری صحت کے لئے صرف کرنے پر تیار نہیں ہے ۲۷ سال تک انقلاب کی خدمت کا یہ نتیجہ و معاوضہ مل رہا ہے کہ حکومت میری زندگی کی قیمت ایک ہزار ڈالر بھی خیال نہیں کرتی۔

ان حالات میں خیال کرتا ہوں کہ زندگی کو ختم کرنے کا وقت آ گیا۔ مجھے یہ علم

ہے کہ ہماری پارٹی خودکشی کرنے کے خلاف ہے لیکن مجھے یقین ہے کہ جب پارٹی خاص حالات کو مدنظر رکھ کر میرے اس اقدام پر غور کرے گی تو مجھے معذور خیال کرے گی۔ اگر صحت درست ہوتی تو میں ضرور اپنی زندگی کو ان تخریبی حالات کے خلاف جدوجہد میں صرف کر دیتا جو پارٹی میں پیدا ہو گئے ہیں صحت کی موجودہ حالت میں تمہارا پارٹی سے اخراج برداشت نہیں کر سکتا۔ میرا خودکشی کرنا ان لوگوں کے خلاف احتجاج ہے جنھوں نے پارٹی کو اس درجہ مسخ کر دیا ہے کہ پارٹی کی آنکھوں کے سامنے اکابر بولشیوکوں کا پارٹی سے اخراج ہو رہا ہے اور پارٹی خاموش ہے۔ تمہارا اور زینولیف کا پارٹی سے اخراج اور ۲۷ سال کی خدمت کے بعد میرا یہ حشر ہونا کہ میں خودکشی کرنے پر مجبور ہو گیا ہوں یہ واقعات اس امر کی طرف اشارہ کرتے ہیں کہ پارٹی میں ایک حکمران طبقہ پیدا ہو گیا ہے۔

عزیز ٹراٹسکی! تمہاری معیت میں دس سال تک کام کرنے کے باعث مجھے یہ حق پہنچتا ہے کہ اس وقت جبکہ میں تمہیں آخری بار الوداع کہہ رہا ہوں تمہاری ایک کمزوری عیاں کر دوں مجھے کبھی تمہارے سیاسی زاویہ نظر سے اختلاف نہیں ہوا جب سے تم نے مستقل انقلاب کا نظریہ پیش کیا میں تمہارے دوش بدوش عملی جدوجہد کرتا رہا۔ ۱۹۰۵ء سے تمہارا سیاسی لائحہ عمل نہایت درست ثابت ہوا ہے۔ میں نے خود اپنے کانوں سے لینن کو یہ کہتے سنا ہے "۱۹۰۵ء میں میرا نہیں بلکہ ٹراٹسکی کا سیاسی تخیل درست تھا"۔ یقین جانیئے یہ لینن کے الفاظ تھے۔ موت سے ہمکنار ہوتے وقت انسان جھوٹ نہیں بولتا۔ لیکن بلا تکلف یہ بتاؤں۔ میرا خیال ہے کہ تم میں اس آہنی عزم و سنگلاخ استقلال کی کمی ہے جو لینن کا طرہ امتیاز تھا۔ جس

زاویہ کو لینن درست خیال کرتا تھا اس کو شرکار کار سے مصالحت کی خاطر وہ کبھی خیر باد نہیں کرتا تھا۔ تمہاری کمزوری یہ ہے کہ تم مصالحت کی خاطر حق کو خیر باد کہہ دیتے ہو۔ اس سے ہراساں نہ ہونا چاہیئے کہ شرکار، کار یا پارٹی کی کثیر تعداد تم سے اختلاف رکھتی ہے تمہیں کامیابی اس وقت ہو سکتی ہے جبکہ تم اپنے معتقدات پر سختی سے کاربند ہو یہی لینن کی کامیابی کا راز تھا۔ کئی مرتبہ مجھے خیال آیا کہ تمہاری اس کمزوری کا ذکر تم سے کروں لیکن خاموش ہی ہو گیا اب جبکہ میں تمہیں آخری بار الوداع کہہ رہا ہوں۔ میں نے سوچا کہ اس موقع سے فائدہ اٹھاؤں۔

اچھا رخصت۔

الف۔ جیفے

نوٹ:۔ پندرہ اور سولہ کے مابین شب کو یہ خط تحریر کیا تھا۔ سولہ کو میریا پھر میڈیکل کمیشن سے یہ کہنے گئیں کہ ایک دو ماہ ہی کے لئے مجھے کسی مغربی ملک کے دارالصحت میں پہنچا دیں۔ وہاں سے یہ جواب ملا کہ قلیل عرصے کے لئے وطن سے باہر قیام بے معنی ہوگا۔ کریملن کے ہسپتال میں میرا داخلہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ باوجود ڈاکٹروں کی رائے کے حکومت مجھے قلیل عرصے کے لئے بھی باہر بھیجنا نہیں چاہتی۔ اچھا رخصت میری ذات سے تمہیں کوئی رنج پہنچا ہو تو معاف کرنا۔"

جیفے

جیفے کی عبرت انگیز تحریر حکمران طبقہ کے طریقہ کار پر روشنی ڈالتی ہے یہ وہی طریقہ کار تھا جس نے زیادہ تکمیل پا کر کچھ عرصہ بعد اکابر بولشیوکوں کو غلط اقرار جرم کر لینے پر مجبور کر دیا پہلے بیمار کو یہ ڈرانا کہ تمہاری حالت نازک ہے اس کے بعد اس کو ادویات دینا بند کر دینا مغربی ممالک اس لئے روانہ نہ کرنا کہ کہیں وہاں پہنچ کر حکمران طبقے پر تنقید نہ کرے۔ شاید حکمران طبقہ کا

پہلے یہ خیال تھا کہ اس کی شریک۔ حیات کو بطور یرغمال کے روس میں رکھا جائے اور مریض کو مغربی ممالک میں علاج کے لئے جانے دیا جائے اپنی مونس کے خیال سے جیفے زبان بندہی رکھے گا لیکن بعد میں شاید اس کی موت کو اس کی زندگی پر ترجیح دینے کا فیصلہ ہو گیا۔ کریملن کے شفاخانے میں جیفے اس لئے داخل نہ ہوا چونکہ وہ شفاخانہ ہی نہیں ہے بلکہ مخالفین کے لئے موت کا پیغام بھی ہے۔ اگران حالات میں میریا سے یہ کہا جاتا کہ "تم یہ تحریر دے دو کہ بائیں پارٹی کے چند نوجوان آئے تھے جن کی باتوں سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ وہ اسٹالن وغیرہ کے قتل کی سازش کر رہے ہیں لیکن جیفے نے ان سے اس موضوع پر گفتگو کرنے سے انکار کر دیا اور وہ واپس چلے گئے تو حکومت جیفے کو کسی مغربی ملک کے دارالصحت کو روانہ کردے گی اغلب خیال یہ ہے کہ میریا ایسی تحریر دے دیتی روس کے سیاسی مقدموں میں جو حیرت انگیز اقرار جرم کرائے گئے وہ اسی قسم کی غیر مہذب تدابیر کا نتیجہ تھے۔

ٹراٹسکی اور زینوویف کے اخراج اور جیفے کی خودکشی کا یہ اثر ہوا کہ بائیں پارٹی کے ۱۳۱ ممبروں نے ایک اعلان شائع کیا جس میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ وہ آئندہ حکمران طبقے پر تنقید نہ کریں گے۔ اسٹالن نے ایک تقریر کے دوران میں اس کا جواب دیتے ہوئے کہا۔

"ہم اس اعلان پر اعتبار نہیں کر سکتے کیونکہ بائیں پارٹی نے بار بار اس قسم کے وعدے کئے اور پھر ان کو پس پشت ڈال دیا۔"

اسٹالن کی یہ تقریر ۲ دسمبر ۱۹۲۷ء کو ہونے والی پندرھویں پارٹی کانگریس کے لئے اس حکم کے مترادف تھی کہ بائیں پارٹی کی طرف کسی قسم کا التفات نہ کیا جاوے۔ حکمران طبقے کے انتصادی دباؤ اور دہشت انگیزیوں کا یہ نتیجہ ہونا لازمی تھا کہ کانگریس کے ۱۶۶۹ نمائندے منتخب ہو کر آتے وہ سب حکمران طبقے کے ہی افراد تھے۔ انھوں نے بائیں پارٹی کے خلاف تشدد کے طریقہ کار کو جائز قرار دیا اور حکمران طبقے کی قرارداد پر اپنی منظوری کی مہر ثبت کر دی۔ اب حکمران طبقہ یہ کہہ سکتا تھا کہ وہ جمہور کی نمائندوں کی مرضی کے مطابق جبر و تشدد کر رہا ہے۔ سیاسی دنیا

میں یہ ایک نیا مشاہدہ وتجربہ ہوا ہے کہ غیر متمدن اور پس افتادہ ممالک میں شخصی دغیر آئینی حکومت جمہوری اداروں کے ذریعہ سے زیادہ موثر طریقہ پر ہوسکتی ہے۔ حکمران طبقے کے اشارے سے کانگریس نے ایک اور تجویز منظور کرلی جس کی بناء پر کانگریس کا سالانہ اجلاس ہونا لازمی رہا۔ مرکزی کمیٹی کے ممبروں کی تعداد بڑھا کر ۱۲۱ اور کنٹرول کمیشن کی ۱۹۵ کردی گئی۔ مندرجہ بالا حالات میں حکمران طبقہ کے افراد ہی ان اہم اداروں کی نشستوں کو پُر کرسکتے تھے اِن افراد کے ممبر ہوجانے پر یہ دونوں اہم ادارے بھی قطعی طور پر حکمران طبقہ کے زیرِ اثر آگئے زینویف وکیمونیف نے یہ دیکھ کر کہ اب حکمران طبقہ کے خلاف جدوجہد آہنی دیوار سے سر مارنا ہوگا خداوندانِ نعمت کی اطاعت قبول کرنے کا اعلان کردیا اور اپنے اعتقادات کی خامی کا اعتراف کرلیا۔ نیز از سرِ نو پارٹی میں داخلہ کی اجازت چاہی لیکن اس اعتراف شکست اور دریوزہ گری کے باوجود چھ ماہ تک وہ بطور سزا کے پارٹی ممبر نہ بنائے گئے۔

جبر وتشدد کی عمارت پر آئینہ سازی یہ کی گئی کہ یکم جنوری کو بائیں پارٹی کے ۳۰ ممبروں کو جن میں ٹراٹسکی بھی شامل تھا ماسکو سے نکل جانے کا حکم دے دیا گیا۔ زینویف وکیمونیف نے نہ صرف یہ کہ اعلانِ حق میں اغماز کیا بلکہ اب حکمران طبقہ کی زبان بولنی شروع کردی اور بائیں پارٹی کے خلاف شدید تشدد کرنے پر زور دینے لگے۔ فروری ۱۹۲۸ء میں حزبِ اختلاف کے ۵۵۰۰ ممبروں پر حکومت کی مخالفت کا الزام لگایا گیا۔ اس الزام کے اثرات سے خوف زدہ ہوکر ۲۳۰۸ ممبروں نے معافی مانگ لی۔ باقی ۳۲۷۴ جنھوں نے باوجود تشدد کے خوف کے اپنے معتقدات کو خیر باد کہنا گوارہ نہ کیا وہ پارٹی سے نکال دیئے گئے۔

دائیں پارٹی پر اسٹالن کی فتح

اسٹالن کا مشہور قول ہے۔ "اپنے حقیقی دشمن کو پالینا اس پر حملے کرنے کی ہر جزدی تجویز کو ترتیب دینا۔ پھر مخالف سے بدلہ لینا اور اس کے بعد میٹھی نیند سوجانا۔ دنیا میں اس سے زیادہ شیریں کیفیت نہیں ہے۔" بائیں پارٹی کو فنا کرنے کے بعد چند راتیں خوابِ شیریں میں گذریں

تھیں کہ موجودہ ہمنشینوں میں اختلافات ہو گئے اور دائیں پارٹی وجود میں آگئی جس نے اسٹالن کے اقتصادی لائحہ کار پر تنقید شروع کر دی۔ دائیں پارٹی نپ کو جاری رکھنا چاہتی تھی اس کا خیال تھا کہ روس کے موجودہ حالات میں نپ کی منسوخی ویسی ہی اقتصادی بدحالی پیدا کر دے گی جس کے بُرے نتائج کو دیکھ کر لینن نے نپ کا اجراء مناسب خیال کیا تھا جو زبان حقیقت کا اظہار کرتی ہو اس کو تراش دیا جائے۔ اس کے یہ معنی نہیں ہوتے کہ تلخ حقیقتیں بھی شیریں ہو گئیں۔ بائیں پارٹی کا شیرازہ پریشان کرنے سے ملک کی اقتصادی حالت نہ بدلنی تھی نہ بدلی۔ اقتصادی بدحالی کو درست کرنے کا وہی واحد راستہ تھا جس کی تبلیغ بائیں پارٹی کرتی چلی آئی تھی چنانچہ اسٹالن نے ایک تجربہ کار سیاست داں کی طرح مخالف پارٹی کو تباہ کرنے کے بعد اس کے پروگرام کو عمل میں لانے کی سعی شروع کر دی یعنی یہ کہ ملک کو جلد از جلد آلاتی بنایا جائے۔ فرق صرف اتنا تھا کہ بائیں پارٹی سرمایہ فراہم کرنے کا طریقہ یہ بتاتی تھی کہ ملک کا کثیر مالیہ جو حکمران طبقہ کے آرام و آسائش پر صرف ہوتا ہے اس میں کمی کی جائے اور اس سرمایہ سے مشین و آلات غیر ممالک سے منگوائے جائیں۔ اسٹالن نے ایسا نہ کیا بلکہ کسان سے جبراً غلہ وصول کرنا چاہا اور اس غلہ کے تبادلے میں مشین و آلات منگوانے چاہے حکمران طبقہ بائیں پارٹی کے پروگرام کی طرف جھکا اس پر دائیں پارٹی یعنی بخارن۔ ریکوف اور ٹومسکی نے اس کی مخالفت کی۔ کیلینن اور وروشیلوف نے ان تینوں کی تائید کی۔ اس اختلاف کی بنا پر سیاسی بیورو۔ مرکزی کمیٹی۔ کنٹرول کمیشن۔ کمیونسٹ انٹرنیشنل میں دائیں پارٹی کی تنظیم شروع ہو گئی اور حکومت کے اقتصادی لائحہ عمل پر تنقید ہونے لگی۔ سیاسی بیورو میں مخالفین کی اکثریت پا کر اسٹالن نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"ہمارا مقصد نپ کو ختم کرنا نہیں ہے اور نپ کو کس طرح منسوخ کیا جا سکتا ہے
اس کی وجہ سے تو سوویٹ روس کی طاقت برقرار ہے۔"

مولوٹوف نے پندرھویں کانگریس میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"ہم کس لائحہ کار سے اشتراکیت کی سمت مراجعت کر سکتے ہیں؟ یہ نیپ، اور کسان سے تعاون ہی کا راستہ ہو سکتا ہے ہمیں یہ حقیقت فراموش نہ کرنی چاہئے کہ مستقبل میں روس کی ترقی چھوٹے پیمانے کی زراعت پر منحصر ہو گی۔"

اِن اعلانات سے دائیں پارٹی کو اطمینان دلا کر حکمران طبقہ اس پارٹی کی بیخ کنی پر تیار ہو گیا۔ اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا گیا کہ کیلینن اور وریشولوف کو دائیں پارٹی سے توڑا گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سیاسی بیورو میں دائیں پارٹی کے قائد ہونے کی بنا پر کیلینن اور وریشولوف کے اس اقدام سے ہراساں ہو کر زینولیوف و کیمونیف کے پاس تعاون کی درخواست لے کر پہنچا اگرچہ یہ دونوں حکمران اداروں کے ممبر نہیں تھے تاہم اکابر بولشیوک تھے بخارن کو خیال ہوا کہ شاید ان کا تعاون اسٹالن کی یورش کو کمزور کر دے۔ بخارن کیمونیف کے مکان پر گفتگو کیلئے گیا تو جذبات سے کانپ رہا تھا وہاں بخارن نے حسبِ ذیل گفتگو کی:۔

"کسی سے ذکر نہ کرنا کہ میں تم سے ملنے آیا تھا۔ جی۔ پی۔ او۔ میرا تعاقب کر رہی ہے اور تمہاری بھی نگرانی کی جا رہی ہے۔ میں پوشیدہ طور پر یہاں آیا ہوں اسٹالن نے بائیں پارٹی کے لائحہ کار پر عمل کرنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارے خیال میں اسٹالن کا یہ رجحان انقلاب کی موت ثابت ہو گا۔ ہمارے اور اسٹالن کے اختلافات اتنے عمیق ہیں کہ ان کی نسبت ہمارے اور تمہارے اختلافات کچھ بھی نہیں۔ افسوس کہ اس وقت تم سیاسی بیورو کے ممبر نہیں ہو۔ چند ہفتوں سے میں نے اسٹالن سے گفتگو کرنی ترک کر دی ہے وہ بڑا عیار ہے اس کا کوئی اصول نہیں اس کا مقصدِ حیات طاقت ہے جس کے حصول کے لئے وہ ہر غیر مہذب وغیر اخلاقی فعل کرنے کے لئے تیار ہے وہ اپنے مفاد کو مدنظر رکھ کر مختلف سیاسی و اقتصادی نظریات بدلتا رہتا ہے تاکہ اپنے سے مختلف الخیال کارکنوں کو فنا کرے وہ ایسی چالیں چلتا ہے کہ جمہور کی

نگاہ میں ہم لوگ تخریبی، اور پارٹی میں انتشار پیدا کرنے والے معلوم ہوں
اور خود پارٹی میں یک جہتی پیدا کرنے والا دکھائی دے۔ مجھے اسٹالن کو
کوئی مقالہ دیتے ہوئے خوف معلوم ہوتا ہے کہیں وہ جعلی طور پر بدل نہ دے اور
کہے کہ مقالے میں یہی تحریر تھا۔"

"اب اسٹالن کا اقتصادی نظریہ یہ ہے "مشین کاری کے لئے ابتدائی سرمایہ فراہم کرنا
ضروری ہے۔ سرمایہ داری نے یہ ابتدائی سرمایہ نوآبادیات کو لوٹ کر فراہم
کیا تھا۔ ہمارے پاس نوآبادیات نہیں ہمیں سرمایہ کسان کو لوٹ کر فراہم
کرنا چاہیئے۔ مغربی سرمایہ دار ممالک کی حکومتوں سے اتحاد رکھنے کی خاطر
اس نے کمیونسٹ انٹرنیشنل کو تباہ کر دیا ہے۔ لینن گریڈ کے اعلیٰ عمال ہم سے
ہمدردی رکھتے ہیں۔ لیکن جب ہم اُن سے اسٹالن کو برطرف کرنے کا ذکر
کرتے ہیں تو وہ خوف سے پیلے پڑ جاتے ہیں ہم یہ کہتے ہیں کہ کولک پر جبر
کرو لیکن متوسط درجہ کے کسان کا تعاون حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے
ورنہ انقلاب فنا ہو جائے گا۔"

"اسٹالن کو اب یہ ہوس ہے کہ دنیا اس کو "مارکسی" فلسفے کا ماہر خیال کرے
اور وہ اصل معنی میں لینن کا جانشین خیال کیا جانے لگے اب تک میں اسکو جاہلانہ
مقالے نشر کرنے سے روکتا رہا۔ اسٹالن روس کا چنگیز خاں بن گیا ہے۔
اب ہمارا گلا گھونٹا جانا یقینی ہے۔ ہماری شکست بدنصیبی یہ ہے کہ پارٹی
حکمران طبقہ میں ضم ہو گئی ہے طاقت پر قبضہ رکھنے کے لئے اسٹالن
پسپا کبھی ہو جاتا ہے وہ صرف پشت سے آکر کمر میں خنجر گھونپنا جانتا ہے
ہمیں اس کا انتقام کا نظریہ فراموش نہ کرنا چاہیئے۔ اسٹالن وقت پر
چاپلوسی کرنے سے بھی اعراض نہیں کرتا۔ حال ہی میں مجھ سے کہنے لگا

"حکومت میں تم اور میں ہی تو مثل ہمالیہ کے ہیں باقی ماندہ تو خاک کے ذرے ہیں۔" اسٹالن کی ان تخریبی کارروائیوں کا نتیجہ خانہ جنگی ہو گا جو اکتوبر کے انقلاب کو خون میں غرق کر دے گی۔"

مخالفت بڑھنے پر حکمران طبقے نے دائیں پارٹی کے خلاف بھی وہی حربے استعمال کرنا شروع کر دیتے جو بائیں پارٹی کے خلاف کامیاب ہو چکے تھے یعنی دائیں پارٹی کے ممبروں کا روس کے دور دراز گوشوں میں تبادلہ۔ مختلف الزامات لگا کر عہدوں سے برطرفی۔ پارٹی سے اخراج۔ چند نے معتقدات کو خیر باد کہنے کے عوض مصائب قبول کئے جو راسخ الاعتقاد نہ تھے انھوں نے معافی مانگ لی۔

نومبر میں سیاسی کمیٹی کے اجلاس کا انعقاد ہونے والا تھا جس میں حکومت ملک کو تیزی سے آلاتی بنانے کی تجویز پیش کرنے والی تھی اس زمانہ میں بخارن کوہ قاف میں تھا سیاسی کمیٹی کے اجلاس کے انعقاد کی خبر پا کر وہ شرکت کے لئے ہوائی جہاز میں ماسکو روانہ ہوا اس کو راستہ میں روکنے کی حکومت نے جو سعی کی اس کا حال بخارن کی زبان سے سنئے:۔

"سیاسی بیورو کے اجلاس میں شرکت ضروری تھی اس لئے میں کوہ قاف سے ہوائی جہاز میں روانہ ہوا مقام راستوف پر مقامی عمال نے عجیب انداز میں مجھ سے یہ کہا کہ چونکہ میرا قلب کمزور ہے اس لئے مجھے ہوائی جہاز کا سفر ختم کر دینا چاہئے لیکن میں نے ان کی اس درخواست کی پروانہ کی بلکہ اپنا سفر جاری رکھا۔ ازغوک کے مقام پر اترا وہاں مجھے سیاسی بیورو کا ایک لفافہ موصول ہوا جس میں یہ حکم درج تھا کہ چونکہ میرا قلب کمزور ہے اس لئے مجھے ہوائی جہاز کا موجودہ سفر فوراً ختم کر دینا چاہئے۔ میں یہ حکم پڑھ کر ہنوز کچھ غور کر رہا تھا کہ جی۔ پی۔ او۔ کے ایجنٹ آئے اور ہوائی جہاز چلانے والے کو ایک طرف لے گئے اور اسی دوران میں

مزدوروں کے ایک وفد نے مجھے گھیر لیا۔"

باوجود اس مزاحمت کے بخارن اس اجلاس میں شریک ہو ہی گیا لیکن بے سود۔ متوسط پارٹی کی ہر تجویز منظور ہوئی اور دائیں پارٹی کو استعفےٰ ہی دیتے بن پڑی۔ استعفے منظور کر لئے گئے اور خالی نشستوں کو متوسط پارٹی کے ممبروں سے پُر کر دیا گیا اس وقت سے سوویٹ روس کی تاریخ کا ایک نیا دور شروع ہوتا ہے جس کو اسٹالن کا دورِ حکومت کہنا درست ہوگا۔

دَورِ استبداد

حکمران طبقہ کی حشر انگیزیاں اور سحر کاریاں

گذشتہ ابواب میں یہ بتایا جاچکا ہے کہ روس کے غیر ترقی یافتہ ہونے کی وجہ سے بولشیوک پارٹی کو عبوری زمانہ میں مزدور آمریت قائم کرنی پڑی اور تمام سیاسی۔ اقتصادی وحربی طاقت اپنی پارٹی کی اقلیت میں مرکوز کرنا پڑی۔ بولشیوک پارٹی کا ایسا کرنا ایک تاریخی ضرورت تھی لیکن اس کا یہ نتیجہ نکلا کہ چند سال ہی میں یہ اقلیت حکمران طبقہ میں تبدیل ہو گئی ہر ملک میں سربرآوردہ طبقہ کی زندگی کا انحصار اس امر پہ ہوتا ہے کہ معاشرے کے اہم سیاسی۔ اقتصادی بشمول تعلیمی وحربی مورچے اس طبقہ کے اراکین یا ان کے زیر اثر افراد کے قبضہ میں رہیں جب ملکی حکومت کے تمام عہدے کسی خاص طبقہ یا اس کے زیر اثر اشخاص کے تصرف میں آجاتے ہیں تو وہ طبقہ قومی ذات میں تبدیل ہو جاتا ہے۔ جب یہ ذات وجود میں آجاتی ہے اس کے ہر فرد میں مشترکہ مفاد اور جماعتی یک جہتی کا عمیق احساس پیدا ہوجاتا ہے اس احساس کے پیدا ہوجانے کے بعد کسی مختلف الخیال کا حکمران ذات کی حکمت عملی یا اس کے ممبر کے انفرادی سیاسی عمل پر نکتہ چینی انفرادی سوال نہیں رہتا بلکہ جماعتی سوال بن جاتا ہے چونکہ اس ذات کے ہر فرد کا مفاد مشترکہ ہوتا ہے اس لیے معترض کے خلاف تمام طبقہ اپنی قوت بروئے کار لاتا ہے ملک کے جمہوریت میں اگر

مختلف زاویہ نگاہ رکھنے والوں کی تعداد بڑھنی شروع ہو جاتے تو قدرتی طور پر اس ذات کا ہر فرد یہ خطرہ محسوس کرنے لگتا ہے کہ کہیں مخالفین برسر اقتدار نہ آجائیں اس خوف کا یہ اثر ہوتا ہے کہ حکمران طبقہ جمہور کو مختلف طریقہ پر حزب مخالف سے متنفر کرنا چاہتا ہے جس اشتراکی ملک کے سرمایہ دار اور فسطائی ممالک ہمسایہ ہوں اور انقلابی جمہور کو ان دیرینہ دشمنوں کے حملہ آور ہونے کا خدشہ رہتا ہو تو ان میں حزب مخالف اور اس کے قائدین کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے لئے اس سے زیادہ موثر طریقہ نہیں ہو سکتا کہ جمہور کو حزب مخالف کے سرمایہ دار ممالک کے ایجنٹ ہونے کا یقین دلا دیا جائے۔

حکمران طبقہ کی اقتصادی کوتاہ نگاہی۔ کم فہمی اور ناتجربہ کاری پر پردہ ڈالنے کی اس سے زیادہ موثر تدبیر نہیں ہو سکتی تھی کہ جمہور کو یہ یقین دلا دیا جائے کہ حزب مخالف سرمایہ دار ممالک کے اشارے پر ملک میں اقتصادی تخریب اور سیاسی بے چینی پیدا کرتے پھرتے ہیں۔ تاریخی واقعات کی یہ منطق تھی جس نے روس کے حکمران طبقہ کو حزب مخالف پر فسطائی جاسوس ہونے اور اقتصادی و سیاسی تخریب پیدا کرنے کے الزامات لگانے پر مجبور کیا۔

اس سلسلہ میں ابتداً حکمران طبقہ نے حزب مخالف کے چند غیر معروف پروفیسروں انجنیروں۔ ماہر کاریگروں۔ حکومت کے عمالوں پر فسطائی وظیفہ خواری اور ملک میں اقتصادی و سیاسی تخریب پیدا کرنے کا الزام لگایا اور بلا کسی عام قانونی عدالت میں جرم ثابت کئے ان کو قتل کر دیا۔ جمہور کو حکومت کے اس طریقہ کار پر استعجاب تو ضرور ہوا لیکن ان میں کوئی سیاسی ہیجان پیدا نہیں ہوا۔ شاید ان کو یہ گمان گذرا ممکن ہے کہ حکومت کے الزامات درست ہوں اور یہ لوگ واقعی لائق گردن زدنی ہوں جمہور کے سکوت پر حکومت مسرور ہوئی اور سرآوردہ طبقہ کو اس تخریبی تدبیر میں حزب مخالف پر اپنی مکمل فتح دکھائی دینے لگی۔ فتح کی امید میں حکمران طبقہ نے یہ تمدن سوز حربہ حزب مخالف کے قائدین کے خلاف بھی استعمال کیا حسب دستور پہلا وار یہ کیا کہ حزب مخالف کے ان قائدین پر جو انقلاب کی روح رواں اور لینن کے

انقلابی تخیلات کے وارث خیال کئے جاتے تھے۔ غیر ممالک سے سازشوں، اقتصادی و سیاسی تخریب اور معاشرتی بدحالی پیدا کرنے کے بے سروپا الزامات لگاتے لیکن اب کے بار جمہور کو ان کی صحت کا گمان نہ گذرا اور ان میں سیاسی بے چینی پیدا ہوگئی الزامات لگائے گئے تو حکمران طبقہ کے لئے متشکک جمہور کو الزامات کا یقین دلانے کے لئے یہ ضروری ہوگیا کہ عام عدالتوں میں حزبِ مخالف کے قائدین کا جرم ثابت کیا جائے۔ حکمران طبقہ کو حزب اختلاف کے قائدین کے مصنوعی جرائم کے عدالتی ثبوت بہم پہنچانے کے لئے نہ صرف جعلی مقدمے دائر کرنے پڑے بلکہ بے بنیاد شہادتیں بھی بہم پہنچانی پڑیں مقدمے دائر ہو جانے کے بعد یہ غیر ممکن تھا کہ قائدین کا جرم ثابت نہ کیا جاتا۔ اگر جرم ثابت نہ کیا جاتا تو جمہور میں حکمران طبقہ کا وقار ختم ہو جاتا نیز ان کو یہ بھی یقین ہو جاتا کہ جن صدہا افراد کو اس نوعیت کے الزامات لگا کر نذرِ دار و رسن کیا جاچکا تھا وہ بھی بے گناہ تھے۔ جمہور کا یہ یقین حکومت کے لئے مہلک ثابت ہوسکتا تھا۔ ان حالات میں حکمران طبقہ اس امر پر مجبور تھا کہ جعلی شہادتوں کے ذریعہ سے ہی سہی لیکن جرم ثابت کرے۔ جب سیاسی ضرورت کے مطابق حزبِ مخالف کے قائدین کا جرم عام عدالت میں روسی قانون کے مطابق ثابت ہوگیا تو یہ غیر ممکن ہو گیا کہ حکومت ان قائدین کو ملکی قانون کے مطابق سزا نہ دیتی۔ غداری۔ بغاوت۔ قتل و غارت کے الزامات ثابت کردینے کے بعد حکومت یہ نہیں کرسکتی تھی کہ قائدین کو رہا کردے۔

سیاسی مقدموں پر روشنی ڈالنے سے بیشتر یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ روس کے آئین و قوانین کی چند اہم خصوصیات اور چند اداروں کی خصوصیت کا ذکر کردیا جائے جہاں تک روسی قوانین کا تعلق ہے مندرجہ ذیل سطور ناظرین کی معلومات میں اضافہ کریں گی۔

روس میں سیاسی قیدیوں کو کسی وکیل منتخب کرنے یا عزیز و اقارب سے ملنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ وہاں ملزم پر یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ اپنی بریت کا ثبوت پیش

کرے۔ اگر ملزم اپنی بے گناہی کا ثبوت بہم نہیں پہنچا سکتا تو وہ مجرم قرار دے دیا جاتا ہے دیگر متمدن ممالک میں قوانین اس کے بالکل برعکس ہیں وہاں الزام لگانے والے پر یہ ذمہ داری ہوتی ہے کہ وہ ملزم کا جرم ثابت کرے اگر وہ ایسا نہیں کر سکتا تو ملزم بے گناہ خیال کیا جاتا ہے اور اس کی رہائی عمل میں آجاتی ہے۔

متمدن ممالک میں ملزم کو قانوناً یہ حق حاصل ہوتا ہے کہ وہ اپنے جرم کا ثبوت بہم پہنچانے سے انکار کر دے لیکن روسی قانون ملزم کو یہ حق نہیں دیتا۔

روسی قانون کے مطابق اختلاف رائے کے اظہار سے لگا کر مسلح بغاوت تک "سبوتاج" کے جرم کے ماتحت آتے ہیں اور اس جرم کی سزا حبس دوام۔ جلاوطنی یا قتل ہے۔ آزادیٔ تحریر و تقریر جو متمدن ممالک میں تہذیب و تمدن کی عمارت کے مستحکم ستون خیال کئے جاتے ہیں۔ روس میں وہ جرم گردانے جاتے ہیں۔

روسی قانون کے مطابق جرم کرنے والے اور ارتکاب جرم میں مدد دینے والے دونوں کے لئے سزا کی نوعیت ایک ہی ہے نہ صرف یہ بلکہ روس میں مجرم کے بے گناہ گھر والوں کو بھی سزا دی جاتی ہے روسی قانون کی ایک دفعہ ہے۔

"سبوتاج کرنے والے کے گھر والوں کا حق شہریت سلب کر لیا جائے گا (حق شہریت سلب ہو جانے کا یہ نتیجہ ہوتا تھا کہ راشن کارڈ ضبط کر لئے جاتے تھے) اور ان کو پانچ سال کے لئے سائبیریا میں جلاوطن کر دیا جائے گا"

روس میں قوانین کی اس درجہ شدید نوعیت شاید اس لئے ہے کہ وہاں پارٹی اور حکومت ایک ہی وحدت کے دو مختلف نام ہیں۔ حکمران پارٹی پر تنقید حکومت کے اعمال پر نکتہ چینی تصور کی جاتی ہے۔ انگلستان میں موجودہ حکمران پارٹی اگر برطرف کر دی جائے اس تبدیلی کی بنا پر نوکر شاہی میں ردّ و بدل نہیں ہوگا چونکہ برطانیہ میں حکمران سیاسی پارٹی اور ملازمین حکومت دو مختلف وحدتیں ہیں روس میں ایسا نہیں ہے

وہاں حکمران پارٹی کے ۳۰ لاکھ ممبر حکومت کے اعلیٰ سے اعلیٰ عہدے سے لگا کر حقیر سے حقیر عہدے تک پر مامور ہیں وہاں حکمران پارٹی کی برطرفی حکومت کے تمام عملہ کی برطرفی کے مترادف ہو گی ان صورت حالات میں حکمران پارٹی پر تنقید ملازمین حکومت کو اُن کی روزی اور آسودہ حالی پر حملہ معلوم ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ روس میں قوانین کی نوعیت دیگر ممالک کی بہ نسبت زیادہ شدید ہے۔

روس کا ایک اور عجیب و غریب قانونی دستور یہ ہے کہ سیاسی ملزم کو عام عدالت میں اس وقت پیش کیا جاتا ہے جبکہ ملزم ابتدائی خفیہ عدالت میں اقرار جرم کر لیتا ہے یہ امر یقینی ہے کہ اس خفیہ عدالت میں اقرار جرم کرانے کے لئے تیسرے درجے کی کارروائیاں ہوتی ہوں گی۔ روس میں سیاسی ملزم کو عام عدالت میں پیش کرنے کا صرف یہ مقصد ہوتا ہے کہ اقرار جرم کا مظاہرہ ہو جاتے اور جمہور ملزمین سے شدید نفرت کرنے لگیں۔

اب کمیونسٹ پارٹی اور حکومت روس کے ان اداروں کا ذکر کیا جاتا ہے جو حکمران طبقہ کے لئے وجہ حیات بنے ہوتے ہیں۔

حکمران پارٹی کی دو لاکھ خفیہ فوج ملک کے طول و عرض میں پھیلی ہوتی ہے۔ پارٹی کے خلاف سازشوں کا پتہ چلانا اور سازش کرنے والوں کا استیصال کرنا اس کے فرائض منصبی میں سے ہے۔ یہ فوج بہترین ہتھیاروں سے آراستہ ہے اور معاشرے کے تمام طبقات کی بہ نسبت اس فوج کا معیارِ زندگی نمایاں طور پر بلند ہے اس فوج کی خوش حالی و فارغ البالی کا انحصار سازشیں پکڑنے اور مجرمین کا استیصال کرنے پر ہے اپنی آرام و اعزاز کی زندگی کے قیام کے لئے یہ فوج خواہ مخواہ بھی عوام و خواص پر سازش کے الزام لگاتی رہتی ہے تاکہ حکمران پارٹی حزبِ مخالف سے خوف زدہ رہے اور فوج کے وجود کو قائم رکھے۔

پارٹی کی خفیہ کے علاوہ ایک اور مشہور و معروف ادارہ موسوم بہ جی۔ پی۔ او۔ ہے اس کو حکومت کی طرف سے آراضیات کا بہت وسیع رقبہ ملا ہوا ہے جس پر لاکھوں سیاسی قیدی بطور سرف و بیگاری کے شب و روز کام کرتے ہیں ان آراضیات کی پیداوار اور آمدنی کا مالک یہی ادارہ ہے اس ادارے کے احکام کی معاشرتی حالت دیگر محکموں کے عمال سے بدرجہا بہتر ہے۔ عمال شاہانہ انداز سے زندگی بسر کرتے ہیں ان کے لئے بہترین مکانات نفیس ترین غذائیں۔ دیدہ زیب لباس اور برق رفتار موٹریں مہیا کی جاتی ہیں۔ اس ادارے کو قانوناً افراد کو گرفتار کرنے ان کو اپنی مجوزہ عدالت میں پیش کرنے خفیہ طور پر فیصلے صادر کرنے اور اس فیصلہ کا اجراء کرنے کا حق حاصل ہے جی۔ پی۔ او خفیہ فوج بھی ہے عدالت بھی اور جلاد بھی۔ جس ادارے میں تمام اختیارات مرکوز ہو جائیں اس میں چنگیزیت پیدا ہو جانی لازمی ہے۔

جس ملک میں افراد آزاد تحریر و تقریر کے ذریعہ سے علانیہ طور پر اظہار خیال نہ کر سکیں اس ملک میں حکومت پر تنقید لطیفوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے جو ہمنشینوں کی صحبت میں دُہرائے جاتے ہیں یہاں چند لطیفے پیش کئے جاتے ہیں جو حکومت کی حکمت عملی پر جمہور کا وہ زاویۂ نظر پیش کرتے ہیں جس کا علانیہ اظہار نہیں ہو سکتا۔

(۱) موٹر لاری میں جگہ کی تنگی کی وجہ سے اکثر مزدور کھڑے ہوئے کارخانے جاتے ہیں۔ جب لاری کے برابر سے جی۔ پی۔ او۔ کے عمال نفیس لباسوں میں ملبوس خوشنما موٹروں میں تزک و احتشام سے گذرتے ہیں۔ اس وقت مزدور ایک دوسرے سے طنزاً کہتے ہیں "خواجہ تو ہم مزدور ہی ہیں ان نفیس موٹروں میں تو ہمارے خادم جا رہے ہیں۔" کاغذ پر روس میں مزدور آمریت اور اقتصادی مساوات قائم ہے لیکن حقیقتاً معاشرے میں خواجہ اور خادم کی جو تفریق پیدا ہو گئی ہے یہ لطیفہ شگفتہ پیرائے میں اس کا اظہار کرتا ہے۔

(۲) "روس کے تمام خرگوش پولینڈ میں داخل ہونے لگے۔ پولینڈ کے خرگوش ان سے اشتراکی وطن ترک کرنے کی وجہ دریافت کرنے لگے۔ روس کے خرگوش بولے۔ جی پی۔ او۔ نے یہ حکم صادر کر دیا ہے کہ روس کے تمام اونٹ گرفتار کر لیتے جائیں اسلئے ہم ڈر کے مارے تمہارے ملک میں آگئے ہیں۔ پولینڈ کے خرگوش نے جواب دیا "جی پی۔ او۔ نے اونٹوں کی گرفتاری کے احکامات جاری کیتے ہیں تم تو خرگوش ہو اس لئے تمہیں تو کوئی خطرہ نہیں ہونا چاہتے۔ اس پر روس کے خرگوشوں نے جواب دیا "عزیز من کہتے تو درست ہو لیکن جی۔ پی۔ او۔ کو کون سمجھاتے کہ ہم خرگوش ہیں اونٹ نہیں ہیں" جی۔ پی۔ او۔ کی مطلق العنانی اور جبر و قہر کا یہ لطیفہ ترجمان ہے۔

جس زمانہ میں اجتماعی زراعت کو بڑی تباہ کن تیزی سے ترقی دی جا رہی تھی۔ اس زمانہ میں اس قسم کے لطیفے عام تھے۔

(۳) ایک آدمی دریا کے کنارے چلا جا رہا تھا کہ اس نے کسی شخص کو ڈوبتے ہوئے دیکھا یہ دیکھ کر اس نے دریا میں چھلانگ ماری اور ڈوبتے ہوئے کو کنارے پر لے آیا۔ کنارے پر آ کر بھنور پر پھنسنے والے نے اپنے بچانے والے کا شکریہ ادا کیا اور خوش ہو کر کہا "مانگ کیا مانگتا ہے" بچانے والا متحیر ہو کر اس کی شکل دیکھنے لگا۔ بچانے والے کا استعجاب دیکھ کر دوسرا شخص بولا شاید تم مجھے پہچانتے نہیں میں اسٹالن ہوں، اس پر بچانے والے نے دست بستہ عرض کی "اگر آپ اسٹالن ہیں تو میں آپ سے صرف یہ چاہتا ہوں کہ کسی سے یہ ذکر نہ کریں کہ میں نے آپ کو ڈوبنے سے بچایا ہے"۔

(۴) اسٹالن اور کیلینن کھانا کھا رہے تھے کہ نعمت خانہ میں دو چوہے دکھائی دیتے اسٹالن نے شکایتاً کہا "ان چوہوں کا کیا علاج کیا جائے یہ بہت پریشان کرتے ہیں نعمت خانہ کا پیچھا ہی نہیں چھوڑتے۔ کیلینن بولا " واہ چوہوں کو فرار کرنے کی بہت سہل تدبیر ہے اسٹالن نے کہا وہ کیا۔ کیلینن بولا نعمت خانہ پر اجتماعی فارم

کا بورڈ لگا دو۔ جو ہے اس خوف سے کہ اب یہاں بھی اجتماعی فارم کی طرح غلّے کا فقدان ہونے والا ہے نعمت خانہ چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔

(۵) ایک روز اسٹالن اور ویرلیشولوف کو مزدور طبقہ کی وفاداری آزمانے کا خیال پیدا ہوا انھوں نے ایک بلند منارے کے گرد ایک تار کا جال لگوا دیا اور ایک راہ گیر مزدور کو بلا کر یہ حکم دیا کہ اس منارے پر سے چھلانگ لگائے اس مزدور نے فوراً حکم کی تعمیل کر دی لیکن بجائے زمین پر گرنے کے وہ تاروں کے جال میں پھنس گیا اور اس کی جان بچ گئی۔ مزدور کے اس بے عذر تعمیل حکم پر اسٹالن اور ویرلیشولوف بہت خوش ہوئے اور مزدور سے کہنے لگے۔ "ہم تمہاری جاں نثاری کے جذبہ کا احترام کرتے ہیں مزدور بولا" مجھے یہ خیال ہوا حکم نہ مانا تو کتے کی موت مرنا پڑے گا زندگی سے عاجز آیا ہوا ہوں کود جاؤں گا تو زندگی سے نجات مل جائے گی"۔ یہ لطیفہ حکمران طبقہ کی فرعونیت اور جمہور کی کلفتوں کا اظہار کرتا ہے۔

روس میں اس نوعیت کے متعدد تنقیدی لطیفے زبان زد خاص و عام ہیں لیکن زیادہ تر لطیفوں کی نوعیت یہ ہوتی ہے کہ الفاظ کی ذومعنویت سے لطف پیدا کیا جاتا ہے مثلاً روس میں یہ ایک عام جملہ ہے۔

"روس میں سوائے گورکی کے دوسرے شخص کی زندگی شیریں نہیں ہو سکتی"۔

روسی زبان میں گورکی کے معنی تلخ کے ہیں۔ روس کا مشہور ادیب گورکی حکمران طبقہ کا ممبر تھا اور عیش و آرام سے زندگی بسر کرتا تھا۔ یہ لطیفے جن صورت حالات کا اظہار کرتے ہیں اس کی تائید قابلِ وثوق ذرائع سے بھی ہوتی ہے امریکہ کے سفیر مسٹر ڈیوس اپنی مشہور تصنیف مشن ٹو ماسکو میں جی۔ پی۔ او۔ کے طریقہ کار کا حسبِ ذیل واقعہ بیان کرتے ہیں۔

روس میں اسٹیگر نامی ایک صاحب تھے اگرچہ وہ حکومت کے اراکین میں سے

نہ تھے ان کی حیثیت حکومت روس اور غیر سفیروں کے درمیان مثل ایک سفیر کے تھی۔ دُنیا کی خفیہ سیاست کے متعلق ان کو پوری معلومات تھی اور ہم غیر ممالک کے سفیروں میں وہ نواب (بیرن) اسٹیگر کے نام سے مشہور تھے۔ بہت خوش اخلاق اور بارسوخ تھے۔ ایک روز حکومت روس کی جانب سے اوپرا کا دعوت نامہ آیا۔ میں اور میرے اہل وعیال بھی گئے۔ اوپرا ختم ہونے پر بیرن اسٹیگر نے میری لڑکی اور چند اور اصحاب کو ایک ہوٹل میں کھانے پر مدعو کر دیا۔ سب کھانے میں مشغول تھے۔ نصف شب گذر چکی تھی کہ کسی شخص نے آکر اسٹیگر کے شانے پر ہاتھ رکھا اور اس کو اُٹھنے کا اشارہ کیا۔ اسٹیگر معذرت چاہتا ہوا اس اجنبی کے ساتھ چلا گیا اور پھر واپس نہ آیا۔ بعد میں یہ علم ہوا اس کا استیصال کر دیا گیا ہے۔ قصہ مشہور تھا کہ اسٹیگر کے ماں باپ جو یوکرین کے جرمن تھے ان کو اس شرط پر سیوزرلینڈ میں رہنے کی اجازت دی گئی تھی کہ ان کا لڑکا اسٹیگر بطور یرغمال کے روسی حکومت کے پنجہ میں رہے گا اور روس سے باہر نہ جانے پائے گا۔

حکومت روس کی یہ خاص حکمت عملی ہے کہ اگر کسی مرد کو غیر ملک میں جانے کی اجازت دی جاتی ہے اس کے اہل وعیال کو نیک چلنی کی ضمانت کے طور پر روس میں رکھا جاتا ہے تاکہ وہ اپنے اہل وعیال کی عافیت کے خیال سے دوسرے ملک میں پہنچکر روسی حکومت پر تنقید نہ کرنے پائے۔ غیر ممالک کو جانے والے اور اس کے اہل وعیال اس غیر تحریری قانون کو خوب سمجھتے ہیں۔ جانے والے کو علم ہوتا ہے کہ اس نے غیر ملک میں پہنچکر اپنی حکومت کے خلاف زبان ہلائی یا واپسی سے انکار کیا اور اس کے اہل وعیال کا استیصال ہوا۔ اس سلسلہ میں ایک اور عبرت انگیز واقعہ ہے ایک پروفیسر امریکہ گیا حسب دستور شریک حیات کو اپنی نیک چال چلن کی ضمانت کے طور پر وطن ہی چھوڑنا پڑا۔ امریکہ آکر وہ روس واپس نہ ہوا کسی کا اشتراکی جنت میں جانے سے انکار کرنا یہ بھی اس جنت کی نوعیت پر عملی تنقید ہے اور حکومت کی نظروں میں ایسا کرنا جرم ہے۔ جب انگلستان کے مشہور مصنف برنارڈ شا اور لیڈی اسٹر

سیر و سیاحت کے لئے روس گئے۔ اس پروفیسر نے ان دونوں علم دوست اصحاب سے یہ درخواست کی کہ حکومت روس سے سفارش کر کے اس کی شریک حیات کو امریکہ آنے کی اجازت دلا دیں۔ چونکہ اس معاملہ میں ان دونوں معزز مہمانوں نے دلچسپی لی اس لئے یہ واقعہ یورپ کے تمام اخبارات میں نشر ہو گیا۔ لیکن باوجود ان دونوں ادیبوں کی کوشش کے خاتون کو امریکہ جانے کی اجازت نہ ملی۔ چند روز اس واقعہ کا شور و غل رہا۔ جب خاموشی ہو گئی جی۔پی او۔ نے نہ معلوم اس خاتون کو کہاں غائب کر دیا۔ شاید اس عمل سے جی۔پی۔او کا دوسروں کو تنبیہہ کرنا مقصود تھا تاکہ آئندہ کسی کو غیر ممالک کے معزز مہمانوں کے واسطے سے اس قسم کی درخواست کرنے کی جرأت نہ ہو جس سے حکومت کی تخریبی اور غیر مہذب حکمت عملی پر روشنی پڑے۔ روس میں اس نوعیت کے حادثات معاشرتی زندگی کے جزو بن گئے ہیں اور استعجاب بھی پیدا نہیں کرتے۔

میڈیم ٹیچر ٹاون اپنے خاوند پروفیسر ٹیچر ٹاون کے روس سے فرار ہونے کے حالات قلمبند کرتی ہوئی تحریر فرماتی ہیں:۔

> حکومت روس نے پروفیسر کو یہ دھمکی دی کہ یا تو وہ سبوتاج کے جرم کا تحریری اقرار کرے ورنہ وہ مجھے (میڈم ٹیچر ٹاون) گرفتار کر لے گی۔ پروفیسر نے حکومت کا مطالبہ نہ مانا تو انھوں نے مجھے گرفتار کر لیا ...... میری گرفتاری کے بعد پروفیسر سے کہا گیا کہ اگر اس نے سبوتاج کا تحریری اقرارِ جرم نہ کیا تو اس کو قتل کر دیا جائے گا مجھے دس سال کے لئے سائبیریا میں جلاوطن کر دیا جائے گا اور ہمارے لڑکے کو کسی یتیم خانہ میں داخل کر دیا جائے گا۔

اہل و عیال پر جبر و قہر بے گناہ لوگوں سے تحریری اقرار جرم کرانے کا بہت موثر حربہ ہے ۱۹۳۰ء میں محکمہ خوراک کے ۴۸ عمال جن میں چند پروفیسر بھی تھے بلا کسی عام عدالت کے روبرو

پیش ہوئے سبوتاج کے جرم میں قتل کر دیئے گئے۔ استیصال کے بعد ان کے اقرار جرم نشر ہوئے۔ نہ معلوم یہ درحقیقت مقتولین کے تحریری اقرار جرم تھے یا جی۔پی۔او کی جعلی طور پر تیار کردہ دستاویزیں تھیں۔ اسی سال مزید آٹھ پروفیسروں اور انجنیروں کا سبوتاج کے جرم میں استیصال ہوا اور حسب دستوران کی موت کے بعد ان کے تحریری اقرار جرم نشر ہوئے۔ ان میں سے پروفیسر رامزن کا تحریری اقرار جرم نہایت مضحکہ خیز تھا۔ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ صنعتی پارٹی کا رجعت پسندانہ انقلاب کر کے مسٹر زبایسکنگی کو روس کا وزیر اعظم اور کنشگریڈ کی کو وزیر مقرر کرنے کا ارادہ تھا حالانکہ یہ دونوں صاحب سازش سے قبل فوت ہو چکے تھے۔ رامزن نے سازش کے سلسلہ میں لندن میں کرنل لارنس آف عربیا سے ملاقات بیان کی تھی حالانکہ کرنل موصوف ان ایام میں ہندوستان کی سرحد پر تھے۔

۱۹۳۲ء میں محکمہ زراعت کے ۳۵ عمال اعلیٰ کو بلا کسی عام عدالت کے روبرو پیش کئے اور ان کا جرم ثابت کئے بغیر قتل کر دیا گیا۔ ان مقتولین میں محکمہ زراعت کا نائب وزیر بھی تھا ان کی موت کے بعد جو فرد جرم نشر ہوئی اس میں اس قسم کے جرم بھی درج تھے۔

(۱) کھیتوں میں گھاس اگنے دی گئی۔

(۲) ٹراکٹر اور دیگر زراعتی مشینوں کو ناقابل استعمال بنایا گیا۔ اس سلسلہ میں یہ بتا دینا ضروری ہے کہ روسی قانون دوسرے ممالک سے مختلف ہے وہاں اشتراکی ملکیت کو خفیف سا بھی نقصان پہنچانے کی سزا موت ہے لیکن اگر کوئی مفلوک الحال دولت کی طمع میں کسی دولت مند کو قتل کر دے تو قاتل کو صرف دس سال کی سزا ہے۔

جی۔پی۔او۔ اور کمیونسٹ پارٹی کی خفیہ فوج کی دہشت انگیزیاں عام ہیں لیکن روسیوں کے دل و دماغ پر وہ کوئی غیر معمولی اثر پیدا نہیں کرتیں جو قوم صدیوں تک مطلق العنان شہنشاہوں کی غلام رہی ہو۔ جس ملک میں روز ازل سے شہنشاہوں کے ابرو کے اشارے پر امراؤ وزراء قتل ہوتے رہے ہوں اور جمہور کی زندگی حکومت کے عمال کی خوشنودی کی مرہون

منت رہی ہو ایسے ملک میں جی۔پی۔او۔ کا جبر و قہر شاید حکومت کے روزمرہ کے فرائض کی ادائیگی خیال کیا جاتا ہے اور بس۔ مندرجہ بالا واقعات ایک باضمیر انسان کو حکمران طبقہ کی حکمت سے متنفر کر دینے کے لئے کافی ہیں لیکن جو واقعات بیان کئے جانے والے ہیں ان کے سامنے گذشتہ حالات حقیر معلوم ہوتے ہیں۔ آئندہ چل کر اکابر بولشیوک پر جو مقدمہ چلائے گئے ان میں ابتدائی مقدموں کی سی خامیاں نظر نہیں آتیں۔ حکمران طبقہ کو اس کی داد ضرور دینی چاہیے کہ جن غلطیوں کی بناء پر ابتدائی مقدمے غیر حقیقی معلوم ہوئے ان کا بعد کے سیاسی مقدموں میں اعادہ نہ ہونے پایا۔ نہ صرف یہی بلکہ ابتدائی مقدموں سے سبق سیکھ کر حکمران طبقہ نے اقرار جرم کرانے کا ایسا کامیاب اور انوکھا طریقہ ایجاد کیا کہ اس کے سامنے انکیوزیشن کی افسوں کاریاں ماند پڑ گئیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دروغ و افتراء میں وہ خامیاں ضرور رہ جاتی ہیں جو اس کا پردہ فاش کر دیتی ہیں۔

اکابرین پر مقدموں کی ابتداء کا عجیب و غریب افسانہ ہے حکمران طبقہ کا کیروف ایک اہم قائد تھا اس کے وقار و عظمت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ وہ اسٹالن کا جانشین خیال کیا جاتا تھا۔ اس قائد کی ایک خاتون سکرٹری تھیں جن سے کیروف کے محرمانہ تعلقات تھے ایک بیان یہ ہے کہ ان تعلقات سے متاثر ہو کر خاتون کے خاوند نکولیف نے قائد پر قاتلانہ حملہ کیا۔ دوسرا بیان یہ ہے کہ نکولیف کا پارٹی سے اخراج کر دیا گیا تھا۔ نکولیف کی التجاؤں کے باوجود کیروف اس کو پارٹی میں واپس لینے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ اس پر برافروختہ ہو کر اول الذکر نے قائد کے گولی ماردی۔ تیسرا بیان یہ تھا کہ کیروف جی۔پی۔او کی طاقت سے خطرہ محسوس کرنے لگا تھا اور اس ادارہ کا وقار ختم کرنا چاہتا تھا اس کی یہ حکمت عملی اس ادارے کے اکابرین کے دل میں مدت سے خلش پیدا کر رہی تھی چونکہ کیروف جی۔پی۔او کے اعزاز اور عیش و آرام کے لئے خطرہ بن گیا تھا اس لئے جی۔پی۔او۔ نے نکولیف کو آلہ کار بنا کر کیروف کو گولی کا نشانہ بنوا دیا۔ چوتھا بیان یہ تھا کہ چونکہ کیروف کے اعزاز سے اسٹالن کو خود خطرہ

محسوس ہونے لگا تھا اس لئے اسٹالن نے کیروف کو قتل کرا دیا۔ اسٹالن نے خود اس قتل کی تحقیقات کی جس سے یہ ثابت ہوا کہ اس قتل میں جی۔پی۔او۔ کا ہاتھ تھا چنانچہ لینن گریڈ کے جی۔پی۔او۔ کے چیف کو عدم احتیاط کے جرم میں قتل کر دیا گیا۔ محرمان خانہ یہ بھی کہتے تھے۔ اسٹالن نے بذاتِ خود اس مقدمے کی اس لئے تحقیقات کی اگر کوئی ایسا ثبوت برآمد ہو جو اس قتل سے اسٹالن کا تعلق ثابت کرے تو اس ثبوت کو دبا دیا جائے۔ دوسرے یہ کہ تحقیقات میں دلچسپی ظاہر کرنے سے جمہور کو یہ گمان نہ گذرے گا کہ کیروف کے خون کے دھبے اسٹالن کے دامن پر ہیں۔

اصل واقعہ کچھ ہی کیوں نہ ہو لیکن حکمران طبقہ نے اپنی آزمودہ و دیرینہ حکمت عملی کے مطابق اس قتل کو اپنے مخالفین کے لئے خنجر میں تبدیل کر دیا۔ نکولیف کے قتل کے بعد اس کا تحریری اقرارِ جرم نشر ہوا جس میں ایک غیر ملک کے سفیر کا اس سازش میں شریک ہونا بیان کیا گیا تھا جس نے قاتل کو اس قتل کرنے کی قیمت پانچ ہزار روبل دی تھی لیکن اس اقرارِ جرم میں مقطع کا بند یہ تھا کہ اس سفیر نے نکولیف سے ٹراٹسکی کے نام ایک تعارف نامہ مانگا تھا۔ نکولیف کے اقرار جرم پر غیر ممالک کے تمام سفیر اپنے آپ کو جرم میں ملبوس محسوس کرنے لگے چنانچہ روسی حکومت سے اس خاص سفیر کا نام شائع کرنے کا مطالبہ کیا گیا۔ اس مطالبے پر بادل ناخواستہ حکومت روس نے لٹویا کے کونسل کا نام لیا۔ لیکن تعجب خیز یہ امر ہے کہ زینوفیف و کیمونیف کے مقدمے جو اس قتل کا شاخسانہ تھے ان میں اس خاص ملزم کا جس نے کیروف کے قتل کی قیمت پانچ ہزار روبل ادا کی اشارتاً بھی تو نام نہیں آیا۔ شاید جی۔پی۔او کے متعدد جھوٹوں میں سے یہ بھی ایک جھوٹ تھا اور صرف اس لئے گھڑا گیا تھا تاکہ ٹراٹسکی کے لئے تعارفی خط کا ذکر ہو جائے اور اس قتل میں ٹراٹسکی کی شرکت معلوم ہو۔ کیروف کا قتل ان سیاسی مقدموں کی ابتدا بن گیا جن کی ساحرانہ نوعیت نے تعلیم یافتہ دنیا کو استعجاب میں ڈال دیا ہے۔ ۱۹۳۴ء سے ۱۹۳۷ء تک روس میں سات سیاسی مقدمے ہو چکے ہیں ان تمام مقدموں کی نوعیت قریب قریب یکساں ہے۔ اس جعلی مرکب کے آخری دو مقدمے مشہور ہیں

چونکہ ان میں حکمران طبقہ کا سازشی طریقہ کار اپنی پوری قوت کے ساتھ ظاہر ہوا۔ اس مختصر کتاب میں ان طویل مقدموں پر مجموعی طور پر ہی طائرانہ نظر ڈالی جا سکتی ہے۔ آخری دو مقدمے اس لئے مشہور ہیں کہ ان میں ملزمین پر باقاعدہ فردِ جرم عائد کی گئی اور خفیہ عدالت میں اقرارِ جرم حاصل کر لینے کے بعد ان کو ایک عام عدالت کے روبرو پیش کیا گیا جس میں غیر ممالک کے سفیر اور اخباری نمائندے بھی موجود تھے۔ ان دونوں مقدموں میں ٹراٹسکی کو تمام تخریبی تحریکات کا سرغنا ٹھہرایا گیا تھا۔ باقیماندہ اکابرین کی حیثیت ممد و مددگاروں کی تھی۔ ٹراٹسکی پر جو الزامات لگائے گئے تھے وہ حسبِ ذیل ہیں۔

۱۔ حزبِ مخالف کے افراد جن کا سرغنا ٹراٹسکی ہے سوویٹ روس کے مشاہیر کو قتل کرنے کی سازش کر رہے ہیں اور کیروف کا قتل اسی سلسلہ کی پہلی کڑی تھی۔

۲۔ کارخانوں میں مزدوروں کو ورغلا کر حادثات پیدا کرا رہے ہیں نیز ذرائع رسل و رسائل کی تباہی میں سرگرم ہیں تاکہ اشتراکی روس کا اقتصادی نظام تباہ ہو جائے۔

۳۔ سامانِ حرب بنانے کے کارخانوں میں انواع و اقسام کی تدابیر سے وہ حالات پیدا کر رہے ہیں کہ کام بند ہو جائے اور کارخانے بند ہو جائیں۔ نیز مزدور طبقہ اور فوج کے سپاہیوں میں جراثیم کے ذریعہ سے مہلک بیماریاں پھیلا کر ان کو فنا کر رہے ہیں تاکہ روس کی فوجی اور اقتصادی طاقت کمزور ہو جائے۔

۴۔ ٹراٹسکی اور اس کے ہمخیال نازی جرمنی اور جاپان کے سالاروں سے ساز باز کر رہے ہیں تاکہ ان دونوں ممالک کی مدد سے روس کو شکست دے دیں۔ فتح کے بعد ان کا خیال ہے کہ روس کا کچھ حصہ معاوضہ کے طور پر جرمنی و جاپان کو دے دیا جائے باقیماندہ روس میں ٹراٹسکی اور اس کی پارٹی اپنی حکومت قائم کرے۔

۵۔ ٹراٹسکی کا مقصد یہ ہے کہ اپنی حکومت قائم کرنے کے بعد اشتراکی طریقہ پیداوار کو فنا کر کے روس میں از سرِ نو سرمایہ دارانہ طریقہ پیداوار جاری کر دیا جائے۔

ان جعلی مقدموں کا سب سے زیادہ حیرت انگیز پہلو یہ ہے کہ ٹراٹسکی کے علاوہ جو اس وقت جلاوطن تھا جن اکابر بولشیوکوں پر مندرجہ بالا الزامات لگائے گئے ان سب نے عام عدالت کے روبرو ضرورت سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ان جرموں کے ارتکاب کا اقرار کر لیا اس سلسلہ میں سب سے قبل یہ معلوم کرنا ضروری ہے کہ آیا صرف اقرار جرم ملزم کے جرم کو ثابت کرنے کے لئے کافی ہے یا نہیں۔ اس موضوع پر صرف یہ کہدینا کافی ہے کہ متمدن دنیا میں قرون وسطیٰ سے جبکہ انکیوزیشن کے ادارے نے جبر و قہر کے ذریعہ سے بہت سے بے گناہوں کو اقرار جرم کرا کر ان کو نذر دار و رسن کیا آج تک بلا کسی خارجی ثبوت کے صرف اقرار جرم کسی جرم کے ثبوت کے لئے کافی خیال نہیں کیا جاتا۔ امریکہ کے مشہور مورخ مسٹر بیڈو نے ان مقدمات کی ماسکو کی شائع کردہ روئداد کا بحیثیت مورخ بغور مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے دی ہے کہ صرف اقرار جرم کسی جرم کے ثبوت کے لئے کافی نہیں ہے اور ان مقدمات میں جرم ثابت نہیں ہوا۔ جرم ثابت کرنے کے لئے حکومت کو اقرار جرم کے علاوہ کوئی خارجی ثبوت پیش کرنا چاہیے تھا۔ اسٹالن کا یہ فرض ہے کہ وہ ٹراٹسکی کے مجرم ہونے کا ثبوت پیش کرے ٹراٹسکی سے یہ مطالبہ نہیں کیا جا سکتا کہ وہ اپنی بریت کا ثبوت لائے۔ مسٹر اڈلر جو دوسری انٹرنیشنل کے سکرٹری اور ٹراٹسکی کے مخالف ہیں ان مقدموں کو ساحرانہ مقدمے کہکر پکارتے ہیں اور ان کا موازنہ انکیوزیشن کے دور کے مقدموں سے کرتے ہیں اور ہیو بیر جو معتقدات میں اسٹالنی ہے ان مقدموں کو جعلی قرار دیتا ہے اور امریکہ کے مشہور اخبار "نیو یورک ٹائمز" نے ان مقدموں پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا "جرائم کا ثبوت کا بار اسٹالن پر ہے نہ ٹراٹسکی پر" جب ٹراٹسکی کی مشہور تصنیف "انقلاب سے غداری" شائع ہوئی دنیا کے تمام مشہور جرائد و نقادوں نے اس پر تبصرہ و تنقید کی۔ ان ذی علم اور باخبر نقادوں میں سے ایک نے اشارۃً بھی نہیں کہا کہ اس کتاب کا مصنف ایک مجرم ہے کیونکہ متمدن دنیا میں کسی کو ان مقدموں کے حقیقی ہونے کا یقین نہیں آیا۔

تیسرے درجہ کی پولیس کی کارروائیوں کے ذریعہ سے بے گناہوں سے اقرار جرم کرنا ایک فرسودہ طریقہ کار ہے جس کو متمدن دنیا فراموش کر چکی ہے۔ مشاہیر عالم میں سب سے پہلا غلط اقرار جرم گلیگو نے کیا۔ اس سلسلہ میں ناظرین کو یاد ہوگا کہ اس زمانہ کے کلیسا کے عقیدہ کے بموجب سورج زمین کے گرد گردش کرتا تھا۔ جب گلیگو نے اپنا نیا نظریہ پیش کیا اور یہ ثابت کر دیا کہ زمین سورج کے گرد طواف کرتی ہے تب کلیسا نے اس کو مرتد قرار دے دیا۔ ایک عرصہ دراز تک یہ عالم اپنی ذہنی ایمانداری اور علمی معتقدات کے خلاف نہ گیا اور کلیسا نے جو ظلم و ستم روا رکھا اس کو ایک صابر و شاکر اہل دل کی طرح برداشت کرتا رہا لیکن آخر کار قوت برداشت نے جواب دے دیا اور گلیگو نے اعتراف کرتے ہوئے اپنے صحیح نظریہ کی تردید کر دی اعترافِ جرم کرتے ہوئے گلیگو نے اعلان کیا۔

"میں اپنے غلط اور بے بنیاد نظریوں کو حقارت و نفرت کی نظر سے دیکھتا ہوں اور ان سے توبہ کرتا ہوں اگر میرے علم میں کوئی مرتد آیا جو ان غلط نظریوں کا یقین رکھتا ہو۔ میں ایسے مرتد کو فوراً کلیسا کے یا مقامی انکیوزیشن کے سپرد کر دوں گا۔"

لیکن باوجود گلیگو کے غلط اقرار جرم اور اپنے علمی نظریئے کی تردید کے زمین آج تک سورج ہی کے گرد گردش کر رہی ہے خام تلوب کی لغزشوں کے نظارے موجودہ نسل ہی نے ماسکو کے مقدموں کی شکل میں نہیں دیکھے بلکہ دُنیا برابر ان المناک اور انسانیت سوز مظاہروں پر نظر ڈالتی چلی آئی ہے۔ گلیگو بحر علم کا شناور اپنے دل میں نظریئے کی صحت کا یقین رکھتے ہوئے کلیسا کے تشدد سے عاجز آکر زبان سے تردید کرتا ہے نہ صرف یہی بلکہ کلیسا سے یہ وعدہ کرتا ہے کہ اگر کوئی دوسرا شخص اس نظریئے کی صحت میں یقین لایا تو گلیگو اس کو کلیسا کے سپرد کر دے گا تاکہ عدم تشدد اور کامل محبت میں زبان سے یقین رکھنے والے پادری اس کو ناگفتنی تکالیف کا شکار نہ بنائیں۔ کمزور باطن رکھنے والے اکابرین روس نے نہ صرف اپنی

بابت وہ بیانات دیتے جو سرکاری وکیل نے ان کے لئے تیار کر دیتے تھے بلکہ ان بے گناہ ہستیوں کو جرائم میں ملبوس کرنا چاہا جن کے خون سے حکمران طبقہ اپنی پیاس بجھانی چاہتا تھا۔ چند اہل دماغ کے معصیت کا شکار ہو جانے سے یہ نہ خیال کرنا چاہئے کہ انسانی فطرت حقیقی جوہر کھو چکی ہے۔ روس میں صدہا ایسے مرد میداں بھی نکلے جنھوں نے مصائب کو برداشت کیا اور غلط اقرار جرم تحریر کرنے سے انکار کر دیا اور حق گوئی و خودداری پر جان قربان کر دی۔

اس امر کے ثابت ہو جانے کے بعد کہ تنہا اقرار جرم کسی فرد کو مجرم قرار دینے کیلئے کافی نہیں ہوتا یہ غور کرنا ضروری ہے کہ اس نوعیت کے مقدموں میں کس قسم کا ثبوت بہم پہنچایا جا سکتا ہے اور عام طور پر پہنچایا جاتا ہے اور بغیر ان ثبوتوں کے اس نوعیت کے مقدمے صرف جھوٹ اور افترا کا ایک انبار خیال کئے جاتے ہیں۔ ایک سازش جس کی بابت روسی حکومت کا یہ دعویٰ تھا کہ وہ کامل پانچ سال سے اتنے وسیع پیمانے پر جاری تھی کہ سینکڑوں ذرائع رسل و رسائل اور سامانِ حرب کے ذخیروں کو تباہ کیا جا رہا تھا۔ حکمران طبقہ کے اکابرین کے قتل اور مزدوروں و سپاہیوں میں جراثیم پھیلا کر ان کو وبائی بیماریوں کا شکار بنانے کا جال روس کے طول و عرض میں پھیلا دیا تھا۔ غیر ممالک سے اس قسم کی سازشیں کی جا رہی تھیں کہ ان کی کامیابی کے لئے غیر ممالک سے طلاء و نقرہ اور سامانِ حرب وغیرہ آنا ضروری تھا۔ ایسی ہمہ گیر سازش کے متعلق حکومت کے پاس کوئی خارجی ثبوت نہ ہونا ان مقدموں کے جعلی ہونے پر دلالت کرتا ہے۔ زار کے زمانے میں انقلابی عناصر جو معمولی معمولی سازشیں کرتے تھے۔ حکومت کی خفیہ اس سلسلہ میں انقلابیوں کے بم بنانے کا سامان۔ زمین دوز سامانِ حرب۔ پوشیدہ پریس ان کی آپس کی خط و کتابت پکڑ لیا کرتی تھی اور اس تمام مواد کو ثبوت کے طور پر عام عدالت میں پیش کرتی تھی اور اکثر پولیس کے گرگے انقلابیوں سے مل کر عین موقع پر جبکہ بم پھینکا جانے والا ہوتا تھا انقلابیوں کو گرفتار کرا دیا کرتے تھے لیکن ماسکو

کے مقدموں میں اس قسم کا کوئی خارجی ثبوت پیش نہیں کیا جاتا۔ زار روس کی پس ماندہ خفیہ حقیر سازشوں کے سلسلہ میں متعدد خارجی ثبوت پیش کر سکتی تھی۔ لیکن بولشیوک روس کی ہمہ گیر جی۔پی۔او۔ ایک بین الاقوامی سازش جو پانچ سال سے جاری تھی۔ اس کے متعلق عدالت میں کوئی خارجی ثبوت پیش نہیں کر سکتی یہ واحد امر روسی حکومت کے دعوے کے بطلان کے لئے کافی ہے۔ ماسکو کے ان ساحرانہ مقدموں کی سب سے زبردست کمزوری یہ ہے کہ جی۔پی۔او الزامات کے ثبوت میں نہ بم بنانے کا سامان نہ پوشیدہ سامانِ حرب وغیرہ۔ نہ جراثیم پرورش کرنے کی لیبورٹری نہ مجرمین کی آپس کی خط و کتابت نہ غیر ممالک کی دستاویزیں نہ غیر ممالک سے آیا ہوا زر و مال اور سامان حرب وغیرہ خارجی ثبوت میں پیش کر سکی۔ جی۔پی۔او۔ ایسا ایک فرد بھی پیش نہ کر سکی جس کو عین موقع پر کان یا فیکٹری اڑاتے ہوئے پکڑا گیا ہو۔ حکومت کوئی ایسا ثبوت پیش نہیں کر سکی جس سے سازش کی واقعیت ثابت ہو سکے۔ تمام مقدموں کی بنیاد مکالموں پر ہے یعنی فلاں شخص نے فلاں وقت مجھ سے یہ کہا۔ میں نے فلاں شخص کو زبانی یہ ہدایت دی۔

اگر یہ باور کر لیا جائے کہ لینن کے تمام شریک کار غدار۔ پُرفن۔ اشتراکیت کے دشمن۔ سرمایہ داری کے دلدادہ۔ اجتماعی مفاد سے بے پروا۔ انفرادی جاہ و جلال کے حریص تھے۔ نیز یہ کہ وہ اتنے خونخوار۔ بے خوف اور جلاد تھے کہ نہ ان کو اپنی جان عزیز تھی اور نہ ان کے نزدیک دوسروں کی جان کی اہمیت تھی۔ قتل و غارت۔ سازش و غداری ان کے رگ و پے میں سرایت کئے ہوئے تھے پانچ سال سے وہ فیکٹریاں، کانیں۔ مسافروں سے بھری ہوئی ریل گاڑیاں اڑا رہے تھے جراثیم کے ذریعہ سے مزدوروں کو فنا کر رہے تھے تو یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان قزاقوں کی سی نفسی کیفیت رکھنے والوں نے یہ جانتے ہوئے کہ جی۔پی۔او۔ ان کے خلاف خارجی ثبوت پیش کرنے میں قطعی طور پر ناکامیاب رہی ہے اور حکومت کے لئے ان کے جرم ثابت کرنا غیر ممکن ہے کیوں اقرار جرم کر لیا؟ اس کا جواب صرف یہ ہے یہ سب ملزم متمدن اشخاص تھے۔ ان پر جو الزامات لگائے گئے وہ از سرتاپا غلط تھے۔ اور جبر و تشدد کے ذریعہ سے ان سے غلط اقرار جرم

تحریر کرائے گئے۔

ان مقدموں کی صحت کے ثبوت میں سب سے اہم یہ استدلال ہے کہ اگر یینن کے شرکار کار اور ہمنشینوں نے جرائم کا ارتکاب نہیں کیا تب انھوں نے عام عدالت میں جہاں غیر ممالک کے اخباری نمائندے اور سفیر موجود تھے اقرار جرم کیوں کر لیا؟ اگر قید کے دوران میں جی۔ پی۔ او۔ نے جبر و تشدد کے ذریعہ سے تحریری اقرار جرم لے بھی لئے تھے۔ ملزمین نے عام عدالت کے روبرو حکمران طبقے کے جبر و تشدد کا راز کیوں نہ فاش کر دیا اور یہ اعلان کیوں نہ کر دیا کہ تحریری اقرار جرم جو ججوں کے سامنے رکھے ہوئے تھے وہ جبریہ تحریر کرائے گئے تھے اور بے بنیاد تھے۔

اس معمہ کے حل کے لئے حکمران طبقہ کی تیغ ہائے بے نیام یعنی حکمران پارٹی کی خفیہ فوج اور جی۔ پی۔ او۔ کے ہمہ گیر تسلط پر از سر نو نظر ڈالنی ضروری ہے۔ جی۔ پی۔ او کسی فرد کو بلا کوئی الزام لگائے ہر وقت ہر مقام پر گرفتار اور لا محدود وقت تک قید رکھ سکتا ہے ملزم کو زدوکوب۔ بھوکا اور بیدار رہنے کی سزا دے سکتا ہے جونکوں سے اس کا خون چسوا سکتا ہے غرضیکہ ملزم کے ساتھ ہر تیسرے درجہ کا سلوک بلا خوف باز پرس کر سکتا ہے۔ اِن مظالم کے علاوہ جی۔ پی۔ او۔ کے قبضہ قدرت میں ملزم پر تشدد کرنے کا ایک ایسا موثر ہتھیار موجود ہے جس کے سامنے مندرجہ بالا مادی تکالیف۔ راحت معلوم ہوتی ہیں جی۔ پی۔ او۔ ملزم کے بے گناہ ضعیف ماں باپ۔ جوان عمر بھائی۔ بہن۔ شریک حیات اور معصوم اولاد کے ساتھ بھی وہی درد انگیز سلوک کر سکتا ہے جو مجرم کے ساتھ روا رکھتا ہے ملزم کے ستم زدہ گھر والے قید خانے میں لائے جاتے ہیں اور اپنے مصائب و آلام کے حالات ملزم کو سُناتے ہیں۔ ملزم کو یہ احساس کرایا جاتا ہے کہ اس کے اقرار جرم سے انکار کی وجہ سے اس کے متعلقین مصائب کا ہدف بنے ہوتے ہیں۔ ملزمین سے ان کے روس سے وفاداری کی بابت استفسار کیا جاتا ہے جب وہ اس کا جواب اثبات میں دیتے ہیں تب ان سے کہا جاتا ہے کہ روس کو تمہارے غلط اقرار جرم

کی ضرورت ہے اگر تمہارا حب الوطنی کا دعویٰ درست ہے تمہیں غلط اقرار جرم میں عذر نہ ہونا چاہیئے۔ ملزمین کو اس امر کا بھی یقین دلایا جاتا ہے کہ اقرار جرم ان کے اور متعلقین کے مصائب کو ختم کر دے گا۔ اقرار جرم کی بنا پر ملزمین کو سزائیں نہیں دی جائیں گی خود ملزمین اور ان کے بے گناہ متعلقین پر جی۔پی۔او۔ اتنے شدید مظالم ڈھاتی ہے کہ اپنے متعلقین کو مصائب سے بچانے کی خاطر ملزمین اقرار جرم پر تیار ہو جاتے ہیں عزیزوں کی تکالیف کے جاں گسل مناظر سے ملزمین کو موت کے آغوش ہی میں راحت معلوم ہوتی ہے غیر ممالک کے سفیر اور اخباری نمائندوں نے اس امر کی تصدیق کی ہے کہ جب ملزمین عام عدالت میں آئے ان کی جسمانی حالت سے یہ محسوس نہیں ہوتا تھا کہ ان پر قید کے دوران میں ظلم وستم کیا گیا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ جسمانی حالت کی بنا پر یہ اندازہ لگانا دشوار ہے کہ آیا کسی پر ظلم وستم ہوا یا نہیں مثلاً یہ ممکن ہے کہ ایک ملزم جو کئی ماہ تک مقید رہا اس پر اس کے متعلقین پر ابتدائی دو ماہ میں اس درجہ ظلم وستم کیا جائے کہ وہ اقرار جرم کر لیں۔ بعد کے چار ماہ اس کو اور اس کے عزیزوں کو غیر معمولی آسودگی دی جائے ان حالات میں عام عدالت میں پیش ہونے کے زمانے تک ملزمین کی جسمانی حالت معمول کے قریب قریب آجائے گی۔ یہ بھی ممکن ہے ملزم پر سختی نہ کی جائے بلکہ اپنے متعلقین کے مصائب سے ہی متاثر ہو کر ملزم غلط اقرار جرم کر لے اقرار جرم کے بعد اس کے متعلقین کو چار ماہ تک آسودہ رکھا جائے اس شکل میں بھی عام عدالت میں پیش ہونے کے زمانے تک ملزمین کی جسمانی حالت معمول پر آجائے گی۔ انسان اپنی ذاتی تکلیف برداشت کر سکتا ہے لیکن اپنی وجہ سے ضعیف والدین بے گناہ شریک حیات۔ معصوم لخت جگر کی تکالیف نہیں دیکھ سکتا۔ بہت ممکن ہے کہ حزب مخالف کے اکابرین جو متمدن انسان تھے اپنے بے گناہ متعلقین کی تکالیف دور کرنے کے لئے ہی غلط اقرار جرم کرتے ہوں۔ ان مقدموں کی صحت کے ثبوت میں یہ استدلال بھی بہت شد و مد کے ساتھ پیش کیا جاتا ہے کہ اگر اقرار جرم جبر کا نتیجہ تھے تو ملزمین کو عام عدالت میں اس حقیقت کے اعلان میں کونسی شے مانع تھی۔ لیکن ذرا سے غور سے اس بظاہر استوار

لیکن حقیقتاً خام استدلال کی غلطی عیاں ہوجاتی ہے فرض کیجیے کہ کوئی ملزم عام عدالت میں یہ اعلان کر دیتا کہ اس سے اقرار جرم جبریہ طور پر کرایا گیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ از سر نو اس کو سپرد زندان کر دیا جاتا جہاں اس پر اور متعلقین پر پیشتر سے ہزار گنا زیادہ مصائب و آلام توڑے جاتے اس سے دوبارہ اقرار جرم تحریر کرنے کے لئے کہا جاتا۔ اب کے بار اقرار جرم میں یہ بھی تحریر کرایا جاتا کہ پہلی مرتبہ عام عدالت میں اس نے جو یہ بیان دیا تھا کہ اس سے جبریہ تحریری اقرار جرم تحریر کرایا گیا تھا وہ بھی واقعہ کے خلاف تھا۔ یہ دوسرا اقرار جرم ملزم نے عام عدالت میں جو اعلان کیا تھا اس کو غلط ثابت کر دیتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جی۔ پی۔ او۔ کے پنجہ خونی میں آجانے کے بعد یہ غیر ممکن ہے کہ اقرار جرم نہ کیا جائے۔ جی۔ پی۔ او۔ کی دراز دستی سے بچنے کا صرف ایک راستہ ہے اور وہ موت ہے۔ روس کے حکمران طبقہ کے چنگل کی پکڑ سے جہنم کی آگ میں عافیت معلوم ہوتی ہے۔ اس استدلال کے ثبوت میں یہ امر پیش کیا جا سکتا ہے کہ صنعت کے کمیسار پیاکوف کی شریک حیات خاوند کی گرفتاری سے آٹھ ماہ قبل گرفتار کر لی گئی تھی۔ کمیسار نے عام عدالت میں اپنے خاندان کی تباہی کی طرف اشارہ کیا۔ بائیں پارٹی کے ایک اور ممبر کو حکومت نے سائبیریا جلاوطن کر دیا۔ چند روز بعد اس کی شریک حیات سے مطالبہ کیا گیا کہ وہ اپنے جلاوطن خاوند کو طلاق دیدے۔ خاتون چونکہ ایسا کرنے پر تیار نہ ہوئی حکومت نے اس کو بھی گرفتار کر لیا۔ حکومت کا یہ استدلال تھا۔ جب تمہارا خاوند سائبیریا میں ہے اور اس کی واپسی کی کوئی امید نہیں ان حالات میں تمہارا اس کو طلاق نہ دینا اس امر کی دلیل ہے کہ سیاسی طور پر تم اس کی ہمخیال ہو اس لئے تمہاری گرفتاری بھی لازمی ہے یہ طریقہ کار ہے جس کی بدولت حکومت اکابرین سے اقرار جرم کرانے میں کامیاب ہو جاتی تھی۔ چیکوسلاویکیہ کی کمیونسٹ پارٹی کے سیاسی بیورو کے ممبر ڈاکٹر چاگیلا جو پہلے اسٹالن کے خیال کے حامی تھے لیکن بعد میں بائیں پارٹی کے ممبر ہو گئے تھے روس میں قید کر دئے گئے۔ جیل میں ان کی ملاقات ایک انجنیر سے ہوئی جس نے اپنے غلط اقرار جرم کرنے کے حالات ان کو سناتے۔ روسی جیل سے فرار ہونے

کے بعد ڈاکٹر موصوف نے اس انجنیر کے بیان کردہ حالات ایک مضمون کی شکل میں شائع کیے یہاں اس مضمون سے اقتباس پیش کیا جاتا ہے انجنیر نے بیان کیا:۔

"پانچ سال تک حکومت نے مجھے نہ اخبار و کتب مطالعہ کے لیئے دیں نہ خط و کتابت کی اجازت دی اور نہ عزیز و اقارب سے ملنے دیا۔ قید تنہائی نے میرے دل و دماغ کو ماؤف کر دیا تھا۔ میں متواتر بھوک و پیاس کی شدت سے خستہ حال ہو گیا تھا۔ حکومت کا مطالبہ تھا کہ میں ایک ایسے جرم کا تحریری اقرار کر لوں جس کا میں مرتکب نہیں ہوا تھا۔ میں حکومت کے اس حکم پر عمل پیرا ہونے کے لیئے تیار نہ تھا۔ چند روز کے بعد مجھ سے کہا گیا کہ سوویٹ رُوس کو میرے اقرارِ جرم کی ضرورت ہے اور چونکہ مجھے حکومت سے وفاداری کا دعویٰ ہے اس لیئے مجھے اقرارِ جرم کر لینا چاہیئے۔ مجھے یہ بھی یقین دلایا گیا کہ اقرارِ جرم سے میرے لیئے خراب نتائج مرتب نہ ہوں گے۔ حکومت اقرارِ جرم کا یہ معاوضہ دیگی کہ مجھے فوراً اخبار ملنے لگیں گے۔ خط و کتابت نیز عزیز و اقارب سے ملاقات کی اجازت بھی ہو جائے گی چہل قدمی کی اجازت بھی مل جائے گی اور کچھ عرصے بعد مجھے از سرِ نو کام پر لگا دیا جائے گا۔ اقرارِ جرم نہ کرنے کی شکل میں مجھے یہ دھمکی دی گئی تھی کہ بے حد و حساب مظالم توڑے جائیں گے نہ صرف یہ بلکہ میری شریکِ حیات اور معصوم بچوں کو بھی میرے انکار کا خمیازہ اٹھانا پڑے گا مہینوں تک میں نے حکومت کا مطالبہ نہ مانا۔ آخر قید تنہائی اور دیگر مظالم برداشت کرنے کا یارہ نہ رہا۔ مجھ پر وہ ایسی مصیبت کا زمانہ تھا کہ اس سے زیادہ تکلیف دہ حالات دنیا میں تصور کرنے مشکل ہیں۔ کچھ عرصے بعد مجھے اس بات کی پرواہ نہ رہی کہ اقرارِ جرم کرنے پر لوگ مجھے کیا کہیں گے جو تحریری اقرارِ جرم مجھے دیئے گئے میں نے اس پر دستخط کر دیئے۔ اس کے بعد مجھے تمام مراعات حاصل ہو گئیں جن کا

جی ۔پی ۔او ۔ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا۔"

اقرار جرم کس طرح کرائے گئے نیز ان کے غیر حقیقی ہونے پر مندرجہ بالا سطور کافی روشنی ڈالتی ہیں اب حکومت کے اس الزام کے متعلق کہ حزب مخالف حکمران طبقہ کو اکابرین کے قتل کرنے کی سعی میں سرگرم تھا اور کیروف ان کا شکار ہوا۔ چند جملے تحریر کرنے ضروری ہیں بظاہر یہ استدلال کافی وزنی معلوم ہوتا ہے کہ چونکہ حزب اختلاف حکمران طبقہ کو نفرت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ اور خود برسر اقتدار آنا چاہتا تھا اس لئے لازمی تھا کہ وہ حکمران طبقہ کے اکابرین کا استیصال کرے۔ اور اس مقصد کے لئے سازشیں کرے۔ لیکن ذرا سے فکر سے اس بظاہر ناقابل تردید استدلال کی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے۔ حزب اختلاف کے قائدین طفل مکتب نہ تھے ان کی پشت پر ایک نسل کا انقلابی تجربہ تھا وہ یہ معمولی امر ضروری سمجھتے تھے کہ انفرادی دہشت انگیزیوں اور قتل و غارت سے حکومت کو نہیں بلکہ حزب مخالف کو نقصان پہنچتا ہے نیز یہ کہ افراد پر قاتلانہ حملے کسی حکومت کو فنا نہیں کر سکتے بلکہ حکومت کو حزب اختلاف کے فنا کرنے کا سنہری موقع دیتے ہیں۔ حزب مخالف یہ ضروری سمجھتی تھی کہ حکمران طبقہ کے ایک فرد کو قتل کر کے اپنے ہزارہا کارکن قتل کرانے دانشمندی نہیں ہے۔

جن اصحاب نے انقلابی ادب کا مطالعہ کیا ہے وہ اس امر سے بخوبی آشنا ہیں کہ مارکسی تخیل رکھنے والے انفرادی دہشت انگیزیوں کے اس لئے خلاف ہیں کہ انفرادی قتل و غارت حکومت کو حزب مخالف کے فنا کرنے کا موقعہ مہیا کرتے ہیں کسی جمہوری تحریک کے لئے اس طرف قدم اٹھانا خودکشی کے مترادف ہوتا ہے اگر حزب اختلاف انقلابی راہ و رسم سے بالکل نابلد ہوتے اور انفرادی دہشت انگیزیوں کے ذریعہ سے برسر اقتدار آنا ممکن تصور کرتے تو وہ اسٹالن ہی کو کیوں نہ قتل کرتے۔ کیروف کے خون سے اپنے ہاتھ کیوں رنگین کرتے اگر خطرہ ہیں پڑنا ہی تھا تو کیروف سے زیادہ ممتاز ہستی یعنی اسٹالن کو کیوں نہ قتل کیا جاتا۔ حزب اختلاف کے ممبر حکومت کے مختلف اہم اداروں کے ممبر تھے ان کو کمیٹیوں، مجلسوں، محفلوں میں اسٹالن سے

قربت حاصل تھی۔ حزب مخالف کے لئے اسٹالن کا قتل کرنا مشکل امر نہ تھا۔ ان وجوہات کی بناء پر یہ وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ حزب مخالف کے خلاف دہشت انگیزیوں کے الزامات غلط تھے۔

مقدموں کی روئداد کے مطالعہ سے ان کے جعلی ہونے کے دو اور ثبوت ملتے ہیں۔ اول یہ کہ ملزمین ایسے جواب دیتے ہیں جو بجائے ملزم کے سرکاری افسروں کے ذہن کا اختراع معلوم ہوتے ہیں۔ دوسرے یہ کہ ملزمین کے جوابات نفسی طور پر درست نہیں اترتے یہ ایک نفسیاتی امر ہے کہ ملزم اپنے جرموں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کیا کرتا ہے نہ کہ خود اپنے آپ کو ملبوس کرتا ہے لیکن ان مقدموں میں یہ حیرت انگیز بات نظر آتی ہے کہ ملزم خود اپنے جرموں کا آپ ثبوت بہم پہنچاتے دکھائی دیتے ہیں۔ اس سلسلہ میں عام عدالت کی روئداد کے چند حصے بصیرت افروز ہیں:۔

ملزم پر حکومت کا وکیل جرح کر رہا ہے۔

وکیل۔ تم کن لوگوں کے خلاف دہشت انگیزیاں کرنا چاہتے تھے۔

زینولیف۔ قائدین کے خلاف۔

وکیل۔ یعنی کامریڈ اسٹالن۔ وریشولوف۔ کاگانوچ کے خلاف۔

زینولیف۔ جی ہاں۔

زینولیف اس نوعیت کے جواب دیتا ہے جس سے اس کا جرم اور مستحکم ہوجائے۔ لیکن یہاں یہ امر خاص توجہ کا محتاج ہے کہ قائدین میں مولوٹوف کا نام ندارد ہے اس فراموشی کی پشت پر بھی ایک افسانہ ہے۔ جس زمانہ میں سرکاری وکیل نے یہ سوال کیا اس زمانہ میں اسٹالن اور مولوٹوف میں کشیدگی پیدا ہوگئی تھی اور محرم راز ہمنشینوں میں یہ یقین کیا جاتا تھا کہ موخر الذکر کا استیصال ہونے والا ہے۔ اس لئے سرکاری وکیل قائدین کے زمرہ میں مولوٹوف کو شمار نہیں کرتا۔ زینولیف کا جی ہاں کہنا جی۔ پی۔ او۔ کی کرشمہ سازی ہے۔ ڈروبنس ایک دیرینہ اور باوقار بولشیوک تھا جو دو مرتبہ شہنشاہیت پسند جنرلوں کے چنگل میں گرفتار ہوا۔ ہر مرتبہ اس کو سزائے موت کا حکم سنایا

گیا لیکن دونوں مرتبہ بچ کر نکل بھاگا۔ ڈروبنس پر یہ الزام تھا کہ اس نے لسکوف کی مدد سے لٹسن کی کان اڑانے کی سازش کی۔ مندرجہ ذیل اقتباس مقدموں کی سرکاری رپورٹ صفحہ ۲۱۲ سے لیا گیا ہے۔ مکالمہ میں سؔ سے مراد سرکاری وکیل اور ڈ سے ڈروبنس ہے۔

س۔ تم نے کس زمانہ میں لسکوف سے یہ کہا کہ اب لٹسن کی کان اڑانے کا وقت آگیا ہے۔

ڈ۔ وسط جولائی ۱۹۳۶ء میں

س۔ کیا تم نے اس امر کے متعلق بھی مشورہ دیا کہ کان کس طرح اڑائی چاہیئے۔

ڈ۔ لسکوف نے کہا کہ کان اڑانے کے لئے وہاں گیس جمع کرنی ہوگی اور جب کان اڑے گی تو مزدوروں کی جانیں ضائع ہوں گی۔ میں نے جواب دیا ہمیں اس امر کے لئے تیار ہو جانا چاہیئے مزدوروں کا اس حادثہ میں فنا ہونا ہمارے لئے مفید مقصد ثابت ہوگا چونکہ اس حادثہ سے ان میں حکومت کے خلاف غصہ پیدا ہوگا اس وقت ہمیں ان میں تنظیم پیدا کرنے کا سنہری موقع مل جائے گا۔

س۔ اس کا یہ مطلب ہوا کہ تم نے نہ صرف کان اڑانے کی تدبیر کی بلکہ مزدوروں کو بھی فنا کرنا چاہا۔

ڈ۔ جی۔ ہاں

س۔ تمام نتائج کو پیش نظر رکھتے ہوئے

ڈ۔ جی ہاں

س۔ تم نے یہ کہا کہ مزدور ضرور فوت ہوں گے۔

ڈ۔ میں نے لسکوف سے دریافت کیا۔ کیا بلا مزدوروں کی جانیں ضائع ہوئے بھی کان اڑائی جاسکتی ہے۔ اس نے جواب دیا۔ نہیں۔ اس پر میں نے کہا بغیر اس کے کامیابی نہیں ہوسکتی ہمیں کر گذرنا چاہیئے۔

س۔ تم نے اس خیال کو کس طرح تفصیل سے بیان کیا۔

ڈ۔ میں نے کہا...... ہمیں چاہیئے ...... میں پہلے کہہ چکا ہوں کہ ہمیں اس کیلئے تیار ہو جانا چاہیئے۔ مزدور مرتے ہیں تو مریں اس سے مزدوروں میں بے چینی پھیلے گی اور یہ ہمارا مفید مقصد ہی ہو گا۔

س۔ تم نے ابھی کہا کہ تم نے لسکوف سے دریافت کیا کہ کیا مزدوروں کی جانیں بچائی جا سکتی ہیں۔ تم نے جو کچھ کہا اس کا مطلب یہ ہوا کہ تم مزدوروں کے مارنے کے حامی تھے اور تمہارا یہ خیال تھا کہ جتنے زیادہ مزدور مریں گے اتنا ہی اچھا ہو گا۔

ڈ۔ جی ہاں۔ میرا قریب قریب یہی مدعا تھا۔

س۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ اس مجمع کے سامنے تمہیں اس قسم کا اقرار جرم کرتے ہوئے شرم آتی ہو گی لیکن مجبوری ہے۔ کیا تم نے یہ کہا کہ کسی امر سے گھبرانا نہیں چاہیئے۔

ڈ۔ جی ہاں۔

س۔ تم نے لسکوف کو نہ صرف مزدوروں کو مارنے پر اکسایا بلکہ یہ مشورہ دیا کہ جتنے زیادہ مزدور فنا ہوں گے اتنا ہی اچھا ہے۔ کیا میں تمہارا مفہوم درست سمجھا۔

ڈ۔ جی ہاں۔

س۔ میں مبالغہ تو نہیں کر رہا

ڈ۔ خفیف سا مبالغہ کر رہے ہیں۔

س۔ ہمیں یہ امر صاف کر لینا چاہیئے۔ واقعات کا از سر نو جائزہ لیں۔ کیا تم نے لسکوف سے یہ نہیں کہا کہ جتنے زیادہ مزدور مریں گے اتنا ہی زیادہ اچھا ہے۔

ڈ۔ جی ہاں۔

س۔ تب میں کس امر میں مبالغہ کر رہا ہوں۔

ڈ۔ میرا مقصد یہ تھا کہ زیادہ مزدور نہ فنا ہوں۔

س۔ کیا تم یہ چاہتے ہو کہ جب تم زیادہ کا لفظ استعمال کرو تو اس کا مفہوم کم سمجھا جائے۔

ڈ - میں کم جانیں ضائع کرنا چاہتا تھا۔

س - لیکن تم کو یہ چاہیئے تھا کہ زیادہ مزدور ضائع ہوں۔ اس کا سبب یہ بتایا تھا کہ جس قدر زیادہ مزدور مریں گے اتنی ہی زیادہ بے چینی پھیلے گی۔ کیا تمہارا یہ مطلب تھا کہ زیادہ مزدور فنا ہوں گے تو کم بے چینی پھیلے گی۔

ڈ - نہیں میرا مقصد اس کے برعکس تھا

س - یعنی جس قدر زیادہ مریں گے اتنی ہی زیادہ بے چینی پھیلے گی۔

ڈ - جی ہاں۔

مندرجہ بالا سوالات وجوابات تو ملزم و سرکاری وکیل کی ذہانت کا نتیجہ تھے۔ اب عدالت کے صدر کے سوالات اور ملزم کے جوابات کا نمونہ ملاحظہ ہو۔ 'ص' سے مراد صدر عدالت ہے اور 'ڈ' سے ڈوبنس ملزم۔

ص - ملزم ڈوبنس کیا تم نے نسکوف کو اس امر کے متعلق بھی کچھ کہا تھا کہ اگر یہ سازش افشا ہوجائے تو اس کا الزام کس پر رکھنا چاہیئے۔

ڈ - جی ہاں۔

ص - تم نے نسکوف کو اس سلسلہ میں کیا ہدایت دی۔

ڈ - میں نے یہ ہدایت دی تھی کہ تمام الزام ایسے ماہرین صنعت پر رکھ دیا جائے جن کا کسی پارٹی سے تعلق نہ ہو۔

ص - تمہارا ان لوگوں کو ملبوس کرنے کا ارادہ تھا جو اس سازش سے کوئی تعلق نہیں رکھتے ہیں۔

ڈ - جی۔ ہاں۔

اس شہادت میں یہ امر نمایاں ہے کہ وکیل کے مختصر سوال پر ملزم اس قسم کا جواب دیتا ہے کہ جرم اور زیادہ سنگین معلوم ہونے لگے۔ سرکاری وکیل کے مختصر سوال پر کہ کان کس طرح اڑائی

چاہیئے 'ڈ' کا صرف یہ جواب ہونا چاہیئے تھا کہ گیس جمع کر کے. لیکن وہ مختصر جواب پر اکتفا نہیں کرتا بلکہ مزدوروں کی جانیں ضائع ہونے کا ذکر چھیڑ دیتا ہے. پھر اس کے نتائج پر بحث کرتا ہے. ان نتائج سے حزب مخالف کو جو فائدہ پہنچتا اس کا مدلل طریقہ پر اظہار کرتا ہے اور اس طرح اپنے جرم کو سنگین بنا دیتا ہے. ملزم ایسے جوابات نہیں دیا کرتے. خاص کر ان حالات میں جبکہ انھیں یہ معلوم ہو کہ حکومت ان کے جرموں کے ثبوت میں کوئی خارجی ثبوت پیش نہیں کر سکتی. مندرجہ بالا مکالمہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملزم 'جی ہاں' جواب دینے کے علاوہ اور کچھ جانتا ہی نہیں. مقدمات میں اس قسم کی کمزوریاں اتنی کثیر ہیں کہ مقدمے جعلی معلوم ہوتے ہیں. ان بیانات کی بابت ایک اور دلچسپ واقعہ ہے جس زمانہ میں یہ بیانات نشر ہوئے فرانس کی نیشنل فیڈریشن آف مائینرز کا وفد بھی روس کا دورہ کر رہا تھا جب یہ بیانات وفد کی نظر سے گذرے اراکین وفد نے ایک بیان دیا جس میں فنی اعتبار سے اس امر پر بحث کی گئی تھی کہ کان اڑانے کی جو تدابیر ملزموں نے بیان کی ہیں ان سے کان خفیہ طور پر نہیں اڑائی جا سکتی. سازش کا فوراً علم ہو جانا یقینی تھا اور فنی اعتبار سے یہ اقرار جرم غلط معلوم ہوتے ہیں.

سبوتاج کے سلسلہ میں ملزم شستوف نے اپنے اقرار جرم میں کہا:-

"حزب مخالف نے تمام کانوں میں سٹاکانوف یعنی کم وقت میں زیادہ اشیاء تیار کرنے کی تحریک کو سبوتاج کیا. ہدایت دی گئی کہ مزدوروں کی زندگی حرام کر دو. پیشتر اس کے کہ مزدور کان میں داخل ہوں کوئی ایسا شگوفہ چھوڑ دو کہ وہ کان کے اعلیٰ افسروں کو دشنام سنائیں. ہم نے ایسے حالات پیدا کر دئے تھے کہ کانوں میں معمولی رفتار سے بھی کام کرنا غیر ممکن ہو گیا تھا."

صدر عدالت نے ایک اور ملزم کا حسب ذیل بیان حاضرین کو پڑھ کر سنایا.

"ٹراٹسکی کے پیرو انجن خراب کر دیتے ہیں. اس طرح ریل کے اوقات میں بدنظمی پیدا

ہوجاتی ہے اور اسٹیشن پر گاڑیوں کا مجمع ہوجاتا ہے جو اشیاء کارخانوں میں
جلد از جلد پہنچنی چاہیئے تھیں وہ وقت پر نہیں پہنچائی جاسکتیں اور صنعت و
حرفت میں آشوب آجاتا تھا۔"

مقدموں کی روئداد میں اس قسم کے اقرار جرم کی کمی نہیں۔ یہ جرم اس قسم کے ہیں کہ جب تک کسی پارٹی کے افراد لاکھوں کی تعداد میں حکومت کے عہدوں پر متمکن نہ ہوں۔ اس وقت تک اس نوعیت کے جرم وقوع میں نہیں آسکتے کسی ملک کی زراعت، صنعت و حرفت اور ذرائع رسل و رسائل میں دو چار سو سازشی آشوب پیدا نہیں کر سکتے۔ اس کے لئے لاکھوں افراد کی منظم پارٹی درکار ہوتی ہے۔ حکومت حزب اختلاف پر جب انفرادی دہشت انگیزی کا الزام لگاتی تھی تو یہ توجیہ پیش کرتی تھی کہ چونکہ ٹراٹسکی کے پیرو۔ معدودے چند ہیں۔ اور کوئی آئینی جدوجہد نہیں کر سکتے۔ اس لئے کھسیانے ہو کر حکمران طبقہ کے قائدین کو قتل کرنے پر اتر تے ہیں۔ لیکن مقدمات کی روئداد میں جب صنعت و حرفت کے سبوتاج کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس نوعیت کے الزامات نظر آتے ہیں کہ بالکل بدلی ہوئی تصویر نظر پڑتی ہے مقدمات کے اس پہلو کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہونے لگتا ہے کہ گویا حزب اختلاف کے مدومددگار لاکھوں کی تعداد میں تمام روس میں تخریبی کارروائیاں کرتے پھرتے تھے اور حکومت بے بس تھی۔ چند صد افراد انفرادی طور پر یہ ضرور کر سکتے ہیں کہ مشین توڑ ڈالیں ریل کا پل اڑا دیا مزدور کو قتل کر دیں۔ کسی قائد پر قاتلانہ حملہ کر دیں لیکن ان کی تخریب اتنے بڑے پیمانہ پر نہیں ہوسکتی کہ وہ ملک کی اقتصادی زندگی میں آشوب پیدا کر دیں۔ دراصل حکمران طبقہ کے نااہل عمال کی خام کرداری کی وجہ سے معاشرے میں آشوب آیا ہوا تھا اور اس کا الزام حزب اختلاف پر لگا کر اس کو فنا کیا جا رہا تھا۔ اس طریقہ کار سے حکمران طبقہ نہ صرف جمہور کی تنقید سے بچ رہا تھا بلکہ اس کو حزب مخالف کو فنا کرنے کا نادر موقع مل رہا تھا لیکن متمدن دنیا حکمران طبقے کی اس سحر کاری و حکمت عملی سے مرعوب نہیں ہوئی۔ فرانس کے مشہور جریدہ ٹمپ نے صنعتی و حرفتی

سبوٹاج کے الزامات پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:۔

"کاش کہ مقدموں کا یہ کمزور پہلو شائع نہ ہوتا۔"

حزب اختلاف پر ایک الزام یہ تھا کہ وہ اشتراکیت کو ننا اور سرمایہ داری کو از سرِ نو زندہ کرنا چاہتے تھے۔ یہ امر کسی ثبوت کا محتاج نہیں کہ ٹراٹسکی اور اس کے پیرو ملک کے طول و عرض میں متواتر سرمایہ داری کے خلاف تحریری و تقریری اور عملی سرگرمی دکھاتے رہتے تھے ٹراٹسکی کی ضخیم تصانیف اس کی کثیر خط و کتابت اور دیگر عملی سرگرمیاں سب اشتراکیت کی حمایت میں تھیں۔ اگر یہ اندازہ لگایا جائے کہ ان مشاغل میں ٹراٹسکی کا کتنا وقت صرف ہوتا ہوگا تو گمان غالب یہ ہے کہ اوسطاً روزانہ دس گھنٹے ضرور اشتراکیت کی تبلیغ اور اس کے متعلق تصنیف و تالیف میں صرف ہوتے تھے۔ غیر معمولی دل و دماغ اور صحت کے انسان کی بابت اگر بہت مبالغہ سے کام لیا جائے تو یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ ۲۴ میں سے ۱۲ گھنٹے کام کر سکتا ہے۔ اگر یہ بھی تسلیم کر لیا جائے کہ ٹراٹسکی متواتر ۱۲ گھنٹے دماغی کام کر سکتا تھا اس کے یہ معنی ہوئے کہ ٹراٹسکی ۱۰ گھنٹے تو اشتراکیت کی تبلیغ پر صرف کرتا تھا اور اس کے دو گھنٹے سرمایہ داری کی حمایت میں صرف ہوتے تھے۔ یہ سرمایہ داری کی اشاعت و استحکام کا نرالا طریقہ معلوم ہوتا ہے۔ حزب اختلاف کے نمائندے جمہور کو اشتراکیت کا درس دیتے پھرتے تھے۔ ان افراد کے متعلق یہ کہنا کہ وہ سرمایہ داری کا از سرِ نو اجراء کرنا چاہتے تھے۔ گویا یہ کہنا تھا کہ علانیہ تو حزب مخالف اشتراکیت کے عروج کے لئے کوشاں تھی۔ لیکن در پردہ سرمایہ داری کی حامی تھی یعنی درپردہ ایک ہاتھ سے جو عمارت تعمیر کی جا رہی تھی اس کو علانیہ طور پہ دوسرے ہاتھ سے ڈھایا جا رہا تھا۔ کون یہ یقین کر سکتا ہے کہ جو عمارت ایک ہاتھ سے تیار اور دوسرے ہاتھ سے منہدم کی جا رہی ہو وہ مکمل بھی ہو سکتی ہے۔ یہ امر یاد رکھنے کے قابل ہے کہ معاشرتی انقلاب خفیہ طور پہ نہیں ہوا کرتے اور ٹراٹسکی وغیرہ اس امر سے بخوبی واقف تھے۔

ٹراٹسکی اور حزب اختلاف پہ سنگین ترین الزام یہ تھا کہ وہ جرمنی اور جاپان کو روس پر

حملہ آور ہونے کی دعوت دے رہے تھے اس موضوع پر حکمران طبقہ کا حسب ذیل استدلال تھا حزب مخالف کا نصب العین انقلاب عالم ہے۔ وہ انقلاب عالم ہی میں بنی نوع انسان کی نجات خیال کرتے ہیں۔ حکمران طبقہ کا مطمح نظر صرف روس میں اشتراکی نظام جاری کرنا ہے چونکہ اس محدود زاویہ نگاہ کو حزب اختلاف انقلاب عالم کے نظریئے کے لئے سم قاتل خیال کرتے ہیں۔ اس لئے حکمران طبقہ کو برطرف کرنا چاہتے ہیں۔ حزب مخالف کی حکمت عملی یہ ہے کہ بیرونی ممالک سے روس پر حملہ کیا جائے۔ جب روس فسطائی و سرمایہ دار ممالک سے برسرپیکار ہو اس وقت خانہ جنگی شروع کرکے حزب مخالف کے قائد ٹراٹسکی کو روس کا حاکم اور مالک بنا دیا جائے۔ حکمران طبقہ کا یہ استدلال بظاہر کافی وزنی معلوم ہوتا ہے۔ لیکن جن اصحاب نے تاریخ عالم پر سرسری نظر بھی ڈالی ہے وہ یہ بخوبی جانتے ہیں کہ بیرونی ممالک کی مدد سے حکومتیں قائم نہیں ہوا کرتیں۔ کیا تاریخی مشاہدات کی روشنی میں ایک لمحہ کے لئے بھی یہ گمان کیا جا سکتا تھا کہ روس میں داخل ہو جانے کے بعد جرمنی و جاپان ٹراٹسکی کو ایک ایسی اشتراکی حکومت تعمیر کرنے دیں گے جس کا مطمح نظر انقلاب عالم ہوگا۔ ہرگز نہیں حکمران طبقہ کو زیروزبر کرنے کے بعد جرمنی و جاپان اپنی زیر اثر حکومت قائم کرتے۔ حزب مخالف کے قائدین سب کے سب اہل علم اور اہل نظر تھے۔ ان کو اس قسم کی سازشوں کا مرتکب ٹھیرانا یعنی یہ کہنا ہے کہ وہ طفل مکتب تھے اور اپنی گردنیں جرمنی و جاپان کے گسٹاپو کے سپرد کرنا چاہتے تھے جو طریق استدلال حزب مخالف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے وہ اس درجہ خام ہے کہ صرف روس کے کم فہم جمہور کو وہ استدلال ناقابل تردید معلوم ہوتا تھا۔ متمدن دنیا کو اس کا یقین نہ آیا۔ دوسرا امر جو اس الزام کو غلط ثابت کرتا ہے۔ یہ ہے کہ اس قسم کی سازبازی کی شرط اولین یہ ہوتی ہے کہ غیر ملک طلاء و نقرہ اور سامان حرب سے حزب اختلاف کی مدد کرے تاکہ وہ کامیاب خانہ جنگی کا انتظام کر سکیں۔ اور یہ طلاء و نقرہ۔ سامان حرب اور اس کے متعلق خط وکتابت پکڑے جاتے ہیں یہ غیر ممکن معلوم ہوتا ہے کہ پانچ سال تک بہت بڑے پیمانہ پر ایک بین الاقوامی

سازش جاری رہے اور اس کے متعلق حکومت خارجی ثبوت پیش نہ کر سکے لیکن ماسکو کے مقدموں کی بوالعجبی یہ ہے کہ ان مقدمات میں الزامات کی تائید میں کوئی خارجی ثبوت پیش نہیں کیا جاتا۔ اور یہ واحد امر مقدموں کو جعلی ثابت کرنے کے لئے کافی ہے۔ مقدموں کی تصویر کو مکمل کرنے کے لئے یہ بھی ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اقرار جرم کرنے واں کے بیانات کے چند واقعات اور ٹراٹسکی کی تردید پیش ناظرین کی جائے۔ مندرجہ ذیل سطور سے مقدموں کے حقیقی و غیر حقیقی ہونے کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

دو ملزمین برمن اور ڈیوڈ نامی بیان کرتے ہیں کہ وہ ٹراٹسکی کے لڑکے سے ملے اور اس نے ان کو اپنے والد کے پاس پہنچا دیا۔ دوران ملاقات میں ٹراٹسکی نے ان دونوں سے روس میں سبوٹاج (عنادی سازشیں) کرنے کی تدابیر پر تبادلہ خیالات کیا۔ برمن اور ڈیوڈ اپنے بیان کے مطابق ٹراٹسکی اور اس کے لڑکے سے عمر میں پہلی بار ملاقات کر رہے تھے۔ اگر ان ملزموں کے بیان کو وقعت دی جائے تو یہ تسلیم کرنا پڑتا ہے کہ ٹراٹسکی جیسا محتاط و تجربہ کار انقلابی روس میں خفیہ سبوٹاج (عنادی سازشیں) کرنا چاہتا ہے۔ لیکن اس کے تلون کا یہ عالم ہے کہ غیر آزمودہ اجنبیوں سے اس نوعیت کے معاملات کی بابت تبادلۂ خیالات کرتا ہے جو صرف آزمودہ۔ قابل اعتماد۔ تجربہ کار۔ وفادار ہمنشینوں کے درمیان ہی معرض گفتگو میں لائے جا سکتے ہیں۔ ایک ملزم ٹراٹسکی کے لڑکے سٹیڈ نامی سے کوپنہیگن میں ملاقات کا ہونا بیان کرتا ہے۔ دوسرا اس کی تردید کرتا ہے لیکن سرکاری وکیل اس اختلاف بیان پر کوئی توجہ نہیں کرتا۔ ایک ملزم نے اقرار جرم کرتے ہوئے بیان کیا کہ وہ سازش کے سلسلہ میں ٹراٹسکی سے کوپنہیگن کے مقام پر برسٹل ہوٹل میں جا کر ملا۔ جب یہ اقرار جرم اخبارات میں شائع ہوا تو ڈینس حکومت کے پارٹی اخبار نے ایک مقالہ میں اس خاص واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے یہ بیان کیا کہ برسٹل ہوٹل جہاں ملزم نے ۱۹۳۶ء میں ٹراٹسکی سے ملاقات کا دعویٰ کیا ہے وہ ۱۹۱۷ء میں منہدم ہو چکا تھا۔ کسی متمدن ملک میں ڈینس حکومت کے

پارٹی اخبار کا یہ اعلان تمام ملک میں سیاسی ہنگامہ پیدا کر دیتا۔ لیکن روس میں ایسا ہونا ممکن نہیں۔ وہاں تمام جرائد پر حکومت کا مکمل قبضہ ہے اور آزادی تقریر نہیں۔ حکومت روس نوڈینس اخبار کے اس اعلان کو سن کر خاموش ہو کر رہ گئی۔ البتہ اس کے حواریین میں سے مسٹر پرٹ نے اس دروغ بافی کی یہ توجیہ فرمائی کہ شاید مختصر نویس نے ہوٹل کا نام رپورٹ کرنے میں غلطی کر دی ہے۔

روس کی بنیادی صنعتوں کے کمیسار پٹاکوف نے اقرار جرم کرتے ہوئے بیان کیا کہ وہ ٹراٹسکی سے اوسلو کے مقام پر جا کر ملا جہاں موخر الذکر نے اس کو روس میں سبوتاج کرنے کے متعلق ہدایات دیں۔ اس بیان کے شائع ہوتے ہی ٹراٹسکی نے بذریعہ تار مندرجہ ذیل سوالات روسی عدالت کو روانہ کئے اور یہ مطالبہ کیا کہ پٹاکوف سے یہ سوالات کئے جائیں۔

> پٹاکوف سے دریافت کیا جائے کہ جرمنی سے اوسلو مجھ سے ملنے آنے کے لئے اس نے کس نام سے پاسپورٹ لیا۔ اگر پٹاکوف پاسپورٹ اپنے نام سے لیتا تب اس کی آمد کی خبر نوروے کے اخبارات میں نشر ہونی لازمی تھی۔ نیز یہ کہ بولشیوک اکابرین جب غیر ملک کو جاتے ہیں تو جی۔ پی۔ او ان کی حفاظت کے لئے سایہ کی طرح ساتھ دیتی ہے۔ دوسرے تار و ٹیلیفون کے ذریعہ سے کمیسار کو روسی سفارت خانہ سے تعلق قائم رکھنا پڑتا ہے یہ کیسے ہوا کہ جرمنی اور ناروے روسی سفارت خانوں کو ایک کمیسار کی آمد کی اطلاع نہیں ہوئی۔ اگر پٹاکوف نے جرمنی سے مصنوعی نام سے پروانہ راہداری لیا تو پٹاکوف سے وہ نام دریافت کیا جائے جس نام سے اس نے پروانہ راہداری لیا تاکہ جرمنی کے دفاتر سے پٹاکوف کے اس بیان کی تصدیق ہو سکے۔ پٹاکوف نے ناروے میں داخل ہونے کا ویزا لیا؟ اگر لیا تو کس نام سے۔ یہ امر اس لئے معلوم کرنا ضروری ہے تاکہ ناروے کی حکومت

سے اس امر کی تصدیق ہو سکے۔ کمیسار سے میرے کمروں کی بابت دریافت کی جائے۔ یہ دریافت کیا جائے کہ جب پٹاکوف مجھ سے ملا میرے ڈاڑھی تھی یا نہیں۔ کیا پٹاکوف اوسلو میں میرے میزبان سے ملا۔" ٹراٹسکی کے کمرے میں جانے کے لئے اس کے میزبان کے کمرے سے گذرنا پڑتا تھا۔ اس لئے جو شخص ٹراٹسکی سے ملاقات کے لئے آتا تھا اس کا ٹراٹسکی کے میزبان کے کمرے سے گذرنا اور اس سے ملاقات اور دو چار رسمی باتیں کرنا لازمی تھیں۔ ۲۷ جنوری کو جبکہ پٹاکوف مزید بیانات دینے والا تھا ٹراٹسکی نے تیرہ سوالات بذریعہ تار روسی عدالت کو روانہ کئے اور عدالت سے یہ استدعا کی کہ پٹاکوف سے یہ سوالات کئے جائیں۔ تمام ممالک کے اخبارات نے ٹراٹسکی کے یہ سوالات شائع کئے لیکن روسی حکومت نے ان پر التفات نہ کیا۔ البتہ پروانہ راہ داری کے بارے میں ٹراٹسکی نے جو پردہ دری کی تھی اس پر پردہ ڈالنے کے لئے سرکاری وکیل نے ایک ملزم سے دوران بیان میں یہ کہلوایا کہ پٹاکوف ایک ہوائی جہاز میں اوسلو گیا تھا اور اسی میں جرمنی واپس ہوا۔ اس طرح سرکاری وکیل نے پروانہ راہ داری کے مسئلہ پر نقاب ڈالنی چاہی۔ ملزم کا یہ اقرار جرم شائع ہونے پر ناروے کے رجعتی اخبار فٹسن پوسٹن نے اوسلو کے فضائی مستقر سے تحقیقات کرنیکے بعد ۲۵ جنوری کے جریدہ میں تحریر کیا۔

"ستمبر ۱۹۳۵ء میں کوئی غیر ملکی طیارہ اوسلو کے ہوائی اڈے پر نہیں آیا۔"

تمام دنیا کے اخبارات نے یہ خبر نقل کی۔ اس پر حکومت روس کو بھی لب کشائی کرنی پڑی چنانچہ ۲۷ جنوری سرکاری وکیل نے اقرار جرم کراتے ہوئے پٹاکوف سے سوال کیا:۔

سرکاری وکیل:۔ کیا تم اوسلو کے فضائی مستقر پر اترے تھے۔

پٹاکوف:۔ مجھے یاد ہے۔ اسلو کے قریب۔

اوسلو کے مستقر کے نزدیک کجنیلر کا فضائی مستقر تھا۔ پٹاکوف کے جواب سے یہی مترشح ہوتا ہے کہ وہ کجنیلر کے مستقر پر اترا لیکن اس مستقر کے ڈائریکٹر نے بھی اخبارات کے ذریعہ سے یہ امر واضح کر دیا کہ ستمبر ۱۹۳۵ء سے مئی ۱۹۳۶ء تک کوئی غیر ملکی ہوائی جہاز اس مستقر پر نہیں آیا۔ غیر ممالک کے عمالِ اعلیٰ کے ان بیانات نے حکومت روس کو اضطراب میں ڈال دیا۔

۲۹ جنوری کو ٹراٹسکی نے پیش گوئی کرتے ہوئے کہا:۔

"مجھے خوف ہے کہ جی۔ پی۔ او۔ پٹاکوف کو قتل کرنے میں عجلت کرے گا تاکہ اس سے مزید سوالات نہ کئے جا سکیں۔ نیز یہ کہ کہیں غیر جانبداروں کی طرف سے پٹاکوف کو بین الاقوامی کمیشن کے روبرو پیش کرنے کا مطالبہ نہ ہو جاتے۔"

ٹراٹسکی کی یہ پیش گوئی درست ثابت ہوئی۔ ۳۰ جنوری کو پٹاکوف کو سزائے موت کا حکم سنایا گیا اور یکم فروری کو گولی مار دی گئی۔ استیصال میں عجلت اس بنا پر کی گئی کہ ٹراٹسکی کے سوالات اور پٹاکوف کے جوابات سے مزید الجھن پیدا نہ ہو۔ پٹاکوف کا یہ اقرارِ جرم اور ٹراٹسکی کے سوالات مقدموں کا پردہ فاش کرنے کے لئے کافی ہیں لیکن مقدموں پر سب سے زیادہ شدید اور جاں گسل تنقید روس کے مشہور جنرل لسٹ ریڈک نے کی۔ اس ملزم نے تراحم خسروانہ کی درخواست کرتے ہوئے کہا:۔

"مقدموں سے یہ ظاہر ہو گیا ہے کہ ٹراٹسکی اور اس کے زیرِ اثر ادارے ملک میں ان عناصر کا دست و بازو بنے ہوتے تھے جو عالمگیر جنگ برپا کرنے کے درپے تھے لیکن اس دعوے کے ثبوت میں کیا واقعات پیش کئے گئے ہیں۔ حکومت کے اس الزام کے ثبوت کی بنیاد صرف دو افراد کے زبانی بیانات پر ہے۔ ایک میرے اس بیان پر کہ ٹراٹسکی نے مجھے زبانی سبوٹاج کرنے کی بابت ہدایات دیں اور اس امر کے متعلق مجھے ایک خط لکھا جو میں نے نذرِ آتش کر دیا

اور دوسرا پٹاکوف کا بیان ہے۔ جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ ٹراٹسکی نے اس کو سبوتاژ کرنے کی ہدایات دیں۔ مقدمے کے باقی گواہوں کی شہادت ہماری شہادتوں کے متعلق ہیں۔ اگر میں اور پٹاکوف دروغ گو سازشی اور جاسوس ہیں تو حکومت روس کے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ ہم دونوں نے ٹراٹسکی کی بابت جو کچھ بیان دیا ہے وہ درست ہے؟"

ریڈک کا مندرجہ بالا استدلال مقدمات کو سوختہ کر دیتا ہے جن مقدمات میں خارجی ثبوت کا شائبہ بھی نہ ہو اور جو نام نہاد واقعات بیان کئے گئے ہوں ان کی دنداں شکن تردید کر دی جائے۔ تمام اقرار جرم دو افراد یعنی ریڈک اور پٹاکوف کی ٹراٹسکی سے زبانی گفتگو پر مبنی ہوں اور ان میں سے ریڈک عام عدالت میں حکومت سے یہ دریافت کرے۔ "جب میں دروغگو سازشی ہوں تو حکومت کے پاس اس امر کا کیا ثبوت ہے کہ میرا یہ بیان کہ ٹراٹسکی نے مجھے سازشی ہدایات دیں درست ہے۔" ان حالات میں کوئی باہوش انسان مقدموں کو حقیقی تصور نہیں کر سکتا۔

ان مقدموں کی بابت ایک اور اہم سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ ظاہری مقدمات کیوں چلائے گئے۔ اس کا جواب ملزم لیکیعت کی زبانی سنئے وہ ترحم خسروانہ کی التجا کرتے ہوئے عدالت سے عرض کرتا ہے۔

"مجھے یقین ہے کہ اب تمام روس میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں ملے گا جو ٹراٹسکی کا جھنڈا اٹھانے کی جرات کرے گا۔ میرا خیال ہے کہ ان مقدمات سے تمام دنیا میں ٹراٹسکی کے تصورات کی قلعی کھل گئی ہے اور جمہور کو یہ علم ہو گیا ہے کہ ٹراٹسکی سرمایہ دارانہ عناصر سے متحد اور فسطائیت کا دست راست ہے اور تمام دنیا میں جنگ برپا کرنا چاہتا ہے۔ یہ راز طشت از بام ہو جانے کے بعد کروڑوں انسان اب ٹراٹسکی پر لعنت بھیج رہے ہیں۔ اب جبکہ ٹراٹسکی ازم

بحیثیت ایک رجعتی رجحان اور طاقت کے ختم ہو گیا ہے۔ میں ججوں سے التجا کرتا ہوں کہ مجھے اور دیگر ملزموں کو معافی دے دی جائے"۔

مندرجہ بالا اقتباس ان ظاہری مقدموں کا مقصد واضح کر دیتا ہے یعنی جمہوریں بیک وقت حزب اختلاف اور فسطائی و نازی ممالک کے خلاف نفرت پیدا کرنا۔ امریکہ کے سفیر مسٹر ڈیوس نے اپنی مشہور تصنیف مشن ٹو ماسکو میں ان مقدموں کے جو چشم دید حالات بیان کئے ہیں ان کا اقتباس حسب ذیل ہے:۔

"مقدمہ شروع ہونے سے قبل فرد جرم پڑھی گئی۔ اس میں یہ بتایا گیا تھا کہ جرموں کے ثبوت میں ملزموں کی خود نوشتہ تحریریں اور ان کی آپس کی خط و کتابت موجود ہے اس اعلان نے حاضرین میں سنسنی پیدا کر دی لیکن بعد میں یہ کہہ دیا گیا کہ یہ تحریریں عام عدالت میں نہیں بلکہ فوجی عدالت کے روبرو پیش کی جائیں گی۔ حکومت کے وکیل کے روبرو شاید ملزموں کے تحریری اقرار جرم تھے۔ وہ معدودے چند سوالات کرتا تھا۔ ہر سوال پر اٹھنا اور تاریخ وار اپنے متعدد جرموں کا افسانہ سُنانا شروع کر دیتا تھا۔ سب مجرم تندرست و مطمئن ہوتے تھے۔ پہلے پٹاکوف نے اپنے جرموں کی فہرست سنائی۔ اس کے بعد ریڈک نے بیان کیا کہ اگرچہ اس نے سازش میں حصہ نہیں لیا تھا لیکن اس کو سازش کا علم تھا۔ ریڈک بار بار یہ کہتا تھا کہ یہ جرم انسان کے بنائے ہوتے ہیں۔ یہ جرم سیاسی ہیں اس وقت اس کو وہی سیاست درست معلوم ہوتی تھی۔ وہ بہت تیزی سے جواب دیتا تھا۔ آخر میں اس نے اس بناء پر حکومت سے اپنی رہائی کی درخواست کی کہ اگر وہ حکومت کی مدد نہ کرتا تو ٹراٹسکی کے جرائم پایہ ثبوت کو نہیں پہنچ سکتے تھے۔ نائب کمیسار وزیر خارجہ نے اٹھ کر جاپان و جرمنی سے

سازش کا افسانہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ اس لئے بیان کیا چونکہ موجودہ حکومت پر تنقید کرنا اور اس کو آئینی طور پر بدلنا غیر ممکن تھا اس لئے بیرونی حملہ ہی حزب اختلاف کو اپنی حکومت تعمیر کرنے کا موقع فراہم کر سکتا تھا۔ ہر ملزم اپنے آپ کو دل کھول کر مطعون کر رہا تھا۔ ایک مجرم نے اپنے جرموں کی فہرست کو اتنا طویل کر دیا کہ سرکاری وکیل کو ملزم سے کہنا پڑا کہ صرف ان جرموں کی بابت بیان دے جن کی بابت اس سے استفسار کیا جا رہا ہے اور اپنے دوسرے جرموں پر روشنی نہ ڈالے۔ بیانات سننے کے بعد عدالت پانچ گھنٹے کے لئے ملتوی ہو گئی اور دوسری نشست میں فیصلہ سنا دیا گیا۔ ریڈک اور نائب کمیسار محکمہ خارجہ کی کم سزا پر سب کو تعجب ہوا۔ دیگر ملزموں کو موت کی سزا ملی۔ روسی مدبروں نے نجی گفتگو میں اس امر کا اعتراف کیا کہ ان ظاہری مقدموں کا اصل مقصد جمہور کی تنبیہ تھی نیز یہ کہ دنیا میں ٹراٹسکی کا وقار کم ہو جائے۔ ایک اور اہم مقصد یہ تھا کہ روسی جمہور میں جرمنی و جاپان کے خلاف برسرپیکار ہونے اور حکمران طبقہ کی حمایت میں شدید جذبہ پیدا ہو جائے۔"

"ریڈیو اور اخبارات کے ذریعہ سے ملک کے طول و عرض میں ان ملزموں کے اقرار جرم پہنچا دئے گئے تھے۔ ملزموں کے اقرار جرم کی یکسانیت یہ امر کہ یہ ملزم ایک طویل مدت تک مقید رہے اور کوئی فرد ان سے نہ مل سکا۔ یہ امکان کہ قید کے دوران میں ان پر یا ان کے عزیز و اقارب پر تشدد ہونا ممکن تھا۔ ان سب قرائن سے یہ شبہ گذرتا ہے کہ اقرار جرم حقیقی نہ تھے اگرچہ متمدن دنیا کے قوانین کے مطابق ان ملزمین کے جرائم ثابت نہیں ہوتے لیکن روسی قوانین کے مطابق ہو گئے تھے اور ان کو روسی قانون کے

مطابق درست سزائیں ملیں"۔

جون ۱۹۳۷ء کو مارشل تخاچکی جنرل پٹنا اور دیگر چھ اکابر جرنلوں کی گرفتاریاں عمل میں آئیں۔ ان گرفتاریوں کی پشت پر بھی ایک افسانہ ہے۔ اس زمانہ میں کمیونسٹ پارٹی اور محکمہ فوج کے درمیان ایک مسئلہ چھڑا ہوا تھا۔ فوج کو شکایت تھی کہ حربی صنعت و حرفت میں بہت خراب انتظام ہے۔ حکمران طبقہ چونکہ سامان حرب کی اہمیت نہیں سمجھتا اس لئے اس کی بہتری کی طرف متوجہ بھی نہیں ہوتا بین الاقوامی حالت روز بروز خراب ہوتے جارہے ہیں۔ جنگ کا خطرہ قریب تر آتا جا رہا ہے۔ سامان حرب کی بہتری کی طرف فوری اور مستقل توجہ ضروری ہے۔ اس لئے صنعت و حرفت کو فوجی محکمہ کے سپرد کردیا جائے۔ فوج کا استدلال یہ تھا کہ چونکہ ملک کی حفاظت کی ذمہ داری فوج پر عائد ہوتی ہے اس لئے وہ تمام محکمے جن پر فوج کی کامیابی کا دارومدار ہوتا ہے۔ فوجی محکمہ کے زیر حکم ہونے چاہئیں۔ اگر فوج کا مطالبہ تسلیم کر لیا جاتا اس کا یہ اثر ہوتا کہ تمام بھاری صنعت و حرفت فوجی محکمہ کے زیر اثر چلی جاتی نہ صرف یہی بلکہ ملک کی اقتصادی زندگی پر فوجی محکمہ مسلّط ہو جاتا۔ ایسا ہو لے کے بعد اگر فوج چاہتی تو حکمران پارٹی کی آمریت ختم کرنے کے بعد اپنی آمریت قائم کر سکتی تھی۔ اس خوف کی بناء پر حکمران پارٹی کو فوج کا یہ مطالعہ منظور نہ تھا۔ فوج اس کا یہ جواب دیتی تھی کہ اگر حکومت سامان حرب بنانے کے کارخانوں کو فوجی محکمہ کے سپرد کرنے پر آمادہ نہیں ہے تب فوج بھی ملکی حفاظت کی ذمہ داری لینے سے قاصر ہے۔ اس تقسیم اثر و اختیار پر فوج اور حکمران پارٹی میں برابر ردّ و قدح رہتی تھی۔ کچھ عرصے بعد جب یورپ میں جنگ کے آثار زیادہ نمایاں ہوتے تب بحث و مباحثہ میں تلخی پیدا ہونے لگی اور سامان حرب بنانے کے کارخانوں کے الحاق کا مسئلہ طاقت کا سوال بن گیا۔ پارٹی نے فوجی اعمال کی خودسری اور دیدہ دلیری کا یہ جواب دیا کہ فوج کے ہر دستے میں پارٹی کے منتخب کردہ دو سیاسی افسر مقرر کر دیتے۔ دوسرے الفاظ میں پارٹی نے فوجی افسران پر خفیہ پولس مقرر

کردی۔ پارٹی کی اس کارروائی سے ہر سپاہی کے دل میں اپنے فوجی افسر کا وقار بہت کم ہو گیا جو آہنی تنظیم مدت کی سعی کے بعد فوجی افسروں نے افواج میں پیدا کی تھی اس کا شیرازہ بکھرنے لگا۔ فوج کی تنظیم میں شگاف پڑتا دیکھ کر اعلیٰ فوجی افسروں نے پارٹی سے یہ مطالبہ کیا کہ یہ سیاسی افسر جو حقیقتاً سیاسی خفیہ پولس ہیں فوجی ضلعوں میں تعینات نہ کئے جائیں چونکہ پارٹی کو فوج کی غیر وفاداری کا خوف پیدا ہو گیا تھا۔ اس لئے پارٹی فوج کے مطالبے کو نہ مانی اور آپس کی تلخی کشت و خون تک پہنچ گئی۔ پارٹی نے چھ ہزار جنرلوں اور فیلڈ مارشلوں کو گرفتار کر لیا۔ گرفتاری کی اصل وجہ یہ تھی لیکن حکومت نے فیلڈ مارشل ٹخاچکی پر یہ الزام لگایا کہ وہ اپنی معشوقہ کو فوجی راز بتا دیا کرتا تھا اور وہ حسنِ مجسم جرمن جاسوس تھی حسب دستوران فوجی اکابرین کو ایک فوجی عدالت کے سپرد کر دیا گیا جہاں انھوں نے معمول کے مطابق اقرار جرم کر لیا۔ جرم ثابت ہو جانے پر ان کا استیصال کر دیا گیا لیکن یہ امر قابل غور ہے کہ جنرلوں کے استیصال کے بعد حکومت نے بھاری صنعت کا بہت بڑا حصہ فوجی محکمہ سے ملحق کر دیا اس کے یہ معنی ہوئے کہ حکومت نے مقتولین کا اصول اور ان کا مطالبہ تسلیم کر لیا۔ لیکن چونکہ انھوں نے پارٹی کے خلاف اظہار خیال کی جرأت کی تھی اس لئے ان کو قتل کر دیا۔ طاقت ہاتھ میں رکھنے کے لئے سیاسی دُنیا کا یہ آزمودہ نسخہ ہے کہ معترض کو قتل کر دیا جائے لیکن اس کا مطالبہ تسلیم کر لیا جائے جن لوگوں نے دوسری جنگِ عظیم کے زمانہ میں اخبارات کا بغور مطالعہ کیا ہے ان کو یاد ہو گا کہ جرمنی کے روس پر حملہ آور ہونے کے کچھ روز بعد یہ خبر شائع ہوئی تھی کہ روسی فوج کے ہمراہ سیاسی افسر بھی روانہ کئے گئے تھے۔ یہ سیاسی افسر دراصل پارٹی کی خفیہ پولس تھی لیکن دورانِ جنگ میں فوج کو برہم نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ چند روز بعد فوج کے مطالبہ پر ان سیاسی افسروں کو واپس بلا لیا گیا۔ ظاہر ہے کہ اگر فوجی افسروں پر اعتماد نہ تھا تو ان کو فوج میں افسر مقرر کرنا مضر تھا اور اگر حکومت کو اعتماد تھا تو ان پر علانیہ خفیہ پولس متعین کرنا

فوجی افسروں کی توہین کرنے کے مترادف تھی۔

جنرلوں کے استیصال سے روس کی فوجی طاقت پر کافی اثر پڑا۔ مغربی ممالک کافی متاثر ہوتے۔ فرانس اور انگلستان میں عام طور پر یہ خیال پیدا ہو گیا تھا کہ روس داخلی طور پر بہت کمزور ہے اور روسی حکومت کے اعلیٰ افسروں پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا جس ملک کا فیلڈ مارشل اس جرم میں قتل کر دیا جائے کہ وہ اپنی معشوقہ کو فوجی راز بتا دیا کرتا تھا اس حکومت کی کسی اکابر ہستی پر بھی اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ چنانچہ دوسری جنگ عظیم کی ابتدا میں فرانس و انگلستان نے یورپ کے فوجی معاملات میں روس کو نظر انداز کر دیا۔ روس کی اگرچہ یقیناً یہ خواہش تھی کہ فرانس و انگلستان سے متحد ہو کر جرمنی کے حملے کا سد باب کیا جائے لیکن یہ دونوں ملک جنرلوں وغیرہ کے استیصال کی بنا پر روس کی حربی توانائی اور سیاسی استحکام سے اس درجہ بدظن ہو چکے تھے کہ ان کو روس سے رشتہ اتحاد قائم کرنے میں بجائے نفع کے نقصان معلوم ہوتا تھا۔ منجملہ اور وجوہات کے ایک وجہ یہ بھی تھی جس کی بنا پر روس کی ہر پیش کش کی طرف سے نظریں پھیر لی جاتی تھیں۔

ان ساحرانہ مقدموں کی بابت ایک امر عجیب ہے۔ ان جعلی مقدموں میں جو جج مقرر ہوئے تھے وہ کچھ عرصے بعد خود عدالت میں بطور مجرم کے خود دست بستہ کھڑے ہوئے نظر آتے ہیں۔ جی۔ پی۔ او۔ کا چیف مسمی یگوڈا تھا۔ متعدد سیاسی مقدمے اس کی اپنی جدت طبع کا نتیجہ تھے لیکن آخری مقدمہ میں یگوڈا مارکسی فلسفہ کے سب سے بزرگ مفسر بخارن کے شانہ بشانہ ملزم کی حیثیت سے استادہ نظر آتا ہے جن فوجی ججوں نے فیلڈ مارشل تخاچسکی کے خلاف فیصلہ سنایا تھا کچھ عرصے بعد خود ان پر مقدمے چلے اور ان کا استیصال ہوا یگوڈا کا مقدمہ اس اعتبار سے زیادہ دلچسپ ہے۔ چونکہ اس سے ٹراٹسکی کے اس بیان کی تائید ہوتی تھی کہ حکمران طبقہ کے اکابرین موٹر حرم رکھتے تھے۔ منجملہ سیاسی الزامات کے یگوڈا پر یہ الزام بھی تھا کہ اس نے روس کے مشہور ادیب گورکی کو ہلاک کرنے کی سازش کی۔

واقعہ یہ تھا کہ یگوڈا گورکی کے لڑکے کی شریکِ حیات پر فدا تھا لیکن گورکی کے اثر کی وجہ سے اپنی آرزوؤں کو پورا نہیں کر سکتا۔ گورکی دق کا مریض تھا اور متواتر علاج کراتا رہتا تھا۔ یگوڈا نے گورکی کے معالجوں کے ساتھ یہ سازش کی کہ گورکی کو ادویات کے ذریعہ سے ختم کر دیا جائے۔ جب عام عدالت میں سرکاری وکیل نے یگوڈا سے اس کے عشق کی بابت استفسار کیا تو ملزم نے جواب دیا "چونکہ یہ معاملہ میری خانگی زندگی سے تعلق رکھتا ہے اس لئے مقدمہ کے اس پہلو پر خفیہ اجلاس میں روشنی ڈالوں گا۔"

استیصال اور پارٹی سے اخراج کا تذکرہ کرتے ہوئے مسٹر ڈورنٹی اپنی مشہور تصنیف "روس کی کہانی" میں حسب ذیل اعداد و شمار پیش کرتے ہیں:۔

سفیروں کی کل تعداد کے ۲/۳ حصہ کا استیصال کر دیا گیا تھا۔ چند سفیروں کے قتل ہونے کی خبریں اخبارات میں شائع ہوئیں۔ باقی خفیہ طور پر قتل کر دئے گئے۔

بحری و برّی فوج کے متعدد اکابر افسر قتل کر دئے گئے تھے۔ مارشل ٹخاچیکی کے مقدمے میں جو آٹھ جلیل القدر فوجی جج مقرر ہوئے تھے ان میں سے صرف مارشل بوڈینی حیات ہیں۔ گو پالوف طبعی موت مرا باقی کا استیصال کر دیا گیا۔ ۱۹۳۶ء میں کابینہ کے کل کمیسار کی تعداد ۲۱ افراد پر مشتمل تھی۔ لیکن ۱۹۳۸ء میں ان میں سے صرف پانچ باقی رہ گئے تھے۔ ۲۱ وزراء میں سے ایک طبعی موت مرا باقی کا استیصال کر دیا گیا۔

۱۹۳۴ء میں کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے ۷۱ ممبر تھے۔ لیکن ۱۹۳۸ء میں ۷۱ میں سے صرف ۲۱ باقی رہ گئے تھے۔ ۷۱ میں سے تین طبعی موت مرے۔ کیروف قتل ہوا۔ ایک ممبر نے خودکشی کی باقی کا استیصال کر دیا گیا۔

کیو کے شہر میں اگست ۱۹۳۷ء سے جون ۱۹۳۸ء تک مقامی کمیونسٹ پارٹی کے ممبروں میں سے نصف سے زیادہ کا اخراج کر دیا گیا تھا۔ دیگر شہروں کی بابت اعداد و شمار شائع نہیں ہوئے لیکن گمان غالب یہ ہے کہ وہاں بھی بہت بڑی تعداد میں پارٹی سے

اخراج کیا گیا۔

۱۹۳۳ء میں بیس لاکھ مستقل پارٹی ممبر اور بارہ لاکھ پارٹی میں داخلہ کے امیدوار تھے اس کے یہ معنی ہوئے کہ کل پارٹی بتیس لاکھ مزدوروں پر مشتمل تھی۔ لیکن ۱۹۳۷ء میں کل پارٹی ممبروں کی تعداد صرف پندرہ لاکھ رہ گئی تھی۔ جنوری ۱۹۳۷ء کو اسٹالن نے ایک اعلان میں کمیونسٹ پارٹی کی کل تعداد بیس لاکھ بتائی لیکن یہ اعداد وشمار اس لئے غلط معلوم ہوتے ہیں چونکہ ۱۹۳۸ء میں جبکہ مزید ۵ لاکھ ممبر کمیونسٹ پارٹی میں داخل کر لئے گئے تھے اس وقت پر۔ اوودا اخبار نے پارٹی ممبروں کی کل تعداد بیس لاکھ بتائی تھی۔

لینن کی موت کے بعد تخریبی رجحانات کے شجر میں از سر نو کونپلیں نمودار ہونی شروع ہو گئیں دس برس تک جمہور نے اپنی کم فہمی و حرص و ہوس سے اس شجر کی آبیاری کی یہ مقدمے اس شجر کے پھل تھے۔

مستقل انقلاب کا نظریہ

حزبِ اختلاف اور حکمران طبقہ کے نظریوں اور عملی اختلافات کا تجزیہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے اختلافات کی بنیاد مستقل انقلاب کا نظریہ تھا ان دونوں کے سیاسی اور اقتصادی طریقہ کار میں جو کشمکش جاری تھی وہ اسی بنیادی اختلاف کا نتیجہ تھی مستقل انقلاب کا نظریہ ٹراٹسکی کے انقلابی تصورات کی روح تھا۔ اس لئے وہ روسی تاریخ میں ایک اہم اختلافی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس کے مختلف پہلوؤں پر نظر ڈالنا ضروری ہے یہ نظریہ کسی ایک تصور کا حامل نہیں ہے انقلاب کے ہر دور کے ساتھ اس کا مفہوم بدلتا رہا ہے انقلابِ روس کو تین اہم دوروں میں تقسیم کیا گیا ہے اور ان میں سے ہر دور میں اس نظریئے کا مفہوم مختلف تھا۔

پہلا دور۔ از سنہ ۱۹۰۵ء تا سنہ ۱۹۱۷ء اس دور میں روس کے انقلابی مفکرین یہ سمجھتے تھے کہ روس اقتصادی طور پر ایک غیر ترقی یافتہ اور سیاسی لحاظ سے ایک پس ماندہ ملک ہے اس لئے وہاں اشتراکی نہیں بلکہ صرف برجوازی انقلاب کامیاب ہو سکتا ہے۔ ان کا خیال تھا کہ مارکسی فلسفہ کی رُو سے اشتراکی انقلاب صرف ترقی یافتہ صنعتی ملک میں ہو سکتا ہے۔ روس جیسے زراعتی ملک میں اس انقلاب کے

خواب دیکھنا قبل از وقت ہے۔ اس لئے عام رائے یہ تھی کہ زار روس کی شہنشاہیت کو ختم کرنے کے بعد روس میں متوسط طبقہ کی برجوازی جمہوریت قائم کرنا چاہئے۔ جب تک ان ممالک میں جو اقتصادی ترقی میں آگے نکل چکے ہیں۔ اشتراکی انقلاب نہ ہو۔ روس میں اس وقت سرمایہ دارانہ نظام ہی رہے گا۔ ان مفکرین کے برعکس ٹراٹسکی یہ کہتا تھا کہ روس کے سیاسی زراعتی اور صنعتی و حرفتی مسائل کو سلجھانے کے لئے اشتراکی انقلاب برپا کرنا اور مزدور آمریت قائم کرنا لازمی ہے۔ روس کی برجوازی جماعت مردہ ہو چکی ہے اگر زار کو فنا کرنے کے بعد طاقت برجوازی طبقہ کے سپرد کی گئی تو زاریت پھر دوبارہ ایک نئے روپ میں رونما ہو جائے گی جمہوریت کا نام و نشان نہ ہوگا اس طرح روس کی زراعت پیشہ آبادی یعنی کسان کی غربت کا مسئلہ حل نہ ہو سکے گا۔ ٹراٹسکی کا خیال تھا کہ کسان اپنی غربت دور کرنے کی خاطر مزدور طبقہ کے ساتھ مشترکہ سعی سے آمریت قائم کرنے پر تیار ہو جائیں گے۔ ان طبقوں میں چونکہ مزدور طبقہ زیادہ باعمل اور سیاسی طور پر بیدار ہے۔ اس لئے مجوزہ آمریت درحقیقت مزدور طبقے ہی کی آمریت ہوگی۔ لیکن مزدور طبقہ کی آمریت کے قیام کے یہ معنی نہ ہوں گے کہ روس میں اشتراکی نظام قائم ہو گیا ہے۔ اس کا امکان تو اسی وقت پیدا ہوگا جب متعدد ترقی یافتہ ممالک انقلابی روس کو مدد دیں البتہ مزدور آمریت اشتراکی نظام کے لئے راستہ صاف کر دے گی۔ ابتدا میں لینن کو ٹراٹسکی کے اس نظریئے سے اتفاق نہ تھا لیکن بعد میں اس نے اپنے نظریئے کی غلطی اور ٹراٹسکی نظریئے کی صحت کا اعتراف کر لیا۔

دوسرا دور ۱۹۱۷ء تا ۱۹۲۳ء

اس دور میں مستقل انقلاب کے نظریئے کا مفہوم یہ ہو گیا تھا کہ مزدور آمریت کے قیام کے ذریعہ روس نے سرمایہ داری کے دور کو ایک زقند لگا کر عبور کر لیا ہے اب وہ اشتراکیت کی سرحد پہ آکھڑا ہے لیکن مکمل اشتراکی نظام اسی وقت قائم ہوگا جب اسے دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی مدد میسر آجائے گی۔ ٹراٹسکی نے اس دور میں مستقل انقلاب کے نظریئے کی جو تشریح کی ہے

اس کے تین پہلو قابل توجہ ہیں۔

(۱) روسی انقلاب عالمگیر انقلاب کا ایک جزو ہے جس کی مدد سے تمام دنیا میں انقلاب ہوگا۔ اس لئے روسی انقلاب کا قیام از حد ضروری ہے۔ سرمایہ داری اپنی آخری منزل یعنی سامراج شاہی تک پہنچ گئی ہے اور اس کے نظام میں شدید تضاد پیدا ہو گیا ہے سرمایہ داری کی آہنی زنجیر اپنے سب سے کمزور حلقہ یعنی روس پر سے ٹوٹی ہے۔ یہاں اشتراکی انقلاب مدت سے پرورش پا رہا ہے اس کو عالم وجود میں لا کر نشوونما دے۔

(۲) دوسرے سرمایہ دار ممالک میں انقلابی عناصر کا عروج روسی انقلاب کے استحکام کی ضمانت ہے۔ روس کی مزدور آمریت کو دوسرے ممالک کی انقلابی تحریکات کو طاقتور بنانا چاہئے اپنی زندگی برقرار رکھنے کے لئے دنیا کا سرمایہ دار طبقہ روسی انقلاب پر یورش کرے گا۔ اس یورش کا سدباب صرف اسی طرح ہو سکتا ہے کہ سرمایہ دار ممالک کی پرولتاری جماعتوں میں سیاسی بیداری پیدا کی جائے اور وہ منظم ہو کر روسی انقلاب کی حامی اور مددگار بن جائیں۔ اس طرح سرمایہ دار ممالک اشتراکی روس پر حملہ آور ہونے کی جراءت نہ کر سکیں گے کیونکہ سامان حرب بنانے کے کارخانوں میں مزدور طبقہ ہی کام کرتا ہے۔ اگر وہ اشتراکی انقلاب کی حمایت میں ہڑتال کر دے تو جنگ چند ہفتہ بھی جاری نہیں رکھی جا سکتی اس لئے اشتراکی روس کی عافیت اسی میں ہے کہ سرمایہ دار ممالک کے مزدور طبقہ کو طاقتور بنائے تاکہ وہ روس کا ہمدرد و مددگار رہے اور روس پر حملے کی شکل میں فوراً ہڑتال کر دے۔

(۳) دوسرے ممالک کے انقلابی عناصر کو روسی مفاد کے لئے اس طرح استعمال نہ کرنا چاہئے کہ مقامی انقلابی تحریکات کو نقصان پہنچے۔ ایسا کرنے سے مزدوروں کی بین الاقوامی اخوت میں شگاف پیدا ہو جائے گا۔ مندرجہ ذیل مثال سے اس نکتہ کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے

فرانس کے وزیر مسٹر لاول نے اسٹالن کو یہ لالچ دے کر کہ جرمن حملے کی شکل میں فرانس روس کی مدد کرے گا۔ حکومتِ روس کو اس امر پر راضی کر لیا کہ وہ فرانس کی کمیونسٹ پارٹی

کو فرانس کے فوجی بجٹ کی منظوری کے لئے رائے دینے اور کارخانوں میں ہڑتالیں نہ کرنے کی ہدایت دے۔ اسٹالن نے روسی مفاد مدنظر رکھتے ہوئے کمیونسٹ پارٹی کو ہدایت کر دی کہ فرانس کے مزدور طبقے کو انقلابی اقدام سے روکے۔ فرانس کے مزدور طبقہ کا اس میں فائدہ تھا کہ جنگی بجٹ منظور نہ ہو۔ مزدوروں میں تنظیم دو چند ہو جائے۔ مزدور یونینوں کو زیادہ مراعات ملیں اور اجرتیں بڑھانے کے لئے ہڑتالیں کی جائیں۔ انقلابی جدوجہد سے سرمایہ دار جماعتوں کو مجبور کر دیا جائے تاکہ وہ ملک کی اقتصادی و سیاسی زندگی میں مزدور کو زیادہ حصہ دینے پر تیار ہو جائیں۔ فرانس کے مزدور اگر قوت حاصل کرتے رہتے تو وہ سب مناسب موقعہ ملنے پر فرانس میں اشتراکی انقلاب برپا کر سکتے تھے اور اس طرح فرانس میں مزدور طبقہ برسر اقتدار آجاتا۔ یہاں یہ امر واضح ہو جاتا ہے کہ حکومت روس اور فرانس کی مزدور جماعت کے مفاد میں تضاد تھا۔ اسٹالن یہ چاہتا تھا کہ فرانس کی کمیونسٹ پارٹی انقلابی اقدام مثلاً ہڑتالیں اور دیگر مظاہرے بند کر دے تاکہ فرانس سامانِ حرب بنا سکے اور جرمنی کے خلاف روس کی مدد کر سکے۔ فرانس کے پرولتاری اور مزدور طبقات یہ چاہتے تھے کہ اس وقت شدید انقلابی حالات پیدا کرنے چاہئیں۔ ان کا اندازہ تھا کہ جرمن حملہ کا خوف فرانس کی سرمایہ دار جماعت کو اس امر پر مجبور کر سکتا ہے کہ وہ اقتصادی و سیاسی مورچوں پر انقلابی عناصر کو داخل ہونے دیں۔ ان مورچوں پر قبضہ کر کے پرولتاری اور مزدور طبقے فرانس میں برسر اقتدار آنا چاہتے تھے۔ جب ماسکو کی ہدایت پر فرانس کی کمیونسٹ پارٹی نے لاول کی حکومت سے تعاون کرنا شروع کر دیا تو فرانس کے انقلابی عناصر بددل ہو کر کمیونسٹ پارٹی سے علیحٰدہ ہو گئے۔ اس طرح فرانس کے انقلابی عناصر اور مزدور جماعت میں انتشار پیدا ہو گیا۔

اسٹالن اپنی مشہور تصنیف لینن ازم میں انقلاب کے بنیادی اصول بیان کرتا ہوا تحریر کرتا ہے :-

"کسی ملک کے متوسط طبقہ کو شکست دینے کے لئے ایک ملک کی سعی کافی ہوتی ہے جیسا کہ انقلاب روس سے ثابت ہو گیا۔ لیکن اشتراکیت کی قطعی کامیابی اور اشتراکی نہج پر صنعت و حرفت اور زراعت کے قیام کے لئے کسی واحد ملک اور وہ بھی روس جیسے پس ماندہ زراعتی ملک کی سعی کافی نہیں ہو سکتی۔ اشتراکی نظام کے قیام اور اشتراکی طریقہ پیداوار کے اجرا کے لئے ترقی یافتہ ممالک کے پرولتاری طبقوں کی امداد کی ضرورت ہو گی۔"

مندرجہ بالا اقتباس کا مفہوم صاف ہے لیکن جس ایڈیشن میں اس خیال کا اظہار کیا گیا تھا اس کی تمام کاپیاں تلف کر دی گئیں۔

تیسرا دور ۱۹۲۴ء تا ۱۹۳۲ء

اس دور میں مستقل انقلاب کا نظریہ اور ہر قسم کا تخریبی تخیل ٹراٹسکیزم سے منسوب کیا جانے لگا تھا۔ اس زمانہ میں مستقل انقلاب کے نظریے کی تردید میں اسٹالن نے ایک نظریہ پیش کیا جو واحد ملک میں اشتراکی نظام کے نام سے مشہور ہے۔ اس جدید نظریے کے اہم نکات حسب ذیل ہیں:۔

(۱) روس کو آلاتی طور پر ترقی یافتہ ممالک سے ہمسری کی ضرورت نہیں۔

(۲) روس میں اشتراکی نظام قائم ہو گیا۔

(۳) روس میں اشتراکیت کے قیام کا انحصار بین الاقوامی امداد پر نہیں ہے۔

اسٹالن کے اس تخریبی نظریے کی کامیابی کا راز اس امر میں مضمر تھا کہ یہ حکمران طبقہ کو عیش و نشاط کی دعوت تھی۔ یہ نظریہ اس امر کا اعلان تھا۔ آؤ انقلاب عالم سے کنارہ کش ہو کر زندگی کو آسودہ بنائیں۔ اسٹالن نے حکمران طبقہ کی دل کی بات کہدی تو حکمران طبقہ نے اس کو اپنا قائد اعظم تسلیم کر لیا۔

اسٹالن کے مندرجہ بالا تینں نکات بظاہر صحیح معلوم ہوتے ہیں لیکن دوسری جنگ عظیم

میں روس کو جس تباہی اور بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ سچ پوچھیے تو وہ انہی نکات پر عمل کرنے کا نتیجہ تھی۔ اسٹالن کے یہ تین نکات روس کے موجودہ حالات سمجھنے کے لئے ایک بنیادی کردار کی حیثیت رکھتے ہیں اس لئے ذیل میں ان کی وضاحت کی جاتی ہے۔

(۱) پہلا نکتہ یہ وہی نکتہ ہے جس کا اظہار اسٹالن نے ایک مرتبہ ان الفاظ میں کیا تھا کہ روس کے لئے مزید آلاتی ترقی اتنی ہی غیر ضروری ہے جتنا کہ ایک کسان کیلئے بجائے گائے کے گراموفون خریدنا۔ حکمران طبقہ اپنے عیش و آرام کی خاطر دیدہ و دانستہ اس امر کو نظر انداز کر رہا تھا کہ روس کے لئے جلد از جلد آلاتی ترقی کرنا از حد ضروری ہے اور اس کی یہ ترقی اتنی ہونی چاہئے کہ وہ اپنے ہمسایہ صنعتی ممالک سے پیچھے نہ رہے۔ آلاتی ترقی کا یہ معیار درست نہ تھا کہ روس نے زار روس کے زمانہ سے کئی گنا زیادہ ترقی کر لی تھی اور وہ کافی ہے۔ دیکھنا یہ تھا کہ جرمنی کے مقابلہ میں روس ابھی تک آلاتی لحاظ سے غیر ترقی یافتہ ہی تھا۔ ہمسری کی ضرورت اس لئے تھی کہ جنگ کی صورت میں روس حملہ آور ہمسایہ ممالک کا کامیاب مقابلہ کر سکے۔ دوسری جنگ عظیم میں اس حقیقت کی صداقت واضح ہو گئی جب جرمن حملہ ہوا اور چند ہفتوں میں مغربی روس تباہ و برباد ہو گیا اس قیمت شاید حکمران طبقہ کو بھی یہ احساس ہوا ہو کہ ہمسایہ ممالک سے آلاتی ہمسری کیوں ضروری تھی اور حزب اختلاف کے قائدین اس پر کیوں زور دے رہے تھے۔ یہاں یہ امر بھی غور طلب ہے کہ ۱۹۲۴ء میں اسٹالن نے یہ نظریہ کیوں پیش کیا اور حکمران طبقہ نے اس پر کس لئے لبیک کہا۔ آلاتی ترقی کی تیز رفتاری کے لئے دو امر ضروری تھے ایک یہ کہ حکمران طبقہ کو جو زر و مال اور اجناس کی شکل میں کثیر مراعات ملی ہوتی تھیں ان میں نمایاں تخفیف کی جائے اور حکمران طبقہ سے زیادہ وقت کام لیا جائے۔ دوسرے یہ کہ جرمنی میں اشتراکی انقلاب برپا کیا جائے تاکہ وہاں سے کلیں مشینیں آلات وغیرہ بآسانی دستیاب ہو سکیں۔ جرمنی میں انقلاب کرنا آسان نہ تھا۔ اس کے لئے حکمران طبقہ کا ہر قسم کی قربانی کیلئے

تیار ہونا ضروری تھا اور حکمران طبقہ کو اب قربانی کے لفظ سے نفرت تھی جرمنی کے اشتراکی انقلاب میں حکمران طبقہ کے لئے ایک اور خطرہ بھی تھا جرمنی کے عوام تعلیم یافتہ تھے اس لئے اگر وہاں انقلاب ہو جاتا تو روس کے مانند طبقات وہاں پیدا نہ ہوتیں بلکہ سب کو یکساں مراعات حاصل ہوتیں۔ روس کے پرولتاری جرمن پرولتاری کی بہتر حالت دیکھ کر حکمران طبقہ سے برابری کا مطالبہ کرتے اور یہ رجحان روس کے حکمران طبقہ کے عیش و نشاط اور امارت میں حارج ہوتا۔ یہ دونوں باتیں اس طبقہ کے مفاد کے منافی تھیں اور حکمران طبقہ بدل رجحان اس دور میں داخل ہو چکا تھا یہ وجوہات تھیں جن کی بنا پر اسٹالن نے پہلا نکتہ پیش کیا اور حکمران طبقہ نے اس پر لبیک کہا۔

حزب اختلاف اس پہلے نکتہ کی تردید میں یہ کہتا تھا کہ روس کی اقتصادی ترقی کا پیمانہ بین الاقوامی آلاتی ترقی ہے۔ ہمسایہ ممالک پہلے ہی روس سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں اور اب بھی ان کی رفتار ترقی روس سے کہیں زیادہ ہے۔ اس لئے روس کو اپنی رفتار ترقی کو ان ممالک سے کئی گنا زیادہ بڑھا دینا چاہیے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا ہے جب حکمران طبقہ کی اقتصادی مراعات میں تخفیف کی جائے اور سرمایہ دار ممالک سے کلیں مشینیں اور آلات خریدے جائیں اور جب تک ان میں اشتراکی انقلاب نہ ہو روس کو آلات اور ضروری سامان بنانے کی مشینیں نہیں مل سکتیں۔ روس کو سامان حرب تیار کرنے کی کلیں نہ ملیں تو وہ حربی طور پہ کمزور رہے گا اور اس کی یہ کمزوری سرمایہ دار ممالک کو دعوت ہوگی کہ سرمایہ داری کے تضاد کو وقتی طور پر رفع کرنے کے لئے وہ روس کے حصے بخرے کر لیں۔ دوسری جنگ عظیم کی ابتدا میں میونخ میں سرمایہ دار ممالک نے روس کے خلاف جو سعی کی وہ حزب اختلاف کے استدلال کی صحت کی تائید میں پیش کی جا سکتی ہے یہ ایک خوشگوار حادثہ تھا کہ برطانیہ فرانس اور جرمنی اپنے مفاد میں تضاد کی وجہ سے متحد نہ ہو سکے ورنہ روس کبھی کا ختم ہو چکا ہوتا۔ اس جنگ میں گو روس فتح مند رہا ہے لیکن روس میں جس بڑے پیمانہ پر تباہی و بربادی ہوئی ہے

اس کے پیش نظریہ کہنا ہی زیادہ درست ہے کہ حزب اختلاف کی پیش گوئی ثابت ہوگئی۔

(۲) دوسرا نکتہ۔ اسٹالن کے نظریئے کے دوسرے نکتہ کا یہ مفہوم تھا کہ روس میں اشتمالی نظام قائم ہو چکا ہے۔ اب مزید جدوجہد کی ضرورت نہیں۔ اسٹالن اس رجحان کا مبلغ اعظم تھا۔ یہ نظریہ حکمران طبقہ کی آرزوئے عیش ونشاط کا موید تھا۔ اس لئے اسٹالن کو اس کی تائید بھی حاصل تھی۔ درحقیقت اشتمالیت اس اقتصادی دور کا نام ہے جس میں افراد اپنی اہلیت کے مطابق کام کریں گے اور اُن کو اِن کی ضرورت کے مطابق معاوضہ ملے گا۔ یہ دور اس وقت رونما ہوگا جبکہ روس موجودہ ترقی یافتہ سرمایہ دار ممالک سے صدگنی زیادہ آلاتی و اقتصادی ترقی کرلے گا۔ اشتمالیت تو درکنار روس میں ہنوز اشتراکیت بھی نہایت مسخ شکل میں موجود ہے۔ روس کی اس پستی کی اصل وجہ یہ ہے کہ وہ ملک آلاتی اعتبار سے سرمایہ دار ممالک مثلاً امریکہ وغیرہ سے کم درجہ پہ ہے۔

اس نکتہ کو غلط ثابت کرنے کے لئے حزب اختلاف کے اراکین اشتراکیت و اشتمالیت کو مارکسی تخیل بیان کرتے تھے اور یہ بتاتے تھے کہ روس میں ہنوز کمیونزم قائم نہیں ہوا اس مارکسی تخیل کو حکمران طبقہ ٹراٹسکیزم کہہ کر پکارتا تھا اور اس کے برخلاف اسٹالن کے نظریئے کو وہ مارکسی تخیل کے عین مطابق بتاتا تھا۔

(۳) تیسرا نکتہ۔ اسٹالن کے اس نکتہ کی خامی سمجھنے کے لئے کہ روس میں اشتمالیت کے قیام کا انحصار بین الاقوامی امداد پر نہیں ہے۔ تاریخ روس کے چند گذشتہ اوراق پر نظر ڈالنا ضروری ہے انقلاب روس کا اہم ترین واقعہ یہ تھا کہ ابتدائی چند سال تک انقلابی روس کو مغربی یورپ کے پرولتاری طبقہ سے عملی امداد ملی اگر یہ امداد نہ ملتی تو انقلاب فنا ہوجاتا ۱۹۱۸ء میں جرمنی و آسٹریا کی افواج کا سرزمین روس سے پسپا ہونے کا حقیقی سبب یہ تھا کہ خود ان مخالف ممالک میں پرولتاری انقلاب کے آثار نمایاں ہو گئے تھے جسے دبانے کی خاطر جرمنی اور آسٹریا کے حکمران اپنی افواج روسی محاذ سے ہٹانے پر مجبور ہو رہے تھے۔ دوسرے یہ کہ ان ممالک کی

افواج روسی افواج کے اشتراکی رجحانات اور صلح کے نعروں سے متاثر ہونے لگی تھیں ان اشتراکی تصورات کا فوج میں پھیل جانا ان حکومتوں کو مرگِ ناگہانی معلوم ہوتا تھا۔ برسٹ کے شرمناک معاہدہ کی منسوخی بھی جرمنی و آسٹریا میں انقلاب ہو جانے کی مرہون منت تھی فرانسیسی افواج کی جنوبی روس سے واپسی فرانسیسی ملاحوں کے اشتراکی رجحانات سے متاثر ہو کر بغاوت کرنے کی بناء پر عمل میں آئی۔ برطانیہ کے مزدور طبقہ میں بھی اشتراکی رجحانات کام کر رہے تھے وہاں کے مزدور طبقہ کے احتجاج کا یہ اثر ہوا کہ برطانیہ کو شمالی روس سے فوجیں واپس بلانا پڑیں جس زمانہ میں روس کی انقلابی افواج کو وارسا پر شکست ہوئی تھی اس وقت سرمایہ دار ممالک نے حالات کی نزاکت سے فائدہ اٹھا کر انقلاب کو قطعی طور پر فنا کرنے کا ارادہ کر لیا اور اس سلسلہ میں نہ صرف متعدد سرمایہ دار ممالک میں گفت و شنید کا سلسلہ جاری ہوا بلکہ عملی کارروائی بھی کی جانے لگی۔ روس کو حملے کا زبردست خطرہ پیدا ہو گیا۔ اس نازک وقت پر مغربی یورپ کے مزدور طبقے نے اپنی حکومتوں کے اس اقدام کے خلاف ایسے زبردست مظاہرے کئے کہ کسی سرمایہ دار ممالک کو بولشیوک پر یورش کرنے کی ہمت نہ ہوئی۔ ان تاریخی حالات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ اشتراکی روس پر حملہ کو بین الاقوامی مزدور جماعت کی سعی ہی روک سکتی ہے۔ اس تصور کی صحت پر تاریخ شاہد ہے یہی تصور مستقل انقلاب کے نظریے کی جان تھا۔ پہلی جنگ کے بعد انقلابی رجحانات کتنی قوت اختیار کر گئے تھے۔ اس کا اندازہ ان واقعات سے لگایا جا سکتا ہے کہ جنگ کے بعد انگلستان و فرانس میں اتنی شدید اور وسیع ہڑتالیں ہوتیں کہ سرمایہ دار طبقہ کو انقلاب کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ آئر کی جمہوریت وجود میں آئی۔ جرمنی و آسٹریا ہنگری کی شہنشاہتیں ختم ہو گئیں۔ اٹلی اور بلقان کی ریاستوں میں اگرچہ شہنشاہتیں قائم رہیں لیکن وزرائے اعظم کی شکل میں ڈکٹیٹر برسر اقتدار آ گئے جو در اصل شہنشاہ سے زیادہ طاقتور ہوتے تھے ترکی میں خلافت کا خاتمہ ہوا۔ ترکی کے اثر سے نکل کر عرب و عراق اور

مصر میں نیم خود مختار حکومتیں قائم ہو گئیں۔ ایران میں دیرینہ شاہی خاندان ختم ہوا۔ امیر امان اللہ خاں نے برطانوی اثر سے رہائی حاصل کی چین وہندوستان اور دوسرے محکوم ممالک میں انقلابی تحریکات زور پکڑ گئیں۔ اگر پہلی جنگ عظیم کے چند سال بعد کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو دنیا میں انقلاب کی ایک شدید لہر دوڑتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ لینن وٹراٹسکی کا خیال تھا کہ یہ انقلابی لہر اشتراکی روس کی مدد سے متعدد ممالک میں اشتراکی انقلاب کی شکل اختیار کر سکتی ہے اسی لئے انھوں نے کمنترن کا ادارہ قائم کیا تھا تاکہ ہر ملک میں ایک کمیونسٹ پارٹی قائم کی جائے جو مقامی حالات کو انقلاب کی سمت لے جائے۔ یہ حالات تھے کہ لینن کی وفات ہو گئی اور اسٹالن نے اعلان کر دیا کہ روس میں اشتمالیت قائم ہو گئی ہے اس کے استحکام کے لئے بین الاقوامی امداد کی ضرورت نہیں اور نہ روسی انقلاب کی زندگی انقلاب عالم سے وابستہ ہے۔ اس نظریے کے قدرتی طور پر حسب ذیل نتائج برآمد ہوئے:۔

(۱) بین الاقوامی انقلابی عناصر جو باوجود سرمایہ دار حکومتوں کی شدید ضربوں کے زندہ تھے۔ روس ان سے لاپروا ہو گیا اور نتیجتاً ان عناصر کو بھی روس سے ہمدردی نہیں رہی۔

(۲) کمنترن کی سیاست یہ ہو گئی کہ ہر بین الاقوامی معاملہ میں روس کا مفاد مدنظر رکھا جانے لگا۔ اگر روس کے مفاد اور کسی دوسرے ملک کے انقلابی رجحانات میں ہنگامی تضاد واقع ہوتا تو روس کے مفاد کو ترجیح دی جانے لگی۔ اس طرح انقلابی اخوت کی جگہ ملکی و قومی وفاداری کے جذبے نے لے لی اور دنیا پھر وطنیت وقومیت کے پرانے ڈھچر پر آ گئی۔ روس کے حکمران طبقہ کی اس حکمت عملی کا یہ اثر ہوا کہ تمام دنیا کے انقلابی واشتراکی رجحانات کی روس سے ہمدردی ختم ہو گئی۔ ماسکو دنیا کی مزدور جماعت کا مکہ نہیں رہا۔ کمنترن کی بین الاقوامی حیثیت ختم ہو گئی اور وہ روس کے محکمہ خارجہ کا ایک شعبہ خیال کیا جانے لگی۔ دنیا کی پرولتاری جماعت کا شیرازہ بکھر گیا۔ ۱۹۳۹ء میں مسٹر چیمبرلین اور ہٹلر کے

درمیان مورخ کی گفتگو اسی لئے ممکن ہوئی کہ روس کے حکمران طبقہ نے کمنٹرن کا بین الاقوامی اثر ختم کر دیا تھا۔ سرمایہ دارانہ ممالک کو یہ خطرہ نہ رہا تھا کہ ان کا روس پر حملہ کرنا ان کے ملک کی مزدور جماعت اور جمہور میں شدید سیاسی بے چینی پیدا کر دے گا۔ روس کی خود غرضانہ حکمت عملی سے سرمایہ دارہ ممالک کی پرولتاری پارٹیاں نہایت کمزور اور بددل ہو گئیں۔ ان میں سے کسی کو روس سے عملی ہمدردی باقی نہ رہی۔ پہلے فرانس و برطانیہ علانیہ طور پر روس کے خلاف سازش کرتے رہے اور ان سرمایہ دار ممالک کی انقلابی جماعتیں اس اقدام کو نہ روک سکیں۔ اس کے بعد جب فسطائی ممالک نے حملہ کیا۔ تو ان فسطائی ممالک کی مزدور جماعت سے بھی صدائے احتجاج تک نہ اٹھی۔ روس کی تخریبی سیاست نے تمام دنیا کی انقلابی جماعتوں کو کمزور اور ان کی آواز کو غیر موثر کر دیا تھا۔ ۱۵ سال بعد ۱۹۴۱ء میں روس کو حکمران طبقہ کی اس خام سیاست کا خمیازہ اٹھانا پڑا اور علاوہ تمام ملک کی تباہی کے ڈیڑھ کروڑ روسیوں کی جانیں ضائع ہوئیں۔

حکمران طبقہ کا استحکام

حکمران طبقہ کی خود غرضیوں اور خفیہ فوج کی مطلق العنانیوں جی۔پی۔او۔کی دہشت انگیزیوں نے روس میں جو عام پراگندگی پیدا کردی تھی اس کے باوجود وہاں حکمران طبقہ کا اقتدار قائم رہنا ایک معجزہ معلوم ہوتا ہے۔ حکمران طبقہ کے موجودہ اقتدار و استحکام کو دیکھ کر یہ گمان گذرتا ہے کہ حکومت جبر و تشدد کرنے میں حق بجانب تھی۔ کہا جاتا ہے کہ اگر حکومت کو اس طریقہ کار میں جمہور کی تائید حاصل نہ ہوتی تو دوسری عالمگیر جنگ میں جرمنی کا حملہ ہوتے ہی روس کا شیرازہ بکھر جاتا۔ یہ بھی زبان زد خاص و عام ہے کہ روس میں جو جبر و قہر اور استیصال ہوئے ان کی اصل وجہ دوسری عالمگیر جنگ شروع ہونے پر دنیا کو معلوم ہوگئی۔ اشارہ اس طرف ہوتا ہے کہ روس میں جن افراد کا استیصال کیا گیا وہ کوئزلنگ (منافق) اور جرمنی کے پانچویں دستے کے افراد تھے۔ حزب اختلاف اور فوج کے اکابرین کا قتل جو عوام و خواص کو ۱۹۳۸ء میں نہایت درجہ غیر مہذب و سازشی معلوم ہوتا تھا ۱۹۴۱ء کے واقعات نے اس کو جائز قرار دے دیا۔ اس میں شک نہیں کہ جرمنی۔ اٹلی۔ جاپان وغیرہ کے جاسوس روس میں موجود ہوں گے اور ان کا استیصال کرنا ضروری تھا لیکن جیسا کہ گذشتہ ابواب میں بیان کیا جاچکا ہے۔ حزب اختلاف اور اکابرین فوج پر یہ الزام لگانا حقیقت

کو پسِ پشت ڈالنا ہوگا۔ کوئز لنگ (منافق) ہر جنگ کے دوران میں پیدا ہو ہی جاتے ہیں دوسری جنگ عظیم میں اس طبقہ کا ذکر اس لئے جلی سرخیوں میں کیا گیا تاکہ اتحادی جنرلوں کی فنی کوتاہیوں اور افواج کی بے سروسامانی پر پردہ پڑا رہے۔ جنگ کے ابتدائی زمانہ میں دنیا کو یہ مغالطہ دیا جارہا تھا کہ اتحادیوں کی افواج اور فوجی افسر جدید طریقہ جنگ سے بخوبی واقف ہیں اور شکستیں غداروں اور منافقین کی سازشوں کا نتیجہ ہیں۔ حالانکہ یہ امر واقعہ نہ تھا شکستیں جنرلوں کی ناقابلیت۔ اتحادی افواج کی فنی کم مائگی و بے سروسامانی اور سرمایہ دار ممالک میں طبقاتی تضاد کی وجہ سے ہو رہی تھیں۔ یہ کہنا غلط ہے کہ حزب اختلاف اور فوجی اکابرین کے استیصال نے روس کو مستحکم بنا دیا۔ درحقیقت حکمران طبقہ کے استحکام کی بنیاد کسی سطحی امر پر نہیں بلکہ مندرجہ ذیل اہم تاریخی حالات میں پوشیدہ ہے۔

(۱) روس میں گو کہ استیصال لاکھوں کی تعداد میں ہوئے لیکن اگر مقتولین کی نسبت روس کی سترہ کروڑ آبادی سے قائم کی جائے تو کل مقتولین کی تعداد شاید ایک فی صدی بھی نہ ہو۔ سترہ لاکھ افراد کا استیصال قتل عام کا منظر آنکھوں کے روبرو لے آتا ہے لیکن اگر کل آبادی کو ملحوظ رکھا جائے تو ان افراد کی تعداد صرف ایک فیصدی ہوتی ہے۔ جس ملک کے جمہور صدیوں سے استیصال کے مناظر سے مانوس ہوں ان میں ایک فی صدی آبادی کا قتل سیاسی ہیجان نہیں پیدا کر سکتا۔ روسی جمہور حکمران طبقہ کے پروپیگنڈے سے متاثر ہو کر یہ یقین کرنے لگے تھے کہ حزب اختلاف اور ان کے متعلقین واقعی فسطائی حکومتوں کے گرگے تھے اور ان کا استیصال ضروری تھا۔

(۲) زراعتی ملک میں کسان کی مدد کے بغیر کوئی اہم سیاسی تبدیلی نہیں ہو سکتی خواہ وہ معاشرتی یا سیاسی انقلاب ہی کیوں نہ ہو۔ بولشیوک انقلاب برپا کرنے میں اس لئے کامیاب ہوتے تھے کہ غریب روسی کسان کا عملی تعاون ان کو حاصل ہو گیا تھا۔ انقلاب کے بعد یہ غریب کسان امیر زمینداروں۔ جاگیرداروں اور خانقاہوں کی اراضیات پر قابض ہو کر وہ غریب

کسان نہیں رہتے تھے جو اپنی سیاسی و اقتصادی حالت کو تبدیل کرنے کے متمنی تھے۔ اب یہ کسان اپنی موجودہ حالت سے مطمئن تھے اور اس کو برقرار رکھنا چاہتے تھے۔ اس لئے ان کو حزب اختلاف کی بین الاقوامی سیاست غیر ضروری معلوم ہوتی تھی۔ دوسرا امر یہ ہے کہ زراعتی فارم قائم ہو جانے پر کسان اور کاشتکار ٹریکٹر سے منسلک ہو گئے تھے۔ ٹریکٹر پر حکومت قابض تھی۔ ٹریکٹر کا مستقر حکومت کا ایک ایسا قلعہ اور تبلیغی مرکز تھا جہاں سے اسٹالن کسان کے سیاسی شعور کی تعمیر کرتا تھا اور ان کو حکمران طبقہ کا وفادار بناتا تھا۔ کسان نے بیس سال میں اتنے سیاسی جھٹکے کھاتے تھے کہ اس لئے سیاسی معاملات میں دلچسپی لینا ختم کر دی تھی۔ اور شہروں میں جو استیصال ہو رہے تھے ان کے خلاف صدائے احتجاج بلند کر کے وہ اپنی آسودگی کو خطرے میں ڈالنے کے لئے تیار نہیں تھا۔

(۴) زار روس کے زمانہ میں معدودے چند طبقات مثلاً شاہی خاندان۔ مذہبی پیشوا۔ جاگیردار عمال حکومت کے علاوہ تمام جمہور کی حالت بحیثیت بیگاریوں کی سی تھی۔ انقلاب کے بعد (خاص کر اسٹالن دور میں) روسی عوام کی معاشرتی حالت اگرچہ دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی نسبت خراب رہی لیکن زار کے زمانہ کی بہ نسبت بہتر ہو گئی تھی اور جمہور کو یہ خوشگوار تبدیلی بہت غنیمت معلوم ہوتی تھی جیسا کہ اقتصادی حالات کے باب میں بتایا جا چکا ہے۔ جب وِنڈل وِلکی نے ہوائی جہاز تیار کرنے کے کارخانے کے انسپکٹر سے روس میں آزادی تحریر و تقریر کے متعلق سوال کیا تو انسپکٹر نے اس کا یہ جواب دیا "میں اپنے آباؤ اجداد کی بہ نسبت کہیں زیادہ آزاد ہوں۔ میرے بزرگوں کو تعلیم حاصل کرنے کی بھی اجازت نہ تھی ان کی آراضیات ان کے لئے زنجیر پا تھیں۔ بیماری میں ان کے لئے علاج کرانا ناممکن تھا۔ میں اپنے خاندان کا پہلا فرد ہوں جس کو تعلیم حاصل کرنے اور زندگی میں نمایاں ہونے کا موقع ملا۔ اور یہی میرے لئے آزادی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو یہ آزادی نہ معلوم ہو۔ یہ یاد رہے کہ ہم ہنوز ارتقائی منازل طے کر رہے ہیں۔ کسی دن ہمیں سیاسی آزادی بھی حاصل ہو جائیگی"۔

روس میں حکمران طبقہ کی متعدد شدید غلطیوں کے باوجود اجتماعی طریقہ پیداوار نے جمہور کا معیار زندگی نسبتاً بلند کر دیا ہے۔ قطع نظر اس امر کے کہ روسی حالات میں ترقی کے بہت زیادہ امکانات پوشیدہ تھے۔ اس پر بھی حکمران طبقہ کی کوتاہ نظری کی وجہ سے معیار زندگی سرمایہ دار ممالک سے کم ہی رہا۔ لیکن اس سے انکار نہیں ہو سکتا کہ حکمران طبقہ نے جمہور کو تعلیم و ترقی کے مواقع فراہم کیے جس سے ان کو یہ احساس ہو گیا ہے کہ ملک کا اقتصادی و سیاسی نظام ان کی رائے کا پابند ہے اور اشتراکیت ایسا نظام ہے جس پر عمل پیرا ہونے سے ان کا مستقبل تمام دنیا سے زیادہ روشن ہو جائے گا۔ اگرچہ روس میں افکار و کردار کی آزادی نہیں تاہم معیارِ زندگی ضرور بلند ہو گیا ہے جمہور کا یہ تجربہ ان کو اپنے روشن مستقبل میں یقین دلاتے ہوئے ہے اور یہ یقین ان کو حکومت کا وفادار رکھتا ہے۔ مادی ارتقاء کی ایک خاص منزل پر پہنچکر انسان مادی ترقی سے زیادہ آزادی افکار و کردار کا دلدادہ ہوتا ہے۔ روس و امریکہ میں یہ فرق ہے کہ روس ہنوز اس منزل پر نہیں پہنچا البتہ امریکہ اس منزل سے گذر چکا ہے۔ بہت سے افراد کسی ایسے ملک میں رہنے سے انکار کر دیں گے جہاں پوری پوری مادی آسائش ہو لیکن سیاسی تمدنی و علمی و عملی آزادی نہ ہو۔ اس کے برخلاف جو اقوام تمدن کی ابتدائی منازل میں ہیں ان کو آزادی کی قدر کا احساس ہی نہیں ہوتا مادی بہتری ان کی زندگی کا محور ہوتی ہے۔ روس میں حقیقی معنی میں اول تو متمدن اور تعلیم یافتہ طبقہ بہت کم ہے جو ہے بھی وہ حکمران طبقہ کا ایک جزو بن گیا ہے باقی طبقات غیر متمدن و نیم تعلیم یافتہ ہیں ان کی وہی ذہنی و نفسی کیفیات ہیں جو ایک شکم پرور انسان کی ہوتی ہیں آزادی افکار و کردار کا فقدان جس کو ولکی صاحب زبردست خامی خیال کرتے ہیں۔ اس کا روسی جمہور کو احساس ہی نہیں ہے عوام اس نعمت کے ذائقہ سے کبھی آشنا ہی نہیں ہوئے جن سیاسی حقوق کی نعمت سے وہ کبھی لطف اندوز ہی نہیں ہوئے ان حقوق اور مراعات کا فقدان جمہور میں سیاسی بے چینی پیدا نہیں کر سکتا۔

(۴) آج انقلاب کو ستائیس سال سے زیادہ عرصہ گذر چکا ہے۔ روسی زندگی کے ہر شعبہ میں وہ نسل برسر کار ہے جس نے اسٹالن اور اسکی پارٹی کے زیر اثر تعلیم پائی ہے اور اشتراکیت کا جو غلط مفہوم اس نسل کے ذہن نشین کرا دیا گیا ہے وہی ان کے لئے شمع ہدایت بنا ہوا ہے۔ روس میں حقیقی مارکسی ادب کا استیصال کر دیا گیا ہے۔ اس کی جگہ حکمران طبقے کے مجوزہ سیاسی و اقتصادی نظریات نے لے لی ہے۔ جمہور کو حکمران طبقہ کی حکمت عملی کی صحت پر کامل یقین ہے اور وہ اس کے حامی ہیں۔ مسٹر ولکی اور مسٹر ڈیوس نے مشاہدہ کے بعد یہ تحریر کیا ہے کہ روسی حکومت کے عمال۔ فیکٹریوں کے منیجر۔ بحری و برّی فوج کے افسر سب تیس سے چالیس سال تک کی عمر کے نوجوان ہیں۔ یہ وہی نسل ہے جس نے اشتراکیت سے باغی اسٹالن پارٹی کے زیر اثر تعلیم پائی ہے۔ یہ نسل حکومت روس کی دست و بازو بنی ہوئی ہے۔ اسٹالن کی تصنیف کردہ کتاب "لینن ازم" جس کا مدارس میں درس دیا جاتا ہے وہ اس نوعمر نسل کے لئے صحیفۂ آسمان کا حکم رکھتی ہے۔ موجودہ نسل کو گذشتہ نسل کے انقلابی تخیلات کا علم ہی نہیں وہ انفرادیت پسندی کی دلدادہ اور خالص اشتمالی تخیلات سے متنفر ہے۔ مسٹر ولکی کے استفسار پر فیکٹری کا انسپکٹر جو کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بھی تھا جواب دیتا ہے۔

"موجودہ اسٹالنی دور کا یہ تصور ہے کہ ہر شخص اپنی اہلیت کے مطابق کام کرے اور کام کی نوعیت اور مقدار کے مطابق اس کو معاوضہ ملے اقتصادی ترقی کے بعد جب ہم اشتمالیت کے دور میں داخل ہوں گے تب ہمارا تصوّر یہ ہوگا کہ ہر فرد اپنی اہلیت کے مطابق کام کرے اور اس کو اس کی ضروریات کے مطابق معاوضہ ملے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس وقت بھی مکمل اقتصادی مساوات کا اجرا نہ مناسب ہوگا اور نہ ضروری۔"

کمیونسٹ پارٹی کے ایک ممبر کے مندرجہ بالا جواب کا آخری فقرہ ہوا کا رُخ

بتا رہا ہے۔ مشاہروں میں فرق - اندوختہ خواہ وہ طلاء و نقرہ کی شکل میں ہو یا جائیداد کی شکل میں قانوناً اس کے تحفظ کا وعدہ اور اس پرورش کا حق، یہ سب اس امر کی علامات ہیں کہ روس میں انفرادیت کو قانوناً تسلیم کر لیا گیا ہے۔ حکومت موجودہ نسل کی اس انفرادیت پسندی کو بر سرِ کار لا رہی ہے - افراد کو انفرادی ترقی کے مواقع پہنچا کر ان کو حکمران طبقہ کا گرویدہ اور وفادار بنایا جا رہا ہے۔ اکابرین اور عمال اعلیٰ کے استیصال میں موجودہ نسل کو اپنی ترقی کے مواقع نظر آتے ہیں۔ اگر کسی ملک میں سترہ لاکھ عمال اعلیٰ کا استیصال کر دیا جائے تو ان کے عہدے پُر کرنے کے لئے چھوٹے افسروں کو اپنی ترقی کے امکانات دکھائی دیں گے اور استیصال کا سلسلہ ان کو ترقی کا زینہ معلوم ہو گا۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنی انفرادی ترقی کو مدنظر رکھتے ہوئے موجودہ نظامِ سیاست کے وفادار ہی رہیں گے۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر استیصال سے روس کو کوئی داخلی کمزوری نہیں ہوئی اور اگر ہوئی بھی تو جرمنی کے حملے نے اس کو دُور کر دیا۔ یہ ایک کلیہ ہے کہ بیرونی حملہ جمہور میں حکومت سے وفاداری کا جذبہ پیدا کر دیتا ہے جیسا پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔ ۱۹۲۱ء میں جب پولینڈ نے سرمایہ دار ملکوں کے اشارے سے روس پر حملہ کیا تو شہنشاہیت پسند جنرل۔ روس کے سرمایہ دار و برجوازی طبقات جن کے استیصال میں بولشیوک سرگرم تھے اور جن کی بابت یہ یقین تھا کہ یہ عناصر نازک وقت پر پولینڈ کی مدد اور معاونت اور بولشیوک حکومت سے بغاوت کریں گے۔ وہ باوجود اختلاف کے اپنے عزیز ملک کو بیرونی حملے سے بچانے کے لئے بولشیوک کے دوش بدوش صف آرا ہو گئے اور ایسی تن دہی سے لڑے کہ پولینڈ کے دارالسلطنت وارسا جا کر دم لیا دوسری جنگِ عظیم نے اسٹالن کی حکومت کو اور بھی مستحکم کر دیا ہے اگر آئندہ چند سال میں روس میں سرمایہ داری اور امپیریلزم کسی دوسرے رنگ و روپ میں عود کر نہ آئے

اور نئی نوعیت کے تضاد نے روسی معاشرے کو درہم برہم نہ کر دیا تو روس کا مستقبل
روشن ہونا لازمی امر ہے۔ امید ہے کہ روس کی موجودہ سیاست کے انفرادی رجحانات
عارضی ثابت ہوں گے اور روس میں اشتراکیت کے حقیقی اصول از سرِ نو جاری و
ساری ہو جائیں گے۔

اقتصادی حالات

کوئی ملک اور قوم اقتصادی ترقی کے بغیر دُنیائے بحر میں اپنی کشتی نہیں کھے سکتی۔ روس کا حکمران طبقہ اس حقیقت سے بے بہرہ تھا۔ اس پر اس کا انکشاف اس وقت ہوا جب نسلطانی ممالک دوسری جنگ عظیم کی نصف سے زیادہ تیاری کر چکے تھے ۱۹۲۷ء میں محکمہ زراعت کے کمیسار نے غیر ترقی پسند تخیلات کا اظہار کرتے ہوئے کہا:۔

"اگرچہ دیہات کی اقتصادی ترقی اجتماعی طریقہ پیداوار سے وابستہ ہے لیکن اس نئے طریقہ پیداوار کو جاری کرنے کے لئے ایک دو تین سال نہیں بلکہ ایک بہت طویل مدّت درکار ہوگی۔ معدودے چند اجتماعی فارم جو اس وقت موجود ہیں ان کی نسبت انفرادی طریقہ زراعت سے وہی ہے جو بحرین کے چند جزائر کو آبی دُنیا کی وسعت سے ہے۔

مولوٹوف نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"ہمیں غریب کسان کے اس مغالطہ کا شکار نہ ہونا چاہئے کہ اجتماعی زراعت کا اجرا فوراً کرنا چاہئے موجودہ حالات میں یہ غیر ممکن ہے۔"

ان غیر ترقی پسند افکار کے باوجود جب حالات و واقعات نے شدید ضربیں لگائیں

اور جنگ کے سیاہ بادل یورپ پر چھاتے دکھائی دینے لگے تو تاریخی حالات کے جبر نے روس کے حکمران طبقہ کو راہ راست پر چلنے پر مجبور کر دیا۔ حکمران طبقے کی خام فہمی اور غفلت تاریخی حالات کی تیز رفتاری کو نہ روک سکی جس طاقت کے نشے نے اکابر بالشیوک کے سر تن سے جدا کرائے اب وہ نشہ فسطائی ممالک کی ترش نگاہی سے اُترتا محسوس ہونے لگا۔ جرمنی کے کرپ کے کارخانے کی تیز رفتاری نے حکمران طبقہ کو چونکایا تو آخر کار بائیں پارٹی کی مجوزہ اقتصادی پلین کا اجراء کرنا پڑا۔ چار سال کی خفتگی کے بعد جب حکمران طبقہ کو اپنی زندگی آلاتی ترقی کی برق رفتاری پر موقوف معلوم ہوئی تو اس نے اس برق رفتاری پر لاکھوں انسانوں کی جانیں اور کروڑوں انسانوں کی عافیت و آرام کو قربان کر دیا۔ ۱۹۲۷ء کے اواخر میں بائیں پارٹی کے پنج سالہ اقتصادی پلین پر حکومت غور کرنے لگی۔ حکمران طبقہ نے ملکی و قومی بدحالی سے مجبور ہو کر پنج سالہ پلین کا اجراء کیا تو اس کی رفتار ترقی بہت کم متعین کی۔ یعنی ملکی پیداوار میں ۹ فیصدی اور معیار رہائش میں ۱۲ فیصدی ترقی کا تخمینہ لگایا اور کل مالیہ کا صرف ۱۶ فیصدی اس پلین پر صرف کرنا قرار پایا۔ بائیں پارٹی کا خیال تھا کہ حکومت کا ۹ فیصدی ترقی کا اندازہ بہت پست ہے ۱۸ یا ۲۰ فیصدی ترقی ہونی ممکن ہے۔ دنیا میں چونکہ اجتماعی طریقہ پیداوار کبھی جاری نہ ہوا تھا اس لئے اس طریقہ کار میں رفتار ترقی کا صرف اندازہ لگایا جا سکتا تھا۔ حکومت بائیں پارٹی کے اس اندازے کو نہ مانی اور طعن کے طور پر ٹراٹسکی وغیرہ کو صنعتی افلاطون کہا جانے لگا۔ حالات نے بائیں پارٹی کا اندازہ درست ثابت کر دیا پلین کے پہلے سال رفتار ترقی ۲۰ فی صدی سے بھی زیادہ ہوئی اور پنج سالہ پلین کو چار سال میں ختم کرنے کا تہیہ کر لیا گیا۔ اس سلسلہ میں اخبارات۔ ریڈیو۔ تقاریر۔ کتابچوں کے ذریعہ تمام روس سے یہ اپیل کی گئی کہ اقتصادی پلین چار سال کے اندر ختم کر دیں۔

حکومتِ روس نے امریکہ اور جرمنی سے ماہر انجنیر بہت معقول مشاہرے پر

بلوائے اور کرپ اور فورڈ کے آلاتی کارخانوں جیسے نہایت عظیم الشان کارخانے جاری کر دئے۔ ملک کو آلاتی بنانے کے لئے صرف بڑے کارخانے ہی کافی نہیں ہوتے بلکہ ان کے لئے تجربہ کار ماہر مزدوروں کی بھی اشد ضرورت ہوتی ہے۔ چند جرمن۔ امریکن انجنیر روسی جمہور کو فکر و فہم کیسے بخش سکتے تھے۔ آلاتی دَور کو کامیاب بنانے کے لئے متمدن انسانوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ پس افتادہ اور غیر متمدن ملک میں آلاتی دور کا اجراء آسان نہیں ہوتا تھا۔ ناخواندہ روسی مزدور کی ناتجربہ کاری اور بادہ خواری کا یہ نتیجہ ہوا کہ مزدور حادثات کرنے لگا۔ روس میں اگرچہ لینن کے دورِ حیات میں وڈ کا کا استعمال ممنوع قرار دے دیا گیا تھا۔ لیکن روس کے حکمران طبقہ نے اس کو سیاسی حربہ کے طور پر جمہور کے خلاف استعمال کیا۔ شراب پر ٹیکس لگا کر اس کو رواج دیا تاکہ حکمران طبقہ کے عیش کے لئے کافی مالیہ فراہم ہو جائے اور وہ اپنی آسودگی کے لئے ملک کی اقتصادی ترقی کا محتاج نہ رہے۔ نیز حکومت کا یہ بھی خیال تھا کہ جب جمہور اپنا زر و مال شراب نوشی پر صرف کر دیں گے تو ان میں دیگر ضروریات زندگی خریدنے کی استطاعت ہی باقی نہ رہے گی۔ اس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ ضروریات زندگی کے فقدان سے جو سیاسی بے چینی پیدا ہو رہی تھی اس کا سدباب ہو جائے گا اور حکومت غیر ممالک سے آلات خریدنے کے لئے ایک معتدبہ رقم بھی فراہم کر لے گی۔ تدبیر بُری نہ تھی اس نے وہ نتائج ضرور پیدا کئے جس کے لئے اس کا اجراء کیا گیا تھا لیکن مزدور بادہ نوش ہو گیا۔ بدمست و ناتجربہ کار مزدور کا حادثات کرنا لازمی تھا۔ چنانچہ مشینوں کا ٹوٹ جانا۔ انجن کا بند ہو جانا۔ بوائلر کا پھٹ جانا روزمرہ کا معمول ہو گیا۔ ان آلات کی درستی میں وقت لگتا تھا اور کارخانہ بند رہتا تھا۔ عجلت اور ناتجربہ کاری کی بنا پر فیکٹریاں تعمیر ہو گئیں لیکن ان کے قریب مزدوروں کی رہائش کا کوئی انتظام نہیں ہوا۔ مزدور منزلیں طے کر کے آتے۔ فیکٹری تک پہنچنے میں ان کی تمام جسمانی قوت صرف ہو جاتی

تھی۔ کارخانے سے برخاستگی اور راشن کارڈ کے چھن جانے کا خوف ان کو مشین پر لاکر کھڑا کر دیتا لیکن جب جسم میں جان نہ ہو اور کام کرنے کو دل نہ چاہے ان حالات میں حادثات ہونے لازمی تھے۔ جن مقامات پر کارخانوں سے قریب مزدوروں کے لئے بارکیں بنا دی گئی تھیں یا جہاں سواری کا انتظام کر دیا گیا تھا وہاں سڑکیں۔ نالیاں پانی۔ بجلی مفقود تھی۔ ان ضروریات زندگی کی عدم موجودگی میں غلاظت سے آب وہوا کا خراب ہو جانا اور متعدد مہلک بیماریوں کا پھیل جانا ناگزیر تھا۔ چنانچہ ہزاروں مزدور مہلک بیماریوں کا شکار ہو جاتے تھے۔ اہم صنعتی ترقیتی مرکزوں مثلاً اسٹالن گریڈ۔ کارکوف گورکی۔ کمنی ٹوگورشی وغیرہ کا دورہ کرنے کے بعد بنیادی صنعتوں کے کمیسار نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"ایک بھی پختہ مکان تعمیر نہیں ہوا ہے نالیاں ہنوز غائب ہیں ہر سمت غلاظت کے انبار لگے ہوتے ہیں۔ مزدوروں کی بارکیں بہت، گندی ہیں چھتیں ٹپکتی ہیں۔ کھانے کے کمرے غلیظ ہیں اور سب سے زیادہ شرمناک امر یہ ہے کہ مزدور کا روزینہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جاتی ہے اور اس طرح مزدور کو مقررہ روزینہ سے کم دیا جاتا تھا۔ مشین کے بہت سے حصے مکمل طور پر تیار نہیں ہونے پاتے کہ ان کو استعمال کیا جانے لگتا ہے مشینوں کو برف سے بچانے کا کوئی معقول انتظام نہیں۔ سردی کی وجہ سے مشینیں چلنی بند ہو جاتی ہیں۔"

یہ سب خرابیاں حکمران طبقہ کی عجلت کا نتیجہ تھیں۔ اگر حکمران طبقہ چار سال غفلت میں نہ گذارتا اور دور اندیشی سے کام لے کر بائیں پارٹی کی تدابیر قبول کر لیتا تو اسٹالن اور اس کے شرکار کار کے بجائے ٹراٹسکی اور اس کے شرکار کار تو ضرور برسر اقتدار آجاتے لیکن روس کو آلاتی بنانے کی قیمت لاکھوں انسانوں کی جانوں سے نہ ادا کرنی پڑتی۔

شاید غیر متمدن ملک کے جمہور کی جان قابل قدر ہوتی بھی نہیں۔ اس لئے حکمران طبقہ کا مزدور کی جان سے لاپروا ہونا قابل ملامت نہیں۔ خاص کر جب کہ ان مزدوروں میں زیادہ تعداد ان متوسط اور امیر زمینداروں اور ان کے خاندان والوں کی تھی جو اشتمالیت کی ترقی میں مشکلات پیدا کر رہے تھے یا ان سیاسی قیدیوں کی تھی جو حکومت پر نکتہ چینی کرتے رہتے تھے اور اس بنا پر حکومت کی نظر میں قابل استیصال تھے حکمران طبقہ کی کوتاہ نظری سے جو تخریبی حالات پیدا ہوتے تھے اس کی ذمہ داری بائیں یا دائیں پارٹی پر رکھ دی جاتی تھی۔ اگر بیماریوں سے مزدور ہلاک ہوتے تو یہ کہدیا جاتا کہ بائیں پارٹی کے ممبروں نے مزدوروں میں مہلک بیماریوں کے جراثیم پھیلا دیتے ہیں۔ اگر بوائلر پھٹتا تو یہ کہا جاتا کہ بائیں پارٹی نے فیکٹری اڑانے کی سازش کی تھی اور حسب دستور بائیں پارٹی کے کارکنوں پر مقدمے چلائے جاتے اور ان کا استیصال کر دیا جاتا لیکن یہ تدابیر اس حقیقت کو نہ بدل سکیں کہ روس میں مزدور آمریت کے قیام کے باوجود مزدور کا روزینہ تولتے وقت ڈنڈی ماری جاتی تھی اور حکمران طبقہ اپنی ناتجربہ کاری اور کم فہمی کی بنا پر غیر ارادی طور پر صنعت و حرفت میں بدنظمی پیدا کر رہا تھا۔

پنج سالہ پروگرام میں سب سے زیادہ فروگذاشت ذرائع رسل و رسائل ہوئی اقتصادی ترقی کے لئے جہاں ان ذرائع کی افزائش ضروری ہوتی ہے وہاں یہ بھی لازمی ہوتا ہے کہ موجودہ ریل کی پٹڑیوں۔ پلوں وغیرہ کی مرمت کی جاتے۔ مغربی ممالک کے حملوں سے دور کوہ یورال میں قدرت نے متعدد معدنیات تو دی تھیں لیکن کوئلہ دور دراز ڈونبیسن یا سائبیریا سے لانا پڑتا تھا۔ دوسرے یورال کے کارخانوں کی تیار شدہ اشیاء روس کے گوشے گوشے میں پہنچانی پڑتی تھیں۔ تیسرے اقتصادی ترقی کے ساتھ ساتھ مسافروں کی آمد و رفت بھی پہلے سے زیادہ ہوگئی تھی۔ ان حالات کا یہ نتیجہ ہوا کہ پٹڑیاں۔ پل۔ گاڑیاں۔ سڑک وغیرہ استعمال کی زیادتی کی بنا پر بہت تیزی سے خراب ہو نا شروع ہوگئیں اور تباہ کن حادثات واقع

ہونے لگے ۲۹-۱۹۲۸ء میں ۷،۲،۵،۱۰ حادثات ہوئے اور ۱۹۳۰ء میں نصف سال کے اندر اندر حادثات کی تعداد ۱۴۰۴۶ تک پہنچ گئی۔ ہر حادثے کو باغیں پارٹی کی سازش کھٹیا دیا جاتا تھا اور چند انجنیر چند پلیننگ کمیشن کے ممبر اور متعدد مزدور نذرِ دار ورسن کردیتے جاتے تھے۔

مزدور کی ناتجربہ کاری اور حکومت کی غیر محتاط عجلت سے جو شدید نقصانات پہنچے ان کے باوجود اس امر سے انکار نہیں ہوسکتا کہ اجتماعی طریقہ کار میں ترقی کی رفتار انفرادی طریقہ پیداوار سے کئی گنا زیادہ ہوتی ہے۔ اگر مغربی ممالک روس سے عدم تعاون نہ کرتے یا انقلاب کے بعد روس میں طلاء و نقرہ اور غیر ممالک کے سکہ کی کمی نہ واقع ہوتی تو باوجود ایک پس افتادہ زراعتی ملک ہونے کے روس اجتماعی طریقہ پیداوار کے ذریعہ سے بہت ہی قلیل عرصے میں امریکہ اور جرمنی کے دوش بدوش آکھڑا ہوتا۔ یہ اجتماعی طریقہ پیداوار اکتوبر کے انقلاب کا مرہونِ منت ہے اور صرف یہ واحد امر کہ انقلاب کے بعد اجتماعی طریقہ پیداوار جاری کیا گیا۔ اس حشر انگیز انقلاب کے جواز کے لئے کافی ہے۔

پہلی پلین کے زمانہ میں چونکہ تمام تر زور مشینوں۔ آلات۔ ٹریکٹر۔ موٹروں۔ انجن اور سامانِ حرب بنانے کے کارخانوں پر تھا۔ اس لئے روزمرہ کے استعمال کی اشیاء کا قحط ہی رہا۔ اس زمانہ میں تمام روس مفلوک الحال لوگوں کی ایک وسیع بستی معلوم ہوتا تھا اور بس۔ ضروریاتِ زندگی کے فقدان نے تمام روس کو ستایا ہوا تھا۔ دوسری پنج سالہ پلین میں روزمرّہ کی ضرورت کا سامان بہت بڑی تعداد میں بنایا گیا۔ اگرچہ اس کی قسم بہتر نہ ہوتی تھی۔ یہ پلین ۱۹۳۷ء میں ختم ہوئی۔ اس کی تکمیل میں کل چونسٹھ اَرب روبل صَرف ہوئے۔ اس رقم میں سے تیس ۳۰ ارب پچاس کروڑ روبل آلاتی ترقی اور برقی اسٹیشنوں کی تعمیر میں کام آئے۔ دس ارب روبل ذرائع رسل ورسائل کی ترقی پر اور پینتیس ارب روبل زراعت پر خرچ ہوئے۔ ترقی کی رفتار کا مندرجہ ذیل اعداد وشمار سے اندازہ ہوسکتا ہے۔

	۲۹-۱۹۲۷ء کے اعداد و شمار	پلین کا تخمینہ	۱۹۳۲ء کے اعداد و شمار
کوئلہ	۳۵,۴۰۰,۰۰۰ ٹن	۷۵,۰۰۰,۰۰۰ ٹن	۶۴,۲۰۰,۰۰۰ ٹن
تیل	۱۱,۶۰۰,۰۰۰ ٹن	۲۲,۰۰۰,۰۰۰ ٹن	۲۱,۴۰۰,۰۰۰ ٹن
لوہا خام	۳,۳۰۰,۰۰۰ ٹن	۱۰,۰۰۰,۰۰۰ ٹن	۵,۸۹۰,۰۰۰ ٹن
تانبہ	۲۸,۳۰۰ ٹن	۴۷,۷۰ ٹن	۴۷,۲۰۰ ٹن
سوتی دھاگا	۲,۸۷۱,۰۰۰,۰۰۰ میٹر	۴,۷۰۰,۰۰۰,۰۰۰ میٹر	۲,۵۴۰,۰۰۰,۰۰۰ میٹر
سپر فوسفیٹ	۱۵۱,۴۰۰ ٹن	۳,۴۰۰,۰۰۰ ٹن	۶۱۲,۸۰۰ ٹن

ان اعداد و شمار سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ۱۹۲۷ء کے مقابلہ میں ۱۹۳۴ء میں سوائے رُوئی کے دھاگے کے اور سب اشیاء کی پیداوار میں معتد بہ اضافہ ہوا۔ باوجود اس ترقی کے اگرچہ امریکہ اور مغربی یورپ کی نسبت روس پست ہی رہا لیکن پنج سالہ پلین کے تجربہ سے یہ ثابت ہو گیا کہ اشتراکی طریقہ کار سے بہت کم عرصے میں حیرت انگیز اقتصادی ترقی ہو سکتی ہے۔

پہلی پنج سالہ پلین کے سلسلہ میں دو امر قابل ذکر ہیں اول یہ کہ چونسٹھ ارب روبل کی رقم کس طرح فراہم کی گئی دوم یہ کہ زراعت کو کس حکمت عملی سے آلاتی بنایا گیا۔ آلاتی ترقی کے لئے سرمایہ فراہم کرنے کے سلسلے میں ٹراٹسکی اور اسٹالن کی پارٹیوں میں جو ردّ و قدح ہوتی رہتی تھی۔ اس کا ذکر گذشتہ ابواب میں ہو چکا ہے۔ یہاں صرف یہ عرض کرنا کافی ہو گا کہ حکومت نے اس رقم کا کثیر حصہ غلّہ کی شکل میں کولک اور متوسط زمیندار سے جبر یہ فراہم کیا اور اس کی برآمد سے غیر ممالک سے مشینیں وغیرہ درآمد کیں (کولک کے لغوی معنی مٹھی کے ہیں اصطلاحاً اس شخص کو کہتے ہیں جس نے روپیہ کے زور سے تمام گاؤں یا قصبہ کو اپنی مٹھی میں لے رکھا ہو) کولک اور متوسط درجہ کے زمیندار کے استیصال کے سلسلہ میں حکومت نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ملک کے ہر گوشے میں غلّہ فراہم کرنے اور اجتماعی طریقہ پیداوار جاری

کرنے کے لئے مسلح کمیونسٹ روانہ کر دتے۔ متوسط درجے کے کسان نے جب کولک کا
مال و متاع غصب ہوتے دیکھا تو اس کو اپنی پونجی کی فکر پڑ گئی۔ متوسط زمیندار نے
اسی کو مفید خیال کیا کہ کولک کے ساتھ تعاون کرے۔ دیہات میں امیر اور متوسط
زمینداروں کا وہاں کے غریب طبقہ پر اثر ہوتا ہی ہے اس طرح غریب طبقہ کا کچھ حصّہ
بھی امیر کے حق ملکیت کے تحفظ میں سرگرم ہو گیا۔ ان تینوں عناصر نے کمیونسٹ کے
خلاف مزاحمت کی اُدھر سے تشدّد ہوا۔ چنانچہ دیہات میں حشر برپا ہو گیا۔ حکومت کے
مُسلح سفیروں کو غلہ سپرد کرنے کی بجائے زمینداروں نے اپنی سنہری کھیتیاں اور غلّہ کے
ذخیرے نذرِ آتش کر دئے۔ نہ صرف یہ بلکہ مویشی اور چوپائے بھی ذبح کر ڈالے تاکہ حکومت
کے ہاتھ نہ پڑیں مُسلح کمیونسٹوں کے سامنے رجعتی عناصر کی جدوجہد بیکار ثابت ہوئی حکومت
نے کولک و متوسط زمیندار کی آراضی۔ زر و مال۔ ہل۔ باقی ماندہ غلے مویشیوں اور چوپایوں
پر قبضہ کرنے کے بعد دیہات میں اجتماعی زراعت شروع کر دی اور لاکھوں زمینداروں
اور ان کے گھر والوں کو دور و دراز مقامات پر مشقت کے کاموں پر متعین کر دیا۔

ایک زراعتی ملک میں دو کروڑ پچاس لاکھ کسان اگر حکومت کے ساتھ عدم تعاون
کرنے لگیں تو وہ کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ باوجود اس امر کے کہ حکومت نے انفرادی کاشت
پر ٹیکس بڑھا دئے اور اجتماعی فارم پر نہ صرف ٹیکس مختصر کر دئے بلکہ ان کو ہر قسم کی مدد دی
انفرادیت پسند کسان اجتماعی فارم میں شرکت کرنے پر راضی نہ ہوا۔ حکومت نے اس جواب
میں انفرادی کاشت پر اتنا ٹیکس لگا دیا کہ کسان کے پاس کچھ نہ بچتا تھا۔ کسان نے یہ دیکھ
کر کہ حکومت سب غلہ ٹیکس کی شکل میں جبراً لے جاتی ہے۔ صرف اتنا غلہ پیدا کیا کہ اس کے
گھر والوں کے لئے کافی ہو۔ اور بس۔ (سنہ ۱۹۲۶ء میں روس کی کل آراضی کے ۳ فیصدی حصے
پر اجتماعی فارم قائم کئے گئے لیکن سنہ ۱۹۳۰ء میں ۲۳ر۶ فیصدی سنہ ۱۹۳۱ء میں ۵۲ر۷ فی
صدی اور سنہ ۱۹۳۴ء میں ۶۱ر۵ فیصدی آراضی کو اجتماعی فارم میں تبدیل کر دیا گیا) ابتداءً

کسان غلہ کے لئے حکومت کے سامنے احتجاج کے مظاہرے کرتا رہا۔ پھر اس نے غلہ بونا چھوڑ دیا۔ کسان نے غلہ نہ بویا تو تمام ملک میں ہر شے کا قحط پڑنے لگا۔ فوجی چھاؤنیوں صنعتی وحرفتی شہروں۔ مزدور طبقہ۔ حکومت کے عمال اور پارٹی ممبروں کے سامنے موت آکھڑی ہوئی۔ ۱۹۳۰ء میں غلہ کی پیداوار ۱۳۵۰ لاکھ ہنڈرویٹ تھی۔ دو سال بعد ۷۰۰۰ لاکھ رہ گئی۔ بظاہر غلہ کی یہ کمی معنی خیز معلوم نہیں ہوتی۔ لیکن واقعہ یہ تھا کہ یہ کمی یعنی ۱۳۵۰ لاکھ ہنڈرویٹ تمام روس کی پیداوار کا وہ حصہ تھا جو شہروں اور بحری وبری فوج کے لئے روانہ کیا جاتا تھا۔ شکر ۱۰۹۰ لاکھ پونڈ سے کم ہو کر صرف ۴۸۰ لاکھ پونڈ رہ گئی لیکن سب سے زیادہ کمی حیوانات کی دنیا میں واقع ہوئی۔ گھوڑوں کی تعداد ۳۴۰ لاکھ سے کم ہو کر ۱۵۰ لاکھ مویشی ۲۱۰ لاکھ سے ۱۹۵ لاکھ رہ گئے۔ خنازیر میں ۵۵ اور بھیڑوں میں ۶۶ فیصدی کی کمی واقع ہو گئی۔ ان تباہ کن حالات سے متاثر ہو کر حکومت نے اپنی پالیسی تبدیل کر دی۔ اس سلسلہ میں استالن نے ایک تقریر کے دوران میں اس عجلت اور جبر وقہر کی تمام ذمہ داری چھوٹے افسران پر ڈالی اور کہہ دیا کہ انھوں نے کامیابی کے نشے میں سرشار ہو کر بہت سی زیادتیاں روا رکھیں۔ حالانکہ حکومت کے اتنے سخت احکامات نہ تھے۔ اس تقریر میں یہ اعلان بھی کر دیا گیا کہ کسان اجتماعی فارم میں شریک ہونے کے باوجود ایک مکان اس کے ساتھ ایک باغیچہ ایک گائے اور مرغیاں وغیرہ رکھ سکتا ہے۔ باغیچہ میں ترکاریاں وغیرہ بو سکتا ہے اور یہ سب اشیاء اس کی ذاتی ملکیت متصور کی جائیں گی۔

اگرچہ حکومت نے مصلحت دیکھ کر یہ مراعات کسان کو دے دیں۔ لیکن کسان کی مخالفت کو قطعی طور پر فنا کرنے کا تہیہ کر لیا۔ قدرت نے حکومت کو کسان کی انفرادیت پسندی کو ختم کرنے کا موقعہ جلد ہی دے دیا۔ ۱۹۳۱ء میں خشک سالی کی وجہ سے فصل خراب ہوئی۔ حکومت نے کسان سے اس طرح انتقام لیا کہ اس پر لگان بجائے کم کرنے کے

اور زیادہ کر دیا۔ اس سے کسان کی حالت بہت زیادہ خراب ہوگئی۔ ۱۹۳۲ء میں اگرچہ بارش خوب ہوئی لیکن کسان نے حکومت کے ٹیکس بڑھاتے اور جبریہ غلہ فراہم کرنے کا یہ جواب دیا کہ آراضی کا بہت کم حصہ کاشت کیا۔ اتنا کم کہ حکومت کا لگان بھی پورا نہ ہوا۔ حکومت نے لگان کی وصولی میں سختی سے کام لینا شروع کر دیا۔ اس لئے جو غلہ اس سال پیدا ہوا تھا وہ اور غلہ کی جو کھیتیاں زمینداروں نے محفوظ کر رکھی تھیں لگان کے عوض میں سب پر قبضہ کر لیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ قحط پڑنے لگا۔ قحط متعدد بیماریاں ساتھ لاتا ہے۔ کسان بھوک کا شکار ہونے لگا۔ لاکھوں نے بھوک کی شدت سے دم توڑا جو بھوک سے نہ مرے وہ مہلک بیماریوں کا لقمہ بنے۔ حکومت کے پاس اگرچہ ضرورت سے زیادہ غلہ موجود تھا لیکن وہ انفرادیت پسند کسانوں کی کیوں مدد کرتی۔ حکومت قحط کی تردید کرتی رہی اور یہی کہتی رہی کہ دیہات میں بدستور سابق خوشحالی ہے البتہ حکومت نے غیر ممالک کے اخباری نمائندوں کو ماسکو سے باہر دیہات میں جانا ممنوع قرار دے دیا تاکہ وہ قحط کے حالات نشر نہ کرنے پائیں۔ ماہ ستمبر تک اخباری نمائندوں پر یہ قیود عائد رہیں جب ستمبر میں دوسری فصل کٹ چکی اور ہزاروں نعشیں گل سڑ چکیں تو یہ قیود بھی ہٹالی گئیں۔ اس طرح قحط کے ذریعہ سے حکومت نے انفرادیت پسند کسان کو فنا کر دیا جو کسان مجبوراً اجتماعی فارم میں با دل نخواستہ کام رہے تھے انھوں نے حکومت کا سخت رویہ دیکھ کر اور یہ محسوس کر کے کہ اجتماعی فارم دیہاتی زندگی کا جزو بن گئے ہیں۔ اب تیز رفتاری سے کام کرنا شروع کر دیا۔ بغاوتی عناصر کو دبانے کے لئے قحط ڈال دینا بہت موثر ثابت ہوتا ہے۔ اگر اہل دل و دماغ روس میں برسر اقتدار ہوتے تب یہ امر یقینی تھا کہ جس طرح روس کے رجعتی جنرلوں اور شہنشاہیت پسند روسی سپاہیوں کو مزدور آمریت کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ کیا گیا تھا۔ اس طرح بلا شدید جبر و تشدد کے انفرادیت پسند کسان کو رام کر لیا جاتا لیکن اس کا کیا کیا جائے کہ روس میں زمام حکومت غیر متمدن لوگوں کے ہاتھ میں ہے۔

لیکن یہ امر اطمینان بخش ہے کہ بصد خرابی سہی لیکن روس میں ملکیت کی نوعیت اگرچہ اشتمالی نہیں لیکن انفرادیت کا بڑی حد تک خاتمہ ہو چکا ہے ۱۹۳۴ء میں رحمت باراں جوش میں آیا اور روس کی زرخیز زمین نے سونا اگلنا شروع کر دیا۔ اس سال سے حکومت نے کسان پر ایک لگان مقرر کر دیا اور یہ وعدہ کیا کہ سال کے دوران میں کسان سے کوئی مزید مطالبہ نہیں کیا جائے گا۔ مسٹر موریس ہنڈس پہلی پنج سالہ پلین کے زمانہ کے چشم دید حالات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"روس کا تمام سامان خوردنی مشینوں کی درآمد کی عوض میں بیرونی ممالک کو برآمد کر دیا گیا تھا۔ برلن میں میں نے روسی شراب۔ روسی لحم۔ روسی مکھن بہ نسبت روس کے بہت ارزاں قیمت پر خریدا۔

"میں روس میں کپڑا تیار کرنے کے ایک کارخانہ میں گیا۔ وہاں مزدوروں کے ہوٹل میں کھانا کھایا۔ ایسا بد ذائقہ کھانا میں نے اپنی عمر میں کبھی نہ کھایا تھا۔ سبزی کا پتلا شوربہ تھا اس پر چکنائی کے چند نشان تیر رہے تھے گوشت کا نام و نشان بھی نہ تھا۔ کالی روٹی ٹھنی مزدور کھانے کو کالیاں دیتے جاتے تھے اور کھاتے جاتے تھے۔

حکومت نے دو کانیں کھول رکھی تھیں جن پر صرف غیر ممالک کے سکے یا سونا چاندی کے عوض اجناس خریدی جا سکتی تھیں۔ غیر ممالک کے باشندے یا خوش حال روسی جن کے پاس سونا چاندی تھا وہ ان دوکانوں سے فائدہ اٹھاتے تھے روسیوں کے پاس جب سونا چاندی ختم ہو جاتا تھا تو وہ اپنے قیمتی کپڑے آرائش کا سامان نادر اشیاء غیر ملکیوں کے ہاتھ بہت ارزاں قیمت پر فروخت کرنے کے لئے سڑکوں پر پھرتے تھے تاکہ غیر ملکی سکہ دستیاب ہو جاتے اور ان دوکانوں سے اشیاء خوردنی

خرید سکیں یہ دوکانیں حکومت کا غیر ممالک کا سکہ اور طلاء ونقرہ جمع کرنے کا
ایک حربہ تھیں اگر کوئی روسی دعوت کرتا تھا تو مدعوئین اپنا راشن ساتھ
لاتے تھے غیر ملکیوں کو خاص طور پر مدعو کیا جاتا تھا چونکہ وہ خوش ذائقہ
اشیا خوردنی اپنے ساتھ لاتے تھے۔ سینما میں کافی مجمع رہتا تھا چونکہ
وہاں گوشت کے سنڈوچ۔ عمدہ پیسٹریاں زیادہ شکر کی چائے مل جاتی تھی
سرمایہ دار ممالک میں مزدور وغیرہ کو زیادہ کام کرنے کی ترغیب اس طرح
دی جاتی ہے کہ اس کی تنخواہ میں اضافہ کردیا جاتا ہے لیکن روس میں
جبر وقہر کے ذریعہ سے زیادہ اور بہتر کام کرنے پر مجبور کیا جاتا ہے کام
میں تساہل یا فروگذاشت کرنے پر قید۔ جلاوطنی اور قتل عام سزائیں
ہیں مشہور ومعروف بولشیوک ایک رات میں غائب ہوجاتے ہیں۔ مشہور
انقلابی جو خانہ جنگی کے دوران میں شہنشاہیت پسند جنرلوں کے خلاف لڑتے
تھے ان کو معمولی معمولی لغزشوں پر خفیہ عدالتوں کے سپرد کردیا جاتا ہے
جو ان کا استیصال کردیتی ہے۔ ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ میں ایک فارم پر
تھا۔ فارم منیجر سے کچھ غلطی ہوئی تو اس کو سزا کے طور پر چپراسی بنا دیا گیا۔
اس کی بیوی رونے لگی چونکہ اب ان کو اس کشادہ گھر کو خیرباد کہنا پڑ رہا
تھا جس میں وہ بحیثیت منیجر کے رہا کرتا تھا۔ لیکن منیجر ہنس کر کہہ رہا تھا
"میں خانہ جنگی کی مصیبت سے عہدہ برا ہوگیا اس سے بھی ہوجاؤں گا"
پنج سالہ پلین کا زمانہ دراصل روس میں مارشل لا کا زمانہ تھا۔ کاریگر مزدور یا انجنیر کو
اگر گھر آنے میں دیر ہوجاتی تو گھر والے خوف سے سہم جاتے کہ کہیں استیصال تو نہیں کردیا گیا
کبھی تو گھر والا کچھ دیر بعد آجاتا اور گھر میں عید ہوجاتی کبھی اس کے کپڑے آجاتے جس کے
معنی یہ ہوتے تھے کہ اس کا استیصال کردیا گیا اور گھر ماتم کدہ بن جاتا۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے

کہ ایک انجنیر کارخانے سے گھر واپس نہ لوٹا ایک ہفتہ کے بعد گھر والوں کو معلوم ہوا کہ تخریب (سبوتاج) کے الزام میں قتل کر دیا گیا کچھ عرصے بعد حکومت نے گھر والوں کو اطلاع دی کہ غلطی سے اس کو قتل کر دیا گیا چونکہ بعد میں تحقیقات پر علم ہوا کہ وہ بے گناہ تھا اگرچہ وہ خود فوت ہو چکا تھا لیکن حکومت نے اس کا حقِ شہریت بحال کر دیا اس کا یہ مفہوم تھا کہ اس کے پس ماندگان کو از سرِ نو شہری حقوق مل گئے۔ روس کے دورے سے میں واپس ہوا تو بخارن سے راستہ میں اتفاقیہ ملاقات ہوگئی وہ دیہات کے حالات دریافت کرنے لگے میں نے دیہات کی ابتری کا حال سُنا دیا اس پر بخارن نے کہا امید بہتری ہی کی رکھنی چاہیئے۔

روس میں زراعت کے لئے تین قسم کے ادارے تخلیق کیئے گئے ہیں:۔

(۱) اجتماعی فارم۔ اس فارم میں پیداوار۔ ذرائع پیداوار مثلاً بیج۔ مویشی وغیرہ اجتماعی فارم کی ملکیت ہوتے ہیں۔ فارم پر تمام کام کرنے والوں کی حیثیت مزدور کی ہوتی ہے محنت کا پیمانہ۔ اوسط درجہ کے مزدور کی ایک روز کی محنت ہے۔ جو شخص جتنے روز اور جس نوعیت کا کام کرتا ہے اس کا ایک رجسٹر میں اندراج کر لیا جاتا ہے۔ اوسط کے مزدور کی ایک روز کی محنت کی اجرت غلّہ وسکہ وغیرہ میں مقرر ہے۔ مختلف قسم کی محنتوں کا معاوضہ مختلف ہوتا ہے کیفیت اور کمیت کے اعتبار سے ہر کام کی اجرت الگ الگ ہے۔ مثلاً ایک ٹریکٹر چلانے والے کی ایک روز کی محنت اوسط کے مزدور کے چند روز کی محنت کے برابر شمار ہوتی ہے جو مزدور ایک دن میں ۱۰ پُولے باندھتا ہے اس کی ایک روز کی محنت اوسط کے مزدور کی زیادہ روز کی محنت کے برابر شمار ہوتی ہے وغیرہ۔ مختلف قسم کی محنتوں کی آپس کی نسبتیں متعین ہیں اور انواع و اقسام کی محنتوں کو اوسط کے مزدور کی محنت میں تحلیل کر دیا جاتا ہے اور اسی حساب سے اجرت دی جاتی ہے اگر یہ فرض کر لیں کہ ایک ٹریکٹر چلانے والے کی ایک روز کی محنت اوسط کے مزدور کی چار روز کی محنت کے برابر ہے اور اوسط کے مزدور کی ایک روز کی محنت کی

اجرت دس سیر غلہ ہے تو اجرت مندرجہ ذیل حساب سے دی جائے گی۔

ٹریکٹر چلانے والا	محنت کی مقدار	نسبت	کل مقدار محنت	اجرت
	۴ روز	ایک روز کی ٹریکٹر چلانے والے کی محنت = اوسط کے مزدور کی چار روز کی محنت	۱۶ روز	۴ من غلہ
اوسط کا مزدور	۴ روز	———	۴ روز	ایک من

اگر یہ فرض کر لیں کہ ان دونوں کی سعی سے ۱۰ من غلہ پیدا ہوا تو اس کی تقسیم اس طریقہ پر ہوگی۔

حکومت کا لگان = ۳ من غلہ

اجرتیں ۵ من غلہ

بقیہ ۲ من غلہ کے ۲۰ حصے کر لئے جائیں گے جن میں سے ۱۶ حصے ٹریکٹر چلانے والے اور چار حصے اوسط کے مزدور کو دونوں کی محنت کی نسبت سے ملیں گے۔ اجرتیں غلہ اور دوسری ضروریات کی شکل میں ملتی ہیں۔ اس فارم میں کام کرنے والے ایک مکان اس کے ساتھ ایک باغیچہ۔ ایک گائے۔ ایک بکری اور مرغیاں وغیرہ رکھ سکتے ہیں جو ان کی ذاتی ملکیت تصور کی جاتی ہیں۔

(۲) اشتمالی فارم:۔ اس قسم کے فارم کم ہیں۔ ان میں کوئی بھی شے کسی کی ملکیت نہیں ہوتی۔ خورد و نوش و رہائش مشترکہ ہوتی ہے مکانوں کی کیفیت و کمیت میں فرق کے باوجود اجرتوں میں فرق نہیں ہوتا۔ یہ خالص اشتمالی فارم ہیں لیکن اب حکومت کے اشارے سے اجرتوں میں اختلاف پیدا کر دیا گیا ہے تاکہ نفع کا عنصر زیادہ محنت کا محرک بن جائے اور پیداوار زیادہ ہو۔ یہ فارم غریب کسانوں اور جوشیلے غیر ملکی کمیونسٹوں کے جاری کئے ہوتے ہیں۔

(۳) حکومت کا فارم:۔ جو آراضیات غیر افتادہ پڑی ہوئی تھیں ان پر حکومت نے بہت وسیع فارم جمع کر دئے ہیں جن میں ہر شے کاشت کی جانے لگی ہے لیکن ان کی مالی و انتظامی

حالت اجتماعی اور اشتمالی فارموں کی نسبت خراب ہے۔ اجتماعی فارم کا ٹریکٹر اور دوسری زراعتی مشینیں اپنے استعمال کے لئے خریدنا قانوناً ممنوع ہے۔ حکومت نے متعدد مقامات پر ٹریکٹر مستقر تعمیر کر دیتے ہیں۔ گرد و نواح میں جس فارم کو جس مشین کی ضرورت ہوتی ہے وہ اس اسٹیشن سے کرائے پر لے جاتے ہیں۔ شادی وغیرہ کے موقع پر دولھا دلہن ٹریکٹر میں بیٹھ کر نکاح کے لئے جاتے ہیں خوشی کے موقعوں پر ٹریکٹر پر سواری کی جاتی ہے۔ اب ٹریکٹر کسان کی زندگی کا ایک جزو بن گیا ہے۔ تمام روس میں قریب دو لاکھ ٹریکٹر اور ۲۰۰۰ ٹریکٹر اسٹیشن ہیں۔ ٹریکٹر کے استعمال کی فیس کل پیداوار کا ۲۰ فیصدی تک ہوتی ہے۔ ٹریکٹر چلانے والے حکومت کے سیاسی کارکن بھی ہوتے ہیں اور کسانوں کی ہر تحریک اور رجحان کی اطلاع حکومت کو دیتے رہتے ہیں۔

یہاں پر یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ اجتماعی فارم جو تعداد میں سب سے زیادہ ہیں انکی ملکیت کی نوعیت اشتمالی نہیں بلکہ گروہی ہے۔ فارم کی آراضی تمام قوم کی ملکیت نہیں ہوتی بلکہ صرف فارم کے افراد کی ملکیت ہوتی ہے اگرچہ انفرادی ملکیت کے مقابلہ میں یہ ملکیت کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے لیکن ملکیت کے اشتمالی تخیل سے بہت پست ہے مختلف مقامات کے اجتماعی فارموں کی آمدنی میں نمایاں فرق ہے۔ جو فارم زرخیز زمین کے مالک ہیں جن میں قیمتی اجناس پیدا ہوتی ہیں اور وہ بڑے شہروں سے بھی قریب ہیں وہ لکھ پتی فارم کہلاتے ہیں انکی آمدنیاں دور افتادہ کم زرخیز فارموں سے کہیں زیادہ ہیں۔ لکھپتی فارموں پر کام کرنے والے افراد کم مایہ فارموں پر کام کرنے والوں سے زیادہ امیر ہیں آمدنی کا یہ فرق طبقاتی تفریق پیدا کرتا ہے۔

دوسری اقتصادی پلین ۱۹۳۳ء میں شروع ہو کر ۱۹۳۷ء میں اختتام پر پہنچی۔ اس پلین کا یہ مطمح نظر تھا کہ روس میں ۱۹۱۴ء کی اقتصادی حالات سے آٹھ گنی زیادہ ترقی ہو جاتے اس پلین پر ۱۳۳۰۰۰۰۰۰۰۰۰ روبل (ایک کھرب تینتیس ارب) خرچ کرنے کا مالیہ تیار کیا گیا اس پلین کے دو مقصد تھے ایک یہ کہ روس کو اتنی زبردست آلاتی ترقی دے دی جائے کہ وہ

آلات اور کلوں کے لئے ترقی یافتہ ملکوں کا دستِ نگر نہ رہے۔ دوسرے یہ کہ زراعت کو مکمل طور پر آلاتی بنا دیا جائے۔ نیز ذرائع رسل و رسائل کی ترقی و توسیع پر بھی خاص توجہ کی جائے۔ اس پلین کے ذریعہ سے ۱۹۲۹ء کی اقتصادی حالت میں ۷۰۰ فیصدی ترقی ہوئی اس سلسلہ میں حسب ذیل اعداد و شمار دلچسپ ہیں۔

	۱۹۱۳ء کے اعداد	۱۹۳۷ء کے اعداد
غلہ	۴،۸۰۰،۰۰۰ پونڈ	۶،۸۰۰۰،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ
روئی	۴۴،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ	۱۵۴،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ
سن	۱۹،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ	۳۱،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ
گنا وغیرہ	۶۵۴،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ	۱،۳۱۱،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ
تیل والا بیج	۱۲۹،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ	۳۰۶،۰۰۰،۰۰۰ پونڈ

۹۳ فیصدی کسانوں نے اجتماعی فارموں میں شرکت قبول کرلی۔ روس کی کل زرخیز آراضی کے ۹۹ فی صدی میں اجتماعی طور پر کاشت ہونے لگی۔ البتہ مویشیوں کی تعداد ہنوز کم رہی۔

اس زمانہ میں مشین کلیں۔ آلات۔ انجن۔ ٹریکٹر۔ بحری جہاز۔ ہوائی جہاز۔ ٹینک۔ توپیں مشین گنیں اور دیگر سامان حرب بھی بہت بڑی تعداد میں تیار ہونے لگا۔

اس زمانہ میں سیٹا کانو واسٹ کی ایک تحریک شروع ہوئی جس کا مقصد روسی مزدور کی آلاتی اہلیت کو تیز کرنا تھا۔ ۱۹۳۳ء کی بہ نسبت اب مزدور دوگنی اشیاء تیار کرنے لگا اور اسی نسبت سے اُجرت بڑھ گئی۔ پہلے اجتماعی فارم پر کام کرنے والے ایک دن میں اوسط کی محنت کے مطابق ایک یا دو کلو گرام غلہ کماتے تھے اب ان کی کام کرنے کی اہلیت اتنی بڑھ گئی کہ اوسط کے مزدور پانچ سے لگا کر بارہ کلو گرام غلہ علاوہ سکہ اور دوسری اجناس کے کمانے لگے۔

اس ترقی کے باوجود ہنوز یہ کہنا غلط ہوگا کہ روس مغربی ممالک کے دوش بدوش آگیا ہے۔ موٹریں۔ ٹرک وغیرہ اتنے کمزور اور خراب بنتے ہیں کہ تیار ہونے کے قلیل عرصہ کے بعد ہی ۵۵ فیصدی قابل مرمت ہو جاتے ہیں۔ اگر تیار کرنے اور مرمت کی لاگت کو جمع کر دیا جاتے تو موٹریں تیار کرنے پر خرچ دوسرے ممالک سے بہت زیادہ ہوتا ہے۔ حکومت کے محکمہ اخراجات کا بیان ہے:۔

"موٹروں وغیرہ کی مرمت کا صرف ان اشیاء کے تیار کرنے کی لاگت کو بہت زیادہ کر دیتا ہے" اخبار پراودا اس پہلو پر نکتہ چینی کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"تیار شدہ اشیاء شرمناک طور پر ناقص ہیں۔ اکثر گھٹیا قسم کی اشیاء تیار ہوتی ہیں۔ لوہے کی اشیاء بدنما اور فرنیچر بدہی قسم کا بنایا جاتا ہے اچھے بٹن تک دستیاب نہیں ہوتے"

اگرچہ وسیع صنعتی شہر تیزی کے ساتھ عالم وجود میں آرہے تھے دیدہ زیب تماشا گاہیں اور کشادہ و پر تکلف ہوٹل اور کلب گھر تعمیر کیے جا رہے تھے لیکن ان کی بھی قسم بہتر نہیں ہوتی تھی اخبار اسوستیا تعمیر پر نکتہ چینی کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"ہماری تعمیر خراب ہے اور بہت مہنگی پڑتی ہے جو مکانات وقت کی دست برد سے قابل مرمت ہو جاتے ہیں ان کی مرمت نہیں کرائی جاتی۔ اگر کرائی بھی جاتی ہے تو بہت خراب ہوتی ہے"

اخبار اسوستیا۔ شاہراؤں کی خستہ حالت پر نکتہ چینی کرتا ہوا لکھتا ہے:۔

"شاہراؤں کی حالت اس درجہ خراب ہے کہ ماسکو سے بار دسلول کی مشہور شاہراہ پر موٹر ایک گھنٹے میں صرف چھ میل کی رفتار سے چل سکتی ہے جب مشہور شاہراہ کا یہ حال ہو تو عام سڑکوں کی خستگی اور تباہ حالی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ سڑکوں کی عمدگی اور خرابی کسی ملک کی اقتصادی حالت ظاہر کرتی ہیں"

یہاں اقتصادی ترقی کے ایک خاص پہلو پر بھی غور کرنا ضروری ہے۔ فرض کیجئے کہ ایک ملک کی آبادی دس افراد پر مشتمل ہے جن میں سے پانچ افراد فی ماہ فی کس دس گز کپڑا تیار کرتے ہیں یعنی فی ماہ کل پچاس گز کپڑا تیار کرتے ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوتے کہ فی کس فی ماہ پانچ گز کپڑا حصہ میں آیا۔ اب ایک دوسرے ملک کو لے لیجئے جس کی آبادی سو افراد پر مشتمل ہے جن میں سے پچاس افراد فی کس فی ماہ پانچ گز کپڑا تیار کرتے ہیں اس کے یہ معنی ہوئے کہ کل دو سو پچاس گز کپڑا فی ماہ تیار ہوا اور ۲½ گز فی کس حصہ میں آیا۔ ان دونوں ممالک کی اقتصادی حالت کا مقابلہ دو طرح کیا جا سکتا ہے ایک اس طرح کہ دونوں ممالک کی پیداوار کا موازنہ کیا جائے اس زاویہ نگاہ سے جو ملک ۲۵۰ گز کپڑا تیار کرتا ہے وہ اول الذکر سے پانچ گنا زیادہ ترقی یافتہ معلوم ہوگا۔ حالانکہ اس ملک کے کاریگر کی اہلیت اول الذکر ملک کے کاریگر کے بہ نسبت نصف ہے اور فی کس نصف کپڑا حصے میں آتا ہے۔ موازنہ کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ یہ دیکھا جائے کہ دونوں ملکوں میں فی کس اجناس کی کیا نسبت ہے اس زاویہ نگاہ سے اول الذکر ملک موخر الذکر سے دگنا ترقی یافتہ معلوم ہوگا۔ جہاں دو ممالک کی آبادی میں نمایاں فرق ہو وہاں اقتصادی موازنہ کی یہی درست شکل ہوتی ہے کہ جتنی اجناس فی کس حصہ میں آئیں ان کی نسبت کا موازنہ کر کے حکم لگایا جائے۔ روس کی حیثیت یہ ہے کہ اس کی آبادی ۷ اکروڑ سے زیادہ ہے اور سب باشندے کام کرنے پر مجبور ہیں۔ اگرچہ انفرادی طور پر مزدور کے کام کرنے کی اہلیت امریکہ کے مزدور کی اہلیت سے چالیس فی صدی کم ہے لیکن چونکہ مزدوروں کی تعداد بہت زیادہ ہے اس لئے اشیاء کے تیار کرنے کی اہلیت کی کمی کے باوجود مجموعی طور پر روس اپنے ہمسایہ ممالک سے زیادہ اشیاء تیار کرتا ہے۔ البتہ جب اقتصادی ترقی کو افراد کے نقطہ نگاہ سے دیکھا جائے تب وہ اقتصادی دوڑ میں بہت پست معلوم ہوتا ہے اس سلسلہ میں مندرجہ ذیل اعداد و شمار قابلِ غور ہیں:-

۱- امریکہ میں ایک سال میں فی مزدور پانچ ہزار ٹن لوہا نکالتا ہے اس کے مقابلہ میں روس میں فی مزدور پانچ ٹن کی اوسط ہے۔

۲- امریکہ میں شاہراہوں کا طول ۰۰۰،۷۱۴ کلومیٹر ہے۔ اس کے مقابلہ میں روس میں کل سڑکوں کا طول صرف ۰۰۰،۳۸ کلومیٹر ہے (دس کلومیٹر چھ میل کے قریب ہوتے ہیں)

۳- روس کا تجارتی بیڑا ڈنمارک اور ہسپانیہ کے مساوی ہے۔

۴- امریکہ میں ایک ہزار افراد میں ۲۲۳ موٹریں ہیں اس کے مقابلہ میں روس میں ایک ہزار افراد میں صرف چھ موٹریں ہیں۔

۵- امریکہ میں فی کس ۳ ٹن لوہا حصہ میں آتا ہے اس کے مقابلے میں روس میں فی کس ۰.۷ ٹن آتا ہے۔

۶- روس میں اونی کپڑا فی کس ایک میٹر (۳۹.۳۷ انچ) حصہ میں آتا ہے اس کے مقابلہ میں امریکہ میں فی کس ۰.۷ میٹر آتا ہے۔

امریکہ میں فی کس ۳ جوڑے جوتے حصے میں آتے ہیں روس میں ½۱ جوڑے آتے ہیں۔

۷- روس میں ۸ افراد کے حصہ میں ایک گائے آتی ہے۔ اس کے مقابلہ میں امریکہ میں دو افراد کے حصہ میں ایک گائے آتی ہے نہ صرف یہی بلکہ امریکہ کی گائے روس کی گائے کی نسبت دوگنا دودھ دیتی ہے۔ روس میں مکھن، پنیر، مختلف قسم کی مٹھائیاں عام باشندوں کے لئے ہنوز نایاب ہیں۔

۸- امریکہ میں فی کس ۴۳ گرام کاغذ حصہ میں آتا ہے۔ روس میں صرف چار گرام کسی ملک میں کاغذ کی کمی اس کے غیر متمدن ہونے پر دلالت کرتی ہے۔

۹- روس میں فی کس چار پنسلیں حصہ میں آتی ہیں اس کے مقابلہ میں امریکہ میں ایک شخص کے حصہ میں بارہ پنسلیں آتی ہیں۔

روس میں پنسلیں اتنی خراب ہوتی ہیں کہ چار پنسلیں امریکہ کی ایک پنسل کے برابر بھی کام نہیں

دیتیں۔ اس امر سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے کہ تمدنی و اقتصادی طور پر روس ہنوز ابتدائی منازل طے کر رہا ہے۔

امریکہ کے ایک مدبر مسٹر جے۔ ڈیوس نے حال ہی میں اپنے وہ خطوط اور یادداشتیں کتابی شکل میں شائع کی ہیں جو انھوں نے بحیثیت امریکی سفیر کے روس سے امریکن حکومت کی اطلاع کے لئے روانہ کیں۔ چونکہ اس کتاب کو روس کے مشہور مدبر مسٹر لٹو لینوف نے بھی قابل مطالعہ بتایا ہے اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ مسٹر ڈیوس نے جو حالات قلم بند کئے ہیں وہ قابل اعتنا ہیں۔ مسٹر ڈیوس نے اس کتاب میں حسب ذیل امور کا ذکر کیا ہے جو شاید ناظرین کی معلومات میں اضافہ کریں گے۔

۱۔ روس کی آبادی ۱۶۵،۷۰۰،۰۰۰ ہے یعنی (امریکہ سے ۳۰ فیصدی زیادہ) اس سرزمین میں ۱۸۰ مختلف اقوام آباد ہیں جو ۴۸ مختلف زبانیں بولتی ہیں ان زبانوں سے ملتی جلتی ۱۵۰ بولیاں بولی جاتی ہیں آبادی ۱۲٫۵ افراد فی مربع میل ہے اور پیدائش فی ہزار ۲۳ ہے۔

۲۔ ۱۹۳۷ء میں روس میں ۳۶۷ (۱۷۰، ۹۴۹) ایکڑ آراضی زیر کاشت ہے۔

۳۔ ۱۹۳۵ء میں روس میں گندم کل دنیا کی پیداوار کا ۱/۳ یعنی امریکہ سے ۲½ گُنا زیادہ پیدا ہوا۔

۴۔ ۱۹۳۵ء میں کل دنیا کی جو کی پیداوار کا نصف حصہ روس کی پیداوار تھی یعنی امریکہ سے تگنی۔ دنیا کی ۸۰ فیصدی رائی روس نے پیدا کی۔

۵۔ روس کی روئی کی پیداوار تمام دنیا میں چوتھے نمبر پر ہے۔ روس میں مصر سے زیادہ روئی پیدا ہوتی ہے۔ روئی وسط ایشیا کے اسلامی ممالک کی خاص پیداوار ہے یہ ممالک اب روس سے ملحق ہیں۔

۶۔ روس میں ان سبزیوں کی پیداوار جن سے شکر نکالی جاتی ہے تمام دنیا سے زیادہ ہے۔

۷۔ روس میں ۱۹۳۶ء میں ٹریکٹروں کی تعداد ۴،۷۷،۰۰۰ تھی اور دیگر زراعتی مشینوں کی تعداد ۹۳۲۰۰ تھی۔

۸۔ ۱۹۳۵ء میں روس میں ۴۳۵۰ ٹریکٹر اسٹیشن تھے جو تمام روس کی ۷۴٫۸ فیصدی آراضی کاشت کرتے تھے۔

۹۔ روس دنیا میں تمام ممالک سے زیادہ وسیع جنگلات کا مالک ہے۔

۱۰۔ پشم اور مچھلی:۔ یہ کہا جاتا ہے کہ بیرونی ممالک سے جو سامان روس میں درآمد کیا جاتا ہے اس کی ۱/۴ قیمت پشم کی برآمد سے ادا کی جاتی ہے۔ روس میں مچھلیاں بھی کثیر تعداد میں پائی جاتی ہیں۔

۱۱۔ سونے کی پیداوار میں روس دنیا میں دوسرے نمبر پر ہے روس میں اس کی ضرورت کے لئے ہر قسم کی معدنیات موجود ہیں۔ مثلاً کوئلہ۔ لوہا۔ پٹرولیم مینگنیز۔ ابرق۔ کرومیٹ۔ پوٹاش گندک۔ باہرایٹ۔ فوسفیٹ۔ جست۔ پارہ وغیرہ۔

۱۲۔ ۱۹۲۶-۳۰ء میں روس میں ۶۴،۹۰۰،۰۰۰ مویشی تھے اس زمانہ میں امریکہ میں ۵۹،۱۹۱،۰۰۰ تھے ۱۹۲۹-۳۳ء کے درمیان جب روس میں جبریہ اجتماعی طریقہ پیداوار جاری کیا گیا اور کسان نے مویشی ذبح کر ڈالے تو مویشیوں کی تعداد گھٹ کر ۳۸،۴۰۰،۰۰۰ رہ گئی ۱۹۳۵ء میں مویشیوں کی تعداد صرف ۴۹،۷۵۵،۰۰۰ تھی۔ بھیڑوں۔ خنازیر اور گھوڑوں میں جو کمی واقع ہوگئی تھی وہ ہنوز پوری نہیں ہوئی۔

۱۳۔ روسی کارخانوں میں امریکہ۔ جرمنی۔ انگلستان۔ فرانس کی بنی ہوئی مشینیں کام کر رہی ہیں مشینوں پر ۲۵ فیصدی عورتیں کام کرتی ہیں کارخانوں میں ۶۰ سے لگا کر ۸۰ فیصدی تک مرد مزدوروں کی عمریں ۳۰ سال سے کم ہیں بہت کم کاریگر ۴۰ سال سے زیادہ عمر کے نظر پڑتے ہیں مزدور کی تیز رفتاری اور کام کرنے کی اہلیت امریکن مزدور کی نسبت ۴۰ یا ۵۰ فیصدی کم ہے جو انجنیر یا ڈائرکٹر ان فیکٹریوں کو چلا رہے ہیں انکی عمریں ۳۵ سال

کے اندر اندر رہیں ان سب نے روس میں تعلیم حاصل کی اور بیرونی ممالک میں جاکر عملی کام کیا ہے۔ ہر کارخانے میں کتب خانہ۔ لیکچر کا کمرہ اور کاریگروں کے لئے رات کے اسکول قائم ہیں۔

۱۴۔ متوسط درجہ کے مزدور کی اجرت ۲۰۰ سے ۲۵۰ روبل یعنی دس یا بارہ ڈولر ہے فیکٹری کے ہوٹل سے دس سنٹ میں مزدور کو اچھا کھانا مل جاتا ہے۔ مزدور کے لئے فیکٹری ہی مکان مہیا کرتی ہے اور اس کی تنخواہ سے فیصدی کے حساب سے کرایہ لے لیتی ہے۔ یہ کرایہ مزدور کی تنخواہ کے ۱۵ فیصدی سے زیادہ نہیں ہوتا۔ ماہر کاریگروں کو آٹھ سو سے لگا کر بارہ سو روبل تک تنخواہ ملتی ہے۔ انجنیر کو بھی اس کے قریب قریب مشاہرہ ملتا ہے۔ فیکٹری کے ڈائرکٹر کو پندرہ سو سے دو ہزار روبل یعنی ۷۵ ڈولر کے قریب تنخواہ ملتی ہے۔ اگر انفرادی آمدنی میں یہ تفریق قائم رہی تو بہت جلد اقتصادی اعتبار سے روس میں طبقات پیدا ہو جائیں گے۔ اس تفریق کا روس کے اکابرین کو بھی اعتراف ہے لیکن وہ یہ کہتے ہیں کہ چونکہ روس میں کوئی ایسی سرمایہ دار جماعت نہیں جو مزدور کی محنت سے فائدہ اٹھاتے۔ اس لئے یہ دعوی درست ہے کہ روس میں جماعتیں نہیں ہیں اور معاشرہ اشتراکی ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ روس میں آمدنی کے اعتبار سے جماعتیں موجود ہیں جن کی سعی کا محرک انفرادی نفع کا جذبہ ہے۔

۱۵۔ صنعت و حرفت پر چونکہ حکومت کا قبضہ ہے اس لئے ملک کی سیاسی بےچینی کا صنعت و حرفت پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ سیاسی مقدموں۔ جنرلوں کے قتل۔ ڈائرکٹروں اور ماہر کاریگروں کے استیصال سے فیکٹری کی پیداوار میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور مقدمے۔ قید و استیصال روس میں روزمرہ کا معمول ہے۔ کمیونسٹ پارٹی صنعت کو اپنے زیر اثر رکھنا چاہتی ہے۔

۱۶۔ روس میں کل مغربی یورپ سے زیادہ بجلی پیدا ہوتی ہے۔

۱۷۔ زراعتی مشینیں جس کثرت سے روس میں تیار ہوتی ہیں دنیا کے کسی دوسرے ملک میں نہیں ہوتیں۔

۱۸۔ ہر فیکٹری میں ڈائرکٹر فنڈ ہوتا ہے۔ حکومت کو بطور خراج کے ایک خاص مقررہ رقم ادا کرنے کے بعد اگر نفع کا کچھ حصہ بچ جاتا ہے وہ ڈائرکٹر فنڈ میں چلا جاتا ہے یہ رقم مزدور کی اقتصادی و تمدنی حالت درست کرنے پر صرف ہوتی ہے۔

مسٹر وینڈل ولکی نے اپنی مشہور کتاب "وحدت عالم" میں جو دو سال گذرے شائع ہوئی ایک باب روس کے متعلق تحریر کیا ہے اس میں اقتصادی و زراعتی ترقی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ایک ہوائی جہاز تیار کرنے کے کارخانے میں جانے کا اتفاق ہوا کارخانوں میں آلات وکلوں کی کمی نہ تھی۔ لیکن تمام غیر ممالک سے درآمد کی ہوئی تھیں اس کارخانہ میں پچاس فیصدی سے زیادہ عورتیں کام کر رہی تھیں اور دس برس کی عمر تک کے لڑکے بھی تھے۔ لڑکے۔ نوجوان مزدوروں کی طرح پورے وقت کام کرتے تھے۔ ان لڑکوں میں متعدد ماہر مستری بھی تھے۔ امریکن معیار کے مطابق اس کارخانے میں مزدوروں کی تعداد زیادہ تھی۔ ہر تیسری یا چوتھی مشین پر اسٹیکونوویٹ کا لیبل لگا ہوا تھا۔ اسٹوکونوویٹ وہ ماہر مزدور کہلاتے ہیں جن کو اشیاء کی تعداد تیار کرنے کے مطابق اجرت ملتی ہے۔ اس کارخانہ کے منیجر کو اس امر کا اعتراف تھا کہ روسی مزدور کی اشیاء تیار کرنے کی اہلیت امریکن مزدور سے کم ہے اور عام روسی مزدور کی اس خامی کو عمر رسیدہ عورتوں اور نو عمر لڑکوں سے کام لے کر پورا کیا جاتا تھا فیکٹری ڈائرکٹر نے بیان کیا کہ جب ماسکو جرمن توپوں کی زد میں آ گیا اس وقت یہ تمام فیکٹری ایک ہزار میل کے فاصلہ پر یہاں لائی گئی۔ ماسکو سے یہاں تک

تمام راستے مشین پر کام کرنے والے اس کے ساتھ آئے یہاں چونکہ مکانات اور دیگر ضروریات کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ اس لئے مدتوں تک کاریگر مشین کے قریب زمین پر سوتے تھے اور بہت تکلیف تھی لیکن اب حالات روبہ اصلاح ہیں۔

اس فیکٹری کے ہونہار سپرنٹنڈنٹ سے مسٹر ولکی کی حسب ذیل گفتگو ہوئی۔ اس گفتگو سے یہ پتہ چلتا ہے کہ روس کے اقتصادی نظام میں کس درجہ اجتماعیت و انفرادیت کا عنصر موجود ہے (' و ' سے مراد مسٹر ولکی ہیں اور 'س' سے مراد سپرنٹنڈنٹ ہیں)

و ۔ آپ کے خانگی حالات کیا ہیں؟

س ۔ میری عمر بتیس سال کی ہوگی ایک بیوی اور دو بچے ہیں معمولی سے ذرا بہتر مکان میں رہائش ہے اور جنگ سے قبل ایک موٹر بھی تھی۔

و ۔ آپ کی اور معمولی مزدور کی تنخواہ میں کیا نسبت ہے۔

س ۔ دس گنی۔

و ۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ آپ کو پچیس ہزار ڈالر سالانہ ملتے ہیں۔ امریکہ میں بھی اس نوعیت کے فرائض ادا کرنے کا قریب قریب یہی معاوضہ ملتا ہے میں سمجھتا تھا کہ روس میں اقتصادی مساوات ہے۔

س ۔ موجودہ اسٹالنی دور کا یہ تصور ہے کہ ہر شخص اپنی اہلیت کے مطابق کام کرے اور کام کی نوعیت اور مقدار کے مطابق معاوضہ ملے۔ اقتصادی ترقی کے بعد جب ہم اشتمالیت کے دور میں داخل ہو جائیں گے تب ہمارا تصور یہ ہوگا کہ ہر فرد اپنی اہلیت کے مطابق کام کرے اور اس کو اس کی ضروریات کے مطابق معاوضہ ملے۔ میرا ذاتی خیال یہ ہے کہ اس وقت بھی مکمل اقتصادی مساوات کا اجراء نہ مناسب ہوگا اور نہ ضروری۔

و ۔ اپنے مشاہرہ میں سے آپ کتنی رقم پس انداز کر لیتے ہیں ؟

س ۔ میری شریک حیات بہت خراچ ہیں ۔ پہلے کچھ پس انداز کر لیا تھا اس رقم سے ایک نفیس مکان خرید لیا تھا ۔ نیز دیہات میں بھی ایک مکان خرید لیا تھا تاکہ تفریح و سیر و شکار کے لئے وہاں قیام کر سکیں ۔

و ۔ آج کل جو کچھ پس انداز کرتے ہیں آپ اس کا کیا کرتے ہیں ۔ ؟

س ۔ وہ نقدی کی شکل میں موجود ہے یا اس رقم سے حکومت کے بونڈ خرید لیتا ہوں ۔

و ۔ اس اندوختہ کو آپ کسی ایسی مد میں کیوں نہیں لگاتے کہ کچھ مزید منفعت کا باعث ہو جاتے ؟

س ۔ روس میں ایسی کوئی شکل نہ ہو سکتی ہے اور نہ میں اس خیال کا انسان ہوں ۔

و ۔ اچھا یہ فرمائیے کہ کیا شئے آپ کی ترقی کی سعی کی محرک ہے ؟

س ۔ یہ تمغات جو آپ میرے بازو پر دیکھتے ہیں یہ مجھے بولشیوک پارٹی اور سوویٹ حکومت کی طرف سے میری کارکردگی کا انعام ہیں ۔ اگر تندہی سے کام کروں گا تو میں اس فیکٹری کا ڈائرکٹر ہو جاؤں گا یا پارٹی مجھے حکومت میں کوئی اعلیٰ عہدہ دے دیگی ۔

و ۔ بڑھاپے میں جب آپ کام کرنے کے ناقابل ہو جائیں گے اس وقت کون آپ کی مدد کرے گا ؟

س ۔ کچھ تو میرا اندوختہ ہوگا اگر یہ کافی نہ ہوا تو حکومت میری نگہداشت کرے گی ۔

و ۔ کیا کبھی آپ کو یہ خیال نہیں ستاتا کہ کاش کوئی ایسی فیکٹری آپ کی اپنی ذاتی ملکیت ہوتی (میرے اس سوال پر "س" نے کارل مارکس کے فلسفہ پر ایک مختصر سی تقریر کرنی شروع کر دی ۔

و ۔ کیا آپ کی یہ خواہش نہیں کہ آپ کی اولاد آپ سے زیادہ بہتر طور پر زندگی شروع کرے کیا آپ حادثہ جدائی کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنی مونس کے آئندہ گزارے

کے لیئے کوئی انتظام کرنا پسند نہ کریں گے؟

س۔ مسٹر ولکی آپ سرمایہ دارانہ طریقۂ خیال کا اظہار فرما رہے ہیں۔ دیکھیئے میں نے اپنی زندگی مزدور کی حیثیت سے شروع کی۔ میرے بچّے بھی اسی طرح زندگی شروع کریں گے۔ میری شریکِ حیات خود کام کرتی ہیں اور جب تک ان کی صحت جواب نہ دے گی وہ برابر کام کرتی رہیں گی۔ ہاں جب صحت خراب ہونے یا پیری کی وجہ سے کام کرنے کے قابل نہ رہیں گی تو ان کی کفالت کا بار حکومت برداشت کرے گی۔

و۔ اچھا یہ فرمائیے اگر آپ اس عہدے کی ذمہ داریوں کی پوری قابلیت و اہلیت سے کام انجام نہ دیں اس شکل میں آپ کو کیا سزا ملے گی۔

س۔ میرا استیصال کردیا جائے گا (استیصال کے معنی سزا سے لے کر قتل تک ہو سکتے ہیں)

و۔ فرض کیجیئے امن و امان کا زمانہ ہے اور آپ کے اور اس فیکٹری کے ڈائرکٹر کے خوشگوار تعلقات نہیں رہتے اور آپ ترکِ ملازمت کرنا چاہیں۔ تو کیا آپ یہاں سے ترکِ تعلق کرنے کے بعد دوسرے کارخانے میں کام کرسکتے ہیں؟

س۔ عام مزدور ایسا کرسکتے ہیں لیکن چونکہ میں کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بھی ہوں اس لئے میں پارٹی کی اجازت و رضامندی کے بغیر ایسا نہیں کرسکتا۔

و۔ فرض کیجیئے کہ آپ کوئی دوسرا کام پسند کریں کیا آپ اپنا موجودہ کام ترک کرسکتے ہیں؟

س۔ پارٹی کے عہدے دار ہی اس کا فیصلہ کرسکتے ہیں کہ میں کیا کام کروں۔

و۔ آپ حکومت کی اقتصادی و سیاسی حکمتِ عملی کے موافق ہیں فرض کیجیئے کہ آپ کا سیاسی و اقتصادی تخیل جدا ہو تو کیا آپ اپنے خیالات کی تبلیغ کرسکتے ہیں (دس منٹ تک میں مختلف سوالات کے ذریعہ سے اس آزادیٔ افکار و کردار کے مسئلہ پر (س) سے جواب حاصل کرنے کی کوشش کرتا رہا لیکن بیکار۔ ان کا آخری جواب شانوں کی حرکت

تھی جس سے لاچاری عیاں تھی میں نے کچھ تیزی سے کہا کہ اس کے یہ معنی ہیں کہ حقیقتاً آپ کو اپنے ملک میں کسی قسم کی آزادی نہیں۔ میرے اس جملے پر قیل و قال شروع ہو گئی)

س۔ مسٹر ولکی۔ آپ نے یہ غور نہیں فرمایا کہ میں اپنے آباؤ اجداد کی بہ نسبت کہیں آزاد ہوں میرے بزرگوں کو تعلیم حاصل کرنے کی بھی اجازت نہ تھی ان کی آراضیات اُن کے لئے زنجیر پا تھیں۔ بیماری میں ان کے لئے علاج کرانا ناممکن تھا۔ میں اپنے خاندان کا پہلا فرد ہوں جس کو تعلیم حاصل کرنے اور زندگی میں نمایاں ہونے کا موقع ملا اور یہی میرے لئے آزادی ہے۔ بہت ممکن ہے کہ آپ کو یہ آزادی معلوم ہوتی ہو۔ یہ یاد رہے کہ ہم ہنوز ارتقائی منازل طے کر رہے ہیں کسی دن ہمیں سیاسی آزادی بھی حاصل ہو جائے گی۔

و۔ جہاں تمام اشیاء پر حکومت کا قبضہ ہو گیا وہاں سیاسی واقتصادی آزادی ہونی ممکن ہے (اس سوال پر س نے پھر مارکسی فلسفہ بیان کرنا شروع کر دیا۔ مارکسی فلسفہ اس سوال کا کوئی جواب نہیں دیتا)

"میں ایک روز اوسط سے ذرا بہتر فارم پر گیا وہاں تمام کام مشین سے ہوتا تھا۔ ۵۵ خاندان اس پر رہتے تھے ہر ایک گھر میں ایک گائے تھی ۵۰۰ مویشی فارم کی ملکیت تھے جن میں سے ۲۵۰ گائیں تھیں ان کے رہنے کا اچھا انتظام تھا۔ فارم پر صرف ایک نوجوان مرد تھا باقی عورتیں بچے اور ضعیف مرد کام کر رہے تھے۔ فارم کے باقی لوگ بھرتی ہو کر محاذ پر چلے گئے تھے۔ ان کے گھر والے اب فوج کے لئے ضروری اشیاء خوردنی مہیا کرنے میں مصروف ہیں۔ میں نے کام اور اجرت کی نوعیت دریافت کی تو معلوم ہوا کہ فارم پر کام کرنے والوں کی محنت کے روز اور محنت کی نوعیت

کا باقاعدہ اندراج ہوتا ہے اوسط درجہ کے مزدور کی محنت کے ناپنے کا معیار ہے
اور تمام انواع و اقسام کی ایک دن کی محنت اوسط کے مزدور کی محنت میں
تحلیل کرلی جاتی ہے۔ یہ سب نسبتیں مقرر ہیں مثلاً ایک ٹریکٹر چلانے والا
جو ایک روز میں ایک ایکڑ زمین پر ٹریکٹر چلاتا ہے اس کی ایک روز کی محنت
اوسط کے مزدور کی دو روز کی محنت کے مساوی شمار ہوتی ہے۔ اگر کوئی
بولوں کی مقررہ تعداد باندھے یا گایوں کی خاص تعداد کی خدمت کرے
اس کی ایک روز کی محنت اوسط درجہ کے مزدور کی ایک روز کی محنت سے زیادہ
شمار کی جاتی ہے یہ فارم آلات زراعت اور ٹریکٹر وغیرہ زراعتی اسٹیشن
سے کرایہ پر لیتی ہے اور کرایہ جنس میں ادا کرتی ہے یہی دستور عام ہے
کسان حکومت کو ٹیکس جنس کی شکل میں دیتا ہے۔ اجرتیں دینے کے بعد جو
غلہ بچ جاتا ہے اس کو جتنے روز جس نے محنت کی ہو اس نسبت سے
مزدوروں میں تقسیم کر دیا جاتا ہے جو غلہ بطور اجرت کے کسان کو ملتا ہے
کسان بازار میں فروخت کرسکتا ہے لیکن حکومت کسانوں کو اس پر مجبور
کرتی ہے کہ وہ اپنا غلہ حکومت کو فروخت کریں۔ میرے علم میں یہ امر آیا کہ
بہت کسانوں کے پاس نقدی ہے لیکن چونکہ ضروریات زندگی کی قلت
ہے اس لئے وہ اس کو صرف نہیں کرسکتے۔ پر آودا میں ایک خبر تھی کہ ایک
فارم منیجر کو بیس سال کی قید کا حکم سنا دیا گیا۔ چونکہ اس فارم پر سو گائیں
کسی بیماری سے ہلاک ہوگئی تھیں"

مسٹر موریس ہنڈس نے ۱۹۴۴ء میں اپنی کتاب 'روس معرکہ آرا ہے' کے چند ابواب
میں جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ بھی قابل توجہ ہے ۱۶ سال سے ۱۸ سال کی عمر تک
کے نوعمر لڑکے جو ہمیشہ کارخانوں میں چھ گھنٹے کام کرتے تھے اب ۸ گھنٹے کام کرنے پر

مجبور ہیں۔ تمام مزدوروں کے اوقات اب سات گھنٹے سے بڑھا کر آٹھ گھنٹے کر دیئے گئے ہیں اگر کوئی مزدور بیس منٹ بھی دیر سے آتا ہے اس کو کارخانے سے نکال دیا جاتا ہے تاکہ اس کو کسی دوسرے کارخانے میں بھی جگہ نہ مل سکے۔ جو مزدور کارخانے کی ملازمت ترک کرے اس کو چھ ماہ کے لئے ½ اجرت پر کسی مشقت کے کام پر لگا دیا جاتا ہے کارخانوں میں مختلف کاموں کی اجرتوں میں فرق ہے اور یہ فرق روز بروز زیادہ ہوتا جاتا ہے فیکٹری میں سب سے کم تنخواہ متوسط درجہ کے مزدور کو ملتی ہے اور سب سے زیادہ انجنیر کو۔ حکومت نے مختلف قسم کے اعزازات مقرر کر رکھے ہیں اعزاز کے ساتھ ساتھ تمغے ہی نہیں دیئے جاتے بلکہ انعام پانے والوں کو ماہنامہ رقم بھی ملتی ہے اور ان کو آمدنی پر ٹیکس معاف کر دیا جاتا ہے اب ذاتی ملکیت کے تحفظ کے لئے قوانین بن گئے ہیں۔ ملکی دستور کی دفعہ دس حسب ذیل ہے۔

ذاتی آمدنی اندوختہ۔ رہائشی مکان۔ مویشی وغیرہ۔ آرائشی سامان۔ برتن اور ذاتی استعمال کی آرام و آسائش کی اشیاء ذاتی ملکیت متصور کی جائیں گی اور اس ذاتی ملکیت کی وراثت کے حق کا قانوناً تحفظ کیا جائے گا۔

روس میں عام ضروریات زندگی سے لے کر زیورات تک ذاتی ملکیت قرار دیدیئے گئے ہیں بلکہ حکومت قرضہ دے کر اور دیگر طریقوں پر مزدوروں کو اس امر کی ترغیب دیتی ہے کہ وہ اپنے ذاتی مکانات تعمیر کریں لیکن زمین حکومت کی ملکیت رہتی ہے ۳۰ سال کے بعد مزدور کو اس زمین کا کرایہ بھی ادا کرنا نہیں پڑتا۔ البتہ ایک فیصدی ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ مالک مکان کی موت کے بعد اس کے بیوی بچے اس مکان کے وارث تصور کئے جاتے ہیں۔ اجتماعی فارم پر کام کرنے والا فارم سے علیحدہ ڈھائی ایکڑ اراضی پر اپنی ذاتی کاشت کر سکتا ہے وہ دو سے پانچ تک گائے ۲۰ سے ۴۰ تک بھیڑیں اور دو سے تین تک خنزیر بھی رکھ سکتا ہے۔ ان سے جو کچھ آمدنی ہو وہ اس کی ذاتی ملکیت ہوتی ہے

سنہ ۱۹۴۰ء میں ایک کروڑ ساٹھ لاکھ افراد نے اپنے سیونگ اکاؤنٹ کھولے ہوئے تھے اور سات بلین روبل جمع تھے۔ سرکاری بنک اس رقم پر تین فیصدی سود دیتا ہے۔

سنہ ۱۹۴۰ء میں آمدنی پر ٹیکس کا جو قانون نافذ ہوا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حکومت انفرادی ملکیت کے جذبے کو زیادہ تیز کرنا چاہتی ہے مثلاً اس قانون کی رُو سے جو آمدنی حکومت کے بونڈ پر سُود ملنے سے ہوتی ہے اس پر ٹیکس نہیں لگایا جاتا حکومت جو لاٹریاں ڈالتی ہے وہ جس کے نام آجائیں اس رقم پر بھی ٹیکس نہیں ہے۔ بحری و بری فوج کے عہدیداروں پر کوئی ٹیکس نہیں ہے جو مزدور اپنے کام میں ممتاز ہو جاتے ہیں ٹیکس میں ان کے ساتھ بھی متعدد مراعات کر دی جاتی ہیں۔

روس میں سب سے زیادہ آمدنیاں ماہرینِ رقص و سرود، مصوّرین اور مُصنّفوں کی ہیں۔ یہ لوگ حکومت کے بونڈ خرید کر اپنی آمدنی بہت بڑھا سکتے ہیں جو ان کی موت کے بعد ان کے ورثار کا حق ہو جاتی ہے۔ یہ امر لازمی ہے کہ وراثت کا قانون کچھ عرصہ بعد ایک ایسی جماعت پیدا کر دے گا جو بلا محنت کئے خوش حال و فارغ البال رہے گی اس طرح ایک امیر طبقے کا پیدا ہو جانا ناگزیر ہے مستقبل ہی اس امر کا فیصلہ کر سکتا ہے کہ روسی نظام کی نوعیت کہاں تک اشتمالی اور کس حد تک سرمایہ دارانہ رہے گی۔ اغلب گمان یہ ہے کہ موجودہ جنگ کے بعد سرمایہ دارانہ انفرادیت اجتماعیت کی طرف رجوع کرے گی اور روسی حکومت کی ریاستی سرمایہ داری فرد کو زیادہ اقتصادی آزادی دیدے گی جس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ تمام دنیا میں قریب قریب ایک ہی اقتصادی نظام جاری ہو جائے گا۔ مثلاً آمدنی پر ٹیکس کی شرح اور ڈیتھ ڈیوٹی متمدن ممالک میں اس درجہ زیادہ ہے کہ وہاں فرد کو اپنی آمدنی کا بہت بڑا حصّہ حکومت کو دینا پڑتا ہے اس سلسلہ میں ایک دلچسپ واقعہ ہے۔ امریکہ کے سفیر مسٹر ڈیوس جب امریکن قرضہ کی ادائیگی کی بابت کامریڈ مولوٹوف سے گفت و شنید کرنے گئے تو کامریڈ اسٹالن بھی آگئے۔ دورانِ گفتگو میں مسٹر ڈیوس نے کہا "میں سرمایہ دار یعنی انفرادیت پسند

ہوں لیکن ہم لوگوں کو آپ کی اشتمالی سعی سے ہمدردی ہے ہم بھی تقسیم دولت اور اقتصادی زندگی میں مساوات کے حامی ہیں لیکن ہم ارتقائی طریقہ پر مساوات کو عام کر رہے ہیں کیا آپ کو یہ علم ہے کہ میری شریک حیات کی دولت کا کونسا حصّہ بچوّں اور وارثوں کو ملے گا ان کی دولت کا ۸۰ فیصدی حصہ فیڈرل حکومت کو چلا جائے گا اور ۱/۵ سے بھی کم اولاد کو ملے گا۔ میری موت کے بعد میری دولت کا ۵۰ فیصدی حکومت لے جائے گی اور نصف سے بھی کم میری اولاد کے حصہ میں آئے گا۔ کیا آپ کو یہ علم ہے کہ میں اپنی آمدنی کا ساٹھ فیصدی اور شریک حیات بہتر فیصدی انکم ٹیکس حکومت کو ادا کرتے ہیں۔ یہ سن کر مسٹر اسٹالن کو بہت تعجب ہوا اور انھوں نے مولوٹوف کی طرف دیکھ کر میرے بیان کی تصدیق چاہی۔ مولوٹوف نے مسکراتے ہوئے گردن کے اشارے سے میرے بیان کی تصدیق کی" سالاران روس کو ہنوز یہ علم بھی نہیں کہ جس قسم کے اقتصادی نظام کو وہ اشتراکیت اور اشتمالیت کہہ کر پکار رہے ہیں۔ اس کے قریب قریب اشتراکیت تو سرمایہ دارانہ ممالک میں بھی موجود ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نہ روس میں اشتراکیت ہے اور نہ سرمایہ دارانہ ممالک میں سب ممالک ایک عبوری زمانے سے گذر رہے ہیں لیکن یہ امر یقینی ہے کہ اگر دنیا کو تباہ کن جنگوں سے پناہ حاصل کرنی اور قوموں کو متمدن دنیا میں زندگی بسر کرنی ہے تو اشتمالیت کی طرف رجوع کرنا ناگزیر ہے روسی انقلاب کی اہمیت اقتصادی تعمیر میں مضمر ہے ایشیائی اقوام کے لئے روس کی تعمیری سعی وجہ بصیرت ہونی چاہئے۔ یہاں روس کی آلاتی ترقی کی مزید تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اہل ذوق کو اس مسئلہ پر اپنی تشنگی بجھانے کے لئے ان کتب کی طرف رجوع کرنا چاہئے جو اقتصادی پلیننگ پر ہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا جب کہ اقتصادی پلین کا مضحکہ اڑایا جاتا تھا لیکن آج ہر قوم و ملک اس کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ حیرت انگیز بات یہ ہے کہ جو اقوام موجودہ عالمگیر جنگ کو پلین کر رہی ہیں وہ ہنوز اقتصادی پلیننگ کو ناقابل عمل و غیر مفید بتا رہی ہیں۔ جہالت اور تعصب آج بھی دنیا پر اپنا تسلط جمائے ہوئے ہیں۔

سوویٹ روس اور مغربی یورپ

بولشیوک حکومت کو تسلیم کرنے کا مسئلہ

پہلی جنگ عظیم کے بعد دنیا کے ہر حصے میں مشینوں کے ذریعہ سے مصنوعات تیار کی جانے لگی تھیں۔ مغربی ملکوں کی نوآبادیاں جو پہلی جنگ عظیم سے قبل صرف خام اجناس پیدا کرتی تھیں وہاں بھی کارخانے قائم ہو گئے تھے اور ان ملکوں نے بہت حد تک مغربی یورپ کی مصنوعات خریدنا کم کر دیا تھا۔ اس کی وجہ سے تمام مغربی یورپ کی صنعت و حرفت میں آشوب آیا ہوا تھا اور بے روزگاری عام تھی۔ انگلستان کے مزدور طبقہ میں اقتصادی بدحالی نے سیاسی بے چینی پیدا کر دی تھی۔ اس طبقہ کے قائدوں نے حکومت برطانیہ سے یہ مطالبہ کرنا شروع کر دیا تھا کہ روس کی بولشیوک حکومت کو تسلیم کر لیا جائے تاکہ اس ملک سے تجارتی تعلقات قائم ہو سکیں۔ مزدور طبقہ کا استدلال یہ تھا کہ روس سے سیاسی و اقتصادی تعلقات قائم ہونے پر وہاں سے غلہ اور دیگر خام اجناس ارزاں قیمت پر مل سکیں گی اور روس اس کے تبادلہ میں برطانیہ سے کلیں مشین وغیرہ خریدے گا اس طرح ملک کی صنعت و حرفت میں دوبارہ جان پڑ جائے گی اور عام بے روزگاری میں بھی کافی کمی ہو جائے گی۔ یہ تدبیر انگلستان کے مزدور طبقہ کو اپنی مصیبتوں کا واحد حل

معلوم ہوتی تھی۔ مزدور طبقہ کی یہ تدبیر بُری نہ تھی لیکن سرمایہ دارانہ معاشرے میں طبقاتی مفاد کا تقاضا عجیب نتیجے پیدا کرتا ہے۔ سرمایہ دارانہ طبقہ چونکہ اپنے مفاد کی خاطر دنیا سے اشتراکی تصور فنا کرنا چاہتا تھا اس لئے کوئی ایسا قدم اٹھانا خلاف مصلحت خیال کرتا تھا جو روس کی بولشیوک حکومت کو مستحکم ہونے میں مدد دے۔ اس طبقہ کا یہ اندازہ تھا کہ اگر روس کو چند سال بے یارومددگار چھوڑ دیا گیا تو وہاں کے اقتصادی حالات اس قدر خراب ہو جائیں گے کہ روسی جمہور پریشان ہو کر خود ہی ایسی حکومت قائم کرلیں گے جو مغربی حکومتوں کے ہم مشرب ہوگی۔ اس آرزو کے ماتحت برطانوی حکومت کی یہ سیاست تھی کہ نہ بولشیوک حکومت کو تسلیم کیا جائے اور نہ اقتصادی تعلقات قائم کئے جائیں۔ بولشیوک روس کو فنا کرنے کے لئے چند سال کی بے روزگاری اور مزدور طبقہ کی سیاسی بے چینی کا مقابلہ کیا جا سکتا ہے۔ قدامت پسند اور مزدور پارٹیوں میں یہ اختلاف رائے اس بناء پر تھا کہ اول الذکر شکم سیر تھے اور مؤخر الذکر بے روزگاری سے بدحال تھے۔ مادی حالات طریقہ فکر اور طریقہ کار کو عمیق طور پر متاثر کرتے ہیں۔ روسی حکومت کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کا مسئلہ زیر بحث تھا کہ انگلستان میں پارلیمان کے انتخابات ہوئے اور یہ انتخابات روسی حکومت کو تسلیم کرنے یا نہ کرنے کے سوال پر لڑے گئے۔ اگرچہ انتخابات کے بعد انگلستان کی زمام حکومت قدامت پسند پارٹی کے ہاتھ میں رہی لیکن پارلیمان میں مختلف پارٹیوں کے تناسب کو دیکھتے ہوئے سیاسی مبصرین کی یہ پیش گوئی تھی کہ پارٹیوں کا پہلا تصادم اس قدامت پسند حکومت کے لئے اجل کا پیام ہوگا مبصرین کا یہ اندازہ درست ثابت ہوا۔ ۲۰ فروری ۱۹۲۳ء کو حسب دستور پارلیمان میں بادشاہ کی افتتاحیہ تقریر ہوئی۔ اس تقریر پر مزدور پارٹی کے قائد مسٹر میکڈونل نے حکومت پر عدم اعتماد کی تجویز پیش کی۔ چند گھنٹے حکمران پارٹی اور حزب اختلاف میں زبان کے نشتر چلتے رہے۔ بحث و مباحثہ کے بعد جب عدم اعتماد کی تجویز پر رائے

لی گئی تو حکومت کو شکست ہو گئی اور چند روز بعد مسٹر میکڈونل نے مزدور پارٹی کی حکومت بنالی۔

مزدور پارٹی کے برسر اقتدار آجانے سے قدرتی طور پر یہ توقع کی جانے لگی تھی کہ مسٹر میکڈونل روسی حکومت کے تسلیم کرنے اور تجارت کا آغاز کرنے میں تاخیر نہیں کریں گے لیکن کمزور طبیعتوں کے لئے انتخابات میں نعرے لگانا اور ان کی روشنی میں عمل کرنا دو مختلف مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلا جتنا سہل ہوتا ہے دوسرا اتنا ہی دشوار ہوتا ہے اگرچہ مزدور پارٹی برسر اقتدار تھی اور دوران انتخابات میں جمہور سے جو وعدے کر آئی تھی ان کے ایفاء کرنے پر قادر تھی لیکن انھوں نے یہ اعلان کر دیا کہ روسی حکومت کو تسلیم کرنے سے قبل حالات کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیشن روس روانہ کیا جائے گا۔ اس قسم کے طریقہ کار کا ہمیشہ یہ مقصد ہوتا ہے کہ حالات کو التوا میں ڈال دیا جائے۔ اس کمیشن کی تقرری پر مزدور پارٹی کے ترقی پسند عناصر نے اعتراض کیا۔ اس سے متاثر ہو کر مسٹر میکڈونل نے سوویٹ روس کو از روئے قانون تسلیم کر لیا اور برطانیہ نے حکومت روس سے یہ استدعا کی کہ مختلف مسائل پر غور کرنے کے لئے ایک وفد لندن روانہ کر دے۔ حکومت روس نے برطانوی یادداشت کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک وفد لندن روانہ کر دیا اور ۱۹ اپریل کو مذاکرات شروع ہو گئے۔ مذاکرات کا آغاز ہوتا تھا کہ برطانیہ کے سرمایہ دار طبقہ نے اعصابی جنگ شروع کر دی۔ اس روز اس طبقہ کی جانب سے ایک منشور شائع ہوا جس میں علاوہ مطالبات کے یہ بھی مطالبے کئے گئے تھے کہ روس کے ملکی دستور میں ایسی ترمیم کی جائے کہ غیر ممالک سے تجارت کرنے کا حق بولشیوک حکومت کی اجارہ داری نہ رہے۔ نیز ایسے قوانین نافذ کئے جائیں کہ بولشیوک حکومت کو غیر ممالک کے کسی فرد کی ذاتی ملکیت پر قبضہ کرنے کا حق نہ رہے۔ مسٹر میکڈونل نے کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے جو تقریر کی اس میں بھی کم و بیش ان ہی مطالبات کی طرف اشارہ کیا۔ اس کے بعد روسی نمائندوں کو مخاطب

کرتے ہوئے کہا:۔

"مجھ سے کہا گیا ہے کہ جس نوعیت کے مطالبات برطانیہ کر رہا ہے آپ کی جانب سے بھی اسی قسم کے مطالبات ہیں۔ جس رواداری سے روس ہمارے مطالبات پر غور کرے گا ہم بھی روس پر اسی رواداری سے غور کریں گے حقیقت یہ ہے کہ روس اور برطانیہ کو ایک دوسرے کی امداد کی ضرورت ہے ایک جانب صنعت وحرفت میں ترقی یافتہ برطانیہ ہے جس کے پاس سرمایہ مشینوں۔ کلوں اور جہازوں کی کمی نہیں۔ روس ان سے فائدہ اٹھانا چاہتا ہے۔ دوسری سمت روس ہے جس کے پاس اجناس کے لامحدود ذخیرے ہیں۔ اس کی تیرہ کروڑ کی آبادی ہے جس سے برطانیہ فائدہ اٹھا سکتا ہے۔"

حقیقت بھی یہ ہے کہ آپس کی احتیاج وجہ اتحاد بن سکتی ہے اس زمانے میں روس کی اقتصادی حالت اس درجہ خراب تھی کہ جمہور اشتراکیت کے عملی نظام ہونے میں شک کرنے لگے تھے۔ زار روس کے زمانہ میں اگرچہ جمہور کا معیار زندگی نہایت پست تھا لیکن وہ اشتراکی روس کے ۱۹۲۴ء کے معیار زندگی سے بلند تھا۔ روسی جمہور میں اقتصادی بدحالی سیاسی بے چینی پیدا کر رہی تھی اور حکومت کو اپنے استحکام کی جانب سے ہر وقت خطرہ لگا رہتا تھا۔ اس خطرے کو دور کرنے کے لئے بولشیوک حکومت کی یہ آرزو تھی کہ برطانیہ سے آلات مل جائیں تاکہ روسی جمہور کا معیار زندگی بلند کیا جاسکے۔ دوسری طرف برطانیہ میں چیزیں بہت گراں تھیں۔ بے روزگاری عام تھی اس وجہ سے عوام میں سیاسی بے چینی پھیلی ہوئی تھی۔ ان تمام مشکلات کا حل یہ تھا کہ روس سے تجارتی تعلقات قائم کیے جائیں۔ یہ اقتصادی ضرورتیں تھیں۔ سرمایہ دار دنیا کا ایک مستند طریقہ کار ہے کہ جب دو حکومتوں میں مختلف مسئلوں پر مذاکرات کا آغاز ہو تو اعصابی جنگ شروع کر دی جائے تاکہ سودہ بازی

معقول شرائط پر ہو سکے اس سلسلہ میں برطانیہ کے سرمایہ داروں کے منشور کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ ۲۵ اپریل کو سوویٹ کے نائب سفیر نے اس منشور کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"برطانیہ کے بنکروں نے اپنے منشور میں یہ مطالبہ کیا ہے کہ بولشیوک حکومت انفرادی ملکیت قائم کرے۔ خارجی تجارت کی اجارہ داری ختم کردے اور ملکی دستور میں ترمیم و تنسیخ کرے۔ ان امور کے متعلق ہمارا جواب غیر مشروط نہیں ہے۔ کچھ عرصہ گذرا چودہ حکومتوں نے فوجی مداخلت کے ذریعہ سے روس کی اشتراکی حکومت کو فنا کرنا چاہا تھا لیکن سب کو منھ کی کھانی پڑی۔ اب اقتصادی راستے سے روس کے خانگی معاملات میں دخل دینے کی کوشش کی جارہی ہے اس کا بھی وہی حشر ہوگا جو اس سے پیشتر فوجی مداخلت کا ہو چکا ہے۔ کسی ملک سے ایک پونڈ کی مالی امداد کے بغیر ہم نے معتدبہ اقتصادی ترقی کرلی ہے۔ اور ایک دو فصلیں اچھی ہوگئیں تو روس کے اقتصادی حالات زیادہ بہتر ہو جائیں گے۔ برطانیہ نے زار روس کو جو قرضہ دیا تھا اور انگریز سرمایہ داروں کی ملکیت کی واپسی کے مسائل اس وقت خوش اسلوبی سے طے پا سکتے ہیں کہ ہمارے مطالبات پر بھی غور کیا جائے۔ گذشتہ چند سال کے دوران میں برطانیہ نے فوجی مداخلت سے ہمارے ملک کو جو جانی اور مالی نقصان پہنچایا ہے اس کو بھی معرض بحث میں لانا چاہیئے۔

ان مذاکرات کی بابت ایک روز اخبارات کی سرخی یہ تھی:۔

"مذاکرات کی کامیابی یقینی ہے" تو دوسرے روز یہ عنوان ہوتا تھا "مذاکرات نہایت نازک دور سے گذر رہے ہیں" تیسرے روز یہ اطلاع ہوتی ہے "مذاکرات نزع کی حالت میں ہیں" اور پھر از سر نو پہلے روز کی سرخی نمودار

ہو جاتی تھی اور عنوان کی نئی گردش کا آغاز ہو جاتا تھا۔ یہ حالات تھے کہ یکم جون ۱۹۲۴ء کو روس کے نائب وزیر نے ایک بیان کے دوران میں اس خیال کا اظہار کیا کہ اگرچہ اصولی طور پر روس کی اشتراکی حکومت کو زار روس کا قرضہ تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا لیکن حالات کے تقاضے اور وقت کی ضرورت کا احساس کرتے ہوئے روس اس قرضہ کا کچھ حصّہ ادا کرنا قبول کر سکتا ہے؛

اس بیان سے روس کی اقتصادی کمزوری ظاہر ہوئی۔ اس پر برطانیہ نے مطالبے اور سخت کر دیئے اور گفتگو ناکامیاب ہو گئی۔ گفتگو کی ناکامیابی کی یہ وجہ تھی کہ مجوزہ معاہدہ میں برطانیہ 'جائز مطالبات' کا لفظ رکھنا چاہتا تھا۔ اور روس کا یہ اصرار تھا کہ ان دو لفظوں کی بجائے یہ جملہ ہو کہ جائز مطالبات جن کو دونوں حکومتیں تسلیم کر لیں گفتگو کی ناکامیابی کی خبر پارلیمان کے عام ممبروں کو ملی تو وہ بہت پریشان ہوئے اور دونوں حکومتوں کے زاویہ نگاہ میں امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ ان کی کوشش سے یہ امر طے پایا کہ 'جائز مطالبات' کے بجائے 'تسلیم شدہ مطالبات' کے الفاظ معاہدہ میں درج کئے جائیں۔ روسی نمائندوں نے یہ تجویز منظور کر لی اور دونوں کی جانب سے مذاکرات کی کامیابی کا اعلان کر دیا گیا۔ مسٹر میکڈونل نے اس معاہدے کی تکمیل پر اظہار مسرت کرتے ہوئے یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ اس معاہدہ پر اپنے دستخط فوراً کر دیں گے۔ لیکن دورانِ بیان میں حزب اختلاف کو یہ اطمینان بھی دلایا کہ جب تک دارالعوام سے منظوری نہیں ملیگی اس معاہدہ کا اجراء نہیں کیا جائے گا۔

اس معاہدے پر دستخط ہوتے ہی برطانیہ کی سرمایہ دار جماعت نے یہ پروپیگنڈہ کرنا شروع کر دیا کہ معاہدے کے مطابق جو کثیر رقم بولشیوک حکومت کو قرض دی جائیگی وہ بجائے برطانیہ سے آلات خریدنے کے برطانوی حکومت میں اشتراکی پروپیگنڈے پر

صرف ہوگی۔ اس کثیر رقم کے روس سے وصول ہونے کی کوئی امید نہیں۔ جب لبرل پارٹی کے قائد مسٹر لائڈ جورج نے ایک تقریر کے دوران میں ان خیالات کا اظہار کیا تو روس کے نائب سفیر نے جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"۱۹۱۷ء کی جنگ عظیم میں روس نے اپنے طلائی ذخیرہ کا چالیس فیصدی (چھ کروڑ اسی لاکھ پونڈ) برطانوی حکومت کو پونڈ کی شرح تبادلہ برقرار رکھنے کے لئے امداد کے طور پر دیا تھا وہ ہنوز برطانیہ نے واپس نہیں کیا ہے وہ واحد رقم اس رقم سے دوگنی ہے جو برطانیہ اس وقت قرضے کی شکل میں روس کو دے رہا ہے۔ یہ واقعات عوام کو معلوم نہ ہوں لیکن مسٹر لائڈ جورج کو اس کا علم ضرور ہے جنھوں نے اس رقم کی دستاویز پر دستخط کئے تھے۔"

لیبر پارٹی کا استعفار

سرمایہ دار طبقہ کی یہ کوشش کہ روسی معاہدے کو نسخ کردیا جائے، جاری تھی کہ ایک واقعہ پیش آیا جس نے ان کی دلی تمنا پوری کردی۔ واقعہ یہ ہوا کہ مسٹر کمبل نے انگلستان کی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار میں ایک مقالہ شائع کیا۔ لیبر حکومت کے اٹورنی جنرل نے اس کو قابلِ اعتراض ٹھیرایا اور مقالہ نگار پر مقدمہ دائر کر دیا۔ نہ معلوم کیوں چند روز بعد حکومت نے یہ مقدمہ واپس لے لیا۔ اس سلسلہ میں حزب اختلاف نے دارالعوام میں حکومت پر یہ الزام لگایا کہ لیبر پارٹی کے چند ممبروں کے ناجائز دباؤ سے یہ مقدمہ واپس لیا گیا ہے اس مسئلہ پر بحث ومباحثہ کے بعد رائے لی گئی تو حکومت کو شکست ہوگئی اور اس معاملہ کی تفتیش کے لئے ایک کمیٹی مقرر کردی گئی اگرچہ یہ مسئلہ اتنا اہم نہ تھا کہ شکست ہو جانے پر حکومت مستعفی ہوتی لیکن مسٹر میکڈونل نے سیاسی مصالح کی بناء پر پارلیمان کو منسوخ اور نئے انتخابات کا اعلان کردیا۔ مسٹر میکڈونل کے اس عمل کا محرک ان کا یہ خیال تھا کہ نئے

انتخابات روسی معاہدے کی تکمیل کے نعرے پر لڑے جائیں گے چونکہ جمہور اس معاہدہ کی تکمیل کے حق میں تھے اس لئے یہ امر یقینی معلوم ہوتا تھا کہ لیبر پارٹی کو بڑی اکثریت سے انتخابات میں کامیابی ہو جائے گی۔ اس طرح صاحب موصوف ایک مستحکم لیبر حکومت قائم کر لیں گے قرائن کے اعتبار سے مسٹر میکڈونل کا اندازہ غلط نہ تھا لیکن سرمایہ دارانہ دنیا میں معاشرتی مظاہر عجیب وغریب رونما ہوتے ہیں۔ ان انتخابات میں قدامت پسند پارٹی نے لیبر پارٹی کو کس طرح شکست دی۔ وہ اس لئے تفصیل سے بیان کرنا ضروری ہے تاکہ ناظرین کو موجودہ زمانے کی جمہوریتوں کے طریقہ کار کا اندازہ ہو جائے۔

زینوولیف کے خط کا قضیہ

پارلیمان کے برخاست ہو جانے پر مسٹر بالڈون اور ان کے سرکارکار نے روس کی کمیونسٹ پارٹی کے ایک قائد زینوویف کے ایک جعلی خط کی کاپی برطانیہ کے محکمہ خارجہ میں پہنچائی یہ خط برطانیہ کی کمیونسٹ پارٹی کی مرکزی کمیٹی کے نام سے تھا جس میں زینوویف نے حسب ذیل ہدایتیں دی تھیں۔

(۱) مرکزی کمیٹی کو برطانیہ اور روس میں معاہدے کی کامیابی کے لئے فضا پیدا کرنی چاہیئے۔

(۲) جو لوگ فوجی خدمت کر چکے ہیں ان کو کمیونسٹ پارٹی کا ممبر بنانا چاہیئے۔

(۳) برطانوی افواج میں ایسے سازشی گروہ پیدا کرنے چاہیئیں جو حکم ملنے پر مسلح بغاوت کر سکیں۔

یہ اصل خط نہ تھا بلکہ اصل خط کی نقل تھی۔ اس نقل میں ایسی متعدد خامیاں تھیں جو اس کے حقیقی ہونے میں شبہ پیدا کرتی تھیں۔ مثلاً اس کاپی پر تیسری انٹرنیشنل تحریر تھا۔ حالانکہ انٹرنیشنل کے سرخط پر (تیسری) کا لفظ کبھی نہیں ہوا۔ زینوولیف میکنیس اور کوسینن کے دستخط بھی غلط تھے۔ ج۔ زینوولیف کے بجائے صرف زینوولیف

تحریر تھا۔ اس قسم کی خامیاں دوسرے ناموں میں بھی تھیں۔ زینووِلیف کے نام کے ساتھ
President of The Presidium of The I.K.K.G.
تحریر تھا حالانکہ زینوویف Presidium کا صدر نہیں تھا اور نہ کبھی اس حیثیت
سے دستخط کرتا تھا۔ ۱۴ اکتوبر ۱۹۲۴ء کو زینوویف کے خط کی یہ نقل محکمہ خارجہ میں
موصول ہوئی۔ یہ وہی زمانہ تھا جب انتخابی مہم پورے زور پر تھی اور پارٹیوں کے
قائد اپنی اپنی پارٹی کے نمائندوں کی حمایت میں تمام ملک میں دورہ کرتے پھر رہے تھے
مسٹر میکڈونل بھی انتخابی مہم میں سرگرم تھے۔ اس زمانہ میں اُن کی دو حیثیتیں تھیں۔
وہ وزیر اعظم بھی تھے اور وزیر خارجہ بھی تھے۔ مسٹر میکڈونل کی انتخابی مہم میں مشغولیت
کی بنا پر لارڈ ہالڈین بطور وزیر خارجہ کام کر رہے تھے جب زینوویف کا خط محکمہ
خارجہ میں موصول ہوا سکرٹری نے بجائے لارڈ ہالڈین کے سامنے پیش کرنے کے
اس کو اس مقام پر روانہ کر دیا جہاں مسٹر میکڈونل تقریر کرنے والے تھے سکرٹری کا
لارڈ ہالڈین کو خط نہ دینا شاید یہ بھی سازش کا ایک جزو تھا۔ اگر لارڈ موصوف کو خط مل جاتا
تو وہ اس کے متعلق لندن میں روسی سفیر سے گفتگو کر لیتے اور اس طرح خط کے جعلی
ہونے کی قلعی فوراً کھل جاتی۔ مسٹر میکڈونل کو یہ خط ۱۶ اکتوبر کو ملا۔ انتخابی مہم کی پریشانیوں
نے ان کو اتنی مہلت نہ دی کہ وہ اس معاملہ پر زیادہ توجہ دیتے۔ شاید ان کو یہ گمان
بھی نہ گذرا کہ آئندہ چند روز میں یہ خط لیبر پارٹی کی شکست کا باعث بن جائے گا
مسٹر میکڈونل نے اس خط پر یہ حکم تحریر کر دیا کہ اس کی صحت کے متعلق مکمل تحقیقات کی
جائے۔ نیز روس روانہ کرنے کے لئے ایک احتجاجی نوٹ کا مسودہ تیار کر لیا جائے تاکہ
اگر تحقیقات پر اس خط کے حقیقی ہونے کا کافی ثبوت مل جائے تو احتجاج کرنے میں تاخیر
نہ ہو۔ ادھر تو یہ ہو رہا تھا دوسری جانب قدامت پسند پارٹی عوام کو زینوویف کے
نام۔ اس کے خیالات اور روس میں اس کی حیثیت سے آشنا کرانے میں مشغول تھی تاکہ

جب خط کا معاملہ عام ہو تو جمہور مکمل طور پر متاثر ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں ۲۰ اکتوبر کو ایک تقریر کے دوران میں مسٹر بالڈون نے کہا:۔

"زینو ویف جس بدتمیزی سے وزیر اعظم برطانیہ کا ذکر کرتا ہے اس سے میرا خون کھولنے لگتا ہے۔"

سیاسی دنیا کا طریقہ کار عجیب ہوتا ہے مسٹر میکڈونل کی پشت میں مسٹر بالڈون خنجر مارنے والے تھے لیکن اس جملہ سے مسٹر میکڈونل سے ہمدردی ٹپکتی تھی۔ مسٹر بالڈون کے مندرجہ بالا جملے کا اصل مقصد جمہور کو زینوویف کے نام سے آشنا کرانا تھا ۔ ۲۱ اکتوبر کو تمام قدامت پسند اخباروں میں یہ خبر شائع ہوئی کہ ایک سفید روسی جس کو زینوویف نے قتل کی سزا کا حکم سنایا تھا وہ بڑی دشواری سے روس سے فرار ہو کر قدامت پسند پارٹی کے دفتر میں آیا اور اس نے زینوویف کی زندگی پر روشنی ڈالی۔ اس خبر کے سلسلہ میں تمام رجعتی اخباروں میں زینوویف کی سوانح شائع ہوئی:۔

سرمایہ دار پریس نے اس تدبیر سے جمہور میں زینوویف کے خلاف جذبہ پیدا کر دیا۔ اس روز ایوننگ نیوز نے یہ خبر شائع کی "باخبر حلقوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ انتخابات سے ایک روز قبل ایک سیاسی بم پھٹنے والا ہے جس کا تعلق زینوویف سے ہوگا" یہ اشارہ اس جعلی نقل کی اشاعت کی جانب تھا۔

۲۱ اکتوبر کو محکمہ خارجہ کے سکرٹری سر آئیر کرو نے ایک احتجاجی نوٹ کا مسودہ مسٹر میکڈونل کی منظوری کے لئے روانہ کیا۔ تیسرے روز وہ مع اصلاح کے واپس آگیا لیکن مسٹر میکڈونل نے اس پر دستخط نہیں کئے دستخط نہ کرنے کا یہ مفہوم تھا کہ اس مسودہ کی صاف کاپی تیار رکھی جائے اور جب تک اس خط کے حقیقی ہونے کا ثبوت بہم نہ پہنچے اس وقت تک مزید کارروائی ملتوی رکھی جائے۔ مسٹر میکڈونل کے دستخط نہ کرنے

سے سازشی گروہ کے لئے یہ مسئلہ پیدا ہو گیا کہ اس یادداشت کو نائب سفیر روس کو بلا دستخط کیسے روانہ کیا جاتے۔ دفتری زندگی میں اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب کوئی غیر آئینی کارروائی کرنی ہوتی ہے تو کسی چھوٹے اہلکار سے کاغذات پر دستخط کرا دئے جاتے ہیں۔ اس معاملے میں بھی یہ ہوا کہ محکمہ خارجہ کے سکرٹری اور نائب سکرٹری نے اس احتجاجی نوٹ پر دستخط نہیں کئے بلکہ ایک چھوٹے اہلکار مسٹر گریگوری کے دستخطوں سے یہ نوٹ نائب سفیر روس کو روانہ کر دیا۔ محکمہ خارجہ نے اس غیر آئینی کارروائی پر اکتفا نہ کیا بلکہ بین الاقوامی ضابطے کے خلاف روس کے نائب سفیر کے جواب آنے سے قبل ہی اس معاملے کے متعلق تمام مواد پریس کو دے دیا۔ ایسا کرنا سازش کی تکمیل کیلئے ضروری تھا۔ ۲۲ اکتوبر کو جب یہ مقالہ اخبارات میں جلی سرخیوں میں آیا تو تمام انگلستان میں سنسنی پھیل گئی۔ خاص تدبیر کے مطابق رجعتی اخبارات نے اس خبر کو نہایت اہمیت دی اور اس پر تنقید و تبصرہ کا سلسلہ شروع کر دیا۔ سرمایہ دار طبقہ نے بیک آواز ملک کے گوشہ گوشہ میں یہ پروپیگنڈہ کیا کہ اگر لیبر پارٹی انتخابات میں کامیاب ہوئی تو انگلستان پر مسٹر میکڈونل کے پردے میں روس کے ظالم و جابر قائد زینوویف کی حکومت ہو گی۔

حالات و واقعات کی اس تیز رفتاری پر سب سے زیادہ تعجب خود مسٹر میکڈونل کو تھا۔ وہ اس معمہ کو حل کرنے سے قاصر تھے کہ محکمہ خارجہ نے بلا ان کی اجازت یہ معاملہ کس طرح پریس کو دے دیا۔ سیاسی امور میں صاحب موصوف ہنوز طفل مکتب تھے۔ ان کیلئے قدامت پسند پارٹی کے شاطروں سے مقابلہ کرنا دشوار تھا اگرچہ برطانیہ کے احتجاجی نوٹ کے موصول ہوتے ہی روس کے نائب سفیر نے اس خط کو جعلی قرار دیا اور اس معاملے کو کسی غیر جانبدار عدالت کے سپرد کرنے کی تجویز پیش کی لیکن یہ سب مستقبل کی باتیں تھیں زینوویف کے افسانے سے عوام پورے طور پر متاثر ہو چکے تھے۔ سرمایہ دار جماعت کی اس

جعل سازی کا یہ نتیجہ ہوا کہ نئے انتخابات میں مزدور پارٹی صرف ۱۵۱ نشستیں حاصل کر سکی ان حالات میں مسٹر میکڈونل کو وزارت سے مستعفی ہونا پڑا۔ اور ان کی بجائے قدامت پسند پارٹی کے قائد مسٹر بالڈون وزیر اعظم برطانیہ بن گئے۔ حکومت کی تشکیل ہو جانے کے بعد پارلیمان کا اجلاس ہوا جس میں مسٹر آرتھی میکینن نے (جن کے نام زینوویف کا خط تھا) حکومت کو چیلنج کیا کہ وہ ان پر مقدمہ چلائے تاکہ صاحب موصوف اس خط کے جعلی ہونے کا ثبوت پیش کر سکیں۔ مسٹر میکڈونل نے ایک تجویز کے ذریعہ سے دارالعوام میں یہ مطالبہ کیا کہ اس معاملہ کے متعلق محکمہ خارجہ کے افسروں کی غیر جانبداری پر شبہ ہوتا ہے اس لئے ایک تحقیقاتی کمیشن مقرر کیا جائے۔ دارالعوام میں لیبر پارٹی نے خوب شور و شغب کیا لیکن سانپ نکل جائے تو لکیر پیٹنا لاحاصل رہتا ہے کیونکہ اب دارالعوام میں قدامت پسند پارٹی کی اکثریت تھی اس لئے لیبر پارٹی کی ہر تجویز مسترد کر دی جاتی تھی کچھ عرصے بعد مسٹر گریگوری ایک مالی معاملہ میں پھنس گئے اور عہدے سے سبکدوش کر دئے گئے۔ محکمہ خارجہ سے علیحدگی کے بعد انھوں نے زینوویف کے خط کے بارے میں ایک کتاب تصنیف کی جس میں اس امر کا اعتراف کیا کہ زینوویف کا اصل خط کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ اصل خط کی نقل پر یہ تمام ہنگامہ آرائی ہوئی تھی۔ اس کتاب میں کہیں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ یہ نقل حقیقی تھی۔ یہ مہذب قوموں کے جمہوری نظام ہیں جعلی دستاویزوں کے ذریعہ سے جمہور کو مغالطہ دے کر انتخابات میں کامیابی حاصل کی جاتی ہے اور اس جعل سازی میں مسٹر بالڈون وزیر اعظم برطانیہ اور دوسرے جلیل القدر مدبرین اور ذمہ دار عہدیداروں کا ہاتھ نظر آتا ہے۔ جہاں تک قانون کا تعلق ہے حکومت کے عہدے دار سیاست میں حصہ نہیں لے سکتے لیکن عمل اس کے برعکس ہوتا ہے۔ چند عہدیداروں کی تدبیر لیبر پارٹی کی شکست میں رونما ہوئی مسٹر بالڈون اور ان کی پارٹی جعلی سازش کے ذریعہ سے ان منصبوں پر قابض ہو رہے تھے جن پر متمکن

ہونے کے بعد ان سے یہ توقع تھی کہ وہ ہر طبقہ کے مفاد کو انصاف اور رواداری سے دیکھیں گے۔ یہ وہ تماشہ ہے جس کو عصرِ حاضر میں جمہوریت کہہ کر پکارا جاتا ہے۔ اور جس کی بابت یہ دعوے کئے جاتے ہیں کہ جمہوریت عوام کے اشتراک سے عوام کے مفاد میں عوام کی حکومت ہوتی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ عصرِ حاضر کی جمہوریت عوام کی کم فہمی اور سادہ لوحی سے فائدہ اٹھا کر خواص کے مفاد میں خواص کی حکومت ہوتی ہے۔

مسٹر بالڈون کی رُوسی دشمنی

وزیرِ عظیم کے عہدے پر قابض ہونے کے بعد مسٹر بالڈون کا پہلا اہم کام موسکو کو یہ اطلاع دینا تھا کہ برطانوی حکومت سوویٹ معاہدے کو دارالعوام میں پیش کرنے سے قاصر ہے۔ معاہدے کی منسوخی کے بعد سرمایہ دار طبقے کے اخبارات میں یہ پروپیگنڈا شد و مد سے کیا جانے لگا کہ مشرق کی غیر مہذب اقوام کے حملے سے کلیسا اور مغربی یورُپ کے تمدن کو محفوظ رکھنے والا واحد طریقہ یہ ہے کہ یورپ کی کوئی حکومت سوویٹ روس سے دوستانہ تعلقات پیدا نہ کرے۔ چنانچہ دنیا کے ہر گوشے سے موسکو کی انقلابی سازشوں کی اطلاعات تمام رجعتی اخبارات میں شائع ہونی شروع ہو گئیں۔ اخبارات کے صفحے دنیا کو یہ یقین دلانے کی سعی میں سیاہ کئے جانے لگے کہ اشتراکی فلسفہ ایسے شیطانی تصورات کا حامل ہے کہ اگر وہ عام ہو گئے تو بنی نوع انسان نے آج تک جو تمدنی ترقی کی ہے وہ خاک میں مل جائے گی اس زمانہ میں ایک طرف تو برطانیہ کا سرمایہ دار طبقہ روس دشمنی پر آمادہ تھا۔ دوسری جانب بالواسطہ روس سے کاروبار بھی کر رہا تھا۔ اس کاروبار کی یہ شکل تھی کہ جرمنی کثیر تعداد میں مشینیں وغیرہ روس کو کریڈیٹ پر فروخت کر رہا تھا۔ روسی حکومت جرمن فرموں کے بِل قبول کر کے ان کو واپس کر دیتی تھی۔ جرمن کارخانے دار بِل انگلستان کے کسی بنک کو روانہ کر دیتے اور وہ بنک ان بِلوں پر جرمن کارخانہ داروں کو رقم دے دیتا۔ اس طرح بلا کر روس سے

تجارتی معاہدہ کئے ہوئے برطانیہ کے بنک بالواسطہ روس سے منفعت بخش کاروبار کر رہے تھے اس بالواسطہ کاروبار کرنے میں سرمایہ دار طبقہ تو نفع کما رہا تھا لیکن مزدور طبقہ پہلے کی طرح بے روزگاری کا شکار بنا ہوا تھا لیکن سرمایہ دار طبقہ کے نقطۂ نگاہ سے اس کاروبار کا ایک نہایت اہم نتیجہ برآمد ہو رہا تھا وہ یہ کہ جرمن حکومت برطانیہ کے زیر اثر آتی جا رہی تھی اور یہ امکان پیدا ہوتا جا رہا تھا کہ مستقبل میں جرمن اور روس کو دست و گریباں کر دیا جا سکے گا۔

اسی زمانہ میں چین میں انقلابی تحریک طاقتور ہو گئی اور برطانیہ کے روبرو حکومت چین نے یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ چین کی بندرگاہیں شنگائی وغیرہ چین کو واپس کر دی جائیں صرف شنگائی میں برطانیہ کا پچیس کروڑ پونڈ سرمایہ لگا ہوا تھا۔ ظاہر ہے کہ برطانیہ اس مطالبے کو ماننے سے قاصر تھا۔ جب روس نے چین کے اس مطالبہ کی تائید کی تو بجائے چینیوں کو دھمکانے کے برطانیہ نے روس پر ناراض ہونا شروع کر دیا۔ برطانیہ کی اس روش پر تنقید کرتے ہوئے روس کے وزیر خارجہ موسیو چیچرن نے کہا:۔

"چین میں غیر ممالک کے خلاف بغاوت اور غیر اقوام کو خارج کرنے کی سعی اس بناء پر ہے کہ مغربی ممالک نے چین کو اس کے جائز حقوق سے محروم کر رکھا ہے۔ لارڈ برکنہڈ کا یہ پروپیگنڈہ کہ چین میں برطانیہ کے خلاف روس شورش پھیلا رہا ہے قطعی غلط ہے۔ سوویٹ روس نے ہمیشہ برطانیہ سے خوش گوار تعلقات قائم رکھنے کی کوشش کی۔ ہم نے برطانیہ سے معاہدہ کر لیا تھا لیکن نہ معلوم کس بناء پر برطانیہ نے اس کو مسترد کر دیا۔ دنیا کا امن برقرار رکھنے کے لئے ہم ہر حکومت سے تعاون کرنے کیلئے تیار ہیں۔"

موسیو چیچرن کے اس صلح کل بیان کی روشنی میں پارلیمان میں لیبر پارٹی کے ایک ممبر نے وزیر داخلہ مسٹر چیمبرلین سے استفسار کیا کہ کیا وہ از سر نو سوویٹ روس سے مصالحت کی

گفتگو کرنا پسند کریں گے۔ اس پر حکومت کی طرف سے نفی میں جواب مل گیا۔ برطانوی حکومت کے اس رویہ کے باوجود جب روس کا نائب سفیر موسکو سے لندن واپس آیا تو اس نے برطانیہ سے ایک کروڑ پچاس لاکھ پونڈ کے آلات خریدنے کی خواہش ظاہر کی لیکن برطانیہ اپنے خاص مقاصد کو مدنظر رکھتے ہوئے کوئی ایسا قدم اٹھانا نہیں چاہتا تھا جس سے روسی حکومت کی اقتصادی پریشانیوں میں تخفیف ہو۔ چنانچہ برطانیہ نے اس فرمائش کو پورا کرنے سے اپنی معذوری ظاہر کردی۔ اس پر سوویٹ کے نائب سفیر نے ایک بیان کے دوران میں کہا:-

"ہنوز تعلقات میں آشوب آیا ہوا ہے اور انگلستان میں ایک طبقہ ایسا ہے جو ہر وقت روس کے سینہ پر پستول رکھنا چاہتا ہے خفیف سے خفیف اختلافات پر سوویٹ سے تعلقات ختم کردئے جاتے ہیں۔ روس کی جغرافی حیثیت کچھ ایسی ہے کہ وہ ایشیائی ملک بھی ہے اور یورپ کا حصہ بھی ہے۔ قدرتاً سوویٹ روس کو یورپ اور ایشیا میں اپنے مفاد کا تحفظ کرنا پڑتا ہے اور برطانیہ کے ایک خاص طبقہ کو یہ امر قابل اعتراض معلوم ہوتا ہے اس طبقہ کا سیاسی نظریہ یہ ہے کہ سوویٹ اور برطانیہ کا وجود ایک دوسرے کی نفی کرتا ہے۔"

لوکارنو کے معاہدے

یہ امر ناممکن تھا کہ کرۂ زمین کے ⅙ حصہ پر اشتراکی انقلاب ہوتا اور دنیا کے دوسرے حصے خاص کر یورپ متاثر نہ ہوتا۔ روس میں مزدور طبقے کے برسر اقتدار آنے سے یورپ کے تمام ملکوں کے مزدور طبقوں میں برسر اقتدار آنے کی آرزو پیدا ہوگئی۔ یورپ کی مزدور پارٹیاں یہ سوچتی تھیں کہ اگر غیر ترقی یافتہ روسیوں کی نسبتاً قلیل مزدور جماعت انقلاب کے ذریعہ سے حکومت پر قبضہ کرسکتی ہے تو آخر وہ ایسا کیوں نہیں کرسکتے۔ یورپ کے مزدور طبقات

کے تحت الشعور میں یہ خیال کام کر رہا تھا اور یورپ کے سرمایہ دار طبقہ کو یہ علم تھا کہ اگر مزدور جماعت میں یہ خیال قائم رہا تو یورپ کا سرمایہ دارانہ نظام فنا ہو جائے گا یہ استدلال تھا جس کے ماتحت یورپ کے دوسرے ملکوں نے روس کے خلاف ایک دوسرے سے صلح و آشتی کے معاہدے کرنے شروع کر دیتے تھے یہ تمام معاہدے مجموعی طور پر لوکارنو کا معاہدہ کہلاتے ہیں۔ برطانیہ کی قیادت میں ان معاہدوں کا ہونا اس امر کا اعلان تھا کہ روس کو جنگ کے لئے تیار ہو جانا چاہیے۔ لوکارنو کا دوسرا اہم نتیجہ یہ تھا کہ برطانیہ نے اپنی حکمت عملی سے جرمنی کو روس سے بیگانہ کر دیا تھا۔ چنانچہ ایک موقع پر تقریر کرتے ہوئے حکومت برطانیہ کے نائب سکریٹری نوآبادیات نے کہا:۔

"لوکارنو کے مذاکرات کا مقصد یہ معلوم کرنا تھا کہ آیا جرمنی یورپ کی متمدن قوموں کے ساتھ اشتراک عمل کرنا چاہتا ہے یا روس کے ساتھ متحد ہو کر مغربی تہذیب و تمدن کو فنا کرنا چاہتا ہے۔ روس کا وزیر خارجہ اس غرض سے جرمنی پہنچا تھا کہ اس ملک کو معاہدے میں شریک ہونے سے باز رکھے لیکن اس کی یہ سعی بے سود ثابت ہوئی۔ لوکارنو کے معاہدے کا سب سے اہم نتیجہ یہ ہے کہ جرمنی سے روس کنارہ کش ہو گیا اور اول الذکر مغربی جمہوریتوں کے ساتھ تعاون کرنے پر آمادہ ہو گیا ہے۔"

برطانوی سیاست کا یہ شاہکار روس کی نظروں میں خار کی طرح کھٹکا چنانچہ جب روس کے محکمہ خارجہ کا کمیسار فرانس آیا اس نے ایک اخباری نمائندے کو جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"ہم لوکارنو کو خطرے کی نظر سے دیکھتے ہیں اس معاہدے پر جب دستخط ثبت کیے گئے اس وقت یہ اعلان کیا گیا تھا کہ یہ معاہدہ دنیا میں امن قائم کرے گا۔ ہم ہنوز امن کی علامتیں نہیں دیکھتے جنھوں نے اس معاہدے پر دستخط ثبت کئے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ یہ صرف آغاز ہے ہیں یہ دریافت کرنا

چاہتا ہوں" صلح کا یا جنگ کا"

برطانیہ اور روس کے درمیان قرضہ کے مسئلے پر مذاکرات ناکامیاب ہونے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کمیسار نے کہا:۔

"مجھے امید ہے کہ انگریزوں کی عملی قوم یہ حقیقت ضرور سمجھتی ہے کہ اس طرح معاہدے نہیں ہو سکتے کہ ایک فریق تمام شرائط قبول کرے اور دوسرا کوئی بھی نہ کرے۔ اگر یہ امر ذہن میں رکھا جائے کہ جانبین ایک دوسرے کے کچھ نہ کچھ مطالبات ضرور قبول کریں تو مذاکرات کامیاب ہو سکتے ہیں"

انگلستان کے ہڑتالیوں کو روسی امداد

موسیو چیچرن کے مندرجہ بالا بیان سے مصالحت کی خواہش ظاہر تھی۔ اس بیان کے شائع ہونے پر لیبر پارٹی نے حکومت پر زور دیا کہ روس سے تعلقات قائم کرنے کی سعی دوبارہ کی جائے۔ چنانچہ سرمایہ داروں کا ایک وفد روس روانہ ہو گیا تاکہ مقامی طور پر روس کی اقتصادی حالت کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ اندازہ لگائے کہ روسی حکومت کے استحکام کا کیا حال ہے۔ اس وفد نے روس سے واپس ہو کر جو بیان دیا اس سے یقین ہو گیا کہ روس کی اقتصادی حالت بہتر ہوتی جا رہی ہے۔ اس حکومت کے استحکام میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ وفد کے اس بیان سے یہ امید پیدا ہوتی جا رہی تھی کہ برطانیہ اور روس کے درمیان مذاکرات شروع ہو جائیں گے کہ واقعات نے ایسی کروٹ لی کہ یہ توقعات مفقود ہو گئیں۔ واقعہ اس طرح ہوا کہ انگلستان کے مزدور طبقہ نے اپنی بدحالی نیز روس کی مزدور حکومت کی مثال سے متاثر ہو کر پہلا انقلابی قدم یہ اٹھایا کہ تمام انگلستان میں مکمل ہڑتال کر دی اس ہڑتال کی تنظیم اور ہمہ گیری سے یہ مترشح ہو رہا تھا کہ اس کا مقصد صرف اقتصادی مراعات حاصل کرنا نہیں تھا بلکہ انقلاب کے ذریعہ سے حکومت پر قبضہ کرنا تھا۔ ہڑتال کامیاب تھی ان حالات میں یورپ کے دوسرے

ملکوں کی مزدور انقلابی جماعتوں کا برطانیہ کے ہڑتالیوں کی امداد کرنا قدرتی امر تھا سویڈن لٹویا، چیکوسلاواکیہ کی مزدور ٹریڈ یونین انگلستان کی ٹریڈ یونین کو چندہ روانہ کر رہی تھی اس زمانہ میں روس کی ٹریڈ یونین نے برطانیہ کے ہڑتالیوں کو بارہ لاکھ پچاس ہزار پونڈ چندہ روانہ کیا۔ دوسرے ممالک کے چندے آنے پر تو برطانیہ خاموش رہا لیکن روس کی مالی امداد آنے پر برطانوی حکومت بہت ناراض ہو گئی روس اور برطانیہ کی مزدور جماعتوں میں رشتۂ اخوت کا مظاہرہ انگلستان کی سرمایہ دار جماعت کے لئے ناقابل برداشت تھا۔ چنانچہ مسٹر چیمبر لین نے دار العوام میں روس کی ٹریڈ یونین کی اس مالی امداد کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

"میں نے برطانیہ کے نائب سفیر مقیم ماسکو کو ہدایت کر دی ہے کہ وہ حکومت روس پر اس امر کا اظہار کر دے کہ برطانیہ روسی حکومت کے اس اقدام پر کہ اس نے روس کی ٹریڈ یونین کو انگلستان کے ہڑتالیوں کو مالی امداد بہم پہنچانے کی اجازت دی خاموش نہیں رہ سکتی۔ یہ ہڑتال غیر آئینی اور انقلاب انگیز ہے۔ روسی حکومت کا یہ اقدام دوستانہ نہیں ہے اور ان مسائل کے سلجھانے میں دشواری پیدا کر دے گا جن پر ہنوز اختلاف ہے۔"

روس نے برطانیہ کے اس احتجاج کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"غیر ممالک کو زر روانہ کرنے کے لئے حکومت روس کی اجازت لینی پڑتی ہے۔ اس امر کے علاوہ غیر ملکوں کو زر روانہ کرنے پر کوئی پابندی نہیں ہے روس کے ٹریڈ یونین لاکھوں کروڑوں کسانوں اور مزدوروں پر مشتمل ہیں حکومت روس یہ نہیں کر سکتی کہ ان کو برطانوی ہڑتالیوں کو مالی امداد روانہ کرنے سے روکے، حکومت برطانیہ کی یہ اطلاع غلط ہے کہ حکومت روس نے مالی امداد روانہ کی درحقیقت امداد ٹریڈ یونینوں نے روانہ کی تھی۔"

روس کے اس جواب نے آگ پر تیل کا کام کیا اور برطانوی حکومت روس سے تعلقات منقطع کرنے پر آمادہ ہو گئی۔ دنیا کا قاعدہ یہ ہے کہ کمزور پر غصہ آ ہی جاتا ہے۔ آئر کی جنگ آزادی کے دوران میں امریکہ سے ڈی ویلرا کو برابر مالی امداد ملتی رہی جس پر برطانیہ خاموش رہا۔ چونکہ روس کمزور تھا اس لئے اس کو اس اقدام کی سزا دینی ضروری تھی چنانچہ مسٹر چرچل نے ایک تقریر کے دوران میں یہ اعلان کیا:۔

"جو لوگ روس کو قرضہ دینے کے حق میں ہیں ان کو اس خطرہ کا احساس کر لینا چاہیئے کہ حکومت ان کے قرضے کی وصولی کی ذمہ داری نہیں لے سکتی۔ حکومت برطانیہ روسی ایجنٹ مقیم لنڈن کا ہر وقت اخراج کر سکتی ہے۔ تاجروں کو میرا مشورہ ہے کہ روس سے قیمت وصول ہونے پر مال روانہ کریں۔"

مسٹر چرچل کی یہ تقریر ہوا کا رخ بتا رہی تھی اور سیاسی مبصر یہ اندازہ لگا رہے تھے کہ روس اور برطانیہ کے تعلقات خراب ہونے والے ہیں۔

روس اور برطانیہ کے تعلقات میں آشوب

ستمبر ۱۹۲۴ء کو مسٹر کریسن لندن میں روس کے نائب سفیر مقرر ہوتے۔ عہدے پر فائز ہونے کے چند روز بعد مسٹر کریسن نے ایک اخباری نمائندے سے دوران ملاقات میں حسب ذیل گفتگو کی:۔

اخباری نمائندہ۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ برطانیہ نے زار روس کو قرضہ دیا تھا اگر سویٹ روس اس کو تسلیم کر لے تو برطانیہ سے مزید قرضہ ملنے کے امکانات روشن ہو جائیں گے۔

کریسن۔ قرضہ کا معاملہ پیچیدہ ہے۔ تاہم میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ

سنہ ۱۹۲۴ء میں ہم نے نہیں بلکہ برطانوی حکومت نے معاہدے کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔

اخباری نمائندہ۔ کیا سوویٹ روس کی یہ تمنا اور سعی نہیں ہے کہ تمام سرمایہ دار ممالک میں اشتراکی نظام قائم ہو جائے۔

کریسن۔ ہمارا مقصد صرف یہ ہے کہ روس کا یورپ میں جو سیاسی حق ہے وہ اس کو حاصل ہو جائے۔

اخباری نمائندہ۔ جب آپ سرمایہ دار ملکوں سے قرضے کی درخواست کرتے ہیں تو گویا آپ یہ درخواست کرتے ہیں کہ سرمایہ دار ممالک اپنا گلا آپ کاٹ لیں۔

کریسن۔ سرمایہ دارانہ نظام کی بقاء اور فنا کا انحصار روس کو قرضہ دینے یا نہ دینے پر نہیں ہے۔ آرم اسٹرونگ کی فرم سوویٹ روس کو قرضے پر انجن وغیرہ دے رہی ہے۔ آپ کے نقطۂ نگاہ سے گویا یہ فرم کمیونزم کی مدد کر رہی ہے لیکن مجھے آپ سے اختلاف ہے امریکہ ہمیں ٹریکٹر روانہ کر رہا ہے۔ کیا اس کے یہ معنی ہیں کہ ہماری مدد کر کے امریکہ دنیا میں اشتراکی انقلاب برپا کرنا چاہتا ہے ہمیں فورڈ اپنی مصنوعات قرض دیتا ہے۔ تجارت کو تجارتی نقطۂ نظر سے دیکھنا چاہیئے۔ جرمنی۔ فرانس اور اطالیہ ہم سے جن شرائط پر تجارت کرتے ہیں وہ برطانیہ کی نسبت بہت معقول اور نرم ہیں۔ فرانس اور اطالیہ ہمارے لئے جہاز تیار کر رہے ہیں"

موسیو کریسین کا یہ بیان برطانیہ کو روس سے تعلقات قائم کرنے کی دعوت تھا۔ لیکن ان کی کوشش بیکار ہی ثابت ہوئی۔ ۷ اکتوبر سنہ ۱۹۲۶ء کو قدامت پسند پارٹی نے

اپنے ایک اجلاس میں روس سے تعلقات منقطع کرنے کی تجویز منظور کر لی جس سے تعلقات کا ختم ہو جانا یقینی امر ہو گیا۔ اس امکان کا سد باب کرنے کی سعی میں ۱۴ اکتوبر کو لیبر پارٹی نے اپنی کانفرنس میں تجویز منظور کر لی کہ حکومت کو روس سے تجارتی رشتہ فوراً قائم کرنا چاہیئے۔ برطانیہ کی دو مقتدر پارٹیوں میں یہ سیاسی رسا کشی جاری تھی کہ مسٹر کرسین وفات پا گئے۔ تاہم سوویٹ روس کی یہ سعی جاری رہی کہ برطانیہ سے تجارت کے دروازے کھل جائیں اس سلسلہ میں روس کے وزیر خارجہ مو سیو چیچرن نے برلن میں اپنے بستر علالت سے ایک بیان کے دوران میں کہا:۔

"فرانسیسی زبان میں ضرب المثل ہے یہ جانور بہت بدمعاش ہے جب بھی اس پر حملہ کیا جاتے یہ مدافعت کرتا ہے۔ سوویٹ روس پر یہ الزام لگایا جاتا ہے کہ اس کے ایجنٹ برطانیہ کے خلاف تبلیغ کر رہے ہیں۔ اس سلسلہ میں ہماری اطلاعات یہ ہیں کہ برطانیہ کے ایجنٹ مشرق و مغرب میں روس کے خلاف سازش کرنے میں سرگرم ہیں۔ اس قسم کے الزامات سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ یہ حقیقت باقی رہتی ہے کہ روس نے ہمیشہ دست تعاون بڑھایا اور برطانیہ نے ہمیشہ اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔"

روسی مدبروں کے مصالحت آمیز لب و لہجہ کے باوجود ۲۳ فروری ۱۹۲۶ء کو برطانیہ نے سوویٹ حکومت کو ایک یادداشت روانہ کی جس میں یہ انتباہ کیا گیا تھا کہ اگر روس نے موجودہ رویہ نہ بدلا تو روس سے نہ صرف تجارتی بلکہ ڈپلومیٹک تعلقات بھی ختم کر دیئے جائیں گے۔ روس نے اس یادداشت کا حسب ذیل جواب دیا:۔

"برطانوی نوٹ نے سوائے زینوویف کے جعلی خط کے واقعہ کے کوئی مخصوص الزام روس پر عائد نہیں کیا۔ برطانوی حکومت کی یہ عادت ثانیہ

بن گئی ہے کہ وہ روس پر الزامات لگاتی رہتی ہے۔ اگر برطانیہ نے روس سے ڈپلومیٹک تعلقات منقطع کئے تو اس اقدام سے جو نتائج برآمد ہوں گے ان کی تمام ذمہ داری برطانیہ پر ہوگی۔"

کمیونسٹ پارٹی کے اخبار ازوستیا نے برطانوی نوٹ پر تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا: "آئینی دستور کے خلاف برطانیہ کا نوٹ پہلے انگلستان کے اخبارات میں شائع ہوا۔ اس کے بعد حکومت روس کو موصول ہوا۔ نوٹ اپنے مقصد میں ناکام رہا۔ اس میں کسی ایسے الزام کا ذکر نہیں ہے جس کی بناء پر برطانیہ روس سے تجارتی اور ڈپلومیٹک تعلقات منقطع کرنے میں حق بجانب معلوم ہو۔"

اس سلسلہ میں ٹائمس کے ایک سیاسی نامہ نگار مقیم جنیوا نے لکھا۔

"غیر ممالک کے اخباری نمائندوں کی متفقہ رائے ہے کہ برطانیہ کا نوٹ روس کے خلاف ڈپلومیٹک جنگ کا اعلان ہے اور اس نوٹ کے فوراً ہی بعد برطانیہ کا پولینڈ اور رومانیہ سے نئی بنیادوں پر تعلقات کو زیادہ مستحکم بنانے کی سعی اس امر کی علامت خیال کی جارہی ہے کہ برطانیہ ان ملکوں کو روس کے خلاف استعمال کرنا چاہتا ہے۔"

اس زمانہ میں ایک اور واقعہ پیش آیا جس کو چند جملوں میں بیان کر دینا ضروری ہے۔ سنہ ۱۹۲۰ء میں رومانیہ نے روسی علاقہ برآبیہ پر قبضہ کر لیا تھا لیکن روس اور اطالیہ نے اس کو ہنوز تسلیم نہیں کیا تھا۔ اس زمانہ میں دفعتاً اطالیہ نے برآبیہ پر رومانیہ کا قبضہ تسلیم کر لیا۔ عام طور پر سیاسی حلقوں میں یہ گمان کیا جا رہا تھا کہ اطالیہ کا یہ اقدام برطانیہ کی سعی کا نتیجہ تھا اور اب اطالیہ بھی برطانیہ کے حلقہ اثر میں آگیا تھا۔ سیاسی حلقوں میں یہ افواہ گرم تھی کہ روس اور برطانیہ میں تعلقات خراب ہو رہے ہیں کہ روس کے ڈیلیگیشن کی تلاشی کا واقعہ پیش آیا جس نے اس افواہ پر مہر ثبت کر دی۔

روس کے تجارتی ڈیلیگیشن کی تلاشی

روس کا تجارتی ڈیلیگیشن لندن میں ایک تجارتی ادارہ تھا اس کو قریب قریب وہی مراعات اور اعزاز حاصل تھا جو سفارت خانوں کو ہوتا ہے اور بین الاقوامی دستور کے مطابق اس کی تلاشی نہیں لی جا سکتی تھی۔ ایک روز برطانوی پولیس نے اس ادارہ کے دفتر پر چھاپہ مارا۔ میڈم میبیکی جب عمارت سے باہر آنے لگیں پولیس نے ان کے کپڑوں اور جسم کی تلاشی لی۔ اس غیر معمولی اقدام کے جواز میں حکومت برطانیہ نے یہ بیان دیا کہ ایک اہم سیاسی دستاویز گم ہو گئی تھی اور حکومت کو خفیہ ذرائع سے یہ علم ہوا تھا کہ دستاویز روس کے تجارتی ڈیلیگیشن کے دفتر میں ہے۔ اسلئے تلاشی لی گئی تھی۔ روس کا نائب سفیر پولیس کی اس غیر آئینی اور توہین آمیز تلاشی کے خلاف احتجاج کرتا پھرتا تھا لیکن اس کی شنوائی نہیں ہوتی تھی۔ اس سلسلہ میں روس کے نائب سفیر نے جب سر آسٹن چمبرلین سے ملنا چاہا تو یہ جواب ملا "برطانیہ کے وزیر خارجہ اس وقت ملاقات نہیں کر سکتے البتہ کل شرفِ باریابی بخش سکتے ہیں" ان امور سے متاثر ہو کر موسکو کی حکومت نے برطانیہ کو ایک نوٹ روانہ کیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ تجارتی معاہدے کی بموجب برطانیہ آرکوس کی تلاشی لینے کی مجاز نہیں تھی۔ اس پر ۲۴ مئی ۱۹۲۷ء کو مسٹر بالڈون نے دارالعوام میں آرکوس پر پولس کی یورش کا ذکر کیا اور اس اقدام کی حسب ذیل وجوہات بیان کیں:۔

(۱)۔ روس کے جاسوس برطانیہ کی حربی ایجادات وغیرہ کی بابت اپنی حکومت کو معلومات بہم پہنچانے میں سرگرم تھے اور ان کی اس کارروائی کا مرکز ڈیلیگیشن کا دفتر تھا۔

(۲)۔ ایک نہایت اہم دستاویز گم ہو گئی تھی اور یہ یقین کیا جا رہا تھا کہ وہ آرکوس میں ہے۔

(۳)۔ آرکوس کی تلاشی سے ایسے کاغذات برآمد ہوئے جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ سوویٹ حکومت برطانیہ کی کمیونسٹ پارٹی سے سازباز کر رہی ہے۔

اس کے بعد مسٹر بالڈون نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر دارالعوام نے حکومت کی تجویز منظور کر لی تو تجارتی معاہدے کے ماتحت روس کو جو تجارتی مراعات ملی ہوئی ہیں وہ منسوخ کر دی جائیں گی" اس تقریر کی مخالفت کرتے ہوئے مسٹر آرتھر ہنڈرسن نے کہا۔

"وزیر اعظم کا روس پر یہ الزام ہے کہ روسی جاسوس برطانیہ کے فوجی معاملات کی بابت معلومات بہم پہنچانے میں سرگرم ہیں۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا ہم خود دوسرے ملکوں میں یہی نہیں کر رہے ہیں جو روس ہمارے ملک میں کر رہا ہے۔ اگر ہمارے بحری۔ بری ہوائی محکمے یہ معلومات بہم نہیں پہنچا رہے ہے کہ فوجی طاقت بڑھانے کے لئے دوسرے ملک کیا کیا تدبیریں اختیار کر رہے ہیں تو اس کے یہ معنی ہیں کہ برطانیہ کی حفاظت کا پورا پورا خیال نہیں رکھا جا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ ہر ملک ایک دوسرے کے نو ایجاد فوجی آلات اور دیگر فوجی احوال کے متعلق معلومات بہم پہنچاتا ہے جب پہلی جنگِ عظیم شروع ہوئی ہمیں معلوم تھا کہ دشمن کس قسم کے ہتھیار میدان جنگ میں استعمال کرے گا۔ ہمیں دشمن کے بحری جہازوں اور دیگر فوجی اسلحہ کی تعداد ان کی نوعیت اور ساخت کا پتہ تھا۔ ہمیں یہ بھی علم تھا کہ برطانیہ میں کون جرمن جاسوس ہیں۔ ہم نے ان جاسوسوں کو خاص حکمت عملی کے ماتحت آزاد چھوڑ رکھا تھا کہ مفید موقع پر ان کو گرفتار کیا جائے گا۔ یہ معلوم کرنا کہ اسلحہ جنگ کی ترقی کے سلسلہ میں دوسرے ملک کیا کر رہے ہیں۔ ہر حکومت کا فرض ہوتا ہے۔ سوویٹ روس کا

برطانیہ میں جاسوسی کرنا کوئی تعجب خیز امر نہیں۔ ہمارے ملک میں دوسرے
ملک بھی وہی کر رہے ہیں جو روس کر رہا ہے۔"

مسٹر آرتھر ہیسار یاٹی محکمہ خارجہ میں نائب سکرٹری کے عہدے پر ممتاز رہ چکے تھے
انھوں نے مسٹر لائڈ جورج کی تائید کرتے ہوئے کہا۔

"ہمیں حقیقت دیکھنی چاہئے اخلاقی ڈینگیں مارنے سے کوئی فائدہ مرتب
نہیں ہو سکتا جقیقت یہ ہے کہ دنیا کے تمام ملکوں کے محکمات خارجہ
جعل سازی اور سرقہ کے مرتکب ہوتے ہیں جھوٹ بولتے اور رشوتیں
دیتے ہیں۔"

مسٹر بالڈون کی تحریک کی مخالفت کرتے ہوئے پارلیمان کے ایک ممبر نے حکومت
سے دریافت کیا کہ اگر ایک ملک کا دوسرے ملک میں جاسوسی کرنا گناہ کبیرہ ہے تو ہمارا ملک
خفیہ کی مد میں ایک لاکھ چالیس ہزار پونڈ سالانہ صرف کرتا ہے وہ رقم اگر جاسوسی پر صرف
نہیں ہوتی تو کونسے کام پر ہوتی ہے۔

منجملہ اور الزامات کے روس پر یہ بھی الزام لگایا جا رہا تھا کہ وہ چین میں برطانیہ
کے خلاف ریشہ دوانیاں کر رہا ہے۔ اس الزام کے ثبوت میں برطانیہ چند ایسی روسی
دستاویزیں پیش کرتا تھا جو برطانیہ کی خفیہ نے چین میں نہ معلوم کس طریقہ پر اڑا لیں تھیں
اس سلسلہ میں دارالعوام میں کمانڈر کینوردی اور سر اسٹن چیمبرلین میں جو مکالمہ ہوا وہ
حسب ذیل ہے:-

کینوردی۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ موسکو اور پیکن کے درمیان جو خفیہ مراسلت
ہوئی وہ برطانیہ کے ہاتھ کیسے لگ گئی۔

چیمبرلین۔ میں قانون سے مجبور ہوں کہ ممبر کو سوال کرنے سے نہیں روک سکتا لیکن
میں اس سوال کا جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔

کینوروڈی۔ تجارتی معاہدے کے سلسلہ میں روس اور برطانیہ میں جو معاہدہ ہوا تھا کہ کسی غیر ملک میں وہ ایک دوسرے کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کریں گے۔ کیا اس عمل سے برطانیہ نے اس معاہدے کی خلاف ورزی نہیں کی۔

چیمبرلین۔ جی نہیں ایسا سمجھنا واقعات کے خلاف ہوگا۔

کینوروڈی۔ پھر وہ خفیہ مراسلہ جو روس سے چین جا رہا تھا برطانوی قبضہ میں کس طرح آیا۔

چیمبرلین۔ اس سوال کا جواب کیونکہ ملک کے مفاد کے خلاف ہوگا۔ اس لئے میں جواب دینے سے انکار کرتا ہوں۔

ٹرٹل۔ کیا یہ واقعہ نہیں ہے کہ دستاویز میں جاسوسوں کی سعی سے برطانیہ کے قبضہ میں آئیں۔

مسٹر ٹرٹل کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ملا۔ حکومت کے نکتہ چینوں کا یہ اعتراض تھا کہ اگر برطانیہ معاہدے کو نظرانداز کرتے ہوئے روس کے خلاف جاسوسی کرتا ہے تو روس کے برطانیہ میں جاسوسی کرنے پر اتنا چراغ پا ہونا نہ چاہئے کہ اس ملک سے سیاسی اور تجارتی تعلقات منقطع کر لئے جائیں۔ اس تمام رد و قدح کے باوجود ۲۶ مئی ۱۹۲۷ء کو برطانوی حکومت نے سوویٹ کے نائب سفیر کو اخراج کا حکم دے دیا اگلے روز انگلستان کے اخبار ایوننگ نیوز نے تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"حکومت فرانس کا خیال ہے کہ سر آسٹن چیمبرلین کے معیار پر کسی حکومت کا طریقہ کار درست نہیں اُتر سکتا۔ اگر بولشیوک ایجنٹوں کی جاسوسی روس اور برطانیہ میں تعلقات ختم کرنے کے لئے کافی حجت ہے تو برطانیہ کو بہت سے ملکوں سے تعلقات منقطع کر لینے پڑیں گے۔"

برطانیہ کے مزدور طبقہ کو اپنی بے روزگاری کا حل روس سے تجارت کرنے میں

دکھائی دیتا تھا۔ حکومت کی اس حکمت عملی سے مزدور طبقہ کا پریشان ہونا ضروری تھا اس سے متاثر ہو کر مسٹر بالڈون نے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"روس سے ڈپلومیٹک تعلقات منقطع کرنے سے ہمارا یہ مقصد نہیں کہ ہم روس سے لڑنا چاہتے ہیں زیادہ سے زیادہ اس کا مقصد یہ ہے کہ ہم روس سے سیاسی ربط ضبط رکھنا نہیں چاہتے لیکن ہم دونوں ملکوں کے درمیان تجارتی سلسلہ قائم رکھنے کے حق میں ہیں۔"

روس نے برطانیہ کے اخراجی نوٹ کا حسب ذیل جواب دیا:۔

"سوویٹ حکومت کا خیال ہے کہ تجارتی ڈیلیگیشن کی تلاشی لے کر برطانیہ نے تجارتی معاہدہ کے خلاف ورزی کی ہے۔ دوسرا قابل اعتراض امر یہ ہے کہ معاہدے میں یہ شرط درج تھی کہ معاہدہ فسخ کرنے سے پیشتر چھ ماہ کا نوٹس دیا جائے گا۔ برطانیہ نے معاہدے کی اس دفعہ کا بھی پاس نہیں کیا۔ حقیقت یہ ہے کہ چین میں برطانوی سیاست کو شکست ہو گئی ہے اور عوام کی توجہ اس شکست سے ہٹانے کے لئے برطانیہ نے آرکوس کی تلاشی لی ہے۔"

۳ جون ۱۹۲۷ء کو مسٹر میکی معہ اپنے عملے کے روس روانہ ہو گئے ان واقعات کے بعد اس گمان کا قوی ہو جانا لازمی تھا کہ برطانیہ کی سرکردگی میں روس کے خلاف مغربی ممالک کا ایک متحدہ محاذ قائم ہو رہا ہے۔ چنانچہ جب سر آسٹن جنیوا سے واپس ہوئے تو دارالعوام میں ان سے سوال کیا گیا:۔

"کیا موقع سے فائدہ اٹھا کر غیر ممالک کو یہ یقین دلایا گیا ہے کہ برطانیہ کا ارادہ روس کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کا نہیں ہے؟"

اس سوال کا جواب دیتے ہوئے وزیر خارجہ نے کہا:۔

"چونکہ غیر ممالک کو یہ خیال نہیں ہے کہ برطانیہ روس کے خلاف محاذ قائم کرنے کی سعی میں سرگرم ہے اس لئے اس قسم کی تردید کرنی غیر ضروری تھی۔"

انقلاب کے فوراً بعد لینن کو جن مشکلات سے دوچار ہونا پڑا تھا وہ ۱۹۲۷ء کی بہ نسبت کہیں زیادہ تھیں تاہم اس تاریک و پر آشوب زمانہ میں بھی اشتراکی قائد نے خودداری کو ہاتھ سے نہ دیا اور وہ مغربی یورپ کو ترکی بہ ترکی جواب دیتا رہا۔ ۱۹۲۷ء میں اگرچہ سوویٹ روس میں حالات نسبتاً روشن تھے لیکن سالارانِ روس گداگرن کر رہے تھے یہ کیوں؟ اس کی وجہ یہ تھی اس زمانہ میں روس کا حکمران طبقہ بجائے بائیں پارٹی کے اقتصادی پروگرام پر عمل کرنے کے اس کے استیصال میں سرگرم تھا۔ اقتصادی بدحالی ملک میں سیاسی بے چینی پیدا کر رہی تھی اور اس کے رفع کرنے کا باعزت طریقہ وہی تھا جس کی جانب بائیں پارٹی دعوت دے رہی تھی۔ حکمران طبقہ کو بائیں پارٹی کا لائحہ عمل قبول کرنا اس لئے خلافِ مصلحت معلوم ہوتا تھا کہ اس کے اختیار کرنے سے حکمران طبقہ کا زوال اور جمہور کا عروج لازمی تھا۔ ظاہر ہے کہ خواہ وہ فرد ہو یا جماعت خودکشی کرنے پر مشکل سے آمادہ ہوتے ہیں۔ حکمران طبقہ روس میں اپنی سرداری برقرار رکھنے کے لئے اس امر پر مجبور تھا کہ باوجود برطانیہ کے ذلت آمیز سلوک کے برطانیہ کے در کی جبہ سائی کرے۔ چنانچہ لٹوینوف نے پھر باریابی چاہی۔ ۵ ستمبر ۱۹۲۷ء کو دونوں مدبروں میں گفتگو ہوئی جس کی بابت فریقین نے حسب ذیل متفقہ بیان شائع کیا۔

"مسٹر لٹوینوف کی درخواست پر سر آسٹن چیمبرلین نے ان سے ملاقات کی۔ روس اور برطانیہ کے تعلقات کے متعلق مفصل گفتگو ہوئی لیکن تبادلۂ خیالات سے کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔"

اس زمانہ میں برطانیہ کی جسارت اور روس کی بے چارگی کا یہ عالم تھا کہ اول الذکر نے

یہ مطالبہ کر دیا تھا کہ کمیونسٹ انٹرنیشنل کا رکن روس سے اخراج کر دیا جائے۔ اس پر روسی جمہور نے ۱۲ ہوائی جہاز حکومتِ روس کی نذر کئے جن پر یہ جملہ تحریر تھا:-

"چیمبرلین کو ہمارا جواب" لیکن بارہ ہوائی جہازوں سے برطانیہ کیا متاثر ہوتا۔ اس کی سیاست کا رُخ بدستور رہا"

۱۷ اپریل ۱۹۲۸ء کو لارڈ برکنیڈ برلن گئے اور جرمن کے وزیر اعظم ڈاکٹر اسٹرلین سے ملاقات کی۔ اس ملاقات کا ذکر کرتے ہوئے برلن کے مشہور اخبار برلن زیٹانگ کے سیاسی نامہ نگار نے لکھا:-

"لارڈ برکنیڈ پر یہ روشن ہو گیا ہے کہ جلد یا بدیر روس سے جنگ ہونے والی ہے اس میں جرمنی ہی برطانیہ کا کار آمد اتحادی ثابت ہو سکتا ہے"

اگرچہ اس خبر کی تردید کر دی گئی لیکن سیاسی بصیرت رکھنے والے اس کو درست ہی سمجھتے تھے۔

روس سے سیاسی تعلقات کی تجدید

برطانیہ میں انتخابات کا زمانہ قریب آیا تو قدامت پسند پارٹی کو یہ ضرورت ہوئی کہ عوام کی رائے حاصل کرنے کے لئے روس سے تعلقات قائم کرنے کی گمراہ کن سعی کی جائے۔ اس سیاست کے ماتحت ۲۵ مارچ ۱۹۲۹ء کو سرمایہ دار طبقہ نے ایک تجارتی وفد روس روانہ کر دیا۔ یہ وفد ۸۵ افراد پر مشتمل تھا جو ۱۵۰ کارخانوں کے نمائندے تھے قدامت پسند پارٹی کی اس حیلہ جوئی کے باوجود انتخابات میں مزدور پارٹی کامیاب ہوئی اور مسٹر میکڈونل ازسرِنو وزیر اعظم ہو گئے۔ مزدور پارٹی کے قائدین اپنے انتخابی منشور میں مزدور طبقہ سے یہ وعدہ کر چکے تھے کہ برسرِ اقتدار آتے ہی وہ روس سے اقتصادی اور سیاسی تعلقات قائم کریں گے۔ عام قیاس یہ تھا کہ پارلیمان میں بادشاہ سلامت کی افتتاحیہ تقریر میں روس سے تعلقات قائم کرنے کے متعلق ذکر ہوگا لیکن اس تقریر میں

صرف حسبِ ذیل جملے تھے :۔

"میری حکومت روس سے تعلقات قائم کرنے کو مدنظر رکھتے ہوئے حالات کا جائزہ لے رہی ہے۔ اس سلسلہ میں نوآبادیات اور ہندوستان سے مذاکرات جاری ہیں۔"

اس تقریر پر بحث کے وقت مسٹر بالڈون نے یہ مطالبہ کیا کہ جب تک قرض اور ملکیت کا سوال طے نہ پاجائے اس وقت تک روس سے تعلقات کے قیام کی بابت مذاکرات نہ کئے جائیں۔ مسٹر میکڈونل نہ صرف اس پر راضی ہو گئے بلکہ انھوں نے یہ وعدہ کر لیا کہ جب تک پارلیمان میں مباحثہ نہ ہو جائے گا روس سے ڈپلومیٹک تعلقات قائم نہ کئے جائیں گے وزیر اعظم کے اس بیان پر مزدور طبقہ برہم ہو گیا۔ اس کے بگڑے ہوئے تیور دیکھ کر ۱۷ جولائی ۱۹۲۹ء کو برطانوی حکومت نے نورو ے کے سفیر کی معرفت حکومت روس کو ایک نوٹ روانہ کیا جس میں ڈپلومیٹک تعلقات قائم کرنے پر تبادلہ خیالات کرنے کی خواہش کی گئی تھی اس نوٹ کے جواب میں روسی حکومت نے اپنے سفیر مقیم پیرس کو ہدایت کی کہ وہ مذاکرات کے لئے لندن جائے۔ سفیر روس کے لندن پہنچنے پر از سرِ نو وہی قرضے کی ادائیگی اور برطانیہ کے سرمایہ داروں کی ملکیت کی واپسی کے قضیئے چھڑ گئے۔ ان مذاکرات نے طول کھینچا تو برطانیہ کی ٹریڈ یونین کانگریس نے حکومت پر دباؤ ڈالنے کے لئے حسبِ ذیل قرارداد منظور کی :۔

"یہ ٹریڈ یونین کانگریس جو چالیس لاکھ منظم مزدوروں کی نمائندہ ہے مزدور طبقہ کی بے روزگاری اور ملک کی بنیادی صنعتوں کے آشوب کو دور کرنے کا صرف یہ راستہ دیکھتی ہے کہ روس اور برطانیہ کے درمیان تجارت کے جو عظیم مواقع ہیں حکومت ان سے فائدہ اٹھائے۔ اس مقصد کے مدنظر روس سے فوراً سیاسی تعلقات قائم کئے جائیں اس کا یہ نتیجہ ہوگا کہ روس سے

بڑی بڑی فرمائشیں موصول ہوں گی کارخانوں میں کام بڑھے گا اس طرح
بے روزگاری میں تخفیف ہو جائے گی۔"

سرمایہ دار طبقہ نے مزدور طبقہ کی اس قرارداد کا یہ جواب دیا کہ روس کے خلاف پروپگنڈا دو چند کر دیا۔ اس سلسلہ میں ڈیلی ٹیلی گراف نے وائی کاونٹ دی ابرنن کے روزنامچہ کا حسب ذیل اقتباس نقل کیا:۔

"برلن ۳۰ اگست ۱۹۲۲ء انگلستان کے نقطۂ نظر سے یہ سوال قابل توجہ ہے کہ کیا روس کو طاقتور بنانا برطانیہ کے لئے مفید ہوگا؟ روس کو امریکہ اس لئے طاقتور بنانا چاہتا ہے تاکہ وہ جاپان کی طاقت کے مد مقابل رہے لیکن روس کا طاقتور ہو جانا برطانیہ کے مفاد کے خلاف ہی ہندوستان کے لئے طاقتور روس خطرہ ہوگا۔ وسط یورپ میں طوائف الملوکی برطانوی مفاد کے خلاف ہے لیکن وسط ایشیا میں ایسا ہونا سودمند ہوگا بحر اسود اور بحر روم اسی وقت محفوظ رہ سکتے ہیں جبکہ روس ایسی متعدد ریاستوں میں منقسم ہو جائے جن کے سیاسی اور اقتصادی مفاد میں تضاد ہو یوکرین کی اگر ایک الگ ریاست بنا دی جائے تو بحر اسود محفوظ ہو جائیگا اور تجارت کے لئے درِ دانیال بھی محفوظ رہے گا:۔

اگرچہ سرمایہ دار اخبارات نے روس کے خلاف شدید پروپگنڈا کیا لیکن تمام دنیا میں سرمایہ داری میں تضاد کی بنا پر جو اقتصادی آشوب آیا ہوا تھا اس سے مجبور ہو کر ۵ نومبر ۱۹۲۹ء کو پارلیمان میں روس سے سیاسی تعلقات قائم کرنے کی تجویز منظور ہو گئی اور سکولبنکوف لندن میں روسی سفیر مقرر ہو گئے۔ سفیر کا تقرر سرمایہ دار طبقہ کے لئے بڑی کڑوی گولی تھی۔ اب اس طبقہ نے یہ پروپگنڈا شروع کیا کہ چونکہ روس میں مذہب و اخلاق کا استیصال کیا جا رہا ہے اس لئے کرہ ارضی کے تمام مذہبی افراد کا یہ

فرض ہے کہ روس کی شدید مخالفت کریں۔ کسی نے یہ درست کہا ہے کہ چالاک سیاست داں کا پہلا ہتھیار ملکی و قومی وفاداری کا نعرہ اور آخری ہتھیار مذہب و اخلاق خطرے میں ہے کا نعرہ ہوتا ہے" سرمایہ دار طبقہ کی اس سعی کے باوجود ۱۶ اپریل ۱۹۳۰ء کو روس اور برطانیہ کے درمیان جو تجارتی معاہدہ ہونے والا تھا اس کا خلاصہ شائع ہوا۔ دونوں حکومتوں نے اس کو معقول ٹھیرایا۔ اس پر سرمایہ دار طبقہ زیادہ بگڑ گیا۔ اب اس طبقہ نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ روسی غلہ اور لکڑی وغیرہ غلاموں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ چونکہ روس میں مزدور کی حیثیت مثل غلام کے ہے۔ غلہ کسان سے جبریہ وصول کیا جاتا ہے اور مزدور کو فاقے کرائے جاتے ہیں اس طرح روس خام اجناس برآمد کرتا ہے۔ جو شخص روسی اجناس خریدتا ہے وہ روسی جمہور پر ظلم و ستم کرنے میں موسکو حکومت کی مدد کرتا ہے اور ایسا کرنا بدترین گناہ ہے لیکن اس تمام پروپیگنڈے کی تہہ میں جو راز تھا وہ مسٹر بالڈون کی حسب ذیل تقریر کے اقتباس سے ظاہر ہو جاتا ہے:۔

"روس ہمارے اقتصادی مفاد کے لئے زبردست خطرہ ہے وہاں پنج سالہ پلین جاری ہے جس کا مقصد روس کو آلاتی بنانا ہے۔ دوسرے الفاظ میں روس کو اس قابل بنانا ہے کہ وہ مصنوعات برآمد کر سکے اور دنیا کی منڈی میں ہمارے مدمقابل ہو۔ روس کو منڈی پر جو سامان دیا جارہا ہے وہ پنج سالہ پلین کی تکمیل میں مدد دے رہا ہے گویا ہم خود اس سے وہ ہتھیار تیار کرا رہے ہیں جو ہم پر کاری ضرب لگائے گا ہمیں یہ چاہئے کہ ٹیکس کے ذریعہ اس خطرے کا سد باب کریں۔ اس خطرے پر بین الاقوامی تجارتی انجمن میں بھی بحث ہوئی تھی۔ اگر ہم کو روس سے درآمد قانوناً ممنوع قرار دینی پڑے تو ایسا کرنا قرین مصلحت ہو گا۔ اپنے مقصد کے حصول میں اگر ہمیں روس سے موجودہ تجارتی معاہدہ فسخ بھی کرنا پڑے

تب بھی ہمیں ایسا کرنے سے دریغ نہیں کرنا چاہیے؟

لیبر پارٹی کی کابینہ کا استعفاء اور مشترکہ حکومت کا قیام

۱۹۲۹ء میں سرمایہ داری میں آشوب کا آغاز

ہوا اور ۱۹۳۱ء میں تجارتی حالات اس درجہ خراب ہو گئے کہ برطانیہ کی پیداوار کم ہو کر ۱۰۹ سے ۸۷ - امریکہ کی ۱۰۷ سے ۷۹ - اور جرمنی کی ۱۰۳ سے ۷۵ فی صدی رہ گئی - بارہ آلاتی ملکوں کی برآمد میں ۴۲ فیصدی اور درآمد میں ۴۵ فیصدی کی کمی واضح ہو گئی - برطانیہ، امریکہ اور جرمنی میں بے روزگاروں کی تعداد دو کروڑ تک پہنچ گئی - اس زمانہ میں برطانوی کابینہ کا یہ اندازہ تھا کہ مالیہ میں بارہ کروڑ پونڈ کا خسارہ رہے گا - ان حالات سے مسٹر میکڈونل اتنے ڈرے کہ انھوں نے بادشاہ سلامت کو کابینہ کا استعفاء پیش کر دیا اور ۲۴ اگست ۱۹۳۱ء کو تمام سیاسی پارٹیوں کی ایک مشترکہ وزارت تشکیل پا گئی - اگرچہ اس کابینہ میں مسٹر میکڈونل ہی وزیر اعظم رہے لیکن اب ان کی حیثیت سرمایہ دارانہ عناصر کے ہاتھ میں ایک کٹھ پتلی کی رہ گئی تھی - اس مشترکہ کابینہ میں نقطۂ نگاہ کا اس درجہ فرق تھا کہ سیاسی مبصرین روز اول ہی سے اس کی موت کی پیشین گوئی کر رہے تھے - ان کی یہ پیشین گوئی درست ثابت ہوئی - ۸ اکتوبر ۱۹۳۱ء کو پارلیمان برخواست ہوئی اور ۲۷ اکتوبر کو نئے انتخابات عمل میں آ گئے - ان انتخابات میں مزدور پارٹی صرف ۵۲ نشستوں پر قابض ہو سکی سرمایہ دار عناصر نے برسر اقتدار آ کر از سر نو روس دشمنی کا آغاز کر دیا - اس زمانہ میں جب جاپان نے منچوریا پر حملہ کیا تو برطانیہ نے بجائے جاپان کے اس اقدام کی مذمت کرنے کے اس کی ہمت افزائی کی - مقصد یہ تھا کہ روس اور جاپان دست و گریباں ہو جائیں اور جاپان کی لاٹھی روس کا کام تمام کر دے لیکن روسی سیاست نے برطانیہ کی یہ امید پوری نہ ہونے دی - برطانیہ کا یہ داؤ اوچھا پڑا تو اس نے دوسرے وار کی تیاری شروع کر دی دوسرے وار کی نوعیت اقتصادی تھی - یہ اوٹاوا کانفرنس کی شکل میں رونما ہوا - اس

کانفرنس کا بنیادی تخیل یہ تھا کہ برطانیہ اپنی اقتصادی خوشحالی کے لئے روس سے تجارت کرنے کا محتاج نہ رہے۔ سلطنت انگلشیہ کی نوآبادیات وغیرہ انگلستان کو خام اجناس مہیا کریں اور انگلستان ان کو مشینیں کلیں وغیرہ دے۔ اس تدبیر سے برطانیہ کا مقصد روس کے خلاف اقتصادی محاذ قائم کرنا تھا۔ وزیر اعظم کنیڈا نے اس موضوع پر تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"جہاں تک سوویٹ روس سے اقتصادی مقابلہ کا تعلق ہے اوٹاوا کے معاہدے کا یہ مقصد ہے کہ جن ملکوں میں ریاستی سرمایہ داری ہے اور جن کا معیار زندگی پست ہے اور جو حکومت کی مدد سے مال ارزاں قیمت پر فروخت کرتے ہیں تاکہ دوسرے ملکوں کی تجارت کو نقصان پہنچے۔ ان ملکوں سے کنیڈا کے مفاد کو محفوظ رکھا جائے"

اوٹاوا کانفرنس کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۲۸ فروری ۱۹۳۱ء سے سوویٹ روس سے کوئلہ لکڑی کے تراشے لکڑی وغیرہ کا کنیڈا میں داخلہ ممنوع قرار دے دیا گیا۔ جواباً روس نے بھی کنیڈا کے مال کی خریداری ممنوع قرار دی۔ اس کے بعد برطانیہ نے بھی انگلو روسی تجارتی معاہدہ کو فسخ کرنے کی طرح ڈالی۔ کابینہ کے اس رویّہ سے متاثر ہوکر مزدور پارٹی نے ۳ اکتوبر ۱۹۳۲ء کو احتجاج کرتے ہوئے حسب ذیل قرارداد منظور کی:۔

"انگلو روسی تجارتی معاہدہ کی منسوخی کی سعی پر یہ کانفرنس شدید احتجاج کرتی ہے۔ اس امر کو مدنظر رکھتے ہوئے کہ انگلستان میں بے روزگاری کی وبا عام ہے اور روس ہمیشہ ہر وقت ہر ایک کی رقم دیتا رہا ہے۔ یہ کانفرنس مطالبہ کرتی ہے کہ حکومت کو اِن

کارخانوں کی مالی مدد کرنی چاہیئے جو روس سے تجارت کرتے ہیں
اور اپنی موجودہ حکمت عملی کو بدل ڈالنا چاہیئے۔ یہ کانفرنس اپنی مجلس
عاملہ کو ہدایت کرتی ہے کہ اس قرارداد کو وزیراعظم کے روبرو پیش
کرے۔"

باوجود مزدور پارٹی کی احتجاج کے ۱۷ اگست ۱۹۳۲ء کو برطانیہ نے روس کو ایک نوٹ روانہ کر دیا جس میں یہ کہا گیا تھا کہ انگلو روسی تجارتی معاہدہ چھ ماہ کے بعد فسخ قرار دے دیا جائے گا۔ برطانیہ کے مزدور طبقہ کو خاموش رکھنے کے لئے اس نوٹ میں یہ بھی تحریر تھا کہ عارضی معاہدہ کو کالعدم قرار دینے کا مقصد روس سے تجارت ختم کرنا نہیں ہے۔ برطانیہ کی خواہش یہ ہے کہ روس سے تجارتی تعلقات گہرے ہو جائیں۔ اس سلسلہ میں برطانیہ مذاکرات کے لئے تیار ہے۔ یہاں یہ امر واضح کر دینا ضروری ہے کہ سرمایہ دارانہ ممالک میں درمیانی لوگوں کا نفع اجناس کی قیمت میں اضافہ کر دیتا ہے۔ روس میں ایجنٹوں۔ دلالوں وغیرہ کا طبقہ مفقود ہے۔ اس لئے روسی اجناس دوسرے ملکوں کو نسبتاً ارزاں دام پر فروخت ہو سکتی ہیں۔ جب معاہدہ فسخ ہوا تو روسی اجناس کی درآمد بھی کم ہو گئی۔ نتیجتاً لکڑی۔ غلہ وغیرہ برطانیہ میں گراں ہو گیا۔ اس گرانی نے برطانیہ میں تمام اجناس و مصنوعات کی قیمتیں گراں کر دیں۔ کنیڈا کے غلہ اور لکڑی وغیرہ میں ایجنٹوں۔ دلالوں اور سرمایہ داروں کا نفع بھی شامل ہوتا تھا۔ اس لئے وہ روسی اجناس سے گراں تھیں۔ اجناس و مصنوعات کی قیمتیں گراں ہونے سے برطانیہ کی اقتصادی زندگی میں آشوب آ گیا۔ تعمیری کام کرنے والوں خاصکر شہروں کی میونسپلٹیوں نے جو اس وقت کم قیمت مکانات بنانے کے کام میں مشغول ہیں اور جہاز بنانے کے کارخانے والوں نے حکومت کی تجارتی حکمت عملی پر شدید تنقید کی

اور مزدور طبقہ نے احتجاجی مظاہرے کرنے شروع کر دیے۔ اس زمانے میں روس میں دوسری اقتصادی پلین کا اجرا ہوا۔ اب برطانیہ کو یہ احساس ہوا کہ اگر روس کی تمام فرمائشیں دوسرے ملکوں کو چلی گئیں تو نہ صرف دوسرے ملک آلاتی و اقتصادی طور پر زیادہ طاقتور ہو جائیں گے بلکہ روس کے ان سے گہرے سیاسی تعلقات بھی ہو جائیں گے۔ ان حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے برطانیہ نے ازسرنو روس سے تجارتی معاہدہ کی تجدید کی سعی شروع کر دی۔ برطانیہ کی اس ناہموار سیاست پر نکتہ چینی کرتے ہوئے ۲۳ جنوری ۱۹۳۳ء کو مسٹر مولوٹوف نے کہا:-

"ہم اس کے متعلق ہنوز تاریکی میں ہیں کہ برطانیہ کا تجارتی معاہدہ فسخ کرنے سے کیا مقصد تھا۔ اس مقصد کے متعلق ہم صرف قیاس کر سکتے ہیں۔ اگر برطانیہ کا مقصد معاہدہ فسخ کرنے سے روس کو دھمکانا تھا تو یہ ایک طفلانہ حرکت تھی، ہم اس قسم کی دھمکیوں سے کبھی مرعوب نہیں ہوتے۔ اگر ان کا مقصد ہمیں نقصان پہنچانا تھا تو برطانیہ کا یہ اندازہ بھی خام تھا۔ برطانیہ کے وہ کارخانہ دار جن کو روسی فرمائشوں کی ضرورت ہے اس امر کو بخوبی جانتے ہیں کس کو نقصان ہوا۔ ہم ایک بات جانتے ہیں وہ یہ کہ جن ملکوں نے ہم سے تجارتی تعلقات برقرار رکھے ہیں ان کو فائدہ ہوا ہے چونکہ روس ہمیشہ وقت پر ہنڈیاں ادا کرتا ہے۔ تاہم ہماری توجہ اس طرف مبذول ہوتی ہے کہ برطانیہ نے روس سے تجارتی تعلقات کے قیام کی خواہش بھی ظاہر کی ہے۔"

مسٹر میکی نس کی آمد اور تجارتی معاہدہ کی تجدید

مندرجہ بالا سطروں میں بیان

کیا جا چکا ہے کہ انگلو روسی معاہدہ کو فسخ کرنے سے برطانیہ میں اقتصادی بدحالی پیدا ہوگئی تھی نہ صرف یہ کہ لندن کی شہراہوں پر بھوکوں کا مارچ ہو رہا تھا بلکہ سرمایہ دار بھی روس سے تجارتی تعلقات کی تجدید کے حامی ہو گئے تھے۔ ان حالات سے متاثر ہوکر ۱۷ نومبر ۱۹۳۲ء کو سر جون سائمن نے مسٹر میکی سے تجارتی تعلقات قائم کرنے کے سلسلہ میں مذاکرات جاری کرنے کی درخواست کی۔ مذاکرات شروع ہونے نہ پائے تھے کہ ایک اور واقعہ پیش آگیا۔ واقعہ کے خدوخال یہ تھے روس میں برطانیہ کی فرم مسٹر وویکر کا دفتر تھا۔ روسی حکومت نے اس فرم کے چھ افسروں کو جاسوسی کرنے کے الزام میں گرفتار کر لیا۔ اگر برطانیہ خوش اسلوبی سے اس معاملہ کو سلجھاتا تو قصّہ طول نہ پکڑتا۔ لیکن برطانوی کابینہ نے درشتی سے ان افسران کی رہائی کا مطالبہ کیا۔ روس نے انکار کیا اس مسئلہ پر روس اور برطانیہ کے تعلقات میں از سر نو آشوب آگیا اور تجارتی معاہدہ کے سلسلے میں مذاکرات التوا میں پڑ گئے۔ ان دنوں مسٹر میکڈونل نے روس کو دھمکانے کے لئے پارلیمان میں ایک بل لانا چاہا جس کی رو سے روسی مال پر ٹیکس میں اضافہ کیا جاسکتا تھا اور برطانوی سفیر مقیم موسکو کو ہدایت کی گئی کہ اگر مسٹر لٹوینوف ملزمین کی رہائی پر آمادہ نہ ہوں تو یہ بل ان کو پڑھ کر سنادو۔ سفیر نے ایسا ہی کیا۔ اس پر مسٹر لٹوینوف نے جواب دیا۔

"اس قسم کی دھمکیاں شاید میکسیکو میں آپ کے دلخواہ نتائج پیدا کرسکیں لیکن روس میں نہیں کر سکتیں۔"

۱۵ اپریل ۱۹۳۲ء کو پارلیمان کے روبرو بل پیش ہوا۔ ۱۸ اپریل کو روسی حکومت نے افسروں کے مقدمہ کا فیصلہ سنادیا۔ چار کو رہائی ملی اور دو کو دو اور تین سال کی سزا ملی۔ اس فیصلہ سے برہم ہوکر ۲۶ اپریل کو برطانیہ نے روس کی

اسّی فیصدی درآمد کا داخلہ ممنوع قرار دے دیا۔ روس نے بھی برطانوی مال کی درآمد پر پابندیاں عائد کردیں۔ ان تلخیوں کے بعد جب مسٹر میسکی اور سرجون سائمن میں ملاقات ہوئی تو اول الذکر نے یہ خیال ظاہر کیا کہ برطانیہ نے تادیبی عمل کرنے میں عجلت سے کام لیا۔ ان ملزمین کے جرم ثابت ہو گئے ہیں۔ موجودہ حالات میں اگر روسی حکومت نے تراحم خسروانہ سے کام لے کر ان ملزمین کو رہا کیا تو یہ سمجھا جائے گا کہ روس دھمکیوں سے ڈر گیا اس لئے اگر اپیل میں ملزمین رہا نہ کر دئے گئے تو ان کی قید کی ذمہ داری برطانیہ پر ہو گی۔ اس کے کچھ عرصے بعد مسٹر لٹوینوف دنیا کی اقتصادی کانفرنس کی شرکت کے لئے لندن آئے تو مسٹر میکڈونل نے ان کی ضیافت کی اور سرجون سائمن متعدد بار اُن سے ملے۔ ان ملاقاتوں کا یہ نتیجہ نکلا کہ روسی حکومت نے ملزمین کو رہائی دے دی۔ برطانیہ نے روس کے خلاف بل منسوخ کر دیا۔ روس نے بھی برطانیہ سے بیشتر کا مراعاتی طریقہ کار روا کر دیا۔ اس زمانہ کے بعد سے انگلو روسی تعلقات میں قدرے ہمواری آ گئی تھی۔ معمولی تلخیاں اور ہنگامی بدمزگیاں تو عصر حاضر کی سیاسیات کا جز ہیں تاہم یہ کہنا درست ہو گا کہ اب تعلقات میں عمیق آشوب آنے کے امکانات معدوم ہو گئے تھے۔ اب روس اقتصادی طور پر اتنا طاقتور ہو گیا تھا کہ برطانیہ کا اقتصادی عدم تعاون روس کی اشتراکی حکومت کو پامال نہیں کر سکتا تھا۔ اس امر کا برطانیہ کو احساس تھا۔ چنانچہ جب روس سے نئے تجارتی معاہدہ کا بل پارلیمان میں پیش ہوا تو بلا مخالفت منظور کر لیا گیا۔

روس کو بین الاقوامی لیگ میں شرکت کی دعوت

۱۹۳۱ء کے آغاز کے ساتھ یورپ کی سیاست میں تبدیلی رونما ہوئی۔ اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ جرمنی خطرناک طور پر مسلح ہوتا جا رہا تھا۔ یورپ کی چھوٹی سلطنتوں کا تو ذکر ہی کیا۔ جرمنی کی فوجی طاقت

سے فرانس اور روس بھی خوف زدہ ہو گئے تھے۔ بین الاقوامی لیگ نے جرمنی اور جاپان کے جارحانہ اقدامات پر نکتہ چینی کی تو اُن ملکوں نے لیگ کو خیر باد کہہ دیا۔ اور زیادہ آزادی سے لڑائی کی تیاریاں شروع کر دیں۔ ان حالات میں فرانس اور برطانیہ کے مدبروں نے یورپ میں طاقت کا توازن قائم رکھنے کے لئے یہ چاہا کہ روس کو لیگ میں شامل کر لیا جائے۔ ان کا خیال تھا کہ روس سے اتحاد جرمنی کو یہ اشارہ ہو گا کہ وہ اپنے جارحانہ ارادوں سے باز رہے۔ جب برطانیہ کے مزدور طبقہ نے ایک قرارداد کے ذریعہ اپنی حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ روس کو لیگ میں شمولیت کی دعوت دے اس پر وزیر خارجہ نے جواب دیا لیگ کا یہ دستور نہیں کہ وہ کسی ملک کو شرکت کی دعوت دے بلکہ جو ملک لیگ میں شامل ہونا چاہے اس کو چاہئے کہ وہ لیگ کے سامنے داخلے کی درخواست کرے جیسا کہ میں نے دارالعوام میں کہا تھا۔ روس کی لیگ میں شمولیت کو برطانیہ خوش آمدید کہے گا۔

اس سلسلہ میں امریکن اخبار کے مشہور نمائندے مسٹر ڈورنٹی اور اسٹالن میں حسب ذیل گفتگو ہوئی۔

ڈورنٹی۔ کیا آپ کا یہ رویہ لیگ کی جانب ہمیشہ منفی رہے گا۔

اسٹالن۔ نہیں ہمارا رویہ حالات کا پابند ہے۔ شاید اس بارے میں آپ ہمارا نقطۂ نگاہ نہیں سمجھتے۔ اب جرمنی اور جاپان لیگ سے علیٰحدہ ہو گئے ہیں۔ اس علیٰحدگی کے یہ معنی ہیں کہ لیگ جارحانہ اقدامات کے خلاف ہے۔ اگر یہ اندازہ درست ہے اور لیگ جنگ روکنے اور امن قائم کرنے کا ارادہ رکھتی ہے تو ہم لیگ کے مخالف نہیں ہیں۔ اگرچہ لیگ میں سقم ہیں لیکن اگر حالات سے یہ رونما ہوا کہ لیگ جارحانہ اقدام کے خلاف ہے تو ہم اسکی حمایت کرینگے۔

چند روز بعد مسٹر مولوٹوف نے ایک بیان کے دوران میں کہا "اس سال جنگ کے

امکانات نمایاں ہو گئے ہیں۔ جرمنی اور جاپان کی لیگ سے علیحدگی اس امر کا ثبوت ہے کہ جرمنی مسلح ہونا چاہتا ہے اور جاپان کا ارادہ چین میں پیش قدمی کا ہے۔ ان کی علیحدگی سے یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ لیگ ان کے جارحانہ ارادوں میں مزاحم تھی اور لیگ اُن سلطنتوں پر قید و بند لگانا چاہتی ہے جو جنگ کی تیاری میں مشغول ہیں۔"

روس کے ان اشاروں کا جواب دیتے ہوئے برطانیہ کے وزیر خارجہ سر جون سائمن نے کہا۔

"اگر روس نے لیگ میں شمولیت کی درخواست کی تو برطانیہ اس کا خیر مقدم کرے گا۔ ہمیں یقین ہے کہ روس کی شرکت دنیا میں امن قائم کرنے کے امکانات روشن کر دے گی۔"

اس زمانہ میں جب روس نے یہ تجویز پیش کی کہ مشرقی یورپ کے تمام ملک ایک دوسرے کی حفاظت کے ضمانتی معاہدے کریں تو برطانیہ نے اس کی تائید کی۔ روس کی تجویز کا مقصد یہ تھا کہ بالٹک ریاستیں۔ پولینڈ۔ چیکوسلاواکیہ۔ جرمنی ایک دوسرے سے ضمانتی معاہدہ کر لیں تاکہ جرمنی کے جارحانہ ارادہ کا سدباب ہو جائے برطانیہ کی تائید پر اظہار مسرت کرتے ہوتے پراوادا نے لکھا۔

"مشرقی لوکارنو پیکٹ پر جن سلطنتوں کے دستخط ہوں گے وہ ایکدوسرے کی سرحدوں کو برقرار رکھنے کی ضامن ہوں گی۔ اس معاہدے کو کامیاب بنانے کے لئے یہ ضروری ہے کہ روس لیگ کا ممبر ہو سب کو علم ہے کہ فرانس اور برطانیہ اس امر کی تائید کر رہے ہیں کہ روس لیگ کا ممبر ہو جائے۔"

اس سیاست کا یہ نتیجہ نکلا کہ ۱۸ ستمبر ۱۹۳۴ء کو روس بین الاقوامی لیگ کا ممبر ہو گیا اور لیگ کی کونسل میں اس کو مستقل نشست مل گئی۔

برطانیہ اور جرمنی کے تعلقات پر روس کی نکتہ چینی

روس بین الاقوامی لیگ کا ممبر تو بنا لیا

گیا لیکن برطانوی سیاست کے بنیادی خطوط نہ بدلے۔ روس کے بین الاقوامی برادری میں شریک ہونے کے باوجود برطانوی التفات جرمنی ہی سے رہا ہٹلر نے برسر اقتدار آکر اپنی سیاست کی یہ طرح ڈالی تھی کہ مشرقی یورپ پر مکمل تسلط قائم کیا جائے۔ اس سیاست کے پیش نظر نازی قائد یہ گوارا نہیں کرسکتا تھا کہ مشرقی یورپ میں روس کا تجویز کردہ مشرقی لوکارنو پیکٹ وجود میں آئے حسب دستور روس کی اس صلح کل تجویز کے متعلق برطانیہ کا رویہ غیر جانبدارانہ رہا۔ انگلستان کے اخبار مانچسٹر گارجین کے سیاسی نامہ نگار مقیم برلن نے اپنی حکومت کے اس رویہ پہ نکتہ چینی کرتے ہوئے لکھا:۔

"جرمن سیاست کا خاص مقصد یہ ہے کہ مغربی یورپ اور مشرقی یورپ کی ضمانت کے مسئلہ کو جدا جدا رکھا جائے۔ یہ حکومت اس کلیہ کو "صلح کی تقسیم نہیں کیا جا سکتا" تسلیم نہیں کرتی۔ اسکا خیال یہ ہے کہ مغربی یورپ میں امن کے قیام کے متعلق مذاکرات کئے جائیں لیکن مشرقی یورپ کا مسئلہ ہنوز خام ہے۔ جرمنی کی یہ کوشش ہے کہ سوویٹ روس اور یورپ کے دوسرے ملکوں کے درمیان ایک خلیج حائل کر دی جائے۔ اس سیاست کی نفی اس طرح ممکن ہے کہ برطانوی مدبر موسکو جائیں۔ اگرچہ لندن کا یہ عمل برلن کو ناگوار گزرے گا لیکن اس سے بہت سی غلط فہمیاں دور ہو جائینگی"

مانچسٹر گارجین اور دوسرے جرائد کے انتباہ کے باوجود برطانوی مدبر سر جون سائمن برلن تو گئے لیکن کسی نے موسکو کا رُخ نہ کیا۔ برطانیہ کے اس رویہ پر تنقید

کرتے ہوئے روس کے مشہور اخبار اروستیا نے ایک مقالہ میں تحریر کیا:۔

"کاش ہم یہ یقین کر سکتے کہ برطانوی وزیر خارجہ کا برلن جانا صلح کا
ضامن ہو گا۔ برطانیہ کا جرمن کے اشاروں پر سیاست کا اساس
رکھنا مشرقی یورپ میں تعلقات خراب کر دے گا۔ اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ
ہو گا کہ بالٹک کی ریاستیں فسطائیت کے رحم و کرم پر ہوں گی۔ سر جون
سائمن جرمنی کی جانب مصالحتی رویہ رکھتے ہیں جس کا تمام یورپ
پر تخریبی اثر ہو رہا ہے۔ دریافت کیا جا رہا ہے کہ برطانیہ کی برلن
پر اس نظر التفات کا کیا باعث ہے۔ اس سوال کا جواب صاف
ہے۔ اس کا باعث یہ ہے کہ جرمنی مسلح ہوتا جا رہا ہے جرمنی نے
چند سو بم بار طیارے بنا لئے ہیں اس سے مرعوب ہو کر چند مدبروں
کو یہ جرأت نہیں ہو رہی کہ جرمنی کو دوسرے ملکوں پر دست درازی
کرنے سے روکیں۔"

اسویتیا اخبار کے ان طعن و تشنیع کا یہ نتیجہ نکلا کہ برطانیہ کا ایک وفد موسکو بھی روانہ
ہو گیا۔ ان دنوں جرمنی نے فوجی خدمت جبریہ قرار دے دی۔ جب برطانوی وفد کو
موسکو میں یہ خبر ملی تو اراکین وفد نے اسٹالن۔ مولوٹوف۔ لٹوینوف سے جرمن
اقدام کے متعلق مذاکرات کئے۔ ان مذاکرات پر تبصرہ کرتے ہوئے لندن ٹائمز کے
نامہ نگار نے موسکو سے اطلاع دی:۔

"ان مذاکرات میں روس نے یہ زور دیا کہ یورپ کا امن مشرقی یورپ
کی متعدد سلطنتوں کے ایک دوسرے کی سرحدوں کو برقرار رکھنے
کے معاہدے پر مبنی ہے۔ مشرقی لوکارنو پیکیٹ سے روس کا مقصد
جرمنی یا پولینڈ کا احاطہ کرنا نہیں ہے بلکہ روس کو مسرت ہو گی اگر

جرمنی اور پولینڈ بھی اس میثاق میں شرکت کریں۔"
لیکن روس کی یہ آرزو کس طرح پوری ہو سکتی تھی جرمن مشرقی یورپ میں اپنی توسیع چاہتا تھا اس لئے کسی ایسے میثاق پر دستخط کرنے کے لئے تیار نہ تھا جو اُسکے جارحانہ ارادوں میں مزاحم ہوتا۔ برطانیہ فسطائیت کو طاقتور بنا کر اشتراکیت سے دست و گریباں کرانا چاہتا تھا اس لئے در پردہ یا علانیہ طور پر جرمن سیاست کی مخالفت کرنا خلاف مصلحت سمجھتا تھا۔ ان حالات میں ظاہر تھا کہ مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہیں ہو سکتے تھے۔ ان حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے لندن ٹائمز کے نامہ نگار نے موسکو سے اطلاع دی:۔

"سوویٹ کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ برطانیہ کے رویہ پر صلح و جنگ کا دارومدار ہے۔ اس وقت ہر مدبر کا اندازہ یہ ہے کہ روس حقیقتاً صلح کا جویا ہے اور جرمنی کے جارحانہ اقدامات اُس کو پریشان کئے ہوئے ہیں ہٹلر نے اپنی کتاب 'میری جدوجہد' اور جرمن مدبروں نے اپنی تقریروں میں جن خطرناک ارادوں کا اظہار کیا ہے ان سے روس کو جرمن دشمنی کا یقین ہو گیا ہے۔"

ڈیلی ٹیلیگراف کے نمائندہ نے ان مذاکرات پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہا:۔

"مسٹر ایڈن روس کا یہ خیال دُور کرنے کی سعی کر رہے ہیں کہ برطانیہ دیدہ و دانستہ جرمنی کی فوجی طاقت بڑھا رہا ہے اور اس کی ہمت افزائی کر رہا ہے۔ روس کو مدت سے یہ بدگمانی ہے کہ برطانوی سیاست کا رخ روس کے خلاف ہے۔"

۱۶ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء کو جب مسٹر لٹویناف لیگ کونسل کی شرکت کے لئے لندن آئے تو جرمنی کے رائن لینڈ پر قبضہ کا قضیہ اور لوکارنو معاہدے کے کالعدم کرنے کا معاملہ

زیر بحث آیا۔ اگرچہ یہ مسائل فرانس اور بلجیم سے متعلق تھے تاہم مسٹر لٹوینوف نے بحث کے دوران میں متعلقہ مغربی ممالک کی حمایت کی۔ صاحبِ موصوف نے اس امر کی جانب بھی اشارہ کیا کہ اٹھارہ ماہ کے قلیل عرصہ میں یہ تیسرا موقع ہے کہ کونسل کو بین الاقوامی معاہدے کو نظر انداز کرنے کے مسئلہ پر غور کرنا پڑ رہا ہے۔ اس اشارہ کے بعد انھوں نے کہا:۔

"اگر ہم معاہدوں کی خلاف ورزی کرنے پر چشم پوشی کرتے رہے اور سوائے احتجاج کے کوئی عملی کارروائی نہ کی تو لیگ مردہ ہو جائے گی۔ اگر لیگ اپنے منصوبوں پر کاربند نہیں ہو سکتی تو وہ زندہ نہیں رہ سکتی اس تعطل سے آمادہ بہ پیکار ملکوں کو یہ جرأت ہوتی ہے کہ وہ لیگ کے ہر فیصلے اس کی ہر تجویز اور انتباہ کو ٹھکرا دیں"

اس کے بعد مسٹر لٹوینوف نے ہٹلر کی تصنیف 'میری جد و جہد' سے مندرجہ ذیل اقتباس پیش کیا:۔

"یورپ کے برِ اعظم پر کبھی دو سلطنتوں کو طاقتور نہ ہونے دو۔ جب کبھی جرمنی کی سرحدوں پر کوئی سلطنت طاقتور ہو تو جرمنی کو یہ سمجھنا چاہیئے کہ اس پر حملہ کیا جا رہا ہے۔ یہ سعی کرنا جرمنی کا فرض ہے کہ اس کے قریب کوئی طاقتور سلطنت قائم نہ ہونے پائے۔ اگر کوئی ایسی سلطنت وجود میں آ چکی ہے تو اس کو تباہ کرنا جرمنی کے لئے ضروری ہے"۔۔۔۔۔

"رائن لینڈ فرانس سے ملحق ہے اور اس علاقہ پر جرمن قبضہ تمام یورپ پر جرمن اثر قائم ہونے کے مترادف ہے میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ کیا بین الاقوامی لیگ جرمنی مقاصد کی تکمیل میں مدد کرنا چاہتی ہے؟ روس کا مقصد تمام یورپ میں امن کرنا ہے ہم اس نیم امن پیدا کرنے کی

سیاست کے خلاف ہیں چونکہ حقیقت میں یہ جنگ کی ایک شکل ہے۔"

مسٹر لٹوینوف کے انتباہ کے باوجود برطانوی سیاست نہ بدلی اور کیسے بدل سکتی تھی جرمنی کے طاقتور ہونے کا یہ اثر ہو رہا تھا کہ فرانس رفتہ رفتہ برطانیہ کے زیر اثر آتا جا رہا تھا۔ فرانس کی یورپین سیاست برطانوی سیاست کا شاخسانہ ہو کر رہ گئی تھی برطانیہ کو دوسرا فائدہ یہ ہو رہا تھا کہ روس اور جرمنی کے برسر پیکار ہونے کے امکانات روز بروز روشن ہوتے جا رہے تھے۔ جب مونٹری کانفرنس ہوئی تو برطانیہ کی جرمن دوستی منظر عام پر آ گئی۔

مونٹری کانفرنس

۱۹۲۲ء میں ترکی حکومت نے لوزان کے معاہدے کی رو سے درہ دانیال کو مسلح کرنے کا حق کھو دیا تھا ۱۹۳۶ء میں جب ترکی نے طاقت محسوس کی اور مغربی یورپ میں جنگ کے امکانات پیدا ہونے شروع ہوئے تو اس نے لوزان کے معاہدے کو کالعدم قرار دے دیا اور درہ دانیال کو مسلح کرنا چاہا۔ اس مسئلہ پر غور کرنے کے لئے مونٹری کے مقام پر ایک کانفرنس ہوئی جس میں ترکی کا درہ دانیال کو مسلح کرنے کا حق تسلیم کر لیا گیا لیکن ایک اور مسئلہ پر برطانیہ کا روس۔ فرانس اور رومانیہ سے اختلاف رونما ہو گیا۔ اس کانفرنس میں تین مؤخر الذکر سلطنتوں کا یہ مطالبہ تھا کہ جس جنگ میں ترکی غیر جانبدار ہو ان حکومتوں کو جو بین الاقوامی لیگ کے معاہدوں کو برقرار رکھنے کے لئے برسر پیکار ہوں غیر مشروط طور پر درہ دانیال میں آمد و رفت کی اجازت ہونی چاہیئے۔ اس مطالبہ کا محرک یہ خطرہ تھا کہ جرمنی بین الاقوامی لیگ سے علیحدہ ہو کر معاہدوں کی خلاف ورزی کرنا چاہتا تھا جب یہ مطالبہ زیر بحث آیا تو برطانیہ نے اس کی مخالفت کی۔ برطانیہ کے اس رویہ سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اُن ملکوں میں جو لیگ کے ممبر ہیں اور لیگ کے معاہدوں کے تحفظ میں برسر پیکار ہونے کا ارادہ رکھتے ہیں اور اُن میں جو لیگ سے علیحدہ ہو گئے ہیں اور

غاصبانہ جنگ کرنا چاہتے ہیں کوئی فرق نہیں کرتا تھا۔ برطانیہ کے اس رویہ نے تمام دنیا کو حیرت میں ڈال دیا۔ مانچسٹر گارجین کے نامہ نگار نے لکھا :۔

"تمام نمائندوں کو اس امر نے تعجب میں ڈال دیا ہے کہ جرمنی کے نقطۂ نگاہ کی برطانیہ تائید کر رہا ہے"

اس کانفرنس میں مسٹر لٹوینوف کو فرانس اور رومانیہ کی تائید حاصل تھی اس لئے برطانیہ کی پیش نہ چلی اور معاہدے میں اس مطالبہ کے مطابق ترمیم کر دی گئی۔ اگرچہ برطانیہ کو مونٹری کانفرنس میں شکست ہو گئی تاہم اس نے اپنی فسطائیت نوازی کو خیرباد نہ کہا بلکہ رُعب بہ پیکار حکومتوں کی ہمت افزائی میں پہلے سے بھی زیادہ سرگرم ہو گیا۔ برطانیہ کی اس سیاست کا عریاں مظاہرہ اسپین کی خانہ جنگی کے دوران میں ہوا :۔

ہسپانیہ کی خانہ جنگی کے دوران میں برطانیہ اور روس کے تعلقات

سنہ ۱۹۳۶ء میں ہسپانیہ میں عام انتخابات ہوئے جس میں ری پبلکن سوشلسٹ اور کمیونسٹ پارٹیاں کامیاب ہو گئیں اور انھوں نے ہسپانیہ میں انتہا پسند جمہوری حکومت قائم کر لی۔ اس آئینی حکومت نے زمامِ حکومت تو سنبھال لی لیکن غلطی یہ کی کہ فوج کے فسطائی افسروں کو ان کے عہدے پر بحال رکھا۔ حکومت اشتراکی اور فوج فسطائی یہ ہسپانیہ کی حکومت کے استحکام کے لئے نیک فال نہ تھی۔ اشتراکی حکومت کو برسرِاقتدار آئے کچھ عرصہ ہی گذرا تھا کہ ہسپانیہ کے فسطائی جنرل فرانکو نے مراکش میں اپنی سرکردگی میں ایک فسطائی فوج منظم کر لی اور ملک کی آئینی حکومت کے خلاف علمِ بغاوت بلند کر دیا۔ اگرچہ ہسپانیہ کی آئینی حکومت کو کچھ فوج اور جمہور کی حمایت حاصل تھی لیکن جنرل فرانکو کی فوج کے مقابلہ میں جس کو فسطائی حکومتیں اسلحہ فراہم کر رہی تھیں ان کی مدافعتی طاقت کم تھی۔ جب آئینی حکومت کی جان پر آ بنی تو اس نے فرانس سے سامانِ حرب

طلب کیا۔ بین الاقوامی قانون کے مطابق کسی ملک کی آئینی حکومت ہی کو یہ حق ہوتا ہے کہ وہ دوسرے ہمسایہ ملکوں سے سامان حرب طلب کر سکے۔ باغی جماعت بین الاقوامی قانون کے مطابق اس حق سے محروم ہوتی ہے۔ دُنیا کے تعجب کی کوئی انتہا نہ رہی جب بین الاقوامی قانون کے ہمدردوں نے اس موقعہ پر ہسپانیہ کو سامانِ حرب فراہم کرنے سے انکار کر دیا زیادہ افسوسناک امر یہ تھا کہ فرانس میں اس وقت اپیل فرنٹ کی حکومت برسرِ اقتدار تھی اور وہ ہسپانیہ کی اشتراکی حکومت سے یہ دُشمنی کر رہی تھی۔ لیکن فرانس کر بھی کیا سکتا تھا جیسا بتایا جا چکا ہے فرانس کی بین الاقوامی سیاست برطانوی سیاست کے تابع تھی اور برطانیہ کی سیاست فسطائیت کو طاقتور بنا کر اشتراکیت سے لڑانے کی تھی۔ جمہوریتوں کے برخلاف فسطائی ملک اپنے آلہ کار جنرل فرانکو کو بہت وسیع پیمانہ پر سامانِ حرب اور رسد پہنچا رہے تھے اس سیاست کا پردہ فاش ہوا تو جمہوریتوں نے دنیا کو دھوکا دینے کے لئے یہ چال چلی کہ برطانیہ فرانس۔ روس جرمنی۔ اطالیہ اور پرتگال میں ایک معاہدہ ہوا جس کی رو سے ہسپانیہ میں نبرد آزما جماعتوں کو سامانِ حرب دینا ممنوع قرار دے دیا گیا۔ اس معاہدے نے ہسپانیہ کی آئینی حکومت اور باغی جنرل فرانکو کو ایک ہی درجہ دے دیا۔ فسطائی ملک جنھوں نے اپنے مفاد کی خاطر بین الاقوامی لیگ کے فیصلوں کو ہمیشہ ٹھکرایا وہ اس معاہدے کی کیا پرواہ کرتے۔ دوسرے ان کو علم تھا کہ برطانیہ اس معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کو نظرِ احسن سے دیکھتا ہے اس وجہ سے وہ اور دلیر تھے۔ چنانچہ جرمنی اور خاص کر اطالیہ نے جنرل فرانکو کو نہ صرف سامانِ حرب بلکہ منظم فوج کے دستے بھی فراہم کئے اس پر روس نے اعلان کیا:-

> سوویٹ روس اس امر پر راضی نہیں ہو سکتا کہ غیر جانبداری کے معاہدے کے پردے میں باغیوں کو امداد ملتی رہے اور ہسپانیہ کی حکومت امداد سے محروم رہے۔ حکومت روس اعلان کرتی ہے کہ یا تو غیر جانب داری کے

معاہدہ کا مکمل احترام ہونا چاہئے ورنہ روسی حکومت اپنے آپ کو اس معاہدہ کا پابند خیال نہیں کرے گی۔"

روس کے احتجاج پر حالت کا جائزہ لینے کے لئے ایک کمیٹی مقرر ہو گئی۔ اس کمیٹی نے صرف یہ کیا کہ جرمنی۔ اطالیہ اور پرتگال پر روس جو الزام لگاتا تھا اس کی ایک فہرست متعلق ملکوں کو جواب دہی کے لئے روانہ کر دی جیسا کہ ظاہر تھا۔ ان تینوں ملکوں نے الزامات کی تردید کی۔ اس پر برہم ہو کر ۲۸ اکتوبر ۱۹۳۶ء کو مسٹر میسکی نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"حکومت روس غیر جانبداری کے معاہدہ پر کاربند رہنے کے لئے تیار ہے بشرطیکہ جن ملکوں نے معاہدہ پر دستخط ثبت کئے ہیں وہ بھی معاہدے کا احترام کریں۔ اگر معاہدہ کرنے والے ملکوں میں سے کسی ایک نے بھی معاہدہ کی خلاف ورزی کی تو دوسرے فریقین بھی پابند نہیں رہ سکتے۔ حکومت روس وثوق کے ساتھ کہہ سکتی ہے کہ جو حکومتیں ہسپانیہ کے باغی جنرل کے ہمخیال ہیں وہ معاہدے پر دستخط کرنے کے باوجود فوجی طیاروں ٹینکوں مشین گنوں اور دیگر سامانِ حرب سے باغیوں کو مدد دے رہی ہیں۔ اس طریقہ کار سے روس کو یہ یقین ہو گیا ہے کہ یہ کمیٹی کسی ایسے اقدام کے لئے تیار نہیں ہے جس سے باغی جنرلوں کو مدد پہنچنی بند ہو جاتے۔ ان حالات میں سوویٹ حکومت کا خیال ہے کہ وہ سلطنتیں جو ہسپانیہ کی آئینی حکومت کی امداد کرنا چاہتی ہیں ان کو ایسا کرنے کا اتنا ہی حق پہنچتا ہے جتنا کہ باغیوں کی مددگار سلطنتوں کو ہے۔"

جرمنی اور اطالیہ نے مسٹر میسکی کی اس تقریر کا یہ جواب دیا کہ جنرل فرانکو کو ہسپانیہ کا آئینی حاکم تسلیم کر لیا اور آئینی جمہوری حکومت کو باغی کا درجہ دے دیا۔ برطانیہ نے حسبِ دستور

دو عملی سیاست جاری رکھی اور کسی حکومت کو تسلیم نہیں کیا۔ برطانیہ کا ہسپانیہ کی جمہوری حکومت کو تسلیم نہ کرنا دراصل جنرل فرانکو کی حکومت کو تسلیم کرنے کے مترادف تھا۔ اس کے بعد برطانیہ نے فسطائیت نوازی یہ کی کہ دسمبر ۱۹۳۶ء کو ایک بل منظور کیا جس کی رو سے برطانیہ سے ہسپانیہ اسلحہ لے جانا ملتوی قرار دے دیا گیا۔ ۱۰ جنوری ۱۹۳۷ء کو برطانوی اشتراکی رضاکاروں کا ہسپانیہ جانا بند کر دیا گیا۔ برطانیہ کی اس حکمت عملی کا یہ نتیجہ نکلا کہ فسطائی ممالک جو اب تک خفیہ طور پر مدد دے رہے تھے اب علانیہ طور پر امداد کرنے لگے۔ ۲۶ جون ۱۹۳۷ء کو اطالیہ کے ایک اخبار پیپوپوڈی اطالیہ نے ایک اداریہ میں تحریر کیا۔

"اس عظیم جنگ میں دو مختلف تمدن اور تصور بر سرپیکار ہیں۔ فسطائی اطالیہ غیر جانبدار نہیں بلکہ بر سرپیکار رہا ہے۔ اس جنگ میں فتح اطالیہ کی ہوگی۔"

جب ہسپانیہ کے مشہور مقام سانتنڈر پر فسطائیوں کا قبضہ ہوا تو مسولینی نے اسکو اطالیہ کی فتح کہہ کر پکارا۔ اطالیہ کے اخبارات نے اُن دس اطالوی جنرلوں کے نام شائع کر دیے جو سانتنڈر کے میدان میں بر سرپیکار تھے۔ اس موقع پر مسولینی نے جنرل فرانکو کے تار کا جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"مجھے یہ معلوم ہو کر فخر ہوا کہ سانتنڈر کے مقام پر اطالوی فوج نے دس روز کی مہیب جنگ میں عظیم الشان مدد دی اور آپ کے تار میں ان افواج کی خدمت کا اعتراف ہے۔"

ان حالات میں مسٹر لٹوینوف نے بین الاقوامی لیگ کی سیاسی کمیٹی کے روبرو تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"اگر کوئی ایسا امر ہو سکتا ہے جس پر غیر جانبدار کمیٹی فخر کرے تو وہ یہ ہے کہ اس نے ہسپانیہ کی آئینی حکومت کو سامان حرب نہ پہنچنے دیا اور ان علاقوں کو جو آئینی حکومت کے زیر اثر ہیں خوراک سے محروم رکھا۔ جن

بحری راستوں سے باغیوں کو امداد مل رہی ہے کھلے رہے اور فسطائی ممالک سے مدد آتی رہی لیکن جن راستوں سے آئینی حکومت کو مدد مل سکتی تھی وہ بند کر دیئے گئے۔ خشکی کا ایک راستہ (پہاڑ پینسر یز کا راستہ) جس سے ہسپانیہ کی آئینی حکومت کو مدد مل سکتی تھی وہ بھی بند کر دیا گیا۔ لندن کمیٹی کا رویہ ہمیشہ یہ رہا ہے کہ باغیوں اور ان حکومتوں کا جو باغیوں کی پشت پناہی کر رہی ہیں ہر مطالبہ تسلیم کر لیا جائے اور آئینی حکومت کا ہر مطالبہ مسترد کر دیا جائے۔"

روس کے حکمران طبقہ نے اپنی کم فہمی سے سرمایہ دار ممالک کے مزدور طبقہ کی عالمگیر اخوت کو اس درجہ پارہ پارہ کر دیا تھا کہ ان ملکوں کے لئے مزدور طبقہ کی مخالفت خطرناک نہیں رہی تھی۔ انقلابِ عالم کا تصور سالارانِ روس نے جمہور کے دل و دماغ سے اس درجہ محو کر دیا تھا کہ اب وہ سیاست حاضرہ کو صرف اپنے محدود قومی و ملکی زاویۂ نگاہ سے دیکھتے تھے۔ برطانیہ اور فرانس کو یہ یقین تھا کہ مزدور اخوت اور انقلاب عالم کے طوفانی محرکات کے فنا ہو جانے کے بعد روس کی حربی طاقت اتنی نہیں کہ وہ ہسپانیہ کی امداد کے لئے کوئی مؤثر طریقہ کار اختیار کر سکے۔ چنانچہ مسٹر میسکی کا احتجاج ان کو متاثر کرنے میں ناکامیاب رہا اور سرمایہ دار جمہوریتیں اشتراکیت کے خلاف فسطائی محاذ قائم کرنے میں سرگرم رہیں جس کا نتیجہ دوسری جنگ عظیم میں ظاہر ہوا۔ ہسپانیہ کی خانہ جنگی کے سلسلہ میں اطالیہ کے وزیر خارجہ اور مسولینی کے داماد کاؤنٹ کیانوں کے روزنامچہ کے حسب ذیل اندراجات دلچسپی سے پڑھے جائیں گے:۔

۵ جنوری ۱۹۳۹ء۔ ہسپانیہ سے خوش کن خبریں آرہی ہیں۔ خطرہ صرف یہ ہے کہ کہیں فرانس پیرانیز کے راستہ سے ہسپانیہ کے معاملات میں بڑے پیمانہ پر مداخلت نہ کرنے لگے۔ اس امر کی افواہ ہے۔ اس خطرہ کا سدباب کرنے کے لئے

ہیں نے لندن اور برلن کو اطلاع دے دی ہے۔ اگر فرانس نے اس بات کا اقدام کیا تو یہ غیر جانبداری کے منفی ہوگا ہم بھی اپنی باقاعدہ فوج کے دستے روانہ کردیں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ہسپانیہ کی سرزمین پر ہم فرانس سے لڑیں گے ہیں نے جرمن حکومت سے کہا ہے کہ ہمارے اس خیال کی تائید میں ایک نوٹ شائع کردے۔

۶ر جنوری ۱۹۳۹ء۔ ہسپانیہ میں خاموشی ہے۔ جنرل گمیارا (اطالوی جنرل) اپنی فوج کو ترتیب دے رہا ہے تاکہ کل حملہ شروع ہوجائے۔

۹ر جنوری ۱۹۳۹ء۔ ڈیوس مسولینی نے فرانکو کو ایک نہایت مخلصانہ پیام روانہ کیا ہے جس میں ہدایت دی ہے کہ جب تک جنگ ختم نہ ہو ہر امر نہایت محتاط طریقہ پر ہونا چاہیئے اور اس دوران میں کسی کے مشورہ پر کان نہیں دھرنا چاہیئے جہانتک ہسپانیہ میں از سر نو شہنشاہیت قائم کرنے کا تعلق ہے مسولینی نے فرانکو کو تیز رفتاری سے منع کیا ہے۔ ڈیوس کی خواہش یہ ہے کہ متحدہ اور با امن ہسپانیہ میں کار ڈبلو بر سر اقتدار رہے۔ کامیابی ہو جانے کے بعد فرانکو کے لئے یہ سہل ہوگا کہ حکومت کر سکے چونکہ جو قوم جنگ میں فتح پا جاتا ہے اسکی مخالفت نہیں ہوا کرتی۔

۱۰ر جنوری ۱۹۳۹ء۔ ہسپانیہ میں حالات تسلی بخش ہیں۔ جارحانہ اقدامات تیزی اور ہمواری کے ساتھ جاری ہیں۔

۱۱ر جنوری ۱۹۳۹ء۔ چونکہ ڈیوس اور مجھے چیمبرلین کا آنا کارآمد معلوم نہیں ہوتا۔ اس لئے ان کی آمد کو قدرے نظرانداز کر دیا گیا۔۔۔۔۔ ڈیوس نے کہا یہ لوگ اس مٹی کے بنے ہوتے ہیں جس آب و گل کے فرانس ڈریک یا اس قسم کے دوسرے بہادر بنے ہوتے تھے اس سلطنت کا وجود ان ہی بہادروں کی سعی کا مرہون منت ہے۔ ان کی موجودہ نسل امیر آباؤ اجداد کی تھکی ماندی

اولاد ہے یہ اپنی سلطنت کھو بیٹھیں گے۔ فرانس کے ایک اخبار نے مسولینی کی خانگی زندگی پر حملہ کیا تھا۔ اس کے متعلق مسولینی نے کہا فرانس کا زوال سب سے پہلے ہوگا۔ چند قصور ایسے ہوتے ہیں جن کی توپوں اور بموں سے سزا دی جاتی ہے۔

۱۲ جنوری ۱۹۳۹ء۔ لارڈ ہیلی فکس سے مذاکرات ہوئے ...... میں نے ہسپانیہ کے متعلق اپنا زاویہ نگاہ پیش کیا انھوں نے اس مسئلہ پر اپنے خیالات کا اظہار کیا لیکن ان کی گفتگو سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ جو کچھ وہ کہہ رہے ہیں ان کو اس کا یقین نہیں۔ میرا اندازہ یہ ہے کہ دل سے وہ یہ چاہتے ہیں کہ فرانکو کو فتح ہو جائے اور اس طرح قصہ ختم ہو جائے۔

۱۵ جنوری ۱۹۳۹ء۔ کاٹالونیا میں فوجوں کے اقدام کی خبریں نہایت امید افزا ہیں۔ خوش قسمتی سے جنرل گمبارہ تمام ہسپانیہ کی افواج کے سالار کے فرائض ادا کر رہا ہے۔ عام طور پر یہ افواہ گرم ہے کہ فرانسیسی فوجیں مداخلت کرنے والی ہیں میں ان افواہوں کا یقین نہیں کرتا۔ اگر فرانس نے اس وقت مداخلت کی تو اس کو معتدبہ فوجیں ہسپانیہ روانہ کرنی پڑیں گی ورنہ کیٹالن والے فرانس کو شکست دے دیں گے۔ فرانس میں اتنی طاقت نہیں ہے کہ وہ بڑے پیمانہ پر اس جنگ میں حصہ لے سکے۔ ایسی قوم جس کی گذشتہ نصف سال میں اموات کی تعداد پیدائش سے چالیس ہزار زیادہ رہی ہے اپنی محدود آبادی کا خون بہانے کے لئے تیار نہیں ہوگی۔ اگر فرانس نے مداخلت کی تو ہم بھی مداخلت کریں گے۔ آج صبح مسولینی نے مجھ سے کہا اگر پیرس نے افواج روانہ کیں تو ہم ویلینشیا پر ۳۵ ڈویژن اتاریں گے پرواہ نہیں اگر اس اقدام سے عالمگیر جنگ کا آغاز ہو جائے۔

۱۶ جنوری ۱۹۳۹ء۔ کیٹالونیا سے تیز پیش قدمی کی خبریں آرہی ہیں۔ مسولینی کو کسی امر کا

یقین ہے کہ اگر اس تیزی سے پیش قدمی جاری رہی تو بارسیلونا میں بھی مدافعت ختم ہو جائے گی۔ ان کا خیال ہے کہ شکست خوردہ فوج بہت جلد منتشر ہو جاتی ہے ہماری فتح یقینی ہے۔ اس وقت ہم فرانس کو دخل انداز نہیں ہونے دیں گے۔ آج صبح میں نے لارڈ پرتھ سے دورانِ ملاقات میں کہہ دیا۔۔۔۔" میں آپ کو انتباہ کرتا ہوں کہ اگر فرانس نے فوجی مداخلت کی اور بارسیلونا کی سُرخ فوج کی مدد کو آئے تو ہم ولنشیا پر حملہ آور ہو جائیں گے۔ نیس بٹلین اس کام کے لئے تیار کھڑے ہیں۔ صرف حکم کی دیر ہے۔ ہم ایسا کرنے میں تامل نہیں کریں گے۔ خواہ یورپ میں جنگ کا آغاز کیوں نہ ہو جائے۔ اس لئے آپ فرانس کو مشورہ دیں کہ وقت کی نزاکت کا خیال رکھتے ہوئے وہ تحمل سے کام لے"۔۔۔۔ میرا خیال ہے کہ اگرچہ بارسیلونا کی فتح حالات نازک کر دے گی لیکن فرانس کوئی عملی کارروائی نہیں کرے گا۔ اس فتح کے نتائج آج صفائی سے نہیں سمجھے جا سکتے۔

۲۴ جنوری ۱۹۳۹ء۔ لارڈ پرتھ سے ملاقات ہوئی گذشتہ ملاقات کے دوران میں میں نے ان کو انتباہ کر دیا تھا کہ فرانس کی مداخلت سے کیا صورت حالات پیش آئے گی اس سے لندن میں سنسنی پھیل گئی۔ برطانیہ نے کہا ہے کہ بلا ان سے مشورہ کئے ہم کوئی قدم نہ اٹھائیں۔ میں نے اصولی طور پر لارڈ پرتھ کو اس کا یقین دلایا ہے۔۔۔۔ ہسپانیہ سے اچھی خبریں آ رہی ہیں۔ بارسیلونا کے قرب وجوار میں فسطائی فوجوں نے مورچے قائم کر لئے ہیں اب وہ کسی وقت اس پر قابض ہو سکتی ہیں۔ ہم نے مطالبہ کیا ہے کہ ہماری فوج کے دستے اس ہراول میں ہوں جو پہلے شہر میں داخل ہو ہماری فوج اس کی مستحق ہے۔

۲۵ جنوری ۱۹۳۹ء۔ مسولینی بارسیلونا کی فتح کا بیتابی سے انتظار کر رہے ہیں۔ وہ اس خبر کو

سننے کے لئے متعدد بار فون کرچکے ہیں انھیں خطرہ ہے کہ کہیں میڈرڈ کا معاملہ یہاں پیش نہ آجائے۔ مجھے بارسلونا کی فتح کا یقین ہے ہمارے والنیٹر فتح پا رہے ہیں۔ بارسلونا اب اُن کی زد میں ہے انھوں نے اس اقدام میں بہت سی دشواریاں اٹھائی ہیں اور وہ بارسلونا میں داخل ہونے کے لئے بیتاب ہیں ......

۲۶ جنوری ۱۹۳۹ء۔ کلب میں گولف کھیل رہا تھا کہ بارسلونا کی فتح کی خبر آئی۔ میں نے مسولینی کو اطلاع دے دی اور اسٹراسے سے اس فتح پر جشن کے طریقہ پر گفتگو کی۔ اگرچہ مسولینی کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے آپ کو ہر واقعہ سے غیر متاثر ظاہر کرنا چاہتے ہیں لیکن اس فتح پر وہ بھی بہت مسرور ہوئے حقیقت یہ ہے کہ مسولینی کو اس فتح پر شاد ہونا چاہیے چونکہ یہ فتح جس شخص کی مرہون مِنّت ہے اس کا نام مسولینی ہے اس شخص نے اس مہم کے لئے اسوقت مستعدی اور مستقل مزاجی سے کام کیا جب بہت سے افراد جو آج فتح پر شاداں ہیں معترض تھے ......

۲۹ جنوری ۱۹۳۹ء۔ اس کے سوا اور کوئی خاص خبر نہیں گمیارا نے پیرنیز کی جانب پیش قدمی کی۔ ہم نے بمباری کے ذریعہ سے ۲۴ بیٹریاں اور ایک ہوائی جہاز تباہ کردیا۔ گمیارا نے خوراک روانہ کرنے کی درخواست کی چونکہ آبادی پر فاقہ گزر رہا ہے۔

یکم فروری ۱۹۳۹ء۔ موٹی ہسپانیہ سے واپس آیا وہاں حالات اطمینان بخش ہیں اس نے کہا کہ ولنشیا اور میڈرڈ پر آخری ضرب لگانے کے لئے کمک اور سامانِ حرب کی ضرورت ہے ہم نے اس کے دونوں مطالبات پورا کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے۔

۲ فروری ۱۹۳۹ء۔ تین صدیوں کے بعد ہسپانیہ ایک زندہ اور موثر ملک ہوگیا ہے یہ سب سے

زیادہ اہم امر یہ ہے کہ وہ فرانس کے خلاف ہے۔ وہ بیوقوف جو ہماری ہسپانیہ میں مداخلت کے مخالف تھے ایک دن سمجھیں گے کہ ابرو بارسلونا اور مالاگا میں روم کی بحری سلطنت کی بنیاد رکھی گئی...... گمبارا آیا اس نے ہسپانیہ کے متعلق تسلی بخش رپورٹ پیش کی۔ یا تو میڈرڈ اچانک طور پر ہتھیار ڈال دے گا، یا مارچ کے آخر میں پانچ دستے سُرخ ہسپانیہ کا کام تمام کر دیں گے۔ کٹیالونیا میں حالات اچھے ہیں۔ فرانکو کے اس طریقہ کار سے کہ وہ مخالفوں کو تہہ تیغ کر دیتا ہے حالات بہتر ہوتے جا رہے ہیں۔ بہت سے اطالوی مزاجی اور اشتمالی بھی گرفتار کر لئے گئے ہیں۔ میں نے مسولینی کو جب یہ اطلاع دی تو انھوں نے اسیروں کو گولی مار دینے کا حکم دیا اور کہا مُردے قصہ بیان نہیں کیا کرتے۔

۵ مارچ ۱۹۳۹ء۔ گمبارا الوداع کہنے آیا۔ ہسپانیہ مزید کمک روانہ کرنے کے انتظام کے متعلق ہم متفق ہو گئے ہیں اس کو مسولینی کے پاس لے گیا مسولینی نے کہا جب تک جنگ جاری ہے اطالوی فوجیں ہسپانیہ میں رہینگی لیکن تحفظ امن کے لئے پولیس کے طور پر نہیں رہ سکتیں مسولینی نے گمبارا کو ہدایت کی کہ وہ فرانکو پر واضح کر دے کہ ڈیوس شہنشاہیت قائم کرنے کے خلاف ہے۔ شہنشاہیت کا قیام تین سال کے اندر ہسپانیہ میں خانہ جنگی برپا کر دے گا چونکہ ہسپانیہ کے جلاوطن بادشاہ کا ملک میں کوئی وقار نہیں اور اس کے لڑکے برطانیہ اور فرانس کے کارندے ہیں۔

۶ مارچ ۱۹۳۹ء۔ گذشتہ شب یہ علم ہوا کہ ہسپانیہ کا سُرخ بیڑا کسی حفاظت کی جگہ فرار ہو گیا۔ فرانکو نے ہم سے ہوائی بیڑے کی مدد کی درخواست کی تا کہ ان گیارہ جہازوں کا سراغ لگایا جا سکے اور اگر ان کا رُخ ارطیسہ کی بندرگاہ کی جانب ہو تو ان کو جزیرہ سسلی سے نہ نکلنے دیا جائے۔ میں نے بحری اور ہوائی محکمہ کو ضروری احکامات جاری کر دیئے ہیں۔

۲۲ مارچ ۱۹۳۹ء۔ مسولینی کے نام چیمبرلین کا خط موصول ہوا جس میں بین الاقوامی حالات پر تشویش ظاہر کی ہے اور ڈیوس سے درخواست کی ہے کہ وہ خوشگوار بین الاقوامی تعلقات برقرار رکھنے میں مدد دیں چونکہ اس خط سے جمہوریتوں کی کمزوری ظاہر ہوتی ہے۔ اس لئے مسولینی کے جارحانہ اقدام جاری رکھنے کے ارادہ میں اور استقلال پیدا ہو گیا ہے۔ ان کا ارادہ ہے کہ البانیہ پر حملہ کرنے کے بعد اس خط کا جواب دیا جائے۔

۲۸ مارچ ۱۹۳۹ء۔ میڈرڈ فتح ہو گیا اور سُرخ ہسپانیہ کے تمام شہروں نے اطاعت قبول کر لی۔ جنگ ختم ہو گئی۔ اس جنگ میں فسطائیت کو نہایت ہی عظیم الشان فتح حاصل ہوئی ہے۔ شاید یہ فسطائیت کی فتوحات میں سب سے اہم فتح ہے۔ مسولینی بہت خوش ہیں انھوں نے اس اٹلس کی جانب جس میں ہسپانیہ کا نقشہ کھلا ہوا تھا اشارہ کرتے ہوئے فرمایا تین سال سے یہ اس طرح کھلا ہوا تھا یہ کافی عرصہ ہوتا ہے۔ مجھے علم ہے کہ اس اٹلس کا اب کونسا صفحہ کھولا جائے گا۔ ان کے ذہن میں البانیہ ہے۔

مندرجہ بالا اقتباسات سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ ہسپانیہ میں صرف بغاوت نہ تھی بلکہ اس پر فسطائی ممالک حملہ آور تھے اور یہ بھی ظاہر ہو جاتا ہے کہ باوجود غیر جانب داری کے معاہدہ کے برطانیہ اور فرانس نے اپنی حکمت عملی سے ہسپانیہ کی آئینی حکومت کو کس طرح زک پہنچائی۔ میونخ کے مذاکرات جو دوسری جنگ عظیم کے پیش خیمہ بنے وہ اسی زنجیر کی ایک کڑی تھے۔

دُوسری جنگِ عظیم

یورُپ کی حکومتوں میں سیاسی کشمکش اور اسباب جنگ

۱۹۳۸ء تاریخ یورپ میں بہت ہی المناک سال ثابت ہوا۔ اس سال چند اقوام کی حرص و ہوس اپنے شباب پر پہنچی۔ دنیا میں عہد شکنی محسن کشی۔ قومی معاہدوں کے پُرزے اڑانے اور عداوت و دشمنی کا بازار گرم ہو گیا۔ اس سال حسب ذیل محشر خیز واقعات رونما ہوئے:۔

۱۔ جرمنی نے سیاسی چالوں سے آسٹریا کو اپنی اقلیم کا ایک حصہ بنا لیا۔

۲۔ راہن لینڈ کو جرمنی نے مسلح کیا۔

۳۔ اطالیہ نے حبشہ کو فتح کر لیا۔

۴۔ جرمنی اور اطالیہ نے ہسپانیہ کی آئینی طور پر برسر اقتدار اشتراکی حکومت کے خلاف باغی جنرل فرانکو کو مدد دی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہسپانیہ میں اشتراکی عناصر فنا ہو گئے اور منطاقی حکومت برسر اقتدار آ گئی۔

۵۔ مسٹر چیمبرلین وزیر اعظم برطانیہ مسٹر دلادیر وزیر اعظم فرانس ہٹلر اور مسولینی میں مذاکرات ہوئے جس میں چیکو پر جرمنی کا حق ملکیت تسلیم کر لیا گیا۔

یورُپ کے متمدن ممالک کے یہ چند کارنامے تھے جو آئندہ چل کر دوسری جنگ عظیم کا

پیش خیمہ بنے۔ اس سال برطانیہ اور فرانس کی یہ سیاست کہ وہ فسطائی و نازی ممالک کو طاقتور بنا کر ان کو روس سے برسرپیکار کرانے کی خواہشمند تھی اتنی واضح اور صاف ہو گئی تھی کہ یورپ کے ہر ملک میں اس تخریبی سیاست کے چرچے ہونے لگے تھے یہ کون نہیں جانتا کہ حبشہ پر اطالوی قبضہ برطانیہ کی بالواسطہ مدد سے ہوا تھا غیر جانبداری کے پردے میں حبشہ کو آلاتی ہتھیار خریدنے سے روکا گیا جس کی وجہ سے حبشہ حملہ آور اطالیہ کا مقابلہ نہ کر سکا۔ اگرچہ بالڈون نے حبشہ کی آزادی چھن جانے کی ذمہ داری وزیر خارجہ سر سیموئل ہور پر ڈالی اور اس سے لاعلمی ظاہر کی کہ تجارت کو فروغ دینے اور اطالیہ کو پہلی جنگ کے مالِ غنیمت میں جو کم حصہ دیا گیا تھا اس کے نعم البدل کے طور پر ہور اور لاول نے ایک معاہدہ کے ذریعہ سے اطالیہ کو حبش پر قبضہ کرنے کی اجازت دے دی تھی تاہم کسی کو اس امر کا یقین نہ آیا کہ سلطنت برطانیہ کا وزیر خارجہ کابینہ کی تحریری اجازت کے بغیر خفیہ طور پر دوسرے ملک کی تباہی و بربادی کے متعلق اپنی شخصی ذمہ داری پر دستخط کر سکتا تھا۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ برطانیہ کی مرضی اور مدد سے اطالیہ نے حبشہ پر قبضہ کیا لیکن لطف یہ ہے جب اس قبضہ کو تسلیم کرنے کا وقت آیا تو مسٹر ایڈن برطانیہ کے وزیر خارجہ نے یہ شرط لگائی کہ اطالیہ کا حبشہ پر قبضہ اسی وقت تسلیم کیا جاوے گا جب ہسپانیہ سے اطالیہ اپنی فوجیں ہٹا لے گا اور برطانیہ کے خلاف تبلیغ کرنا بند کر دے گا اس پر مسولینی نے برافروختہ ہو کر مسٹر ایڈن کی برخاستگی کا مطالبہ کیا اور دنیا حیرت میں رہ گئی۔ جب مسٹر چیمبرلین نے مسٹر ایڈن کی بجائے لارڈ ہیلی فیکس کو وزیر خارجہ مقرر کر دیا۔ حقیقت یہ تھی کہ جرمنی اور اطالیہ کے ساتھ وارسائی کے صلح نامے میں جو بے انصافی ہوئی تھی طاقتور ہو جانے کے بعد یہ ممالک ان بے انصافیوں کا تدارک چاہتے تھے اس اقتصادی دور میں طاقت تجارت ہی سے حاصل ہو سکتی ہے۔ تجارت کو فروغ دینے کے لئے یہ ضروری ہے کہ آلاتی ممالک کے قبضہ میں وسیع نوآبادیات ہوں جہاں سے خام اجناس مہیا ہو سکیں اور جہاں آلات سے تیار شدہ اشیاء گراں قیمت پر فروخت کی جا سکیں۔ اس ضرورت کے ماتحت جرمنی و اطالیہ نوآبادیات کے

حاصل کرنے کے درپے تھے۔ تمام نوآبادیات پر یا تو برطانیہ اور فرانس کا قبضہ تھا یا ان کا سرمایہ لگا ہوا تھا اس لئے ان دونوں ممالک کو نوآبادیات دیتے ہوئے تو دل دکھتا تھا البتہ کرۂ ارضی کے وہ حصص جن سے ان کو منفعت نہ تھی مثلاً حبش و روس اُن پر جرمنی و اطالیہ کے قابض ہو جانے پر برطانیہ و فرانس کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ روس کی بڑھتی ہوئی طاقت سے سرمایہ دار دنیا میں پریشانی و اضطراب بڑھ رہا تھا۔ اشتراکی روس کو فنا اور جرمنی کے نوآبادیات کے مطالبہ کو پورا کرنے کی بہترین تدبیر یہی ہو سکتی تھی کہ جرمنی کو روس پر قابض ہونے کا اشارہ کر دیا جائے اور اس مہم میں جرمنی کو مدد دی جائے۔ اس طرح برطانیہ اور فرانس کا خیال تھا کہ بغیر براہ راست جنگ میں داخل ہوئے جرمنی کا مطالبہ بھی پورا ہو جائے گا اور اشتراکی خطرہ بھی دور ہو جائیگا اس سیاست کو برسر کار لانے کے لئے لارڈ ہیلی فیکس کا تقرر عمل میں آیا تھا۔ اس جدید تقرر سے دو امور منظر عام پر آ گئے ایک یہ کہ مسٹر چیمبرلین روس کی مخالفت پر تلے ہوئے تھے دوسرے یہ کہ کنزرویٹو پارٹی میں دو مختلف الخیال گروہ پیدا ہو گئے تھے جس میں سے ایک کے قائد مسٹر چیمبرلین اور دوسرے کے مسٹر ایڈن تھے۔ اول الذکر کی سیاست فسطائی و نازی ممالک کو طاقتور بنا کر روس سے برسرپیکار کرنا تھی اور دوسری کی سیاست روس سے تعاون کر کے جرمنی و اطالیہ کے جارحانہ اقدام کو روکنا تھی۔ مسٹر چیمبرلین کی اس سیاست پر روس کا خاموش رہنا ممکن نہ تھا چنانچہ یکم مئی ۱۹۳۸ء کو مارشل ووروشیلوف نے روسی جمہور کو مسلح ہونے کا حکم دیتے ہوئے کہا:۔

"ہم ان واقعات کی طرف سے آنکھیں بند نہیں کر سکتے۔ اس وقت دنیا ایک مسلح کیمپ بنی ہوئی ہے۔ ہمارے بے شمار دشمن نہ صرف داخلی طور پر پریشان دانیاں کر کے ہم کو کمزور کرنا چاہتے ہیں بلکہ بیرونی ممالک حملہ آور ہو کر سوویٹ روس کو تباہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان حالات میں ہم کو دس گنی زیادہ مستعدی سے بلا ایک لمحہ ضائع کئے سرخ فوج کی حربی طاقت کو زیادہ سے زیادہ بڑھانا چاہئے نہ صرف یہ بلکہ جمہور میں درست سیاسی شعور اور آلاتی ذہنیت پیدا کرنی چاہئے۔"

سوویٹ روس کے سرکاری اخبار ازوستیا نے ایک بیباک مقالہ میں تحریر کیا:۔
"فسطائی جابر امن عالم کو پاش پاش کرنا چاہتے ہیں سرمایہ دار جمہوریتوں کی ہمت افزائی کی بنا پر فسطائی قزاق چین اور ہسپانیہ میں داخل ہو کر وہاں کے جمہور کو غلامی کی زنجیر میں پھنسانے میں مشغول ہیں۔ آسٹریا کا وجود ختم ہو گیا چیکو خطرہ میں ہے یہ سب دوسری جنگ عظیم اور دنیا کو از سر نو جدید طریقہ پر تقسیم کرنے کی تمہید ہے نہ صرف یہ بلکہ ان واقعات سے صاف طور پر عیاں ہے کہ فسطائی ملک روس سے برسر پیکار ہونے والے ہیں۔ روسی جمہور اس امر سے بخوبی واقف ہیں کہ سوویٹ یونین کو صرف اپنی قوت بازو ہی پر بھروسہ کرنا چاہیے سرخ بحری و بری فوج ہی سوویٹ کی حفاظت کی ضامن ہو سکتی ہے"۔

مسٹر چیمبرلین کی حکمت عملی نے نہ صرف روسی مدبروں اور اخبارات کو شاکی بنا دیا تھا بلکہ مسٹر چرچل نے بھی علانیہ طور پر ان کی سیاست کی مخالفت شروع کر دی تھی صاحب موصوف نے ایک تقریر کے دوران میں کہا۔

"مشرقی یورپ میں روس کی طاقتور حکومت واقع ہے اگرچہ میں اس کے سیاسی دستور کو نفرت کی نظر سے دیکھتا ہوں لیکن یہ حقیقت ہے کہ اس کی نیت کسی ہمسایہ ملک پر حملہ آور ہونے کی نہیں ہے۔ روس کو خود نازی حملہ کا خطرہ ہے ہمیں روس کے روبرو برہنہ سر جانے اور اس کی مدد پر تکیہ کرنے کی ضرورت نہیں لیکن اس نازک وقت میں جبکہ نازی خطرہ بڑھتا جا رہا ہے اپنی حکمت عملی سے روس و برطانیہ کے درمیان خلیج پیدا کرنا نہایت ہی غلط اقدام ہو گا"۔

اگرچہ برطانیہ میں حکومت کی حکمت عملی کے خلاف شدید جذبہ پیدا ہوتا جا رہا تھا لیکن مسٹر چیمبرلین اپنی سیاست کو کامیاب بنانے میں مشغول تھے۔ جب جرمنی نے چیکو پر نظر حرص ڈالی تو حکومت برطانیہ نے اپنے ایک مدبر ہرنسی مین کو اس کار خاص کے لئے چیکو روانہ کیا کہ وہ اس

بہادر ملک کو جرمنی کا طوق گلوگیر کرنے پر آمادہ کر لیں جب وہ ناکامیاب واپس ہوئے تو مسٹر چیمبرلین بنفس نفیس بر جٹسگاڈن کے مقام پر ۱۵ ستمبر کو ہٹلر کی خدمت میں حاضر ہوتے اور اس کو یقین دلاتے کہ جرمنی کا چیکو پر حملہ اور اس کا الحاق برطانیہ کی پیشانی پر شکن کا موجب نہ بنے گا۔ ہٹلر کی بارگاہ میں چیمبرلین کی حاضری پر قیاس آرائی کرتے ہوئے روس کی کمیونسٹ پارٹی کے اخبار پراوادا نے تحریر کیا:-

"مسٹر چیمبرلین کی خارجی سیاست کا رجحان پوشیدہ نہیں ہے وہ آمادہ پیکار ممالک کی مدد کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر مسٹر چیمبرلین دیگر امن پسند ممالک سے تعاون کرتے اور چیکو کی خود مختاری کی ضمانت کرتے تو انھیں اس فضائی سفر کی ضرورت پیش نہ آتی۔ یہ امر ظاہر ہے کہ اس سفر کا مقصد چیکو کو فروخت کرنا ہے۔ انگلستان کا قدامت پسند پریس اور مسٹر چیمبرلین کے ہمخیال یہ کہتے ہیں کہ ہٹلر کے مطالبات تسلیم کرنے سے یورپ میں امن قائم رہے گا۔ اس سے زیادہ صاف جھوٹ اور کیا ہو سکتا ہے آمادہ بہ پیکار حکومتوں کے ساتھ تعاون کی کوشش جنگ کو بجائے دور کرنے کے نزدیک لے آئے گی چیکو کے جرمنی سے الحاق کے یہ معنی ہوں گے کہ وسط یورپ میں جرمنی کا اقتدار قائم ہو جائے گا۔ جب جنوب کی سمت سے جرمن محاذ محفوظ ہو گیا۔ نیز اس کو کثیر تعداد میں خام اجناس دستیاب ہو گئیں تو وہ فسطائی ہسپانیہ کو حریت آزادی سے اور بہت بڑے پیمانہ پر مدد دے سکے گا جس کا نتیجہ یہ ہو گا کہ فرانس فسطائی حکومتوں کے احاطہ میں آجائے گا۔"

چیکو کے مسئلہ پر بین الاقوامی لیگ کے اجلاس میں روس کے وزیر خارجہ مسٹر مولوٹوف نے بیان دیتے ہوئے کہا:-

"چند روز گذرے حکومت فرانس نے پہلی مرتبہ دریافت کیا کہ اگر چیکو پر جرمنی

حملہ آور ہو اس شکل میں روس کا کیا طرز عمل رہے گا۔ میں نے اس کا حسب ذیل جواب دے دیا تھا ہم فرانس کی معیت میں چیکو کی مدد کے لئے آمادہ ہیں ہمارا فوجی محکمہ فرانس اور چیکو کے فوجی محکمہ کے ساتھ طریقہ کار پر تبادلۂ خیال کرنے اور ایک لائحہ عمل پر غور کرنے کے لئے تیار ہے۔ یہ ضروری ہے کہ یورپ میں امن قائم رکھا جائے۔ اس مقصد کے لئے یہ چاہیئے کہ یورپ کی تمام بڑی اور دیگر متعلق حکومتیں جرمنی کو ایک متحدہ یادداشت روانہ کریں تاکہ اس کو جارحانہ اقدام کی جرأت نہ ہو۔ صرف دو روز گذرے کہ حکومت چیکو نے حکومت روس سے دریافت کیا کہ کیا جرمن حملہ کی شکل میں اگر فرانس اپنے معاہدہ پر کاربند رہا اور ہماری مدد کو آیا تو روس بھی کمک کو آئے گا کہ نہیں۔ اس کا میری حکومت نے اثبات میں جواب دیدیا تھا۔"

روس کے دست تعاون بڑھانے پر سرمایہ دار جمہوریتوں نے اس کا جواب خندہ زہرآلود سے دیا۔

چیکو کی خودمختاری جب چند روز کی مہمان معلوم ہونے لگی اور برطانیہ کے جمہور میں ان امکانات پر شدید اضطراب پیدا ہوتے دیکھا تو اُن کے غم و غصہ کو فرو کرنے کی خاطر ۲۶ ستمبر کو وائٹ ہال سے حسب ذیل بیان نشر ہوا:۔

"وزیر اعظم کی مساعی جلیلہ کے باوجود اگر جرمنی نے چیکو پر دست درازی کی تو برطانیہ۔ روس اور فرانس کے لئے چیکو کی مدد کرنا لازمی ہو جائے گا۔ یورپ کے جمہور کے لئے ہنوز سنہری موقعہ ہے کہ وہ اپنی حکومتوں پر زور دیں کہ صلح و آشتی سے معاملات کو سلجھایا جائے۔"

مسٹر چیمبرلین نے ۲۸ ستمبر کو اسی موضوع پر تقریر کرتے ہوئے دارالعوام میں اعلان کیا کہ وہ خود مسٹر دلاویر وزیر اعظم فرانس۔ ہٹلر اور مسولینی ۲۹ ستمبر کو میونخ کے اہم مذاکرات میں حصّہ

لیں گے اور قوی امید ہے کہ عقدہ معلومہ کی گرہ کھل جائے گی۔ منفرد تاریخ پر مذاکرات ہوئے اور چیکو کی آزادی کو ہٹلر و مسولینی کی خوشنودی پر قربان کر دیا گیا لیکن میونخ کے مذاکرات کے اور نہایت اہم نتائج بھی تھے۔

(۱) روس کا اہم سلطنتوں کے زمرے سے اخراج (۲) لیگ آف نیشن کا حسرتناک انجام
اس پر تبصرہ کرتے ہوئے جرمنی کے ایک مشہور اخبار نویس نے تحریر کیا۔

"میونخ کے معاہدہ کی تاریخی اہمیت یہ ہے کہ ہٹلر کی الوالعزمی اور مسولینی کی دوربینی کے باعث سوویٹ روس کو بڑی سلطنتوں کے زمرے سے خارج کر دیا گیا ہے...... اب بین الاقوامی لیگ کی جگہ چار متمدن حکومتوں کی کونسل نے لے لی ہے۔ بین الاقوامی لیگ مردہ ہو چکی ہے چار حکومتوں کی کونسل زندہ باد۔"

یہی وجہ تھی کہ مسٹر چیمبرلین نے میونخ کے معاہدے پر دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے اشارتاً بھی روس کا ذکر نہیں کیا۔ روس کے متعلق خاموشی کو سب نے محسوس کیا اور صاف طور پر کہا جانے لگا کہ مغربی یورپ روس کے خلاف متحدہ محاذ قائم کر رہا ہے۔ اگرچہ یہ حقیقت تھی لیکن جمہور کے اضطراب اور مسٹر چرچل کی پارٹی کو وقتی طور پر خاموش رکھنا بھی ضروری تھا۔ چنانچہ حکومت کے وزیر سر جان سائمن نے روسی تعاون کی اہمیت کا ذکر کرتے ہوئے کہا:۔

"ہمیں امید ہے کہ روس بھی چیکو کی حفاظت کا ضامن ہوگا۔ اس سلسلہ میں روس کا تعاون نہایت ضروری ہے۔ برطانیہ کا ہرگز یہ مقصد نہیں کہ روس کو نظر انداز کر دیا جائے یا یورپ کی تنظیم میں اس کی آواز کو اہمیت نہ دی جائے۔ بنیادی اختلافات کا حل تمام یورپ کی طاقتوں کے مشورے سے ہی ہو سکتا ہے۔"

سر جان سائمن کے بیان کے بعد جب وزیر اعظم نے ۱۷ اکتوبر کو چیکو کی بحث کے اختتام پر تقریر کی اس میں بھی روس کی بابت ایک لفظ نہیں کہا۔ عوام و خواص اس پر تبصرہ و تنقید

کر رہے تھے کہ لارڈ ونٹرٹن محکمہ خارجہ کے سکریٹری آف اسٹیٹ نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"اپنی فوجی کمزوری کی بناء پر روس نے چیکو کی خودمختاری کی ضمانت کے سلسلہ میں چند مبہم وعدے کیے ہیں"

برطانیہ کے ذمہ دار رکن کی اس غلط بیانی پر حکومت روس خاموش نہیں رہ سکتی تھی چنانچہ مسٹر مسکی سفیر روس مقیم لندن نے اس کا جواب دیتے ہوئے اعلان کیا:۔

"لارڈ ونٹرٹن کا بیان حقیقت سے بہت دور ہے مسٹر لٹوینوف نے جنیوا میں روسی سیاست کی پوری طرح وضاحت کر دی تھی جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں"

بجائے اس کے کہ لارڈ موصوف اپنی دروغ بافی کی کوئی توضیح فرما دیتے مثلاً یہ کہ رپورٹر نے تقریر کے تحریر کرنے میں غلطی کی یا میرا ان الفاظ سے فلاں مطلب تھا وغیرہ، انھوں نے اپنے بیان کی تائید کی۔ اس پر ۱۳ اکتوبر کو مسٹر مسکی نے ترشی سے جواب دیتے ہوئے کہا:۔

"ایسے انسان سے رد و قدح کرنا بے سود ہے جس نے دیدہ و دانستہ واقعات سے آنکھیں بند کر لی ہوں مجھے یقین ہے۔ لارڈ ونٹرٹن کی کوئی سعی بھی کذب کو صدق میں تبدیل نہیں کر سکتی"

جب نوبت تلخ کلامی تک پہنچی تو در پردہ مذاکرات کے بعد ۳ نومبر ۱۹۳۸ء کو مسٹر چیمبرلین نے دارالعوام میں اس رد و قدح کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا:۔

"۱۱ اکتوبر کو سویٹ سفیر نے حکومت برطانیہ کی توجہ لارڈ ونٹرٹن کے ایک بیان کی طرف منعطف کرائی ہے مجھے معلوم ہوا ہے کہ لارڈ موصوف اور مسٹر مسکی نے معاملہ معلومہ کی بابت مفصل گفتگو کر لی ہے۔ امید ہے کہ جو غلط فہمی پیدا ہو گئی تھی وہ صاف ہو گئی ہو گی"

اس طرح ہنگامی ترش کلامی ضرور ختم ہو گئی لیکن فسطائیت نوازی میں کمی واقع نہیں ہوئی۔ ۱۱ جنوری ۱۹۳۹ء کو دنیا نے یہ دیکھا کہ برطانیہ کے وزیر اعظم اور وزیر خارجہ مسولینی کے دستر خوان پر تاجدار اطالیہ شہنشاہ حبشہ کا جام صحت نوش فرما رہے ہیں۔ مسٹر چیمبرلین نے اپنی جمہوریت کشی کا دوسرا ثبوت یہ دیا کہ ۱۳ جنوری کو ہسپانیہ کی آئینی حکومت کو پس پشت ڈال کر غاصب جنرل فرانکو کو ہسپانیہ کا حاکم تسلیم کر لیا۔ انسانی تمدن سے یہ غداریاں اس لئے کی جا رہی تھیں کہ جرمنی اور اٹلی کا رخ روس کی سمت پھر جائے گا۔ لیکن برطانیہ کی اس سیاست کا یہ اُلٹا اثر ہو رہا تھا کہ برطانیہ کے خلاف جرمنی اور اٹلی کے مطالبات میں روز بروز اضافہ ہوتا جاتا تھا اور جرمنی نے نوآبادیات کے واپسی کے مطالبات شروع کر دئے تھے۔ ان حالات میں سوویٹ روس کی برطانیہ سے دشمنی زیادہ عمیق ہوتی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں ۱۰ مارچ کو اسٹالن نے ایک تقریر کے دوران میں مغربی یورپ کی اس حکمت عملی کو کہ وہ فسطائیوں کو حبشہ اور ہسپانیہ دے کر روس سے برسر پیکار کرانا چاہتے تھے خام کہا اور اس امر کا یقین دلایا کہ روس یورپ کی جمہوریتوں سے اشتراکِ عمل کر کے آمادہ بہ پیکار ممالک کے خلاف متحدہ محاذ قائم کرنے کے لئے تیار ہے نیز روسی سیاست کی عام روش کا اعلان کرتے ہوئے کہا:۔

> "روس کی سیاست یہ ہے کہ جو کنار رہے۔ جنگ کے تنازعوں میں نہ الجھے اور ان ممالک کے پھندوں میں نہ آئے جو دوسروں کو جنگ کی آگ میں جھکیل کر اپنی مقصد برآری کرنا چاہتے ہیں"۔

باوجود روس کی اس دعوتِ اشتراک کے برطانیہ نے نازیوں کو کمزور ممالک پر غلبہ دلانے اور یہ رشوت دے کر ان کو روس سے دست و گریباں کرانے کی سیاست ترک نہ کی۔ ۱۵ مارچ ۱۹۳۹ء کو جرمنی نے چیکو پر قبضہ کر لیا۔ اس روز برلن ریڈیو نے حالات حاضرہ پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:۔

> "یورپ میں جمہوریتوں کا وقار ختم ہو گیا"۔

حقیقت بھی یہی تھی جرمنی کے اس اقدام پر مغربی یورپ کی خاموشی نے یورپ کے عوام کو ندامت میں غرق کر دیا تھا اور یہ عام طور پر یقین کیا جانے لگا تھا کہ اب کے بار پولینڈ اور رومانیہ نازیوں کے شکار ہوں گے جمہور کا یہ گمان درست ثابت ہوا۔ ۱۸ مارچ کو جرمنی نے رومانیہ کے روبرو یہ مطالبہ پیش کر دیا کہ وہ اپنی اشیائے خوردنی تیل اور دیگر معدنیات صرف جرمنی کو آلات وغیرہ کے عوض فروخت کرے۔ رومانیہ کو چاہیے کہ وہ آلاتی ملک بننے کی کوشش نہ کرے بلکہ زراعت پر اکتفا کرے۔ جرمنی تمام زراعتی پیداوار خریدنے کے لئے تیار ہے اگر رومانیہ نے جرمنی کے مشورہ پر عمل درآمد کیا تو جرمنی اس کی خودمختاری کو برقرار رکھنے کا ذمہ دار ہو جائے گا۔ یہ رومانیہ کے الحاق کی سمت پہلا جرمن قدم تھا۔ برطانوی جمہور پر ظاہر کرنے کے لئے کہ حکومت ضروری کارروائی کر رہی ہے مسٹر چیمبرلین نے اس سلسلہ میں روس سے مذاکرات شروع کر دیئے۔ مسٹر چیمبرلین کی نیت کا پتہ اس امر سے چلتا ہے کہ مذاکرات کے اختتام پر برطانوی حکومت تو قطعی خاموش رہی۔ البتہ ماسکو نے سرکاری طور پر حسب ذیل اطلاع شائع کی:۔

> "پولینڈ اور رومانیہ نے نہ ہم کو یہ اطلاع دی کہ ان ممالک کو بیرونی حملہ کا خطرہ ہے اور نہ اس سلسلہ میں ہم سے مدد چاہی ۱۸ مارچ کو برطانیہ نے یہ اطلاع دی کہ رومانیہ کے خلاف نازی جرمنی کی جارحانہ کارروائی کا خطرہ ہے اور یہ دریافت کیا کہ ان حالات میں روس کا کیا رویہ رہے گا۔ اس سلسلہ میں سوویٹ روس نے یہ رائے پیش کی کہ متعلقین یعنی برطانیہ۔ فرانس پولینڈ۔ رومانیہ۔ ترکی اور سوویٹ یونین کی ایک مجلس منعقد کی جائے جس میں یہ معاملہ پیش کیا جائے لیکن برطانیہ نے اس اقدام کو جس سے جرمنی کو یہ شبہ گزرے کہ اس کے خلاف متحدہ محاذ قائم کیا جا رہا ہے قبل از وقت قرار دیا اور کارروائی ختم ہو گئی۔"

برطانیہ کا اس قسم کی تحریکات کی ابتدا کر کے ان کو ختم کر دینا ہٹلر کو یہ دعوت دینا تھا کہ وہ

اپنے گرد و پیش کے ممالک پر بلا خوف مزاحمت قبضہ کر سکتا ہے۔ چنانچہ ۲۲ مارچ کو جرمنی نے میمل پر قبضہ کر لیا اور یہ صاف نظر آنے لگا کہ چند روز بعد جرمن فوجیں ڈینزگ میں داخل ہونے والی ہیں۔ ڈینزگ کا سقوط پولینڈ پر حملہ کی تمہید خیال کیا جاتا تھا۔ ان حالات میں تمام مغربی یورپ کے سامنے تباہی و بربادی کے وہ مناظر آ گئے جن کو موجودہ نسل پہلی جنگ عظیم میں بھی دیکھ چکی تھی۔ جنگ کے امکانات سے متاثر ہو کر کنزرویٹو پارٹی کی اکثریت اور عوام نے مطالبہ کیا کہ جرمنی کے آئندہ جارحانہ اقدام کا سدباب کرنا چاہئے۔ جمہور کے بگڑتے ہوئے تیور دیکھ کر مسٹر چیمبرلین نے ۳۱ مارچ ۱۹۳۹ء کو پولینڈ کو ضمانت دیتے ہوئے دارالعوام میں کہا:-

"دارالعوام کو علم ہے کہ پولینڈ کی خود مختاری برقرار رکھنے کی ضمانت کی بابت متعدد حکومتوں میں آپس میں مذاکرات ہو رہے ہیں۔ اگر اس دوران میں پولینڈ پر حملہ ہوا تو سلطنت برطانیہ پوری طاقت سے مظلوم ملک کی مدد کرے گا۔ ہم نے حکومت پولینڈ کو اس ضمانت کی اطلاع دے دی ہے۔ میں یہ بھی بتا دینا چاہتا ہوں کہ فرانس کی حکومت بھی اس امر میں برطانیہ کی ہمخیال اور شریک کار ہے۔"

اس اعلان کا سب سے زیادہ حیرت انگیز پہلو یہ تھا کہ بلا روس سے معاہدہ کئے برطانیہ و فرانس نے پولینڈ کی خود مختاری برقرار رکھنے کا اعلان کر دیا۔ یہ دونوں ممالک پولینڈ کو صرف تین سمت سے مدد دے سکتے تھے۔ اول یہ کہ شمالی اور بالٹک سمندروں میں سے گزر کر پولینڈ پر لنگر انداز ہوں۔ سمندری مہم آسان نہیں ہوتی۔ اس کی ترتیب و تنظیم میں مدت درکار ہوتی ہے اور نقصانات کا بہت امکان ہوتا ہے۔ اتحادی اپنے ساحل چھوڑنے نہ پاتے کہ پولینڈ نیست و نابود ہو چکا ہوتا۔ جرمنی کا پولینڈ پر قبضہ ہو جانے کے بعد پھر حالات زیادہ مخالف ہو جاتے۔ دوسرا راستہ جبل الطارق سے گذر کر یونان پر لنگر انداز ہونے اور پولینڈ کی سمت مراجعت کا تھا اس راستہ میں بھی وہ تمام خطرات اور نتائج موجود تھے جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ پولینڈ کی مدد کا تیسرا طریقہ یہ ہو سکتا تھا کہ جرمنی کے پولینڈ پر حملہ آور ہوتے ہی جرمنی پر فرانس اور برطانیہ حملہ آور ہو جاتے یہ حملہ بھی پولینڈ کو نیست و نابود

ہونے سے ہرگز محفوظ نہیں رکھ سکتا تھا تینوں شکلوں میں پولینڈ کی تباہی یقینی تھی ان امور پر نظر رکھتے ہوئے سیاسی تدبر رکھنے والے مسٹر چیمبرلین کے اعلان کو غیر حقیقی خیال کرتے تھے تمام دنیا میں وزیر اعظم برطانیہ کے اس طریقہ کار پر تبصرہ و تنقید ہو رہی تھی کہ ۷ اپریل ۱۹۳۹ء کو اطالیہ نے البانیہ پر قبضہ کر لیا اور رومانیہ اور یونان کی خودمختاری بھی ختم ہوتی دکھائی دینے لگی۔ وسطِ یورپ میں سیاسی توازن کو بگڑتے دیکھ کر فرانس اور برطانیہ نے ان دونوں بلقانی ریاستوں کو بھی ضمانت دے دی لیکن فوجی اعتبار سے یہ ضمانتیں بھی پولینڈ کی ضمانت کے مثل مہمل ہی تھیں۔ اس زمانہ میں بین الاقوامی حالات جس تیزی سے بدل رہے تھے تاریخ عالم شاید ہی اس کی کوئی مثال پیش کر سکے یہ اہم تبدیلیاں فرانس اور انگلستان کی سیاسی جماعتوں اور جمہور کو وحشت زدہ بنا رہی تھیں اور وہ اپنی حکومتوں کو روس سے تعاون کرنے پر مجبور کر رہے تھے۔ جمہور کے سیاسی دباؤ سے مجبور ہو کر ۱۵ اپریل ۱۹۳۹ء کو برطانیہ کے سفیر مقیم ماسکو نے سوویٹ روس سے پولینڈ اور رومانیہ کو ضمانت کی بابت استفسار کیا اس کا جواب دیتے ہوئے روس نے آٹھ نکات کا ایک پروگرام پیش کیا جس میں سے حسبِ ذیل تین باتیں قابلِ ذکر ہیں۔

۱۔ روس، برطانیہ اور فرانس میں جارحانہ امداد و مدافعانہ معاہدے کی ضرورت ہے۔

۲۔ فریقین میں فوجی میثاق کی ضرورت ہے۔

۳۔ بحر بالٹک اور بحر اسود پر جو ریاستیں واقع ہیں ان سب کو ضمانت دینے کی ضرورت ہے۔

متعلقین میں یہ مذاکرات جاری تھے کہ یورپ کی سیاسی بساط پر متعدد گولے پھٹے۔ جرمنی نے ۲۸ اپریل کو اپنے اور برطانیہ کے درمیان جو بحری جہازوں کی تعداد میں تناسب قائم رکھنے کا معاہدہ تھا اس کی منسوخی کا اعلان کر دیا نیز جرمنی اور پولینڈ میں صلح و آشتی کا جو عہد و پیمان تھا اس کو بھی کالعدم قرار دے دیا

۲۲ مئی ۱۹۳۹ء کو جرمنی اور اطالیہ کے درمیان ایک سیاسی اور فوجی معاہدہ ہو گیا اس کی اہمیت کا اعلان کرتے ہوئے مسولینی نے کہا:-

"اب پندرہ کروڑ افراد کا ایک مستحکم محاذ قائم ہو گیا ہے۔ باوجود حربی توانائی کے یہ محاذ صلح کا خواہشمند ہے لیکن اگر قدامت پسند جمہوریتیں ہمارے اقدام میں مزاحم ہوئیں تو ہم میدان کارزار کے لئے بھی تیار ہیں"

فسطائی حکومتوں کی برق رفتاری کے سامنے جمہوریتوں اور روس کی سست خرامی معصیت اور جرم معلوم ہوتی تھی لیکن کیا کیا جاتا سرمایہ داری اور اشتراکیت کا بنیادی تضاد ہر موڑ پر نمودار ہو جاتا تھا اور مختلف طریقہ فکر اور جداجدا قومی و ملکی مفاد ان حکومتوں کو کسی ایک لائحہ عمل پر متفق نہیں ہونے دیتے تھے۔ ریاستوں کو ضمانت دینے کا سوال نہایت مہیب مسئلہ بن گیا تھا۔ اس مسئلہ پر بحث کرتے ہوئے روس کے وزیر اعظم مسٹر مولوٹوف نے کہا:-

"برطانیہ کی یادداشت میں پولینڈ۔ رومانیہ۔ ترکی اور یونان کو ضمانت دینے کا ذکر ہے لیکن روس کی سرحد پر اسٹونیہ۔ استھونیہ اور فن لینڈ کی ریاستوں کا تذکرہ تک نہیں اس کی یہ وجہ بیان کی جاتی ہے کہ بالٹک کی ریاستوں نے مدد کی درخواست ہی نہیں کی اس لئے ان کی خودمختاری کی ضمانت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن دراصل بالٹک کی ریاستوں کا برطانوی یادداشت میں ذکر نہ ہونا جرمنی کو اس امر کا اشارہ ہے کہ وہ پولینڈ اور دوسری بلقانی ریاستوں سے کنارہ کش ہو کر اپنے نازی طریقہ پر بالٹک ریاستوں پر حملہ کر دے جیسا کہ مشاہدے میں آچکا ہے۔ ان ریاستوں پر جرمن حملہ کی شکل یہ ہو گی کہ ابتداً ان ریاستوں میں ریشہ دوانیاں کی جائینگی پھر مسلح بغاوت کے ذریعہ سے برسراقتدار حکومتوں کو ختم کر کے نازی رجحانات

کی حکومتوں کو فروغ دیا جائے گا۔ پھر ان جدید حکومتوں کو جرمنی سے مدد کی درخواست کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔ ان کٹھ پتلی حکومتوں کی دعوت پر جرمن افواج ان ریاستوں میں داخل ہو جائیں گی۔ یہ کمزور ریاستیں اس خوف کی بنا پر بڑی سلطنتوں سے ضمانت کی درخواست نہیں کر سکتیں کہ ان کا یہ اقدام نازی جرمن کو برافروختہ کر دے گا اور اگر جرمنی حملہ آور ہو گیا تو ابھی اہم سلطنتوں میں اس امر پر غور ہوتا رہے گا کہ جرمنی کا فلاں اقدام حملہ کی تعریف میں آتا ہے کہ نہیں ان کمزور ریاستوں کی حکومت اور رعایا نیست و نابود ہو جائے گی جہاں تک سوویٹ روس کا تعلق ہے مذاکرات سے اس کا مطلب متعدد نکات کی نوعیت و اہمیت معلوم کرنا نہیں ہے بلکہ ایک ایسا متحدہ محاذ قائم کرنا ہے کہ آمادہ پیکار حکومتوں کے جارحانہ اقدام کا سدباب ہو سکے"۔

اس موضوع پر مسٹر چرچل نے ایک مضمون میں بتایا:۔

"فن لینڈ اور بالٹک کی ریاستوں کو ضمانت دینے میں دشواری نہ ہونی چاہیئے۔ روس یہ مطالبہ کرنے میں حق بجانب ہے کہ ان ریاستوں کو بھی تین بڑی سلطنتیں ضمانت دیں۔ ان ریاستوں کے تحفظ کی ضمانت نہ کرنا جنگ کا خطرہ پیدا کر دے گا۔ معترضین یہ کہتے ہیں جب یہ ریاستیں ضمانت نہیں چاہتیں تو زبردستی ان کا ضامن کیسے بنا جا سکتا ہے۔ یہ امر یقینی ہے کہ اگر لیتھونیا۔ لٹویا۔ اسٹونیا پر جرمن حملہ آور ہوتے یا انھوں نے ان ریاستوں میں ریشہ دوانیاں کر کے برسر اقتدار حکومت کے خلاف بغاوت کرائی تو اس صورت میں تمام یورپ میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھیگی بالٹک ریاستوں کی خود مختاری کا قیام پولینڈ کے لئے نہایت اہم ہے

ان ریاستوں اور پولینڈ کے درمیان تعاون اور اتحاد کے معاہدے ہیں
اگر ان ریاستوں پر جرمنی حملہ آور ہو تو معاہدوں کی رُو سے پولینڈ کو جرمنی
کے خلاف برسرِ پیکار ہونا پڑے گا۔ پولینڈ کے جنگ میں آجانے سے برطانیہ
اور فرانس کو بھی اس کی مدد کو آنا ہو گا۔ ان حالات میں کیا یہ دانائی نہ ہو گی
کہ فوراً ایک متحدہ محاذ قائم کر لیا جائے تاکہ جنگ کی نوبت ہی نہ آئے۔"

چرچل کنزرویٹو پارٹی کا اہم رکن تھا ان کا اپنے قائد مسٹر چیمبرلین پر نکتہ چینی کرنا یہ بتا رہا تھا کہ ہوا کا رخ کدھر ہے۔ تمام دنیا میں برطانیہ کی حکمت عملی پر شدید تنقید ہو رہی تھی۔ ان حالات میں پارٹی میں اتحاد قائم رکھنے اور جمہور کو دلاسا دینے کی خاطر مسٹر چیمبرلین نے محکمہ خارجہ کے ایک غیر معروف افسر مسٹر اسٹرینگ کو روس سے گفت و شنید کے لئے روانہ کر دیا۔ بظاہر حکومت کا یہ اقدام نہایت پسندیدہ تھا لیکن در اصل اس سے سوویٹ روس کی توہین منظور تھی۔ دنیا نے اس امر کو محسوس کیا کہ ہٹلر اور مسولینی سے بالمشافہ گفتگو کے لئے خود وزیر اعظم برطانیہ ایک نہیں متعدد بار فضائی سفر کی زحمت گوارا کریں لیکن اسٹالن سے گفتگو کے لئے محکمہ خارجہ کا ایک معمولی افسر بھیجا جائے۔ سفیر روس مسٹر مئسکی نے جب لارڈ ہیلی فیکس کو روس کی دعوت دی تو وزیر خارجہ یہ کہہ کر "آپ کی دعوت کا خیال رکھوں گا" خاموش ہو گئے۔ برطانیہ کا یہ تخریبی طریقہ کار روس پر زہریلا اثر کر رہا تھا چنانچہ ۲۹ جون کو ژدانوف نے (جو اسٹالن کا جانشین خیال کیا جاتا ہے) پراودا میں اظہار خیال کرتے ہوئے کہا۔

"مجھے یہ گمان گذرتا ہے کہ برطانیہ اور فرانس سنجیدہ طور پر کسی ایسے معاہدہ کے لئے کوشاں نہیں ہیں جو روس کو بھی منظور ہو سکے۔ روس سے جو بار بار گفتگو کا پہلو نکالا جا رہا ہے اس کا شاید اصل مقصد یہی ہے کہ آخر میں برطانوی اور فرانسیسی جمہور کو یہ دھوکا دیا جائے کہ روس سے

معاہدہ کرنے کی شدید کوشش کی گئی لیکن اس نے ہماری پیش کش کو ٹھکرا دیا۔ روس کے اس رویہ کی بنا پر برطانیہ اور فرانس کو اس کے سوا چارہ کار نہ رہا کہ جرمنی اور اٹلی سے رشتہ موانست قائم کیا جائے چند روز بعد اس کا علم ہو جائے گا کہ میرا یہ گمان درست ہے یا غلط۔ پولینڈ نے یہ وعدہ کر لیا ہے کہ اگر ہالینڈ پر نازی حملہ ہوا اور برطانیہ میدان جنگ میں آیا تو پولینڈ بھی اس کی جانب سے شریک جنگ ہو جائے گا اسی طرح برطانیہ نے یہ وعدہ کیا ہے کہ اگر ڈینزگ اور لوتھانیہ پر نازی حملہ ہوا اور پولینڈ کو برسرپیکار ہونا پڑا تو برطانیہ اس کی مدد کرے گا۔ ان معاہدوں سے یہ امر صاف طور پر ظاہر ہو جاتا ہے کہ برطانیہ اور پولینڈ دونوں ممالک لوتھانیہ اور ہالینڈ کی خود مختاری کے ضامن بن گئے ہیں۔ یہ امر اخبارات میں ہنوز نہیں آیا کہ لوتھانیہ یا ہالینڈ نے کبھی ان ممالک سے ضامن بننے کی درخواست کی ہو۔ جہاں تک مجھے علم ہے ہالینڈ اور لوتھانیہ اس امر سے منکر ہیں کہ انھوں نے کسی سلطنت سے ضمانت چاہی ہے۔"

اس مقالہ سے ژدیانوف کا مقصد اس امر کا اظہار تھا کہ اگر ہالینڈ اور لوتھانیہ کو بغیر ان کی استدعا کے ضمانت دی جا سکتی ہے تو بالٹک ریاستوں کو بلا ان کی استدعا کے برطانیہ اور فرانس ضمانت کیوں نہیں دے سکتے۔ ان ریاستوں کے سلسلہ میں یہ شرط کیوں لگائی جا رہی ہے کہ جب تک یہ ریاستیں خود اس امر کی تحریک نہ کریں برطانیہ اور فرانس ان کے ضامن نہیں بن سکتے۔ ضمانت کے معاملہ میں مذاکرات کئی ہفتہ جاری رہے طرفین انواع و اقسام کی تدابیر پیش کرتے تھے لیکن کسی ایک تجویز پر اتفاق نہیں ہوتا تھا۔ تمام دنیا ان مذاکرات کو غیر حقیقی اور وقت گذاری کا ایک طریقہ خیال کر رہی تھی۔ ان مذاکرات میں جسقدر زیادہ پیچیدگیاں رونما ہوتی جاتی تھیں بفسطائی ممالک زیادہ دلیر اور ان کا لب و لہجہ مغربی

جمہوریتوں کے خلاف زیادہ حقارت آمیز ہوتا جاتا تھا۔ اس زمانہ میں جرمنی کے پروپیگنڈے کے وزیر ڈاکٹر گوبلز نے نشر گاہ سے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"برطانیہ کی دھمکیوں کی ہمیں پرواہ نہیں چونکہ ان کی پشت پر طاقت نہیں ہے دیکھو چین میں کیا ہو رہا ہے۔ جاپانی انگریزوں کو برہنہ کر دیتے ہیں۔ اور برطانیہ بے دست و پا ہے۔ برطانیہ ابرو باختہ افراد کی طرح ہمیں تکتی رہیگی وہ ہماری طاقت کا مقابلہ نہیں کر سکے گی۔"

جرمن اکابرین کی یہ تلخ کلامی اور ہر امر میں برطانیہ کا تساہل و نامستعدی برطانوی خواص و عوام میں، اپنی حکومت سے شدید بددلی پیدا کر رہی تھی۔ ہر شخص روس سے معاہدے کی تائید میں تھا اور نازی اقوام کو طاقت سے روکنے کا حامی تھا۔ ان عناصر کی ترجمانی کرتے ہوئے مسٹر لائڈ جارج نے ۲۳ جولائی ۱۹۳۹ء کو ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"چیمبرلین نے پولینڈ۔ رومانیہ اور یونان کی خود مختاری کے قیام کی ضمانت دے دی ہے۔ یہ بظاہر بڑی الوالعزمی معلوم ہوتی ہے لیکن جو افراد سیاسی و حربی بصیرت رکھتے ہیں ان کو معلوم ہے کہ یہ جنگ کے تیور نہیں ہیں۔ میں نے دارالعوام کو صاف طور پر بتا دیا تھا کہ روس سے معاہدہ کئے بغیر ان ریاستوں کی ضمانت دینا دیوانگی ہے بیشتر اس کے کہ جرمنی کی آلاتی فوج پولینڈ کو نیست و نابود کر سکے۔ روسی افواج ہی پولینڈ کی مدد کے لئے میدان جنگ میں پہنچ سکتی ہیں۔ جب ہماری حکومت نے یہ ضمانتیں دیں اس وقت ہمارا چیف آف دی جنرل اسٹاف فرانس میں تھا مجھے وثوق کے ساتھ علم ہے کہ واپسی پر اس نے یہ کہہ دیا ہے کہ برطانیہ کے لئے ان وعدوں کا ایفا کرنا غیر ممکن ہے۔ لارڈ ہیلی فیکس نے

ہٹلر اور گوئرنگ سے مذاکرات کئے چیمبرلین تین مرتبہ ہٹلر سے بغلگیر ہونے گئے۔ وہ مسولینی سے ہم آغوش ہونے کے لئے روم پہنچے جہاں بادشاہ اطالیہ کو حبشہ کا شہنشاہ تسلیم کر لیا اور عملاً یہ بھی کہہ دیا کہ اطالیہ اگر ہسپانیہ پر حملہ آور ہوا تو برطانیہ مزاحمت نہیں کرے گا لیکن روس سے مذاکرات کے لئے محکمہ خارجہ کا ایک غیر معروف افسر روانہ کیا جاتا ہے یہ کیوں؟ اس کا صرف یہ جواب ہے کہ چیمبرلین۔ ہیلی فیکس۔ جان سائمن روس سے معاہدہ کرنا نہیں چاہتے۔ اگر وہ اپنی سیاست بدلنا نہیں چاہتے تو روس کی اس طرح توہین کرنے سے کیا فائدہ ہے؟......

اس طرز عمل سے روس برافروختہ ہو جائے گا جس سے آمرتیوں کو فائدہ اور برطانیہ اور فرانس کو شاید نقصان پہنچے گا۔"

جب چاروں سمت سے ملک کی سیاسی ہستیوں نے حکومت کی حکمت عملی پر شدید نکتہ چینی کی تو بظاہر اس سے متاثر ہو کر لیکن حقیقت میں ان نکتہ چینوں کو خاموش کرنے کے لئے مسٹر چیمبرلین نے ایک فوجی مشن ماسکو روانہ کر دیا حسب دستور فرانس نے بھی انگلستان کی تقلید کی۔ فوجی مشن کی ماسکو روانگی سے دنیا میں امید کی ایک لہر دوڑ گئی اور یہ خیال کیا جانے لگا کہ آخر کار چیمبرلین نے صحیح راستہ پر قدم اٹھایا لیکن جب دار العوام میں فوجی وفد کے اراکین کے نام دریافت کئے گئے تو معلوم ہوا کہ اس وفد میں فوجی محکمہ کے اکابرین میں سے ایک بھی شامل نہیں اور نہ اس وفد کو اتنے اختیارات ہیں کہ وہ کوئی نتیجہ خیز فیصلہ کر سکے اس پر طرہ یہ کہ بجائے فضائی جہاز کے وفد ایک سست رفتار بحری جہاز میں روانہ کیا گیا۔ بجائے اس کے کہ ۲۴ گھنٹے میں وفد روس پہنچتا سات قیمتی روز سفر میں صرف ہو گئے۔ ۱۲ اگست کو برطانیہ اور فرانس کے فوجی وفدوں اور روسی نمائندوں کے درمیان مذاکرات شروع ہوئے۔ برطانیہ اور فرانس نے استفسار کیا یہ سوویٹ روس پولینڈ

کو کیا اور کس طریقہ پر مدد دے سکتا ہے؟" اس پر وریشلوف نے جواب دیا کہ جرمنی کی آلاتی افواج کے مقابلہ پر پولینڈ ہرگز نہیں لڑ سکتا اس لئے جرمن حملہ کی شکل میں روسی افواج کو پولینڈ میں داخلہ کی اجازت ہونی چاہئے تاکہ وہ پولش افواج کے ساتھ جرمنی کے خلاف ایک متحدہ محاذ قائم کر سکے اس پر برطانوی اور فرانسیسی نمائندوں نے پولینڈ سے دریافت کیا کہ کیا وہ روسی افواج کے داخلہ پر رضامند ہیں۔ پولینڈ رضامند نہ ہوا اس کی وجہ یہ تھی کہ روسی افواج کے پولینڈ میں داخل ہونے پر ملک میں اشتراکی انقلاب کے رونما ہونے کا زبردست خطرہ پیدا ہو جاتا اس لئے پولینڈ اور برطانیہ دونوں روسی افواج کو پولینڈ میں داخلہ کی اجازت دینے کے خلاف تھے چنانچہ روس کو یہ اطلاع دے دی گئی۔

"چونکہ پولش حکومت روسی افواج کے پولینڈ میں داخلہ کے خلاف ہے اس لئے مذاکرات جاری رکھنے بے سود ہیں"

اس زمانہ میں پولینڈ ایک جال میں پھنس گیا تھا۔ اگر پولش حکومت روسی افواج کو ملک میں داخلہ کی اجازت دیتی ہے تو پولینڈ میں اشتراکی انقلاب پیدا ہوتا ہے اور اگر اجازت نہیں دیتی تو پولینڈ پر جرمن قبضہ ہوتا ہے۔

برطانیہ اور فرانس کے فوجی وفد ہنوز روس میں گفت وشنید کر رہے تھے کہ ۲۱ اگست ۱۹۳۹ء کو حکومت روس کے ایک اعلان میں بتایا گیا کہ جرمنی اور روس کے درمیان ایک صلح کا معاہدہ (نون اگریشن پیکٹ) زیر غور ہے ہنوز اس معاہدہ کی خبر پر دنیا کا استعجاب کم نہیں ہوا تھا کہ ۲۳ اگست کو یہ اعلان ہوا کہ جرمنی کا وزیر خارجہ اس معاہدہ پر دستخط کرنے کے بعد اپنے وطن واپس ہو گیا۔ اس اعلان نے سیاسی دنیا کو انگشت بہ دنداں کر دیا۔ نازیت اور اشتراکیت کا شدید دشمنی کے بعد یک لخت ہم آغوش ہو جانا اپنے اندر جو امکانات رکھتا تھا اس سے مغربی یورپ بے خبر نہ تھا جرمنی سے معاہدہ کرنے کے بعد روس نے فرانس اور انگلستان کو بھی اسی نوعیت کے معاہدے کرنے کی دعوت دی لیکن چونکہ روس سے معاہدہ

کرنے سے ان ممالک میں انقلابی رجحانات توانا ہو جاتے اس لئے ان دونوں جمہوریتوں نے روس کی اس پیش کش کو نظر التفات سے نہیں دیکھا اور ۲۶ اگست کو فوجی وفد اپنے اپنے وطن واپس ہو گئے۔ جرمنی اور روس کے درمیان جو پیکٹ ہوا اس کی شرائط مختصراً حسب ذیل ہیں۔

۱۔ فریقین معاہدہ کرتے ہیں کہ ایک دوسرے پر حملہ آور نہ ہوں گے۔

۲۔ اگر فریقین میں سے کسی ایک پر کوئی سلطنت حملہ آور ہو گی تو جرمنی یا روس اس سلطنت کی مدد نہیں کریں گے۔

۳۔ فریقین ہر معاملہ میں صلاح و مشورہ سے کام کیا کریں گے۔

۴۔ فریقین میں سے کوئی ایسے گروہ میں شامل نہ ہو گا جس کا مقصد روس یا جرمنی پر حملہ کرنا ہو۔

۵۔ فریقین میں اختلاف پیدا ہونے کی شکل میں معاملہ کو مصالحتی کمیٹی کے روبرو پیش کیا جائے گا۔

۶۔ یہ معاہدہ دس سال تک رہے گا۔ اس کو ختم کرنے کے لئے فریقین کو ایک سال کا نوٹس دینا ضروری ہے۔ دس سال کے اختتام پر نوٹس نہ دینے کی شکل میں اس معاہدہ کی عمر خود بخود مزید پانچ سال بڑھ جائے گی۔

۷۔ معاہدہ کی جلد از جلد تصدیق کر دی جائے گی، دستخط ہونے کے فوراً بعد یہ معاہدہ نافذ خیال کیا جائے گا۔

بظاہر یہ معاہدہ نہایت معصوم معلوم ہوتا ہے لیکن درحقیقت اس کا یہ مطلب تھا کہ

۱۔ جرمنی کے پولینڈ پر حملہ آور ہونے کی شکل میں روس مزاحمت نہیں کرے گا۔

۲۔ بالٹک ریاستوں فن لینڈ اور بسرابیا پر روس کے دست درازی کرنے کی شکل میں جرمنی مزاحمت نہیں کرے گا وغیرہ وغیرہ۔

اس معاہدہ نے یورپ کی سیاست کو نئی شکل دی۔ برطانیہ کا روس سے معاہدہ کرنا اس لئے غیر ممکن تھا چونکہ طول الذکر کا پوشیدہ مقصد روس کو جرمنی کا شکار بنانا تھا دوسرے برطانیہ اور فرانس کا روس کی مدد سے جرمنی پر فتح پانا وسط یورپ میں بولشیوزم پھیلانے کے مترادف تھا جس کو مغربی سرمایہ دار ممالک کبھی برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ یہاں بھی غلط بنیادی تصورات کے نتائج ناقابل تلافی حالات میں رونما ہو رہے تھے۔ مسٹر چیمبرلین اس زمانہ میں نہایت کشمکش میں تھے۔ اگر روس سے معاہدہ کرتے ہیں تو انگلستان اور وسط یورپ میں اشتراکی رجحانات قوی ہوتے ہیں اگر نہیں کرتے تو تمام یورپ میں نازیت پھیلتی ہے۔ پیکٹ کے بعد جب برطانیہ پر یہ روشن ہو گیا کہ جرمنی اور روس کو برسرپیکار نہیں کرایا جا سکتا تو جرمنی سے صلح رکھنا اور اس کو کمزور ریاستوں کو لقمہ بنانے کی اجازت دینا بھی بے سود ہو گیا۔ چنانچہ ۲۳؍ اگست سے مغربی سرمایہ دار ممالک نے نئی سیاست کی بنیاد ڈالی اور روس سے تعاون کرنے کی سعی شروع کر دی۔ شاید مسٹر چیمبرلین کو یہ گمان تھا کہ روس کی مدد سے جرمنی پر فتح اس لئے زیادہ خطرناک نہ ہو گی کہ روس نسبتاً کمزور ملک ہے اور برطانیہ و فرانس اور امریکہ متحد ہو کر بولشیوزم کو پھیلنے سے روک دیں گے۔ روس زیادہ مزاحمت نہ کر سکے گا۔ اس کے برخلاف جرمنی کی فتح کی شکل میں نازیت کے عروج کو روکنا از حد دشوار ہو گا۔

دوسری جنگ عظیم کی ذمہ داری کے متعلق مورخین میں بہت موشگافیاں ہوئی ہیں اور اس کے متعلق نہایت دلچسپ تاریخی مواد پیدا ہو گیا ہے۔ یہاں نہایت اختصار سے اس موضوع پر روشنی ڈالنی ضروری معلوم ہوتی ہے۔ مورخین کا ایک گروہ برطانیہ اور دوسرا روس کو اس جنگ عظیم کا ذمہ دار ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ قرائن یہ بتاتے ہیں کہ روس جس زمانہ میں برطانیہ سے گفت و شنید کر رہا تھا اسی زمانہ میں جرمنی سے پیکٹ کی شرائط پر بھی گفتگو ہو رہی تھی اس سلسلہ میں مسٹر مولوٹوف کی ۳۱؍ اگست کی تقریر

قابل غور ہے۔ موصوف نے تقریر کے دوران میں کہا۔

"دیکھئے ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء کو کامریڈ اسٹالن نے روس اور جرمنی کے مابین ہمسایہ تعلقات پیدا کرنے کی طرف جو اشارہ کیا تھا جرمنی نے اس کو پوری طرح سمجھا اور اس سے درست نتائج نکالے جیسا کہ پیکٹ سے ثابت ہو گیا اس پیکٹ نے ثابت کر دیا کہ کامریڈ اسٹالن کی سیاست مکمل طور پر کامیاب ہوئی۔"

اس تقریر سے پتہ چلتا ہے کہ شاید ۱۰ مارچ ۱۹۳۹ء کے فوراً بعد ہی روس اور جرمنی میں معاہدہ کی نوعیت پر مذاکرات شروع ہو گئے تھے۔ مسٹر لٹوینوف جو مغربی جمہوریتوں سے تعاون کرنے کے حامی تھے ان کا ۳ مئی کو محکمہ خارجہ کی وزارت سے اخراج اس امر کے ثبوت میں پیش کیا جا سکتا ہے کہ مئی میں معاہدہ کے امکانات اتنے روشن ہو گئے تھے کہ مسٹر لٹوینوف کو مستعفی ہونا پڑ رہا تھا۔ روس کے مخالفین کا خیال ہے کہ اسٹالن کی پہلے ہی سے نیت بد تھی وہ تسلطائی و سرمایہ دار جمہوریتوں میں جنگ کرانا چاہتا تھا۔ ان مورخین کا استدلال ہے کہ چونکہ جرمنی کا روس پر حملہ پولینڈ اور رومانیہ سے گذر کر ہی ہو سکتا تھا۔ اس لئے جب برطانیہ اور فرانس نے پولینڈ اور رومانیہ کو ضمانت دے دی تو بالواسطہ روس کو بھی حفاظت کی ضمانت دے دی تھی اس لئے بالواسطہ ضمانت کے بعد روس کا جرمنی سے معاہدہ کرنا دراصل جرمنی کو پولینڈ پر حملہ آور ہونے اور سرمایہ دار جمہوریتوں سے برسر پیکار ہونے کی دعوت تھی۔ مورخین کے اس گروہ کے مطابق جرمنی اور روس کو اس امر کا کامل یقین تھا کہ اگر پولینڈ پر حملہ ہوا تو برطانیہ جنگ میں شامل ہو جائے گا۔ اگر جرمنی کو یہ یقین نہ ہوتا کہ پولینڈ پر حملہ کرنے کی شکل میں برطانیہ لڑے گا تو وہ چیکوسلاویا کی طرح پولینڈ پر بھی اچانک حملہ کر کے اس کا ریخ سے الحاق کر لیتا جیسا کہ بعد کے واقعات سے ظاہر ہوا جرمنی نے وہ آزمودہ طریقہ کار استعمال نہیں کیا بلکہ پہلے روس سے معاہدہ کیا تا کہ جرمنی کا مشرقی محاذ محفوظ ہو جائے نہ صرف یہی بلکہ

نصف پولینڈ روس کی نظر کیا تا کہ روس کی غیر جانبداری یقینی ہو جائے۔ جرمنی کے ان اقدامات سے صاف ظاہر ہے کہ اس کو یقین تھا کہ پولینڈ کی مدافعت میں برطانیہ اور فرانس لڑیں گے۔ جرمنی کی نصف پولینڈ کی پیش کش سے روس کو بھی یہ یقین ہو گیا تھا کہ سرمایہ دار جمہوریتیں پولینڈ کی خود مختاری برقرار رکھنے کے لئے لڑیں گی۔ اس کے بعد روس کا جرمنی سے معاہدہ کرنا اس امر کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے کہ وہ دوسری جنگ عظیم کا محرک بنا یعنی اگر برطانیہ اور فرانس سے روس معاہدہ کر لیتا تو جرمنی کو یہ جرأت نہ ہوتی کہ وہ متحدہ محاذ کے مقابلہ پر جنگ کرنے کی ہمت کرتا۔ اس شکل میں دنیا اس جنگ کی مصیبت سے بچ جاتی۔ مسٹر برنارڈ پیرسن اپنی تصنیف "روس" میں فوجی وفد کے مذاکرات کی بابت لکھتے ہیں:-

> "۲۲ اگست کو ہم نے حکومت پولینڈ کو اس امر پر راضی کر لیا تھا کہ وہ روسی افواج کو پولینڈ میں داخل ہونے دے اور پولش حکومت کو اس معاملہ میں جو کچھ اعتراضات تھے ان کی تشفی کر دی تھی۔ جب مولوٹوف کو پولینڈ کی رضامندی کی اطلاع دی گئی تو اس نے کہا آج ماسکو میں ہم نون اگریشن پیکٹ پر دستخط کرنے کے لئے ربن ٹروف کا انتظار کر رہے ہیں۔ جب ربن ٹروف آیا تو اس کو ہمارے فوجی وفد کے پہلو میں ٹھہرایا گیا اس طرح روس نے میونخ کا بدلہ لیا۔"

نصف صدی بعد جب موجودہ سیاسی حالات تاریخ پر اثر انداز ہونا ترک کر دیں گے۔ شاید اس وقت حقیقت بے نقاب ہوگی اور یہ علم ہو سکے گا کہ دوسری جنگِ عظیم کے آغاز کی زیادہ ذمہ داری کن ممالک پر ہے۔ آیا برطانیہ اور فرانس کی میونخ کی سیاست ان مصائب کی ذمہ دار تھی یا روس کا جرمنی سے نون اگریشن پیکٹ ان آلام کا موجب بنا۔ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر کوئی قطعی فیصلہ صادر کرنا ممکن نہیں۔

سوویٹ روس کے اقدامات

روس اور جرمنی کے معاہدہ سے سیاسی بصیرت رکھنے والے یہ سمجھ گئے کہ مشرقی یورپ کی کمزور ریاستوں کی خود مختاری اب قصہ پارینہ ہو چکی ہے یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو اعلان جنگ کئے بغیر ہٹلر نے پولینڈ پر حملہ کر دیا۔ پولش قوم بہادر ضرور ہے لیکن موجودہ آلاتی دور میں کسی قوم کے افراد کی انفرادی بہادری فتح کی ضامن نہیں ہو سکتی یہ سائنس کا زمانہ ہے اور جو اقوام سائنس سے بے بہرہ ہیں ان کی بہادری کوئی معنی نہیں رکھتی۔ ابھی جرمن فوج کو پولینڈ کی سرحد میں پانچ روز ہی گذرے تھے کہ روسی حکومت نے پندرہ لاکھ فوج کو مسلح کرنے کا حکم صادر کر دیا۔ جو فوجی رخصت پر تھے ان کو واپس آنے کے احکامات روانہ کر دیے گئے۔ ان اقدامات کی وجہ یہ بیان کی گئی کہ جرمن حملہ کا اندیشہ اس بات کا تقاضہ کرتا ہے کہ روس کے مشرقی محاذ کو زیادہ سے زیادہ مستحکم و مضبوط بنایا جائے۔ دنیا کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب جرمنی کی آلاتی طور پر مسلح افواج نے پندرہ روز کے قلیل عرصہ میں پولش افواج کو شکست دے دی اور ۱۷ ستمبر کو روسی افواج بھی پولینڈ میں داخل ہو گئیں۔ اس روز مسٹر مولوٹوف نے پولش سفیر مقیم ماسکو کو ایک یادداشت دی جس کا اہم نکتہ یہ تھا:۔

"عملی طور پر چونکہ پولش حکومت اور ریاست کا وجود باقی نہیں رہا ہے اسلئے

جو معاہدات روس و پولینڈ کے درمیان تھے وہ خود بخود کالعدم ہو گئے ہیں"۔

روس کا پولینڈ پر قبضہ کر لینا اول الذکر کے لئے سود مند ضرور تھا۔ پولینڈ نے روس کے ساتھ جو طرز عمل روا رکھا تھا اب اس کا خمیازہ بھگتنے کا وقت آ گیا تھا۔ معاہدہ درسلیز کی ایک سیاہ کاری یہ بھی تھی کہ روسی نسلوں کو پولینڈ کے زیر فرما کر دیا گیا تھا۔ مشرقی پولینڈ میں روسی نسلیں آباد تھیں۔ موقع ملنے پر روس اپنے ہمجنسوں کو کیوں نہ اپنی اقلیم میں شامل کر لیتا۔ پولش حکومت کو دم توڑتے دیکھا تو روس نے کرزن خط تک (جہاں تک روسی نسلیں آباد تھیں) پولش علاقہ پر قبضہ کر لیا اور چند ماہ کے اندر اندر سرمایہ داری کی بجائے اشتراکی زمین و آسمان پیدا کر دئے۔ روسی افواج کے پولینڈ میں داخلہ کے بعد جرمنی کا وزیر خارجہ ربن ٹروف پرواز کر کے ماسکو پہنچا اور ۱۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو روس سے پولینڈ کی سرحدوں کے متعلق معاہدہ کر کے واپس ہو گیا۔ اجمالی طور پر معاہدہ یہ تھا۔

روس و جرمنی کی سرحدوں کے تعین کے متعلق معاہدہ

پولینڈ کی حکومت کے خاتمہ کے بعد

جرمنی اور روس پولش سرزمین میں امن و امان قائم رکھنا اپنا فرض خیال کرتی ہیں اور پولش باشندوں کے تہذیب و تمدن کو بحال رکھتے ہوئے ان کو ترقی کے مواقع مہیا کرنے کی خواہشمند ہیں۔ ان مقاصد کے پیش نظر ہم ان شرائط پر متحد ہوتے ہیں:۔

۱۔ فریقین جیسا کہ منسلک نقشہ میں ظاہر کیا گیا ہے اپنے علاقوں کے تعین کو منظور کرتے ہیں (اس نقشہ میں روس کی وہی سرحد متعین کی گئی تھی جو کرزن خط کے نام سے مشہور ہے)

۲۔ اگر تیسری حکومت نے ان مجوزہ حدود میں رخنہ اندازی کی تو فریقین اس کا سدباب کرنے کے لئے مستعد ہوں گے۔

۳۔ اپنے اپنے علاقوں میں فریقین کو اپنے تصورات کے مطابق ملکی نظام قائم کرنے کا

حق ہو گا۔

۴۔ یہ معاہدہ دستخط ثبت ہو جانے پر فوراً عمل میں آجائے گا۔

پولینڈ کے حصہ بخرے کرنے کے بعد ۲۸ ستمبر کو جرمنی و روس نے ایک مشترکہ اعلان شائع کیا جس میں برطانیہ و فرانس کو جنگ ختم کرنے اور دنیا میں امن و امان قائم کرنے کی دعوت دی گئی تھی۔ اجمالی طور پر اس اعلان کا مضمون حسب ذیل ہے:۔

"آج بتاریخ ۲۸ ستمبر ۱۹۳۹ئہ کو جرمنی و روس نے معاہدے کے ذریعے معاملات طے کر لئے ہیں۔ ہمارا خیال ہے کہ اب جرمنی و برطانیہ میں صلح ہو جانی چاہیئے۔ ہم دونوں حکومتیں صلح کے حصول کی خاطر ہر ممکن کوشش کرنے کے لئے تیار ہیں۔ اگر برطانیہ اور فرانس ہماری اس پیش کش کو ٹھکرا دیتے ہیں تو اس کا صاف یہ مطلب ہو گا کہ وہ امن کے مخالف اور جنگ کے مؤید ہیں۔ اگر برطانیہ اور فرانس نے اس جنگ کو جاری رکھنے کا فیصلہ کیا تو روس و جرمنی مناسب کارروائی کرنے کے متعلق ایک دوسرے سے مشورہ کریں گے۔"

عام زبان میں اعلان کے مفہوم کو اس طرح ادا کر سکتے ہیں:۔

پولینڈ کے حصہ بخرے ہو چکے اب برطانیہ و فرانس کا پولینڈ کی نعش پر آنسو بہانا بے سود ہے اس حقیقت کو تسلیم کر لینا چاہیئے کہ حق بحقدار رسید۔ اب جنگ جاری رکھنا عالمگیر جنگ کا پیش خیمہ ثابت ہو گا۔ یہ دوستانہ مشورہ ہے لیکن اگر برطانیہ اور فرانس اپنی ضد پر اڑے رہے تو پھر جرمنی و روس مشترکہ سعی سے کیا کچھ نہیں کر سکتے۔ جرمنی و روس کے تو یہ دم خم تھے لیکن مغربی جمہوریتیں ہنوز خاموش تھیں۔ پولینڈ پر حملہ ہوتے اٹھائیس روز اور برطانیہ اور فرانس کو جرمنی پر اعلان جنگ کئے ہوئے چھبیس روز گذر چکے تھے لیکن عمل مفقود تھا۔ البتہ ریڈیو سننے سے یہ گمان گذرتا تھا کہ برطانیہ و فرانس شاید جرمنی سے برسر پیکار ہیں۔ لیکن بندوق توپ کی آواز ہنوز کہیں سنائی نہیں دیتی تھی۔ خونی جنگ۔ (یعنی وہ جنگ

جس کا ریڈیو اور فون پر تو ذکر ہوتا ہو لیکن اس کا وجود کہیں نہ ہوتا کی اصطلاح اسی زمانے کی پیداوار ہے خبردار حلقوں کو یہ شبہ تھا کہ جس طرح چیکو کو ہٹلر کی نظر کر دیا گیا شاید اسی طرح پولینڈ کا قضیہ بھی چند روز بعد قصّہ پارینہ بن جائے گا۔ دنیا کو تعجب ہوا جب بجائے حالات کو قبول کرنے کے برطانوی و فرانسیسی افواج نے میدانِ کارزار میں قدم رکھ دیا حقیقت یہ ہے کہ اس وقت صورت حالات ایسی تھی کہ اگر فوراً جنگ نہ کی جاتی تو مفتوح ممالک کی خام اجناس کو کام میں لا کر جرمنی مزید تیاری کر لیتا پھر اس کو شکست دینا غیر ممکن ہو جاتا برطانیہ کو اس خطرے کا پورا احساس تھا اس لئے جرمنی سے جنگ ناگزیر تھی سلطنتوں کی خفیہ سازشی سیاست کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ گمان گذرتا ہے کہ صرف پولینڈ ہی نہیں جرمنی اور روس کے درمیان بالٹک کی تمام ریاستوں کی تقدیر کا فیصلہ شاید ۲۴ اگست ہی کو ہو گیا تھا لیکن سیاسی دنیا میں عمل جراحی بتدریج کیا جاتا ہے۔ یہ موقع پا کر اشتراکی روس نے بھی اسٹونیا اور لٹویا لیتھونیا سے ۲۸ ستمبر ۱۰ اکتوبر اور ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء کو معاہدے کر لئے یہ ریاستیں بھی وارسیلز کی سیاست کا کرشمہ تھیں ان کا کسی نہ کسی دن فنا ہو جانا ضروری تھا۔ اشتراکی روس نے ان ریاستوں کو موقع ملنے پر فوراً تہ تیغ نہیں کیا بلکہ پہلے ان سے معاہدے کئے ان تینوں معاہدوں کی نوعیت یکساں ہے اس لئے یہاں صرف اسٹھونیا کا معاہدہ اور وہ بھی اجمالی طور پر بیان کر دینا کافی ہے۔

اسٹھونیا اور روس کا معاہدہ

۱۔ فریقین معاہدہ کرتے ہیں کہ کسی ایک پر حملہ ہونے کی شکل میں دوسرا فریق اس کی مدد کرے گا۔

۲۔ جنگ کی شکل میں روس اسٹھونیا کی افواج کو سامان حرب سے مدد دینے کا وعدہ کرتا ہے

۳۔ اسٹھونیا اپنے جزائر اوسل۔ ڈاگو اور شہر پاؤسکی بندرگاہوں اور فضائی مستقروں کو روس کی اجارہ داری میں دیتا ہے۔ فضائی مستقروں کی تعمیر اور ان کی حدود متعین کرنے کے لئے علیحدہ معاہدہ کیا جائے گا۔ فضائی اور بحری مستقروں کی حفاظت کے لئے

ایک محدود تعداد میں روس کو مقامی طور پر فضائی و بری فوج رکھنے کا اختیار ہوگا جس کی تعداد متعین کرنے کے لئے علیحٰدہ معاہدہ ہوگا۔

۴۔ فریقین معاہدہ کرتے ہیں کہ وہ کسی ایسے ملک یا ملکوں کی انجمن سے معاہدہ نہ کریں گے جو ان دونوں میں سے کسی ایک کے خلاف ہو۔

۵۔ یہ معاہدہ فریقین کی خود مختاری اور ان کے اقتصادی نظام کی خاص نوعیت پر اثر انداز نہ ہوگا۔ جو مستقر روس کے حوالہ کئے جائیں گے وہ استھونیا ہی کی ملکیت رہیں گے۔

۶۔ یہ معاہدہ دستخط ہونے کے فوراً بعد عمل میں آجائے گا۔ اس کی میعاد دس سال ہوگی اور اگر اس میعاد کے ختم ہونے سے ایک سال قبل فریقین میں سے کسی نے اس کو ختم کرنے کا نوٹس نہیں دیا اس شکل میں معاہدہ کی میعاد خود بخود مزید پانچ سال بڑھ جائے گی۔

بالٹک کی تمام ریاستوں سے معاہدوں کی نوعیت یکساں تھی وہی فضائی۔ بحری۔ بری مستقروں کا سوال تھا جو روس کے سپرد کردئے گئے یہ ابتداء تھی۔ انتہا وہ تھی جس کی معمولی سی تاریخی نظر رکھنے والا بھی پیش گوئی کرسکتا تھا۔ یعنی آخر کار یہ ریاستیں روس میں ضم ہوگئیں ستمبر ۱۹۳۹ء میں دنیا نے جتنی سنتم ظریفی دیکھی ہے شاید اس صدی میں کسی اور ماہ میں نظارہ نہ کی ہوگی۔ اسی ماہ روس و جرمنی کے درمیان اقتصادی معاہدہ ہوا۔ اس سلسلہ میں مسٹر مولوٹوف کا ربن مسٹروف کے نام ایک خط جو معاہدہ کی حیثیت رکھتا ہے درج کیا جاتا ہے۔

ہر روز بر ریخ۔

"ان مذاکرات کے سلسلہ میں جو میرے اور آپ کے درمیان ہوتے سوویٹ کی یہ خواہش ہے کہ روس و جرمنی کے اقتصادی تعلقات کو استوار کیا جائے اس خواہش کو مدنظر رکھتے ہوتے طرفین ایک پروگرام مرتب کریں گے سوویٹ روس خام اجناس جرمنی کو روانہ کرے گا اور موخرالذکر آلاتی اشیاء روس کو مہیا کرے گا۔ پروگرام کو اس انداز سے ترتیب دیا جائیگا کہ بہت جلد

تجارت اتنی فروغ پا جائے گی جس کی مثال اس سے پہلے کی تاریخ میں نہ مل سکے گی. فریقین اس امر پہ متفق ہیں کہ ان تدابیر پہ جلد از جلد عمل درآمد کردیا جائے"

بین الاقوامی سیاست کا یہ ایک مستند اور بنیادی اصول ہے کہ بصورت جنگ اگر دیگر ممالک کو حامی و مددگار نہ بنایا جا سکے تو کم از کم ایسی تدابیر ضرور کرنی چاہئیں کہ غیر جانبدار ممالک دشمن سے تجارت نہ کر سکیں اس سلسلہ میں برطانیہ کی یہ سعی تھی کہ:۔

۱۔ غیر جانبدار ممالک روس و ہسپانیہ و بلقانی ریاستوں وغیرہ کو حربی ضروریات کا سامان نہ پہنچنے پائے۔

۲۔ غیر جانبدار ممالک سے حربی ضروریات کا سامان اچھی قیمت پر خرید اجائے تاکہ وہ دشمن (جرمنی) کو کم سے کم سامان فروخت کر سکیں۔

۳۔ غیر جانبدار ممالک کو ایسا سامان روانہ نہ کیا جائے جو دشمن (جرمنی) کے مفید مطلب ثابت ہو۔

۴۔ غیر جانبدار ممالک سے جنگ کے شروع ہوتے ہی گہرے اقتصادی تعلقات پیدا کرنے کی سعی کرنا چاہیے تاکہ دشمن سے گہرے اقتصادی تعلقات پیدا نہ ہونے پائیں چونکہ گہرے اقتصادی تعلقات کچھ مدت بعد خود بخود گہرے سیاسی تعلقات کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔

جس طرح ماہران سیاست نے برسرپیکار ممالک کے لئے مندرجہ بالا اصول موضوع کئے ہیں اسی طرح غیر جانبدار ملک مثلاً روس کے لئے بھی یہ بنیادی سیاسی اصول ہے کہ اس کو دونوں برسرپیکار ممالک سے تجارتی تعلقات پیدا کرنے چاہئیں تاکہ اس کی غیر جانبداری برقرار رہ سکے اور وہ برسرپیکار ممالک میں مقابلہ پیدا کر کے اپنی اجناس کو گراں فروخت کر سکے۔ مندرجہ بالا بین الاقوامی سیاست کے اصولوں کو مدنظر رکھتے ہوئے اور روس جرمنی کا

پیکٹ ہو جانے کے بعد سفیر روس نے برطانیہ کے وزیر خارجہ سے ملاقات کے دوران میں روس کے غیر جانبدار رہنے کے مصمم ارادے کا ذکر کیا۔ نیز یہ درخواست کی کہ برطانیہ کے نمائندے مسٹر ہڈسن نے مارچ ۱۹۳۹ء میں ماسکو میں جو اقتصادی مذاکرات شروع کئے تھے ان کو جاری رکھنا چاہئے۔ اس ملاقات کے مقاصد میں کامیابی ہونی لازمی تھی چونکہ آپس میں تجارت کو فروغ دینا دونوں حکومتوں کا مقصد تھا۔ برطانیہ کو یہ خیال تھا کہ روس سے خام اجناس خریدنی ضروری ہیں تاکہ وہ جرمنی کو فروخت نہ کر سکے اور روس و برطانیہ میں گہرے اقتصادی تعلقات پیدا ہو جائیں تاکہ روس کو جرمنی کے خلاف میدان جنگ میں لایا جا سکے۔ روسی مفاد یہ تھا کہ آپس کی چشمک اور مفاد میں تضاد کی بنا پر جرمنی اور برطانیہ سے بیک وقت مذاکرات کرنے سے اچھی اقتصادی شرائط مل سکیں گی۔ چنانچہ ۱۱ اکتوبر کو روس و برطانیہ کے درمیان ایک تجارتی معاہدہ کا اعلان ہوا جس کی رو سے روسی لکڑی کے عوض برطانیہ نے ربڑ اور ٹین دینے کا وعدہ کیا لیکن باوجود اس معاہدہ کے برطانیہ سمندری راستوں میں ان سامان سے لدے ہوئے جہازوں کو روک رہا تھا جو روس آ رہے تھے اور روسی حکومت احتجاج کر رہی تھی جرمنی اور روس میں جو اقتصادی معاہدہ ہوا اس کا ذکر گذر چکا ہے۔

روس کا جرمنی سے معاہدہ اور روس کا پولینڈ پر حملہ مورخین کے درمیان ایک اختلافی مسئلہ بن گیا ہے۔ اس اختلاف کی نوعیت مندرجہ ذیل چند سوالات اور ان کے جوابات سے ظاہر ہو جائے گی۔

سوالات :۔

۱۔ اگر روس کا پیکٹ جرمنی سے نہ ہوتا تو کیا پھر بھی جنگ ہوتی؟

۲۔ کیا برطانیہ اور فرانس کا پولینڈ و رومانیہ کو ضمانت دینا بالواسطہ روس کی خود مختاری کو برقرار رکھنے کی ضمانت نہیں تھی۔

۳۔ کیا روس یہ یقین کر سکتا تھا کہ پولینڈ پر جرمن حملہ کی شکل میں برطانیہ اور فرانس واقعی پولینڈ

کی حمایت میں جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیں گے اور صرف دنیا کو مغالطہ دینے کے لئے نیم جاں کارروائی نہیں کریں گے بلکہ شدید جنگ جاری رکھیں گے۔

۴۔ روس کا پولینڈ پر حملہ جرمن اقدام روکنے کے لئے تھا یا جرمنی اور روس میں پولینڈ کے حصے بخرے کرنے کا پہلے سے کوئی معاہدہ موجود تھا۔

جوابات:۔

۱۔ پہلے سوال کا جواب صاف ہے اگر روس کا جرمنی سے معاہدہ نہ ہوتا تب دوسری جنگ عظیم بھی نہ ہوتی لیکن بہت حد تک اس معاہدہ کرانے کے برطانیہ اور فرانس ذمہ دار تھے اگر اتحادیوں کے لئے یہ جائز تھا کہ مختلف سیاسی تدابیر سے جرمنی کا رخ روس کی سمت پھیریں تو روس کے لئے یہ کیوں جائز نہ تھا کہ حالات سے فائدہ اٹھا کر جرمنی اور اتحادیوں میں تصادم کرا تا۔ فرق صرف اتنا ہے کہ سرمایہ دار جمہوریتیں اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوئیں اور روس کامیاب ہو گیا۔

۲۔ یورپ کے نقشے کے مطالعہ سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ روس اور جرمنی کے درمیان پولینڈ اور رومانیہ کی ریاستیں واقع ہیں اس لئے جرمنی ان دونوں ریاستوں کو فتح کرنے کے بعد ہی روس کی سرحد میں داخل ہو سکتا تھا۔ جب برطانیہ اور فرانس نے پولینڈ اور رومانیہ کو حفاظت کی ضمانت دے دی اس کا صریح نتیجہ یہ پیدا ہوتا تھا کہ پیشتر اس کے کہ جرمن افواج روسی سرحد میں داخل ہوتیں فرانس و برطانیہ اپنے ضمانتی معاہدے کے ماتحت پولینڈ یا رومانیہ کی جانب سے برسرپیکار ہو چکے ہوتے۔ ان حالات میں روس کا یہ خطرہ کہ جرمن حملہ کی شکل میں روس بے یار و مددگار رہ جاتے گا بے بنیاد تھا۔ مورخین کا یہ استدلال کافی وزنی معلوم ہوتا ہے کہ رومانیہ اور پولینڈ کے تحفظ کی ضمانت دراصل روس کے تحفظ کی ضمانت تھی بایں ہمہ روس کا جرمنی سے معاہدہ کر لینا یہ ثابت کرتا ہے کہ اس معاہدہ سے روس کا مقصد فسطائی و سرمایہ دار جمہوریتوں میں تصادم کرانا تھا اور بس۔ لیکن اگر ضمانت کی پشت پر عمل نہ ہو تو وہ کاغذ کے ٹکڑے

پر چند الفاظ رہ جاتے ہیں۔ اگر جرمنی سے معاہدہ کرنے سے روس انکار کر دیتا اس شکل میں ان دونوں ممالک کے آپس کے تعلقات ضرور خراب ہو جاتے اور اگر جرمن حملہ پر اتحادی پولینڈ سے ضمانت کا وعدہ ایفا نہ کرتے بلکہ تماشائی بن جاتے اس شکل میں جرمنی اور روس کی جنگ اور موخر الذکر کی تباہی لازمی تھی۔ اس سلسلہ میں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ روس کو اس امر کا کیسے یقین آسکتا تھا کہ پولینڈ پر جرمن حملہ کی شکل میں برطانیہ اور فرانس اپنی پوری طاقت سے جرمنی کے مقابلہ کو نکل کھڑے ہوں گے اس کا یہ جواب دیا جاتا ہے کہ اگر جرمنی اور روس کو اس کا یقین نہ ہوتا کہ برطانیہ اور فرانس ضمانت کا وعدہ ضرور ایفا کریں گے تو جرمنی مشرقی پولینڈ اور بالٹک ریاستوں کی رشوت روس کو پیش نہ کرتا بلکہ جس طرح جرمنی نے چیکوسلاویہ پر قبضہ کیا اسی طرح بے پس و پیش پولینڈ پر بھی قابض ہو جاتا۔ چونکہ جرمنی کو برطانیہ اور فرانس کے پولینڈ کی جانب سے برسر پیکار ہونے کا یقین تھا اس لئے اس نے روس کو رشوت دے کر اپنے مشرقی محاذ کو جنگ سے محفوظ رکھنے کی ضرورت محسوس کی اور جرمنی کے اس اقدام سے روس کو بھی یہ یقین ہو گیا تھا کہ برطانیہ اور فرانس پولینڈ کے مسئلہ پر جرمنی سے ضرور برسر پیکار ہو جائیں گے مسٹر لوئی فیشر کا یہ استدلال ہے کہ اس یقین کے بعد ہی روس کا جرمنی سے معاہدہ کرنے کا جو اصل مقصد تھا وہ پورا ہو سکتا تھا۔ اس وقت معاہدہ کے یہ معنی تھے کہ روس نے جرمنی کو پولینڈ پر حملہ آور ہونے کی یہ یقین کرتے ہوئے دعوت دی کہ اس طرح سرمایہ دار جمہوریتوں اور جرمنی میں جنگ چھڑ جائے گی۔ اگر روس کو اس جنگ کا یقین نہ ہوتا تو معاہدہ کر کے جرمنی کا پولینڈ پر قبضہ نہ ہونے دیتا چونکہ اس کو خطرہ رہتا کہ پولینڈ کو ہضم کرنے کے بعد جرمنی باوجود معاہدہ کے روس پر حملہ آور نہ ہو جائے۔ اگر روس کو اس امر میں ذرا سا بھی شبہ ہوتا کہ برطانیہ اور فرانس پولینڈ کے مسئلہ پر ضرور لڑیں گے اس شکل میں روس بجائے جرمنی سے معاہدہ کرنے کے غیر جانبدار رہتا۔ روس کو یہ یقین تھا کہ برطانیہ اور فرانس اس کو برداشت نہیں کر سکتے کہ ہٹلر آسٹریا ہنگری چیکو اور پولینڈ کو ہضم کر کے اتنا طاقتور ہو جائے کہ یورپ میں طاقت کا توازن درہم برہم ہو جائے

اور مزید تیاری کے بعد وہ برطانیہ اور فرانس دونوں سے کامیاب مقابلہ کر سکے اس کو یہ یقین تھا کہ اس وقت جبکہ جرمنی ناقابل تسخیر نہیں ہے برطانیہ اور فرانس ضرور لڑیں گے اور اس یقین کی بنا پر ہی جرمنی و روس کا معاہدہ ہوا۔ اس جنگ کی ذمہ داری عائد کرنے کے متعلق مورخین نے متعدد اور طویل موشگافیاں کی ہیں جن کا مطالعہ تاریخی بصیرت پیدا کرتا ہے لیکن جس دور میں انفرادی نفع کو ہر عمل کے جواز کا معیار تسلیم کر لیا گیا ہو اور افراد ہر اس عمل کو جائز خیال کرتے ہوں جس سے قومی منفعت حاصل ہو اس زمانہ میں قومی و انفرادی اعمال کو اخلاقی معیار پر پرکھنا ہی غلط معلوم ہوتا ہے۔ صحیح امر یہ ہے کہ سرمایہ دار جمہوریتوں اور فسطائی آمریتوں نے میونخ میں روس کے خلاف سازش کرنی چاہی جو کامیاب نہیں ہوئی۔ روس نے جرمنی سے سازش کی جو کامیاب ہوگئی سازش کا جواب سازش سے دینا اگرچہ بلند اخلاقی اعتبار سے جائز قرار نہیں دیا جا سکتا لیکن انگریز اور امریکن مورخوں کو جن کے ملک خود روس کے خلاف سازش میں مشغول تھے یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ روس کی سیاست پر معترض ہوں۔ اگر برطانیہ اور فرانس اسی حالت میں ہوتے جس میں روس تھا تو یہ بھی وہی کرتے جو روس نے کیا۔ دنیا کی سیاہ کاریاں اتنی وسیع اور عمیق ہوگئی ہیں کہ انفرادی و قومی زندگی میں کوئی کسی کو برا نہیں کہہ سکتا۔ اگر ہیں تو سب ہی برے ہیں اور اگر نہیں ہیں تو کوئی بھی برا نہیں ہے۔

سوال نمبر چار کے جواب میں شاید جرمنی کے وزیر خارجہ ہر ربن ٹروپ کی ایک تقریر کا اقتباس کافی ہوگا۔ وزیر موصوف نے ڈینزگ میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"جب فاتح جرمن فوجیں پولینڈ میں داخل ہوئی تھیں برطانیہ نے یہ امید ظاہر کی تھی کہ پولینڈ کے خلاف روس کوئی جارحانہ کارروائی نہیں کرے گا لیکن ہمارے پولینڈ پر حملہ آور ہونے کے چند روز بعد ہی روسی فوجیں بھی پولینڈ میں داخل ہوگئیں اور ان حدود تک قابض ہوگئیں جن کے بارے میں ہمارے اور ان کے درمیان پہلے ہی فیصلہ ہو چکا تھا۔"

اس اقتباس سے صاف ظاہر ہے کہ روسی افواج کا پولینڈ میں داخلہ جرمنی کی مرضی کے خلاف حفظ ماتقدم کے طور پر روسی مفاد کو محفوظ رکھنے کے لئے عمل میں نہیں آیا جیسا کہ بعد میں روس نے دعویٰ کیا بلکہ جرمنی اور روس میں یہ امر پہلے ہی طے پا چکا تھا کہ روس کرزن خط تک پولینڈ کا الحاق کرے گا۔ درحقیقت پولینڈ کا مشرقی حصہ جرمنی نے روس کو اس رشوت میں دیا تھا کہ جب جرمنی برطانیہ اور فرانس سے برسرپیکار ہو تو روس اس کے مشرقی محاذ پر حملہ آور نہ ہو بلکہ سامان حرب بنانے کے لئے ضروری اجناس جرمنی کو مہیا کرتا رہے۔

روسی افواج کے پولینڈ میں داخلہ پر تمام سرمایہ دار ممالک میں روسی امپیریلزم پر تنقید ہونے لگی۔ سرمایہ دار ممالک اپنی آنکھ کا شہتیر نہیں دیکھتے لیکن دوسرے کی آنکھ کا تنکا اُن کو ضرور نظر آجاتا ہے چند روز کے بعد اس روسی اقدام پر مصلحتاً خاموشی اختیار کر لی گئی اور یہ کہا جانے لگا کہ روس کا یہ اقدام جرمنی کی مرضی اور اس کے مفاد کے خلاف عمل میں آیا ہے اور یہ اچھا ہی ہوا چونکہ اب اپنے مشرقی محاذ پر جرمنی کو روس کے مقابلہ میں معقول توجہ رکھنی پڑے گی۔ مسٹر لائڈ جارج نے روسی اقدام کی حمایت کرتے ہوئے ۲۸ ستمبر ۱۹۳۹ء کو پولش سفیر مقیم لندن کو لکھا:۔

”جرمنی نے ان علاقوں کا الحاق کیا ہے جہاں کی آبادی تہذیب و تمدن اور زبان کے اعتبار سے پولش ہے لیکن روس صرف ان علاقوں پر قابض ہوا ہے جہاں کی آبادی دراصل روسی نسل سے ہے اور جن کو باوجود ان کی شدید ناراضامندی کے پہلی جنگ عظیم کے بعد جبر یہ طور پر پولینڈ کے تصرف میں دے دیا گیا تھا پولش یوکرین کے باشندے اسی نسل سے ہیں جس سے کہ یوکرین کے روسی ہیں مجھے یہ عرض کرنے کی ضرورت اس لئے محسوس ہوئی کہ کہیں ہم جرمن اقدام کی طرح روسی اقدام کو بھی لائق نفرت اور احتجاج خیال نہ کرنے لگیں اور روس سے تعلقات خراب نہ کر لیں۔ برطانیہ اور فرانس میں روسی و جرمنی اقدام کا یہ بنیادی

فرق محسوس کیا جا رہا ہے۔ اگرچہ یہ ہٹلر کے مفید مطلب ہوگا کہ روسی اقدام کو بھی جرمن اقدام کے مثل سنگین مجرم خیال کیا جائے لیکن مجھے مسرت ہے کہ ہماری حکومت نے ہٹلر کے مفید مطلب زاویہ نظر سے روسی اقدام کو نہیں دیکھا۔ عام فہم زبان میں مسٹر لائڈ جارج نے یہ تحریر کیا تھا:۔

"اگرچہ روس و جرمنی دونوں ہمارے دشمن ہیں لیکن وقت کا تقاضہ یہ ہے کہ روسی اقدام پر تنقید نہ کی جائے۔ موجودہ حالات میں ہمیں روس کی ہمدردی حاصل کرنے کی سعی کرنی چاہیئے اور اس قسم کے بیانات دینے چاہیئیں جو ان دونوں ممالک میں ایک دوسرے سے بدگمانی پیدا کر دیں۔ برطانیہ اور فرانس اس امر کی کوشش کر رہے ہیں پولینڈ کو بھی یہی کرنا چاہیئے"۔

اسی مسئلہ پر یکم اکتوبر کو مسٹر چرچل نے نشرگاہ لندن سے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"اس جنگ کے پہلے ماہ کا دوسرا اہم واقعہ یہ ہے کہ روس نے اپنی توانائی کا احساس کرانے کی کوشش کی ہے۔ روس کی تمام تر سیاست شدید طور پر روسی ملکی مفاد کے نقطۂ نگاہ کے ماتحت ہے ہماری آرزو تو تھی کہ روسی افواج جہاں صف آرا ہیں وہ بطور پولینڈ کے معاونین کے ہوتیں نہ کہ فاتح کی حیثیت سے لیکن ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ نازی خطرہ کا سدباب کرنے کے لئے روسی افواج کا یہاں ہونا ضروری تھا خواہ کچھ بھی ہو۔ اب ایک ایسا مشرقی محاذ قائم ہو گیا ہے جس پر نازی مشکل سے حملہ آور ہونے کی جرأت کریں گے۔ پچھلے ہفتے جب ربن ٹروپ کو ماسکو بلایا گیا تو اس پر صاف طور پر واضح کر دیا گیا اور اس کو منوا دیا گیا کہ نازیوں کو اب بالٹک کی ریاستوں اور یوکرین سے ہمیشہ کے لئے نظر حرص و ہوس پھیر لینی چاہیئے"۔

اس زمانہ میں برطانیہ اور فرانس میں عام طور پر تجاہل عارفانہ سے کام لیا جا رہا تھا۔ انگریز اور

فرانسیسی مدبرین اپنے دل میں یہ خوب سمجھتے تھے کہ روسی اقدام جرمنی و روس کے خفیہ معاہدے کا نتیجہ ہے لیکن بیانات میں یہ ظاہر کیا جا رہا تھا کہ روس کا یہ اقدام جرمنی کے خلاف فرضی ہے اور روس نے اپنے مفاد کے تحفظ میں نہایت دور بینی سے کام لیا ہے۔ اس طرح جرمنی اور روس میں ایک دوسرے سے بدگمانی پیدا کی جا رہی تھی کہ ایک اور حادثہ رونما ہو گیا یعنی روس اور فن لینڈ میں جنگ شروع ہو گئی۔

فن لینڈ اور روس کی جنگ

کسی واقعہ کی حقیقت معلوم کرنے کے لئے اس کے پسِ منظر کا مطالعہ ضروری ہے ورنہ اس کی اصل نوعیت واضح نہیں ہوتی۔ فن لینڈ اور روس کے درمیان سنہ ۱۹۳۹-۴۰ء میں جو جنگ ہوئی تھی اس کی پُشت پر ایک تاریخ ہے جس کے بغیر اس کشمکش کا سمجھنا مشکل ہوگا اس لئے یہاں فن لینڈ کی گزشتہ تاریخ پر اجمالاً نظر ڈالی جاتی ہے۔

فنلینڈ چھ سو سال تک سویڈن کا ایک صوبہ رہا اور سنہ ۱۸۰۸ئہ میں ایک مہیب جنگ کے بعد زار روس کی ذاتی ملکیت میں دے دیا گیا اور زار روس کے عزیز و اقارب اس پر حکومت کرتے رہے لیکن سنہ ۱۹۰۵ئہ میں نہ صرف روس میں لینن اور ٹراٹسکی وغیرہ نے علم آزادی بلند کیا بلکہ فن لینڈ میں بھی جمہور نے غلامی کی زنجیروں کو پاش پاش کرنا چاہا۔ اس سعی کے بعد سے روسی تاریخ کی طرح فن لینڈ کی تاریخ بھی زار کے افسروں کے تشدد اور جمہور کی طرف سے دفاع کی ایک داستان ہے فینش جمہور میں احساس آزادی پیدا ہو جانے کے بعد زار روس کے لئے اُن کو زنجیروں میں رکھنا مشکل ہو گیا۔ چنانچہ سنہ ۱۹۰۷ئہ میں زار کی طرف سے فنلینڈ کے لئے ایک سیاسی دستور کا اعلان کیا گیا جس کی رو سے جمہور کو رائے دینے کا حق مل گیا اور سو ممبروں کی ایک پارلیمان وجود میں آگئی۔ پارلیمانی دور کی ہر ملک میں قریب قریب یکساں نوعیت ہوتی ہے

یعنی برسر اقتدار رجعت پسند پارٹی مختلف تدابیر سے اپنا اقتدار قائم رکھنے کی سعی کرتی ہے اور ترقی پسند جماعتیں اس کو شکست دینے اور برسر اقتدار آنے کے لئے جدوجہد کرتی ہیں یہ کشمکش سنہ ۱۹۱۶ئہ کے انتخاب تک رہی جبکہ اشتراکی ڈیموکریٹ پارٹی نے ۱۰۳ نشستوں پر قبضہ کرلیا۔

زار کے تاج وتخت سے دست بردار ہونے کے بعد کرنسکی کے دورِ حکومت میں جب فن لینڈ کی اشتراکی ڈیموکریٹ پارٹی نے فینش خود مختاری کی تجویز منظور کی تو کرنسکی کی عارضی حکومت نے پارلیمان ہی کو منسوخ کردیا اور نئے انتخابات کے ذریعہ سے ایسے ممبروں کو پارلیمانی انتخابات میں کامیاب بنانے کی سعی شروع کردی جو کرنسکی کی سیاست پر لبیک کہہ دیں۔ کرنسکی کی یہ تخریبی تدابیر جاری تھیں کہ روس میں اکتوبر کا انقلاب ہوگیا اور بولشیوک برسر اقتدار آ گئے۔ روسی انقلاب کا ردعمل یہ ہوا کہ ۶ دسمبر سنہ ۱۹۱۷ئہ کو فن لینڈ نے اپنی آزادی وخود مختاری کا اعلان کردیا اور بولشیوک نے اس کی خود مختاری تسلیم کرلی۔ آزادی کے بعد فن لینڈ نے روسی تقلید میں اشتراکی نظام قائم کرنا شروع کردیا۔ اشتراکی نظام کی کامیابی کے امکانات روشن ہوتے دیکھ کر فن لینڈ کے رجعت پسند عناصر نے اپنی تنظیم شروع کردی۔ اشتراکی اقدام کو ایک ماہ ہی گذرا ہوگا کہ وارسا کے مقام پر رجعت پسند عناصر کی حکومت قائم ہوگئی اور بیرن منیر ہیم فوج کا کمانڈر انچیف مقرر ہوا اس غدار حکومت نے پہلا کام یہ کیا کہ فن لینڈ کی آئینی حکومت کے خلاف جرمنی سے امداد چاہی منیر ہیم کی دعوت پر ۷ مارچ کو جرمن افواج فن لینڈ میں داخل ہوگئیں اور دو ہفتہ میں فن لینڈ کا دار السلطنت ہنسنگی فتح ہوگیا۔ حکومت کی تشکیل کے بعد منیر ہیم کے حکم سے تیس ہزار اشتراکی تہ تیغ کردئے گئے۔ رجعت پسند عناصر کی اس فتح کے بعد فن لینڈ کی حکومت بجائے جمہوریت کے شہنشاہیت قرار دے دی گئی اور شہنشاہ جرمنی قیصر ولیم کے ایک بہنوئی کو فن لینڈ کا بادشاہ مقرر کردیا گیا۔ کچھ عرصہ بعد جب جرمنی کو پہلی جنگ عظیم میں

شکست ہوگئی تو قیصر کے بہنوئی کو بھی فن لینڈ سے فرار ہونا پڑا۔ فاتح ممالک نے اپنے مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے فن لینڈ میں از سر نو جمہوریت قائم کردی اور دنیا کے تعجب کی انتہا نہ رہی۔ جب سرمایہ دار جمہوریتوں نے بیرن منیر ہم کو اس کا صدر مقرر کر دیا بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اتحادی (برطانیہ اور فرانس) ایسے شخص کو جو اس کے دشمن جرمنی کا دوست رہ چکا ہو برسر اقتدار نہیں لائیں گے۔ لیکن اشتراکی روس کے خلاف بیرن کو فن لینڈ کی کرسی صدارت پر رکھنا ضروری خیال کیا گیا اور اتحادیوں نے اس کو ہر طریقہ پر مدد دینی شروع کردی اتحادیوں کی امداد کی شرط اولین یہ تھی کہ روس کے پہلو میں فن لینڈ نشتر کا کام کرتا رہے چنانچہ ۱۹۱۹ء میں جب مختلف سرمایہ دار ممالک نے مجروح روس پر یورش کی تو فن لینڈ نے بھی جنرل کولچاک یوڈونیچ وغیرہ کو مدد دی۔ اس وقت سے ۱۹۳۹ء تک اگرچہ چند سال صلح کے بعد بھی گزرے تو وہ بھی مسلح صلح یا جنگ کی تیاری کے تھے۔ ظاہر تھا کہ ان حالات میں روس کے فن لینڈ سے دوستانہ تعلقات نہ ہو سکتے تھے اور وہ دونوں حقیقت میں ایک دوسرے کے درپے آزار تھے۔

یہ حالات تھے کہ ۱۹۳۹ء کو جرمنی اور برطانیہ و فرانس میں جنگ چھڑ جانے پر روس نے موقع کو غنیمت جانا اور ۱۲ اکتوبر کو فن لینڈ کے روبرو مندرجہ ذیل تجاویز پیش کردیں۔

فن لینڈ اپنی سرحد کو اتنا پیچھے ہٹالے کہ لینن گریڈ اس کی توپوں کی زد سے باہر ہو جائے ہانگو کی بندرگاہ روس کے سپرد کردی جائے جہاں اس کو فوج رکھنے کا بھی حق ہوگا تاکہ اگر بحری راستہ سے لینن گریڈ پر کوئی دشمن حملہ آور ہو جیسا کہ جرمنی نے ۱۹۱۸ء میں کیا تھا۔ روس اس کا سد باب کر سکے۔ لینن گریڈ کے قریب جو جزائر واقع ہیں وہ اور مقام ایبا جی بھی روسی قبضہ میں دے دئے جائیں تاکہ پٹاموتی بندرگاہ دشمن کی آبدوز کشتیوں کا مستقر نہ بن سکے۔ ان علاقوں اور جزیروں کے عوض روس نے اپنے علاقہ کریلیا میں فن لینڈ کو اس رقبہ سے جس کا روس مطالبہ کر رہا تھا دگنا رقبہ دینے کا وعدہ کیا اور یہ بھی چاہا کہ فریقین میں امدادی معاہدہ ہو جائے

تاکہ فن لینڈ کی آزادی زیادہ مستحکم ہو جائے۔ نعم البدل کے طور پر روس نے فنلینڈ کو متعدد اقتصادی مراعات دینے کا بھی وعدہ کیا اور تجارت کی توسیع بھی چاہی جس سے کہ فن لینڈ کو معتدبہ فائدہ ہوتا۔

۱۳ اکتوبر کو فن لینڈ کے وزیر اعظم نے ایک تقریر کے دوران میں ان تجاویز کی بابت یہ اظہار خیال کیا کہ ان سے فن لینڈ کی خود مختاری خطرہ میں نہیں پڑتی لیکن بعد میں جیسا کہ حالات سے گمان گذرتا ہے۔ برطانیہ کے اشارہ سے فن لینڈ کی حکومت ہانگو روس کے سپرد کر لے پر راضی نہ ہوئی اور گفت و شنید ختم ہو گئی۔ چنانچہ ۳۰ نومبر ۱۹۳۹ء کو روس نے فنلینڈ کے خلاف اعلان جنگ کر دیا۔ جنگ ختم ہونے کے بعد اس اعلان جنگ کی ضرورت پر روشنی ڈالتے ہوئے مسٹر مولوٹوف نے اعلیٰ سوویٹ کے اجلاس میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"گذشتہ سال اکتوبر و نومبر کے ماہ میں روس اور حکومت فنلینڈ میں ان شرائط کی بابت مذاکرات ہوتے رہے۔ موجودہ حالات میں جبکہ ہر طرف جنگ کی آگ بھڑک اٹھی ہے۔ ہمارے لئے یہ از حد ضروری تھا کہ لینن گراڈ کی حفاظت کا انتظام کریں لیکن مذاکرات نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئے اور ہمیں کسی نتیجہ پر پہنچنے کے لئے جنگ کرنا پڑی۔ یہ وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ اگر بیرونی اثرات کام نہ کرتے اور دوسری حکومتیں فن لینڈ کو نہ ورغلاتیں تب بلا نبرد آزما ہوئے ہمارا اور فنلینڈ کا ضرور فیصلہ ہو جاتا۔ واقعہ یہ ہے کہ سوویٹ روس کی مخالف طاقتیں فن لینڈ کو ہماتے افامت بناتے ہوئے تھیں اور موقع پا کر ہمارے وطن پر حملہ آور ہونے کی تدابیر کر رہی تھیں فنلینڈ ان کا شریک کار بنا ہوا تھا۔"

وہ مخالف طاقتیں برطانیہ۔ فرانس اور امریکہ کی تھیں جو روس اور فنلینڈ میں جنگ کرانا چاہتی تھیں تاکہ روس اپنے معاہدے کے مطابق جرمنی کو سامان حرب یا خام اشیاء روانہ

نہ کر سکے۔ ظاہر ہے کہ جب روس خود بہت بڑے پیمانے پر برسر پیکار ہوگا اور جنگی ضرورتوں کے لئے اس کو خود ہر قسم کی خام و پختہ اجناس کی ضرورت ہوگی۔ اس شکل میں وہ جرمنی کو کچھ نہ دے سکے گا۔ اس طرح جرمنی کی مکمل ناکہ بندی ہو جاتی ہے گی۔ مغرب میں فرانس شمال و جنوبی سمندری راستوں میں برطانیہ ناکہ بندی کر رہا تھا۔ روس اور فن لینڈ کی جنگ کا بھی یہ اثر ہوا کہ روس ضروری اشیاء جرمنی کو نہ دے سکا۔ اس طرح جرمنی کی مکمل ناکہ بندی ہو گئی۔ انگلستان کے اخبار ڈیلی اسکیچ میں ایک مقالہ نگار نے تحریر کیا :۔

"برطانیہ اور فرانس کے لئے فنلینڈ کی جنگ جاری رکھنا نہ صرف فنلینڈ کی خود مختاری برقرار رکھنے کے لئے بلکہ ہمارے اپنے مفاد میں ضروری ہے فنلینڈ کی جنگ جتنا زیادہ طول کھینچے گی اور روس کو جتنا زیادہ جنگ کے شعلے لپیٹیں گے جرمنی کو روس اتنی ہی کم مدد دے سکے گا اور برطانیہ جرمنی کی ناکہ بندی کرنے کے لئے جو سعی کر رہا ہے وہ اتنی ہی زیادہ مؤثر ثابت ہوگی۔"

اخبار سنڈے ٹائمز نے اسی خیال کو اس طرح ادا کیا :۔

"ہمیں فن لینڈ کا مشکور ہونا چاہئے۔ چونکہ ان کی بہادرانہ مدافعت ہمیں بہت مدد پہنچا رہی ہے۔ روس کو جتنی زیادہ مستعدی سے فنیش محاذ پر جنگ آزما ہونا پڑے گا وہ جرمنی کو اتنی ہی کم مدد دے سکے گا۔ اس طرح روس کے معاہدے سے جرمنی میں بددلی پھیل جائے گی۔"

اس جنگ کی وجوہات پر روشنی ڈالنے کے بعد یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ یہ جنگ غیر متوقع طور پر طویل کیوں ہوئی۔ یہ جنگ ۳۰ نومبر ۱۹۳۹ء کو شروع اور ۱۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو ختم ہو گئی۔ اس ساڑھے تین ماہ تک روس جیسے طاقتور ملک کے فنلینڈ جیسے کمزور ملک سے نبرد آزما رہنے اور پیش قدمی کی سست رفتار نے تمام دنیا کو روس کی حربی قوت سے

بلکہ ان کو ، لیکن درحقیقت اس جنگ کے طول پکڑ جانے کی سب سے بڑی وجہ ایک تھی۔
۱۔ فن لینڈ کی جنگ کے سلسلہ میں سٹالن نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ وہاں انقلاب برپا کر کے اشتراکی حکومت بنانا تھا [illegible] جائے تاکہ جنگ کی ضرورت ہی باقی نہ رہے [illegible] کر فن لینڈ کی اشتراکی حکومت وہ جنگ کے بغیر مطالبات مان لیتی۔ اس مقصد کے لئے روس نے اشتراکی ٹیریجوکی کو [illegible] کسی زمانہ میں فن لینڈ کی حکومت میں وزیر اعظم رہ چکا تھا) کو منتخب کیا اور اسے فن لینڈ کی جمہوریت پسند حکومت کے مقابل ایک اشتراکی عبوری حکومت کا اعلان کیا۔ روسی فوج کی مدد سے کوسینن نے فن لینڈ کے ایک شہر کو اپنی حکومت کا دارالسلطنت قرار دیا اور سوویٹ حکومت کے تمام مطالبات تسلیم کرنے کا اعلان کیا۔ اسٹالن کا خیال یہ تھا کہ [illegible] فن لینڈ کا غریب طبقہ اس کی حکومت کی مدد کرنے کے لئے فن لینڈ میں انقلاب برپا کر دے گا [illegible] ہو سکے کے بعد وہ [illegible] کی امداد کی مدد سے [illegible] حکومت کے [illegible] تدبیر اختیار کی [illegible] وقت نکل گیا اور مقصد پورا نہ ہو سکا۔

۲۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ [illegible] دسمبر میں جب فن لینڈ میں [illegible] کا [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible]

فن لینڈ فتح کرنے میں تاخیر ہو جانا ضروری تھا۔

۳۔ روسی حکومت کے فن لینڈ پر حملہ آور ہونے میں روسی جمہور اور فوج کو امپریلزم کی بو آتی تھی اگرچہ روسی حکومت اس امر کا شدید پروپیگنڈہ کر رہی تھی کہ فنلینڈ کی سمت سے سرمایہ دار حملہ آور ہونے والے ہیں لیکن یہ استدلال بالٹک ریاستوں کے سلسلہ میں اتنی مرتبہ دہرایا گیا تھا کہ اب روسی جمہور کا اس پر یقین کرنا مشکل تھا اس لیے وہ بادل نخواستہ ہی اس مہم کو کامیاب بنانے کی کوشش کر رہے تھے۔ یہ وجہ بھی تاخیر کا باعث بنی ہوئی تھی۔

۴۔ لینن کے زمانہ میں جب بیرونی سرمایہ دار ممالک نے روس پر حملہ کیا تو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ زار کی فوج کے افسروں کا تعاون حاصل کیا جائے۔ ٹراٹسکی نے ان کی مدد سے باقاعدہ فوج منظم تو کر لی لیکن ظاہر تھا کہ ان افسروں پر کلی اعتماد نہیں کیا جا سکتا تھا اس امر کا سدباب کرنے کے لیے کہ یہ شہنشاہیت پسند فوجی افسر میدان جنگ میں دیدہ و دانستہ غلط احکامات جاری کر کے بولشیوک فوج تباہ نہ کریں۔ لینن نے یہ دستور نکالا کہ ہر فوج میں کمانڈر کے ساتھ ایک سیاسی کمیسار بھی مقرر کر دیا جو بولشیوک ہوتا تھا اور یہ پارٹی ممبر فوجی افسر کے احکامات پر نظر رکھتا تھا کچھ عرصہ بعد یہ سیاسی کمیسار خود فوجی قواعد سے مانوس ہو گئے اس طرح بولشیوک پارٹی میں خود ماہرین جنگ پیدا ہو گئے۔ وقت گزرنے پر زار کی فوج کے افسروں نے بھی اپنے آپ کو قابل اعتماد ثابت کر دیا۔ ان حالات میں سیاسی کمیسار مقرر کرنے کا دستور ختم کر دیا گیا۔ ۱۹۳۷ء میں جب حکمران طبقہ نے متعدد جنرلوں اور فیلڈ مارشلوں کا استیصال کیا تو عام فوج میں بددلی پھیل گئی اور حکمران طبقہ کو فوجی افسروں پر اعتماد نہ رہا۔ اب حکمران طبقہ نے از سر نو فوج میں سیاسی کمیسار مقرر کر دئیے بولشیوک فوجی افسروں نے ان سیاسی جاسوسوں کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی لیکن حکومت نہ مانی۔ جب فنلینڈ پر حملہ ہوا اس وقت ان سیاسی جاسوسوں کے تقرر کا دستور موجود تھا اور فوج میں ایک طرح کی دوعملی تھی یہ دوعملی اور فوجی افسروں کی حکومت کے سیاسی کمیسار مقرر کرنے کی حکمت عملی سے بددلی ہمیشہ عمل میں

تاخیر پیدا کرتی ہے۔

۵۔ جنگ کے طول پکڑ جانے کی ایک اور وجہ یہ تھی کہ روس کی فنلینڈ سے جنگ در اصل برطانیہ اور فرانس سے جنگ تھی۔ ظاہر تھا کہ ان ممالک سے جنگ کرنا آسان نہ تھا اور وہ جلدی ختم نہیں ہو سکتی تھی۔ ۱۹ مارچ ۱۹۴۰ء کو مسٹر چیمبرلین نے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"فنلینڈ نے جو امداد چاہی اس کو پورا کیا گیا۔ فنلینڈ کو متعدد سامانِ حرب روانہ کیا گیا۔ ہوائی جہاز ۱۰۱ آلاتی گن ۱۱۴ گولے ۱۸۵۰۰۰ دیگر گن ۱۰۰ بحری سرنگیں ۴۰۰ ہینڈ گرینیڈ ۵۰۰۰۰ فضائی بم ۱۵۷۰۰ ٹینک شکن رائفلیں ۲۰۰ گرم کوٹ ۱۰۰۰۰۱ فوجی وردیاں ۵۰۰۰۰ اٹینک اڑانے والی مارٹنس ۱۰۰۰۰ وغیرہ وغیرہ (فہرست چونکہ طویل ہے اس لئے یہاں چند اہم اشیاء کا ذکر کرنا کافی ہے) ان اشیاء کو جلد از جلد روانہ کرنے کی کوشش کی گئی وسط جنوری میں ہمارے نمائندے سے فیلڈ مارشل منیرہم نے کہا کہ ان کو سپاہیوں کی ضرورت نہیں ان کے پاس فی الحال کافی فوج ہے اس کے بعد برف پگھلنا شروع ہو جائے گی اور جنگ طول پکڑ جائے گی البتہ انھوں نے مئی کے ماہ میں تیس ہزار تجربہ کار فوج چاہی تھی۔"

ناروے اور سویڈن سے بھی والنٹیر فنلینڈ پہنچ رہے تھے چونکہ فنلینڈ کی شکست میں ان دونوں ممالک کو اپنے لئے خطرہ محسوس ہوتا تھا اس لئے یہ بھی فنلینڈ کو مدد دے رہے تھے اس طرح فنلینڈ کی حربی طاقت کافی ہو گئی تھی اور جنگ کا طول پکڑنا لابدی تھا۔

۶۔ شاید روس کو یہ گمان تھا کہ بالٹک کی ریاستوں کی طرح فنلینڈ بھی رام ہو جائے گا اس لئے شاید روس جارحانہ اقدام کے لئے مکمل طور پر تیار ہی نہ تھا حکومت روس کا یہ خیال غلط نہ تھا۔ اگر برطانیہ فنلینڈ کی پشت پناہی نہ کرتا تو وہ برسرِ پیکار نہ ہوتا۔ مزید براں جنرلوں اور فیلڈ مارشلوں کا استیصال بھی رنگ لا رہا تھا۔ تجربہ کار جنگ دیدہ فوجی افسر ان

کو قتل کر دیا گیا تو ایسے افسر رہ گئے جن کو جنگ کا عملی تجربہ نہ تھا۔ ظاہر تھا کہ ان کو جنگ کا عملی تجربہ حاصل کرنے میں مدت لگی جس کے بعد وہ موثر طور پر جارحانہ کارروائی کر سکے۔ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ جنگ کے ابتدائی سالوں میں روسی شکستوں کی منجملہ اور وجوہات کے ایک اور وجہ یہ بھی تھی کہ ان کے فوجی افسر جنگ کا عملی تجربہ نہیں رکھتے تھے اسلئے غلطیاں کرتے تھے جس کا نتیجہ شکست ہوتا تھا۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر فنلینڈ میں جنگ کا طول پکڑنا لازمی تھا لیکن روس کی آخری فتح میں کسی کو شک نہ تھا۔ برطانیہ فرانس اور امریکہ اتنے فاصلے پر تھے کہ وہ فنلینڈ کو ہر وقت موثر مدد نہیں دے سکتے تھے اور اس آلاتی دور میں چند روز میں میدانِ جنگ کا نقشہ بدل جاتا ہے۔ چند ماہ کے تجربے کے بعد جب روسی افواج نے کامل انتظام کے بعد بہت بڑے پیمانے پر بحری و فضائی حملے کیے تو فنلینڈ نے ۲۲ فروری ۱۹۴۰ء کو غیر سرکاری طور پر صلح کی درخواست روس روانہ کر دی۔ مسٹر ٹینسکی نے برطانیہ کو اپنی صلح کی شرائط بتائیں اور یہ خواہش ظاہر کی کہ برطانیہ اس میں مدد دے تو بہتر ہے لیکن مسٹر چیمبرلین نے یہ کہہ کر کہ روس کی شرائط صلح بہت سخت ہیں۔ سفیر روس کے اس اقدام کو فسخ کر دیا۔ برطانیہ کے اس اشارے کے باوجود فنلینڈ جنگ جاری نہ رکھ سکا اور ۱۲ مارچ ۱۹۴۰ء کو فنلینڈ اور روس کے درمیان حسب ذیل شرائط پر صلح ہو گئی۔

۱۔ فنلینڈ لینن گریڈ کے قریب کا ۱۵۳۳ مربع میل کا علاقہ سوویٹ کر لیا کے ۲۷۰۲۷ مربع میل کے عوض روس کو دیتا ہے فنیش علاقہ میں ۱۵۳۳ مربع میل جو ریل کی پٹڑی واقع ہے روس اس کی قیمت ۰۰۰،۰۰۰،۱۲۰ فنیش مارک فن لینڈ کو دیتا ہے۔

۲۔ ہانگو کا ٹاپو اور متعدد قریب کے جزائر منسلک نقشہ کے مطابق فنلینڈ ۳۰ سال تک کے لئے روس کی اجارہ داری میں دیتا ہے تاکہ روس وہاں ایک بحری مستقر تعمیر کر سکے اور اس طرح فنلینڈ کی خلیج کو بیرونی حملے سے بچا سکے۔ روس کو مستقر پر بری و فضائی افواج

رکھنے کی اجازت ہو گی جس کا صرفہ روس برداشت کرے گا۔

خلیج فنلینڈ کے متعدد جزائر اور بحر شمالی کے دو ٹاپو فنلینڈ روس کے ہاتھ ... ۳۰۰۰۰۰۰ مارکس کو فروخت کرنا ہے۔

۳۔ اگر کوئی بیرونی ملک فریقین پر حملہ آور ہو گا تو روس اور فنلینڈ ایک دوسرے کو فوجی مدد دیں گے۔

۴۔ فریقین کسی ایسے معاہدے میں شرکت نہیں کریں گے جو روس یا فن لینڈ کے مفاد کے خلاف ہو۔

۵۔ فریقین آپس میں تجارت کو فروغ دینے کا معاہدہ کرتے ہیں۔

۶۔ روس سامانِ حرب اور دیگر اشیاء فنلینڈ کو رعایتی شرائط پر فروخت کرے گا۔

جس طرح روس اور جرمنی کے معاہدے اور پولینڈ کے خلاف روس کے جارحانہ اقدام کے جواز و عدم جواز پر مورخین میں رد و قدح ہے اسی طرح فنلینڈ اور روس کی جنگ کے متعلق بھی موشگافیاں موجود ہیں۔ یہاں مورخین کے روسی اقدام کے جواز کی تائید و تردید میں استدلال دینا اس لئے ضروری ہے تاکہ ناظرین کا تاریخی ذوق تشنہ نہ رہ جائے۔

۱۔ روسی اقدام کے حامیوں کا خیال ہے کہ ہمسایہ ملک کے کمزور ہونے اور بے خطرہ ہونے پر کہ دشمن اس کو آلہ کار بنائے گا۔ یہ صرف جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ اپنے ملک کی آزادی کے تحفظ کے لئے اس کمزور ملک پر دشمن کا حملہ ہونے سے قبل ہی قبضہ کر لیا جائے مثلاً اگر ۱۹۴۰ء میں روس کا قبضہ فنلینڈ پر نہ ہو جاتا تو یہ یقینی امر تھا کہ ۱۹۴۱ء میں جرمنی فنلینڈ پر قابض ہونے کے بعد لینن گریڈ کو تسخیر کر لیتا اور اس اہم شہر کی حربی صنعت کی تباہی اور اس پر دشمن کے قبضہ کا جو اخلاقی اثر تمام روس پر پڑتا وہ شاید روس کی شکست کا باعث بن جاتا۔ معترضین یہ کہتے ہیں کہ اگر یہ استدلال مان لیا جائے تو ہمسایہ ممالک پر حملہ آور ہونے اور ان پر قبضہ کرنے کا ہر وقت جواز موجود ہے۔ اگر فنلینڈ سے لینن گریڈ

پر بمباری کا خوف روس کے فنلینڈ پر حملہ کرنے کے لئے کافی حجت ہو سکتا ہے تو ہالینڈ اور بلجیم چیکو اور آسٹریا پر جرمنی کا حملہ کرنا بھی جائز تھا۔ ان ممالک سے اہم جرمن مقامات پر فضائی حملے ہو سکتے تھے۔ جرمنی کے مخالفین ان پر قابض ہو کر جرمنی پر حملہ آور ہو سکتے تھے۔ اس قسم کے استدلال سے ہر ظالمانہ اقدام جائز ثابت کیا جا سکتا ہے اور یہ منطق دنیا میں جنگ کے دروازے کھول دیتی ہے۔

۲- علاقوں کے تبادلے کی بابت روس کے حامی یہ کہتے ہیں کہ یہ تبادلہ ظلم نہیں تھا۔ اگر روس نے فنلینڈ سے چند ہزار مربع میل علاقہ لیا۔ اس کے عوض دو چند علاقہ دے بھی دیا۔ نہ صرف یہی بلکہ ریل کی پٹڑی وغیرہ کے معاوضے میں طلاء و نقرہ بھی دیا۔ آشتی و یگانگت کا معاہدہ کیا۔ فنلینڈ کو فوجی سامان دینے کا وعدہ کیا وغیرہ نکتہ چیں اس استدلال کی تردید میں یہ کہتے ہیں جبل الطارق کی چند ہزار مربع میل صحرا کی کروڑوں مربع میل سے زیادہ قیمتی ہے روسی مطالبات سے فنلینڈ کی خود مختاری فنا ہو گئی۔ اگر روس اس معاہدے کو منصفانہ خیال کرتا تھا تو آخر پانچ یا دس سال قبل یہ شرائط فنلینڈ کو کیوں روانہ نہیں کی گئیں۔ ماسکو کے ۱۹۳۹ء میں یہ مطالبات کرنے جبکہ یورپ میں جنگ کی آگ بھڑک اٹھی تھی اور فنلینڈ کو کہیں سے معتدبہ مدد نہیں مل سکتی تھی اس امر کا ثبوت ہیں کہ ماسکو خود ان شرائط کو منصفانہ نہیں سمجھتا تھا اور اس قابل خیال نہیں کرتا تھا کہ صلح کے زمانہ میں فنلینڈ ان کو قبول کرتا۔ روس نے دوران جنگ میں فنلینڈ کو بے یار و مددگار پا کر ہتھیاروں کے ذریعہ سے اس ملک سے غیر منصفانہ شرائط منوائیں اور یہ وہی طریقہ کار تھا جس کے باعث اشتراکی روس سرمایہ دار ممالک پر نکتہ چینی کرتا رہتا تھا۔

۳- حملہ کے موافقین کا استدلال یہ ہے کہ فن لینڈ کی رجعت پسند حکومت تھی وہ سرمایہ دار جمہوریتوں کے ساتھ روس کے خلاف ساز باز کر رہی تھی اسلئے روس کا اس پر حملہ آور ہونا ضروری تھا۔ اس پر نکتہ چین یہ کہتے ہیں کہ ہٹلر اور جرمنی جو علانیہ

روس کے خلاف تھا اور میونخ میں سرمایہ دار ممالک کی مدد سے روس کے خلاف ساز باز کر رہا تھا اگر اس سے معاہدہ غیر جانبداری ہو سکتا تھا تو فنلینڈ پر انھیں وجوہات کی بنا پر حملہ آور ہونا جرم تھا۔

۴۔ روسی اقدام کے موید یہ کہتے ہیں کہ فنلینڈ روس کے زیر اثر آ کر زیادہ ترقی یافتہ ہو جائے گا یہی استدلال مصر و ہندوستان پر قبضہ رکھنے کے لئے برطانیہ بھی استعمال کرتا ہے مسولینی نے جب حبشہ پر حملہ کیا تو یہی مقصد بیان کیا تھا کہ اس حملہ اور قبضہ سے حبشہ کو زیادہ مہذب بنانا مقصود تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ جس تمدن کی بنیاد انفرادی نفع پر ہو۔ اس میں رہتے ہوئے اور اس کے اس بنیادی اصول کو مانتے ہوئے کسی ملک و فرد کے کسی عمل کو اخلاقی معیار پر نہیں جانچا جا سکتا۔

روس جنگ کے دروازہ پر

برطانیہ کو یہ توقع نہ تھی کہ فنیش جنگ (FINNISH WAR) اس قدر جلد ختم ہو جائیگی اور روس کے جرمنی کو سامان حرب مہیا کرنے کے دوبارہ امکانات پیدا ہو جائیں گے روس کی فتح کے بعد برطانیہ کو از سر نو یہ ضرورت محسوس ہونے لگی کہ روس سے تجارتی تعلقات بڑھائے جائیں تاکہ زیادہ سے زیادہ خام اجناس روس سے خریدی جا سکیں اور اس طرح جرمنی کو روسی خام اجناس سے محروم کیا جائے۔ اس مقصد کے ماتحت برطانیہ اور روس کے درمیان جو فیصلے طلب مسائل تھے ان کے متعلق از سر نو مذاکرات شروع ہو گئے۔ سب سے اہم مسئلہ وہی روس کے دو حربی سامان سے لدے ہوئے جہازوں کا تھا جن کو برطانیہ نے اس خطرے کی بنا پر مقید کر دیا تھا کہ اس سامان کے جرمنی جانے اور برطانیہ کے خلاف استعمال ہونے کا امکان تھا۔ دوسرا معاملہ یہ تھا کہ سوویٹ روس نے جنگ سے قبل آلات و مشینوں کے جو فرمائش (آڈر) برطانیہ روانہ کئے ہوتے تھے ان کو بھی برطانوی حکومت نے روس روانہ کرنے سے انکار کر دیا۔ روس کا اس سلسلہ میں نقطۂ نگاہ یہ تھا کہ چونکہ وہ غیر جانبدار ملک ہے اس لئے اس کے خرید کردہ مشینوں وغیرہ کو بین الاقوامی قانون کے مطابق برطانیہ کو روکنے کا مجاز نہیں ہے اس قضیہ کی بابتہ اعلیٰ سوویٹ میں مسٹر مولوٹوف نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:-

"ان غیر دوستانہ اقدامات کے جواز میں یہ استدلال پیش کیا جا رہا ہے کہ چونکہ ہم جرمنی سے تجارت کرتے ہیں اس لئے ہم جرمنی کو برطانیہ اور فرانس کے خلاف مدد دے رہے ہیں۔ لیکن جب ہم روس و جرمنی کی تجارت کا رومانیہ و جرمنی کی تجارت سے موازنہ کرتے ہیں تو اس استدلال کی کوئی اہمیت نہیں رہتی۔ رومانیہ اپنی کل پیداوار کا نصف جرمنی کو فروخت کر رہا ہے .... لیکن برطانیہ اور فرانس اس کے خلاف کوئی غیر دوستانہ قدم نہیں اٹھاتے نہ رومانیہ سے یہ مطالبہ کرتے ہیں کہ وہ جرمنی سے تجارتی تعلقات منقطع کر لے۔"

روس اپنے گرفتار جہازوں کو آزاد کرانے کی کوشش کر رہا تھا اور برطانیہ لطائف حیل سے کام لے رہا تھا کہ ۹ اپریل ۱۹۴۰ء کو جرمنی نے ڈنمارک اور ناروے پر حملہ کر دیا۔ آغاز جنگ سے ۹ اپریل تک کا زمانہ 'خونی جنگ' کے نام سے مشہور ہو گیا۔ چونکہ اس عرصہ میں برطانیہ و فرانس نے جرمنی کے خلاف اس امید میں کوئی جارحانہ اقدام نہیں اٹھایا تھا کہ شاید جرمنی کو برطانیہ کی پرانی وفاؤں کا خیال آ جائے اور وہ بجائے مغربی یورپ کے روس سے دست و گریباں ہو جائے لیکن جرمنی کے ناروے پر حملے نے مغرب کی سرمایہ دار جمہوریتوں کی یہ امیدیں ختم کر دیں اور یہ صاف نظر آنے لگا کہ جس خوش فہمی اور امید پر مسٹر چیمبرلین کی تمام سیاست کی کامیابی کا دار و مدار تھا وہ خواب و خیال ہو گئی چنانچہ کنزرویٹو پارٹی میں مسٹر چیمبرلین کی سیاست پر شدید تنقید ہونے لگی۔ حالات کی رو مسٹر چیمبرلین کے مخالف چلی تو ان کی قیادت خطرہ میں پڑ گئی جو لوگ خوشگوار حالات میں قائد کے ہمنوا تھے۔ مخالف حالات میں ان کی سیاست پر نکتہ چینی کرنے لگے۔ برطانوی افواج کی مدد کے باوجود ناروے جرمنی کی تاب نہ لا سکا اور ۳ مئی ۱۹۴۰ء کو حالات اس درجہ نازک ہو گئے کہ برطانوی افواج کو ناروے سے واپس ہونا پڑا۔ برطانوی افواج کی شکست فاش اور ناروے کے کوئلہ و لوہے پر جرمنی کا قبضہ ہو جانے سے کنزرویٹو پارٹی میں وزیر اعظم کی مخالفت اس درجہ شدید ہو گئی کہ ۸ مئی کو دار العوام میں ناروے کے حالات پر بحث کے

دوران میں جب حکومت پر اظہار اعتماد کرنے کے لئے رائے لی گئی تو وزیر اعظم کو صرف ۸۱ رائے ملیں۔ پارلیمانی دستور کے مطابق اس شکست کے دو روز بعد مسٹر چیمبرلین وزیر اعظم کے عہدے سے مستعفی ہو گئے اور ان کی سیاست کے مخالف مسٹر چرچل کرسئ وزارت پر قابض ہو گئے۔ ہٹلر نے مسٹر چرچل کو اس طرح مبارک باد پیش کی کہ جس روز انھوں نے زمام حکومت اپنے ہاتھ میں لی۔ جرمنی نے اپنی بہترین مسلح افواج سے ہالینڈ، بلجیم اور لکسمبرگ پر اتنا شدید حملہ کیا کہ چند دن میں ہی ان ممالک کی مدافعت ختم ہو گئی۔ ان حالات میں ۱۳ مئی کو مسٹر چرچل نے دارالعوام میں تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"میں یہ عرض کردوں کہ سوائے خون، محنت، آنسوؤں اور پسینے کے میرے پاس آپ کے سامنے پیش کرنے کے لئے اور کچھ نہیں ہے۔ ہمارے سامنے ایک نہایت ہی خطرناک مہم ہے اور از حد سخت امتحان سے ہم کو گزرنا ہے"۔

اگرچہ واقعات کا تسلسل ٹوٹتا ہے لیکن یہاں یہ بیان کرنا ضروری ہے کہ جنگ کے چند معمے ہوا کرتے ہیں جن کی تصریح کے لئے مورخین سرگرداں رہتے ہیں لیکن ان کا سراغ نہیں ملتا۔ اس جنگ کے چند معموں میں سے ایک یہ ہے کہ وہ کون سے اسباب و علل تھے جن کی وجہ سے جرمنی روس کے بجائے ناروے اور ہالینڈ پر حملہ آور ہوا۔ ہٹلر جو بارہا اتحاد و آشتی کے معاہدات پرزے پرزے کر چکا تھا اس سے یہ حسن ظن رکھنا کہ روس و جرمنی کے معاہدے کا پاس کرتے ہوئے اس نے روس کا رخ نہ کیا۔ شاید سادہ لوحی ہوگی۔ ہٹلر کے مغربی اقدام کی کچھ اور ہی وجوہات ہوں گی۔ مورخین کے لئے یہ امر وجہ حیرت بنا ہوا ہے کہ جب پولینڈ کی فتح کے بعد برطانیہ اور فرانس نے جرمنی کے خلاف صرف "خونی محاذ" قائم رکھا اور سوائے ریڈیو پر لفظی جنگ کے اور کوئی ضرب نہ لگائی یہ اس امر کا اشارہ تھا کہ جرمنی کو روس پر حملہ آور ہو جانا چاہیئے اور فرانس و برطانیہ تماشائی رہیں گے عقلمندوں کو اشارہ کافی ہوتا ہے اور ہٹلر جیسے فہیم انسان کو سمجھ لینا چاہیئے تھا کہ پولینڈ کی فتح کے بعد اس کے طالع کا

عروج بجائے مغرب کے مشرق میں ہوگا۔ ہٹلر کے مغربی اقدام کا اغلب سبب یہ معلوم ہوتا ہے کہ روس و فنلینڈ کی جنگ نے جرمنی کو روس کی حربی کمزوری کا یقین دلادیا تھا اور ہٹلر کو یہ اطمینان ہوگیا تھا کہ روس کو جرمنی کا مدمقابل بننے کے لئے ایک مدت درکار ہوگی۔ اگر اس اثنا میں فرانس و برطانیہ کو زیر کرلیا تو روس ابرو کے اشارے پر ہی سر تسلیم خم کردے گا۔ دنیا کے ⅑ حصے پر اسی آسانی سے قبضہ ہوجائے گا جس سہولت سے کہ چیکوسلاویہ پر ہوا تھا۔ البتہ فرانس و برطانیہ کی طرف سے ہٹلر کو یہ خطرہ تھا کہ ان میں یہ صلاحیت و قابلیت ہے کہ اگر اُن کو مہلت مل گئی تو امریکہ کی مدد سے بہت جلد ان کی حربی طاقت اس قدر بڑھ جائے گی کہ افواج کا کامیاب مقابلہ کرسکیں گے اس لئے ہٹلر کی سیاست یہ تھی کہ پہلے مغربی طاقتوں کو فتح کرلے۔ اس کے بعد روس پر حملہ کرے۔

جرمنی کے مغربی اقدام کے کچھ ہی اسباب و علل کیوں نہ ہوں حملہ کے مغربی رخ نے برطانیہ کے لئے روس سے تعلقات پیدا کرنے از حد ضروری کردیئے۔ مسٹر چرچل ان مدبرین میں سے تھے جو میونخ کی سیاست کے خلاف تھے اس لئے ان کے دورِ وزارت میں روس کو بھی برطانیہ سے وہ پرخاش نہ رہی جو پہلے تھی اگرچہ روس اور برطانیہ ایک دوسرے سے قریب آنا چاہتے تھے لیکن کسی کی خاطر کوئی اپنا مفاد ترک کرنے کے لئے تیار نہ تھا روس کی جانب سے تجارتی مذاکرات کی شرطِ اولین یہ تھی کہ روس کے دو جہاز جن کا ذکر گزر چکا ہے رہا کئے جائیں۔ برطانیہ اس خوف سے کہ وہ سامان جرمنی نہ پہنچ جائے ان کو رہا کرنے پر آمادہ نہ تھا بلکہ وسط مئی میں برطانیہ نے ایک اور سامان سے لدا ہوا روسی جہاز گرفتار کرلیا۔ مسٹر چرچل عجیب کشمکش میں تھے اگر جہاز رہا کرتے ہیں تو سامانِ حرب جرمنی پہنچتا ہے اور اگر ایسا نہیں کرتے تو روس سے خوشگوار تعلقات کی سعی بارآور ہوتی نہیں دکھائی دیتی۔ اس تضادی الجھن کے باوجود مسٹر چرچل نے ۲۴ مئی کو سر اسٹیفورڈ کرپس کو بحیثیت ایک تجارتی نمائندے کے روس روانہ کردیا لیکن روس نے اس حیثیت کو [illegible]

کرپس کا خیر مقدم کرنے سے انکار کر دیا۔ البتہ اس امر پر رضامندی ظاہر کی کہ اگر کرپس کو سفیر مقرر کر دیا جائے تو روس برطانیہ سے تجارتی مذاکرات کرنے کے لئے تیار ہے ایک ماہ کی ردو قدح کے بعد ۲۱ جون ۱۹۴۰ء کو سر اسٹیفورڈ کرپس روس میں حکومت برطانیہ کے سفیر مقرر ہو گئے۔

مئی اور جون ۱۹۴۰ء میں کرپس کا تقرر ہی اہم واقعہ نہیں ہے بلکہ یورپ کے دور حاضر کی تاریخ میں یہ دو ماہ نہایت طوفان خیز ثابت ہوئے ہیں۔ ان دو ماہ میں متعدد آزاد حکومتیں غلام ہو گئیں۔ ۱۵ مئی کو ہالینڈ اور ۲۷ مئی کو بلجیم نے جرمن افواج کے روبرو ہتھیار ڈال دئے ۳۰ مئی کو ۳۳۵۰۰۰ برطانوی سپاہی ڈنکرک سے فرار ہو کر واپس انگلستان پہنچے ۲ جون کو اس حادثہ جانکاہ کے متعلق بیان دیتے ہوئے مسٹر چرچل نے دار العوام میں اعتراف کیا کہ ڈنکرک پر برطانیہ کو عظیم نقصانات برداشت کرنے پڑے اور کثیر سامان حرب میدانِ جنگ پر چھوڑ کر فرار ہونا پڑا۔ اسی ماہ اس جنگ کا سب سے زیادہ تعجب خیز حادثہ پیش آیا یعنی جرمنی نے فرانس پر حملہ کیا اور ۱۱ جون کو فرانس کی مرکزی حکومت نے پیرس کو خیر باد کہا۔ ۱۷ جون کو مارشل پیتاں نے نشر گاہ سے تقریر کے دوران میں کہا کہ اس نے جرمنی سے صلح کی شرائط طلب کی ہیں اور ۲۱ جون کو ان شرائط پر دستخط ثبت ہو گئے۔

یہ سیاسی کھونچال تو مغربی یورپ میں آ رہے تھے ادھر مشرقی یورپ میں بھی سیاسی پٹاخے چھوٹ رہے تھے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد جہاں متعدد یورپین ممالک نے روس کی کمزوری سے فائدہ اٹھایا وہاں رومانیہ نے بھی اپنے ہاتھ رنگے اور روسی علاقے باسرابیہ اور مشرقی بوکاوینا پر قبضہ کر لیا۔ اس جنگ میں جب رومانیہ بے یار و مددگار رہ گیا تب ۲۲ سال کے بعد روس نے ان علاقوں کی واپسی کا مطالبہ رومانیہ کے سامنے پیش کر دیا اور اس کمزور ریاست کو یہ علاقہ روس کے سپرد کرتے ہی بن پڑی۔ بالٹک کی خود مختار ریاستوں کا یہ حشر ہوا کہ روس کی ہمت افزائیوں سے وہاں کی فسطائی حکومتوں کے خلاف کامیاب

بغاوتیں ہوئیں اور روس کی پروردہ اشتراکی حکومتیں برسرِ اقتدار آگئیں۔ ۲۱ جولائی کو ان اشتراکی حکومتوں نے ماسکو سے درخواست کی کہ ان کا روس سے الحاق کرلیا جائے اس قسم کی درخواستوں کی پشت پر جو تخریبی سیاست ہوتی ہے اس کی نوعیت محتاج بیان نہیں۔ یہ وہی حیلے تھے جو جرمنی کامیاب طور پر چیکوسلاویہ کے الحاق کے سلسلہ میں استعمال کرچکا تھا۔

جرمنی نے فرانس پر ایک ہی ضرب لگائی تھی کہ اس نے دم توڑ دیا۔ فرانس کی ہزیمت اتنی جلدی اور اچانک واقع ہوئی کہ ہٹلر کو بجائے خوشی کے حیرت زیادہ ہوئی۔ فرانس کی اچانک شکست نے یورپ کی سیاست کا تمام نقشہ بدل دیا۔ فرانس کی شکست سے قبل برطانیہ کو روس کے تعاون کی زیادہ احتیاج نہ تھی لیکن اس واقعہ کے بعد برطانیہ کے لئے روس کی جانب التفات کرنا اور اس کو جرمنی کی آغوش سے جدا کرنا از حد ضروری ہوگیا فرانس طاقتور ثابت نہ ہوا تو روس کی امیدوں پر بھی پانی پھر گیا۔ اگر فرانسیسی محاذ پر مدت تک نبرد آزمائی ہوتی رہتی تب یہ امر یقینی تھا کہ آپس میں طویل مدت تک جنگ جاری رکھنے کے بعد برطانیہ۔ فرانس اور جرمنی میں سے کسی ایک کو بھی یہ جرات نہ ہوتی کہ روس کی سمت آنکھ اٹھا کر دیکھتا۔ روس نسبتاً بہت طاقتور رہ جاتا اور وہ نبرد آزما ممالک سے تجارت کرکے نمایاں اقتصادی ترقی کرلیتا لیکن چند روز کی کشمکش کے بعد فرانس کے ہتھیار ڈال دینے نے جرمنی کو بجائے کمزور کرنے کے زیادہ طاقتور کردیا۔ فرانس کی ماژنو لائن کے تمام حربی ذخائر اور ساز و سامان جرمنی کے تصرف میں آجانے پر یورپ میں طاقت کا توازن قطعی بدل گیا۔ یہ امر محتاج بیان نہیں کہ دو محاذوں پر جنگ کے خوف نے ہٹلر کو روس سے معاہدہ کرنے پر آمادہ کیا تھا۔ فرانس کی شکست کے بعد چونکہ جرمنی کا محاذ پہلے کی نسبت بہت محفوظ ہوگیا تھا اس لئے ان حالات میں روسی معاہدہ کی اب کوئی اہمیت نہیں رہی تھی۔ عصر حاضر میں حالات کے جبر کے ماتحت معاہدہ ہوتے ہیں۔

اور فریقین اپنے دلوں میں یہ خوب جانتے ہیں کہ خواہ معاہدہ کتنی ہی طویل مدت کے لئے کیوں نہ ہو لیکن جیسے ہی حالات میں تبدیلی واقع ہوگئی اور طاقت کا توازن بدلا۔ اس معاہدے کی زندگی بھی ختم ہو جائے گی۔ طاقت کے جدید توازن نے روس و برطانیہ پر یہ آشکارہ کر دیا کہ ان دونوں کا مفاد اشتراک میں ہے۔ اگر یہ ایک دوسرے سے متحد نہ ہوئے تو برطانیہ کی شکست کے بعد روس کا شکار ہونا ضروری ہے اور روس کی شکست کے بعد برطانیہ کے لئے جرمنی کا طوق غلامی گلوگیر کرنا لازمی ہے۔

فرانس کی شکست کے بعد سے برطانیہ اور روس میں تعاون اور جرمنی و روس میں عدم تعاون کا دَور شروع ہوتا ہے لیکن چونکہ ہر معاملہ میں تضاد کی شکل واقع ہو جاتی تھی اس لئے دونوں سمت سے نہایت پھونک پھونک کر قدم اٹھائے جا رہے تھے۔ ان تمام دشواریوں کے باوجود روس سے مصالحت کے سلسلہ میں برطانیہ نے پہلا قدم یہ اُٹھایا کہ روس کے دو جہاز رہا کر دیئے لیکن ان کا سامان فرانس کو فروخت کر دیا۔ یہ نیم دوستی و نیم دشمنی موجودہ سیاست کا جز لاینفک ہے۔ اس موافق سمت قدم اٹھانے کے بعد مخالف سمت یہ قدم اٹھایا کہ روس و امریکہ کے احتجاج کے باوجود برما روڈ بند کر دی۔ روس برما روڈ کے راستہ سے چین کو سامانِ حرب روانہ کرتا تھا تاکہ چین سے جاپان مشغول رہے۔ جاپان نے برطانیہ سے یہ مطالبہ کیا کہ سڑک کو بند کر دیا جائے تاکہ امریکہ اور روس اس راستہ سے جاپان کے خلاف چین کو حربی مدد نہ پہنچا سکیں۔ برطانیہ کا مشرقی محاذ چونکہ کمزور تھا اس لئے جاپان کو خوش رکھنا ضروری تھا یہ وجہ تھی کہ اس کا علم ہوتے ہوئے کہ روس و امریکہ اس اقدام سے برہم ہوں گے برطانیہ نے اپنا مفاد مد نظر رکھتے ہوئے برما سڑک بند کر دی اس کے بعد ایک اور ناخوشگوار واقعہ پیش آیا۔ اگرچہ بالٹک کی ریاستیں روس میں ضم ہوگئی تھیں لیکن برطانیہ نے اس تبدیلی کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ جب ان ریاستوں کے مرکزی بنکوں نے لندن بنک کو اپنی رقوم کو سوویٹ بنک کے سپرد کرنے کی ہدایت دی تو برطانیہ نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا۔ نیز یہ کہ ان ریاستوں

کے جو تیس بحری جہاز انگلستان کی بندرگاہوں میں تھے ان کو بھی روس واپس روانہ کرنے سے برطانیہ نے انکار کر دیا۔ جب تک انگلستان کو یہ یقین نہ ہو جاتا کہ جرمنی و روس کے ہمکنار ہونے کے اب امکانات باقی نہیں رہے ہیں۔ طلا و نقرہ اور بحری جہاز روس کس طرح واپس کئے جا سکتے تھے۔

برطانیہ اور روس دوستی کے ابتدائی منازل طے کر رہے تھے کہ ۲۷ ستمبر ۱۹۴۰ء کو جرمنی اٹلی اور جاپان کے درمیان 'اتحادِ ثلاثہ' ہو گیا جس کی شرائط حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ جرمنی۔ اٹلی۔ جاپان وعدہ کرتے ہیں کہ اگر کسی ایسی حکومت نے جو ہنوز بر سر جنگ نہیں ہے فریقین میں سے کسی پر حملہ کیا تو یہ حکومتیں ایک دوسرے کی سیاسی اقتصادی اور حربی طور پر مدد کریں گی۔

۲۔ جاپان یورپ میں جرمنی و اٹلی کی قیادت اور ان کے مجوزہ نظام کا حامی ہے موخر الذکر ممالک مشرق میں جاپان کی قیادت اور اس کا مجوزہ نظام تسلیم کرتے ہیں۔

۳۔ آلاتی ترقی میں ایک دوسرے کی مدد کی فوری ضرورت ہے اس لئے بلا تاخیر تینوں حکومتوں کے آلاتی کمیشنوں میں تبادلہ خیالات و معلومات شروع ہو جانی چاہیئے۔

۴۔ یہ معاہدہ فریقین کے روس کے ساتھ جو موجودہ تعلقات ہیں ان پر اثر انداز نہ ہوگا۔

اس اتحادِ ثلاثہ سے برطانیہ اور روس دونوں مختلف وجوہات کی بنا پر خوف زدہ ہو گئے برطانیہ کو یہ خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں روس بھی اتحاد میں شامل نہ ہو جائے روس کو اس لئے ہراس ہوا کہ اتحاد کہیں اس کے خلاف استعمال نہ کیا جائے مغرب سے جرمنی اور مشرق سے جاپان کا حملہ روس کو چند ہفتوں میں زیر و زبر کر دیتا۔ حالات کے جبر نے روس و برطانیہ کو پھر تعاون کی راہیں نکالنے پر آمادہ کیا۔ چنانچہ مذاکرات کے بعد اکتوبر میں بالٹک ریاستوں کے بحری جہازوں اور سرمایہ کی واپسی کی بابت عہد و قرار ہو گیا۔ جہازوں کی واپسی کے معاہدے کے بعد پھر حالات بدلے تو انگلستان کے بحری محکمہ نے بالٹک ریاستوں کے دس بحری جہازوں کو فوجی ضرورت کے ماتحت احکامات جاری کر دئے۔ روس کے اعتراض کرنے پر

برطانیہ نے یہ جواب دیا کہ بحری محکمہ میں دفتری غلط فہمی کی بنا پر ان جہازوں کو بر سر کار لایا گیا ورنہ ان کی واپسی یقینی ہے لیکن اس معذرت کے بعد پھر ان جہازوں میں سے تیرہ کو کام پر لگا دیا گیا۔ اس پر روس نے برہم ہو کر لینا گولڈ فیلڈ کے لین دین کے سلسلہ میں جو رقم انگلستان کو دی جاتی تھی اس کی ادائیگی بند کر دی۔ یہ تلخیاں تو تھیں کہ ایک اور اختلافی مسئلہ پیدا ہو گیا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد دریائے ڈینیوب میں باربرداری کے جہازوں کی آمدورفت پر احتساب رکھنے کے لئے ایک کمیشن مقرر ہوا تھا جس کے شکست خوردہ ممالک جرمنی روس واٹلی ممبر نہ تھے۔ لیل و نہار بدلے اور جرمنی وسط یورپ پر حاوی ہو گیا تو ستمبر ۱۹۴۰ء میں جرمن حکومت نے وی آنا (VIENNA) میں ڈینیوب کے مسئلہ کے متعلق ایک کانفرنس بلائی لیکن معنی خیز امر یہ تھا کہ روس کو اس کانفرنس میں شرکت کی دعوت نہ دی فرانس کی شکست کے بعد جرمنی کا روس کی جانب سے بے اعتنائی کا یہ پہلا مظاہرہ تھا ڈینیوب دریا بحر اسود میں گرتا ہے اور اس سمندر سے روس کا گہرا تعلق تھا اس لئے روس نے جرمن رویہ پر احتجاج کیا اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ ایک اور کمیشن منعقد ہوا جسمیں روس کو بھی شامل کیا گیا۔ روس کی اس شرکت پر برطانیہ برہم ہو گیا اور ۲۹ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو سر اسٹیفورڈ کرپس نے ایک احتجاجی یادداشت مسٹر مولوٹوف کو دی جس میں یہ نکتہ بیان کیا گیا تھا کہ روس کا اس کمیشن میں شریک ہونا اس کی غیر جانبدارانہ حیثیت کے منافی ہے اور برطانیہ اس کمیشن کو تسلیم نہیں کرتا۔ اس یادداشت کا جواب دیتے ہوئے روس نے کہا کہ اس کا کمیشن میں اشتراک غیر جانبداری کے منافی خیال نہیں کیا جا سکتا اور وارسائی کے معاہدے میں روس سے جو بے انصافی ہوئی تھی روس کی شرکت صرف اس کا ازالہ ہے

پہلی مرتبہ روس کو کمیشن سے نظر انداز کرنا ہوا کا رخ بتا رہا تھا۔ روس سمجھ رہا تھا کہ فرانس کے سامان حرب پر قبضہ کے بعد طاقت کا تناسب قطعی طور پر بدل گیا ہے اور ہٹلر کی نیت خراب ہو رہی ہے لیکن روس بظاہر کوئی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جو جرمن

حملہ کے لئے بہانا بن جاتا اس لئے برطانیہ نے دوستانہ تعلقات پیدا کرنے میں روس نہایت احتیاط سے کام لے رہا تھا۔ روس کو جرمنی کی بے اعتنائی پریشان کن تھی اور برطانیہ کے لئے جرمنی کا بلقانی اقدام تشویش کا باعث بنا ہوا تھا۔ بلقان پر پورا جرمن تصرف نہ صرف جرمنی کو از حد طاقتور بنا دیتا بلکہ برطانیہ کا بلقانی ریاستوں میں جو سرمایہ لگا ہوا تھا وہ بھی ضائع ہو جاتا۔ ان تمام مصلحتوں کو مدنظر رکھ کر اسٹیفورڈ کرپس نے حسب ذیل تین نکات روس کے روبرو پیش کر دئے۔

۱۔ برطانیہ بالٹک ریاستوں کا روس سے الحاق تسلیم کرتا ہے۔

۲۔ برطانیہ وعدہ کرتا ہے کہ جنگ کے بعد صلح کے مذاکرات میں روس کو شامل کیا جائیگا۔

۳۔ برطانیہ وعدہ کرتا ہے کہ روس پر حملہ ہوا تو برطانیہ حملہ آور کو مدد نہیں دے گا۔

اس پیشکش کے عوض برطانیہ کا روس سے یہ مطالبہ تھا کہ روس جنگ میں غیر جانبدار رہے اور برطانوی علاقوں میں اشتراکی تبلیغ سے باز رہنے کا وعدہ کرے۔ برطانیہ اور روس کے ان مذاکرات کی بھنک جرمنی کو ملی تو وہاں سے مسٹر مولوٹوف کے نام دعوت نامہ آیا۔ چونکہ ربن ٹراپ دو مرتبہ روس آچکا تھا اس لئے اگست ۱۹۳۹ء سے جرمنی کا یہ اصرار تھا کہ حکومت روس بھی اپنے زعماء میں سے کسی کو برلن روانہ کرے۔ لیکن اپنی غیر جانبداری کو مدنظر رکھتے ہوئے روس نے اس دعوت نامہ کو قبول کرنے سے ہمیشہ انکار کیا لیکن فرانس کی شکست کے بعد اب روس کو یہ جرأت نہ تھی کہ جرمنی سے دعوت نامہ آئے اور اس کو قبول نہ کیا جائے۔ ۹ نومبر ۱۹۴۰ء کو مولوٹوف برلن روانہ ہو گئے۔ برلن میں مولوٹوف سے کن نکات پر مذاکرات ہوئے ان کی بابت سرکاری طور پر کوئی بیان شائع نہیں ہوا۔ البتہ باخبر حلقوں میں یہ چرچا تھا کہ جرمنی نے مندرجہ ذیل مطالبات مولوٹوف کے سامنے پیش کئے تھے۔

۱۔ جب جرمنی بلغاریہ اور یونان پر یورش کرنے تو ترکی پر اثر ڈال کر روس اسکو غیر جانبدار رکھے

۲۔ ایران۔ افغانستان اور ہندوستان پر حملہ آور ہونے میں جرمنی کو روس مدد دے اس کے
عوض میں روس کو بھی مال غنیمت میں سے حصہ دیا جائے گا۔
۳۔ روس کو چاہئے کہ چین میں جاپان کی مخالفت نہ کرے۔
۴۔ روس کو اتحاد ثلاثہ میں شریک ہو جانا چاہئے۔

ان مذاکرات پر تبصرہ کرتے ہوئے انگلستان کے سرکاری اخبار ٹائمز نے تحریر کیا:۔

"ان مذاکرات کا نتیجہ شاید بہت بڑے پیمانے پر صنعتی حرفتی اور تجارتی معاہدے میں ظاہر ہو۔ شاید روس جرمن ماہرین کو روسی کارخانوں میں کام کرنے کی اجازت دیدے.... ان مذاکرات کا دوسرا نتیجہ شاید یہ ہو کہ اتحاد ثلاثہ میں شریک ہو کر روس نئے نظام عالم کی تشکیل دینے کی سعی میں تعاون کرنا شروع کر دے۔

کچھ عرصہ بعد اس امر کی تصدیق ہو گئی کہ باخبر حلقوں کی اطلاع درست تھی لیکن مولوٹوف نے شرائط تسلیم کرنے سے انکار کر دیا۔ تاریخی بصیرت رکھنے والوں کے لئے یہ سمجھنا دشوار نہ ہوگا کہ روس مندرجہ وجوہات کی بناء پر ان شرائط کو منظور نہیں کر سکتا تھا:۔

۱۔ جرمنی کا بلقان میں دخل روس کے لئے مزید خطرہ پیدا کر دیتا۔

۲۔ روس کی سیاست کے یہ امر منافی تھا کہ وہ جنگ میں شریک ہو۔ ایران وغیرہ پر حملہ اس کو برطانیہ سے برسر جنگ کر دیتا اس طرح سرمایہ دار ممالک کے تضاد سے روس کو جس فائدہ کی امید تھی اس کا امکان باقی نہ رہتا۔ روس کا سب سے زیادہ مفاد اسی میں تھا کہ یورپ میں جنگ ہو اور وہ تماشائی رہے تاکہ جنگ کے بعد وہ یورپ میں اپنا اثر قائم کر سکے۔

۳۔ چین وجاپان کی جنگ کو طول دینا روسی مفاد کے مطابق تھا تاکہ روس کے مشرقی محاذ پر خطرہ پیدا نہ ہو۔ چین کو حربی مدد نہ دینا جاپان کی فتح میں ظاہر ہوتا۔ چین پر قابض ہو کر جاپان بہت طاقتور ہوتا اور روس کے مشرقی محاذ پر جاپان ایک مستقل خطرہ

بن جاتا۔

۴۔ روس کی اتحاد ثلاثہ میں شرکت برطانیہ کی شکست میں نمودار ہوتی اور برطانیہ کے زیروزبر ہونے کے بعد جرمنی کے ہاتھ سے روس کو اپنی موت دکھائی دے رہی تھی۔

مولوٹوف کے شرائط قبول نہ کرنے پر جرمن زعماء کی یہ تنقید تھی کہ روس نے نئے نظام عالم کی تشکیل میں حصہ لینے کا حق کھو دیا۔ اس کا عام فہم زبان میں یہ مطلب تھا کہ اتحاد ثلاثہ روس کو نظر انداز کر دے گا۔ پیشتر اس کے کہ مزید حالات بیان کئے جائیں۔ یہاں برطانوی۔ روسی جرمن سیاست میں جو تضاد واقع ہو رہا تھا اس پر ایک سرسری نظر ڈالنی ضروری ہے۔

جرمنی۔ فرانس کی شکست کے بعد جرمنی کے سامنے تین راستے تھے (۱) جنگ ختم کر کے مفتوح علاقوں کی تنظیم میں مشغول ہو جانا (۲) انگلستان پر حملہ کرنا (۳) روس پر حملہ کرنا۔ پہلا راستہ اس لئے خطرناک تھا کہ امریکہ کی مدد سے برطانیہ اور روس کو تیار ہونے کا موقع مل جاتا اور کچھ عرصہ بعد جرمنی کے مشرقی و مغربی محاذ پر کامیاب حملے ہو سکتے تھے (۴) انگلستان یا روس ان دونوں میں سے کسی ایک پر حملہ جرمنی کے لئے دو محاذ پیدا کر دیتا۔ چونکہ انگلستان اور روس میں کسی ایک کی شکست دوسرے کی موت تھی اس لئے جیسے ہی جرمنی ان دونوں میں سے کسی ایک پر حملہ آور ہوتا دوسرے کو ضرور جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کرنا پڑتا۔ برطانیہ کی شکست کے بعد روس پر اور روس کی شکست کے بعد برطانیہ پر حملہ آور ہونا یقینی امر تھا۔ حالات نے برطانیہ اور روس کو آپس کے اتحاد پر مجبور کر دیا تھا۔ جرمنی تضاد میں پھنس گیا تھا جس سمت قدم اٹھایا جاتا تھا ادھر ہی خطرہ تھا۔

روس۔ فرانس کی شکست کے بعد روس کے سامنے تین راستے تھے (۱) غیر جانبدار رہنا۔ (۲) جرمنی سے تعاون کرنا (۳) برطانیہ سے اتحاد کرنا۔ روس غیر جانبدار اس لئے نہیں رہ سکتا تھا کہ برطانیہ کی شکست کے بعد جرمنی اتنا طاقتور ہو جاتا کہ ہٹلر کے ابرو کے اشارہ

پر اسٹالن کو سر تسلیم خم کرنا پڑتا اور روس شل جرمنی کی ایک نو آبادی کے رہ جاتا۔ جرمنی سے تعاون میں بھی یہی خطرہ تھا جو غیر جانبدار رہنے میں تھا۔ اب برطانیہ سے تعاون کا راستہ باقی رہ جاتا ہے۔ روس کو یہ علم تھا کہ اس قسم کی سعی جرمن حملہ کو دعوت دینا ہوگا اور اس شکل میں روس کی تباہی لازمی ہے اگرچہ حالات کا تقاضہ تھا کہ روس پر حملہ ہوتے ہی برطانیہ روس کی مدد کرے لیکن یہ امکان بھی تھا کہ برطانیہ ایسا نہ کرے اس شکل میں روس کی شکست و تباہی لازمی تھی۔ غرضیکہ روس کے سامنے تین راستے تھے اور تینوں پُر خطر تھے۔

برطانیہ۔ برطانیہ کے سامنے بھی تین راستے تھے (۱) صرف فوجی جنگ جاری رکھنا (۲) جرمنی سے صلح کرنا (۳) روس سے تعاون کرنا۔ پہلی اور دوسری شکل میں روس کی شکست کے بعد برطانیہ کی آزادی خواب پریشاں ہو جاتی اس لئے یہ راستے اختیار کرنے برطانیہ کے لئے غیر ممکن تھے۔ روس کے تعاون سے جرمنی کو شکست دینا اسلئے تباہ کن معلوم ہوتا تھا کہ وسط یورپ میں اشتراکیت کا دَور دورہ ہوتا یقینی معلوم ہوتا تھا۔ برطانیہ کے سرمایہ دار طبقات اس کو برداشت کرنے کے لئے تیار نہیں ہو سکتے تھے۔ برطانیہ ہر قدم پر تضاد محسوس کر رہا تھا۔

مندرجہ بالا تحلیل کی روشنی میں یہ امر صاف دکھائی دینے لگتا ہے کہ برطانیہ اور روس کو آپس میں متحد ہونے کے سوا کوئی چارہ کار نہ تھا۔ جرمنی کے لئے یہ سیاست تھی کہ جب تک ممکن ہو روس اور برطانیہ میں اتحاد نہ ہونے دیا جائے۔ روس کے اتحاد ثلاثہ میں شریک نہ ہونے پر روسی و جرمن تعلقات میں خنکی پیدا ہو جانی چاہئے تھی لیکن جرمنی مصلحت وقت کو مدنظر رکھتے ہوئے روس سے ہم آغوش ہی رہا بلکہ روس کے انکار سے جرمنی کو یہ ضرورت محسوس ہوئی کہ اس مطالبہ کے اثرات کو زائل کرنے کے لئے روس سے مزید دوستانہ معاہدہ کرنا چاہئے تاکہ روسی التفات برطانیہ کی سمت نہ ہونے پائے چنانچہ اکتوبر ۱۹۴۰ء کو روس و جرمنی

کے درمیان ایک اور معاہدہ ہوا جس کی رُو سے روس کی خام اجناس کے عوض جرمنی نے آلات ڈکلیس دینے کا وعدہ کیا اور روس کو یہ یقین دلانے کے لئے کہ جرمنی کی نیت بد نہیں ہے۔ بالٹک ریاستوں میں صدیوں سے جو جرمن آباد تھے ان کو بھی جرمنی واپس بلالیا۔ اس معاہدے سے برطانیہ میں سنسنی پھیل گئی اور روس سے تعاون کی سعی میں تاخیر کرنا جرم معلوم ہونے لگا۔ اس سلسلہ میں برطانیہ نے پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ۲۲ دسمبر ۱۹۴۰ء کو لارڈ ہیلی فیکس جو میونخ کی سیاست کے زبردست موید تھے ان کی بجائے میونخ کے مخالف مسٹر ایڈن کو وزیر خارجہ مقرر کر دیا یہ دراصل روس کو اشارہ تھا کہ روس سے برطانیہ تعلقات پیدا کرنا چاہتا ہے لیکن جب تک حالات کی منطق یہ نہ ظاہر کرے کہ روس کی مدد برطانیہ کو حاصل ہو گی اس وقت تک برطانیہ کا اس میں سرگرم رہنا ضروری خیال کیا جا رہا تھا کہ امریکہ سے روس کو سامانِ حرب نہ پہنچنے پائے فی زمانہ تمام ضروریات زندگی کی جنگ میں ضرورت ہوتی ہے اس لئے تمام سامان ہی سامانِ حرب کی تعریف میں آجاتا ہے۔ اس سلسلہ میں ایک سوال کا جواب دیتے ہوئے برطانیہ کے وزیر اقتصادی جنگ نے کہا:-

"ہم نے روس اور امریکہ پر اپنے جذبات کا اظہار کر دیا ہے مجھے اُمید ہے کہ واشنگٹن میں جو مذاکرات ہوتے ہیں ان سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ موجودہ تجارت میں کمی واقع ہو جائے گی۔"

برطانیہ اور روس میں یہ نیم موافقت ومخالفت جاری تھی کہ اوائل جنوری ۱۹۴۱ء میں بلغاریہ میں جرمن افواج داخل ہو گئیں اور غیر ممالک کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی کہ جرمنی کا یہ اقدام روس کی اجازت ومرضی سے ہوا ہے۔ اس پر روس کی خبر رساں ایجنسی تاس نے سرکاری طور پر اس خبر کی تردید کرتے ہوئے یہ بیان شائع کیا:-

"اگر جرمن افواج حقیقتاً بلغاریہ میں موجود ہیں اور ہنوز ان کا داخلہ جاری ہے تو

یہ اقدام روس کے علم و مرضی کے بغیر عمل میں آیا ہے۔"

روسی حکومت کی یہ تردید درست ثابت ہوئی کیونکہ ۲ مارچ کو روسی استفسار پر بلغاریہ نے ایک اعلان میں بتایا کہ چونکہ ملک میں امن قائم رکھنا تھا اس لئے بلغاریہ نے جرمن افواج کے داخلے کی اجازت دیدی تھی اس پر سوویٹ نے جواب دیا۔

"سوویٹ حکومت بلغاریہ کی حکومت سے اس خیال سے متفق نہیں ہے کہ اس کا یہ طرزِ عمل بلقان میں امن قائم رکھے گا۔ یہ طریقہ کار اس کو جنگ کی آگ میں جھونک دے گا۔"

سوویٹ کے مندرجہ بالا اعلان پر برطانوی اخبارات نے تبصرہ کرتے ہوئے تحریر کیا۔

"روس کو بلقانی ریاستوں کی بجائے لفظوں کے ہتھیاروں سے مدد کرنی چاہیئے تھی تاہم روس کے موجودہ طرزِ عمل سے یوگوسلاویہ اور ترکی کو اتنی ہمت ضرور ہو جائے گی کہ وہ جرمنی کے سامنے آسانی سے سرِ تسلیم خم نہیں کرینگے۔"

بلقان میں جرمن اقدام نے روس اور برطانیہ دونوں کو متوحش کر دیا۔ چنانچہ ۱۷ فروری ۱۹۴۱ء کو مسٹر ایڈن لندن سے اور سر اسٹیفورڈ کرپس ماسکو سے ترکی پہنچے اور سوویٹ سفیر مقیم انگورہ سے طویل مذاکرات ہوئے۔ ان مذاکرات کی نوعیت کا ذکر اخبارات میں نہیں آیا البتہ ترکی میں جو باخبر برطانوی حلقے تھے انھوں نے ان مذاکرات کی کامیابی پر اظہارِ مسرت کرتے ہوئے اخبارات کے نمائندوں سے کہا کہ سوویٹ کا نقطۂ نگاہ برطانیہ سے ہم آہنگ تھا۔

بلغاریہ کو رام کرنے کے بعد جرمنی نے ترکی و یوگوسلاویہ کے خلاف اعصابی جنگ شروع کر دی۔ اس زمانہ میں جرمن حلقوں نے یہ خبر مشتہر کی کہ پولینڈ کی طرح جرمن حملہ کے ساتھ ساتھ روس بھی ترکی پر حملہ آور ہو جائے گا۔ اس خبر کی تردید کرتے ہوئے روسی حکومت نے حسبِ ذیل اعلان شائع کیا:۔

"غیر ممالک کے اخبارات میں یہ خبر شائع ہوئی ہے کہ ترکی کے جنگ میں آنے پر روس اس کی مشکلات سے فائدہ اٹھا کر پشت سے حملہ آور ہو گا۔ اس خبر کے دروغ ہونے کی بابت حکومت روس نے ترکی کو ایک مراسلہ روانہ کر دیا ہے جس کے اہم نکات یہ ہیں:"

۱۔ یہ خبر روس کے عام رویہ کے خلاف ہے۔

۲۔ اس شکل میں کہ ترکی بیرونی حملہ کی مدافعت کرے اور اپنے علاقوں کی حفاظت میں سرگرم ہو روس کامل طور پر اپنی غیر جانبداری اور عدم مداخلت کا یقین دلاتا ہے۔

یہ ترکی کو نہایت محتاط اشارہ تھا کہ جرمن اقدام کو روکے۔ ترکی نے تو اعصابی جنگ کا کامیاب مقابلہ کیا لیکن یوگوسلاویہ نے باوجود اپنی رعایا کی سخت مخالفت کے اتحاد ثلاثہ پر دستخط کر دیئے۔ لیکن چند روز بعد شاید روس کی سازش سے یوگوسلاویہ کے جمہور نے ریجنٹ شاہزادہ پال اور ان کی مجوزہ حکومت کے خلاف بغاوت کر کے ان کو گرفتار کر لیا اور نابالغ بادشاہ پیٹر کو تخت نشین کر دیا۔ اس وقت تمام باخبر دنیا کی نظریں ماسکو پر جمی ہوئی تھیں کہ دیکھیں روس کوئی قدم اٹھاتا ہے یا نہیں۔ روسی رویہ معلوم کرنے کے لئے غیر ممالک کے اخبارات نے ایک خبر شائع کی کہ سوویٹ روس نے جدید یوگوسلاویہ کی حکومت کے برسر اقتدار آنے پر مبارکباد کا پیغام روانہ کیا ہے۔ اس کی تردید کرتے ہوئے پراودا نے تحریر کیا:۔

"یہ کوئی غیر معمولی امر نہ ہوتا اگر یوگوسلاویہ کی جدید حکومت کو روس مبارکباد پیش کرتا۔ اگر ایسا نہیں کیا گیا تو اس کو روسی حکومت کی فروگذاشت خیال کرنا چاہیئے شاید روسی حکومت کو اس قسم کا خیال ہی نہ آیا کہ یوگوسلاویہ کا ماضی نہایت شاندار رہا ہے اور اس ملک کے جمہور مبارکباد کے مستحق ہیں۔"

پراوادا کی اس قسم کی ہمت افزا تحریر کے بعد روس کا یوگوسلاویہ کی جدید حکومت کو صرف ایک ہفتہ کے اندر تسلیم کر کے اس سے معاہدہ آشتی کر لینا اس امر کا اشارہ تھا کہ جرمنی کے خلاف یوگوسلاویہ کے اقدام کو روس اچھی نظر سے دیکھتا ہے۔ روس اور یوگوسلاویہ کے معاہدے نے برلن میں سنسنی پیدا کر دی اور انگلستان کے اخبار ڈیلی ٹیلیگراف نے اس واقعہ پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا۔

"جرمنی کا یہ خوف کہ اس کو کہیں اپنے مغربی و مشرقی محاذ پر نہ لڑنا پڑے پورا ہوتا معلوم ہوتا ہے۔"

ہنگری نے یوگوسلاویہ کے کچھ علاقہ پر قبضہ کیا تو ۱۳ر اپریل کو روس کے نائب وزیر خارجہ نے ہنگری کو اس ہمسایہ دشمنی پر ملامت کی۔ یہ تمام باتیں اس امر کی علامات تھیں کہ روس اور جرمنی کے تعلقات مکدر ہوتے جا رہے ہیں۔ اسی روز روس نے جاپان سے غیر جانبداری کا معاہدہ کیا اس پر تاریخی بصیرت رکھنے والوں کو اور یقین ہو گیا کہ جرمنی اور روس کے آپس کے تعلقات اس درجہ خراب ہو گئے ہیں کہ روس کو جاپان سے معاہدہ کر کے اپنے مشرقی محاذ کو محفوظ کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی ہے۔ ان حالات کی بناء پر تمام باخبر دنیا میں عام طور پر یہ کہا جا رہا تھا کہ روس و جرمنی میں تصادم ہونے والا ہے۔ برطانیہ اور دوسرے ممالک میں یہ خبر گرم تھی کہ جرمنی مشرقی سرحد پہ افواج جمع کر رہا ہے ۱۹ر اپریل ۱۹۴۱ء کو مسٹر چرچل نے دارالعوام میں ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"ان دنوں ہٹلر جنوب و مشرق کی سمت پیش قدمی کر رہا ہے نہ معلوم کس لمحہ ترکی پر حملہ ہو جائے لیکن متعدد علامات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ یوکرین کی زرخیز زمین اور کوہ قاف کے تیل کے چشمے جرمنی چاہتا ہے تاکہ ان ذخائر پر قبضہ کرنے کے بعد وہ انگریزی بولنے والی دنیا کی بیخ کنی شروع کر دے۔"

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ مسٹر چرچل نے انگریزی بولنے والی دنیا کہہ کر امریکہ کو متنبہ کر دیا کہ اس کا غیر جانبداری کا رویہ مہلک ہے اور برطانیہ پر جرمن فتح امریکہ کی شکست کے مترادف ہو گی

مسٹر چرچل نے دارالعوام میں جو کچھ کہا اس کی تصدیق پر اوادا کی اس خبر سے ہو گئی کہ بارہ ہزار مسلح جرمن افواج مع ٹینکوں وغیرہ کے فن لینڈ کی بندرگاہ پر لنگر انداز ہوئی ہیں یہ اس خطرہ کا اعلان تھا کہ جرمنی نہ صرف پولینڈ بلکہ فنلینڈ کی جانب سے بھی روس پر حملہ آور ہونا چاہتا تھا ان ہی ایام میں جرمنی کے فوجی اخبار نے اداریہ میں تحریر کیا۔

"ہمارے ناظرین کو یہ امر فراموش نہ کرنا چاہیئے کہ ہٹلر نے سب سے قبل بولشیوک کی دہشت انگیز حکومت کی مخالفت کی تھی"

عام زبان میں اس جملہ کا یہ مفہوم تھا کہ باوجود معاہدات کے روس وجرمنی میں تصادم ہونے کے امکانات موجود تھے۔ اگرچہ روسی حکومت علانیہ طور پر اس خبر کی تردید کر رہی تھی کہ جرمن افواج کا روس کے مغربی محاذ پر بہت وسیع پیمانے پر اجتماع ہو رہا ہے لیکن اندرونی طور پر روسی سیاست کا رخ بدل رہا تھا۔ ۱۹ اپریل ۱۹۴۱ء کو روس نے غیر ممالک کو حربی سامان روانہ کرنا بند کر دیا۔ چونکہ اب انھوں نے خود جنگ کی مکمل تیاری شروع کر دی تھی۔ مارشل ٹیموشنکو نے موجودہ جنگ کے تجربے کی روشنی میں جدید انداز پر روسی فوج کی تنظیم شروع کر دی تھی۔ ۱۹۴۱ء "یکم مئی" کے جشن کے موقع پر مارشل موصوف نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"بین الاقوامی تعلقات اس درجہ نازک ہو گئے ہیں کہ ہر قسم کے غیر متوقع حالات کے رونما ہونے کے امکانات پیدا ہو گئے ہیں۔ سوویٹ جمہور اور سرخ بحری وبری فوج کو اپنی مدافعت کے لئے مکمل طور پر تیار ہونا چاہئے۔ بحری وبری افواج کی تنظیم موجودہ ضرورت کے مطابق مکمل کر دی گئی ہے"

۶ مئی ۱۹۴۱ء کو جب اسٹالن نے مسٹر مولوٹوف وزیر اعظم روس کا قلمدان خود سنبھالا اور موخر الذکر صرف وزیر خارجہ رہ گئے اس تبدیلی سے یہ امر پایہ ثبوت کو پہنچ گیا کہ جرمنی اور روس کے تعلقات اس درجہ خراب ہو گئے ہیں کہ یا تو روس جنگ سے کنارہ کش رہنے کے لئے جرمنی سے کوئی ایسا معاہدہ کرنے والا ہے جس کی رُو سے خود مختاری برائے نام رہ جائے گی۔

اور جس کو جمہور سے خاموشی سے قبول کروانے کے لئے اسٹالن وزیر اعظم بنا ہے یا پھر جرمنی اور روس کے درمیان جنگ شروع ہونے والی ہے۔ اس وقت آلاتی ترقی سے حکمران طبقہ کی بے اعتنائی رنگ لا رہی تھی اور وہ متاسف و خجل تھے کہ انھوں نے بائیں بازو کی پارٹی کا پروگرام کیوں نہ مانا۔ آلات حرب کی کم مائیگی اسٹالن کو اس امر پر مجبور کر رہی تھی کہ جس طرح بھی ممکن ہو جنگ کو ملتوی کیا جائے اور اس مہلت سے فائدہ اٹھا کر زیادہ سے زیادہ آلاتی ترقی کی جائے۔ چنانچہ اسٹالن نے وزیر اعظم ہوتے ہی جرمنی سے مفاہمت کرنے اور جنگ کو التوا میں ڈالنے کے سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ جن ممالک کو جرمنی فتح کر چکا تھا لیکن روس میں ان مفتوح حکومتوں کے سفیروں کی حیثیت بیشتر کی طرح بدستور مانی جا رہی تھی اور یہ جرمنی کو ناگوار تھا۔ ان سفیروں کی خود مختار حیثیت کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا روس نے ناروے۔ بلجیم۔ یوگوسلاویہ کے سفیروں کو اطلاع دیدی کہ چونکہ ان کی حکومتیں ختم ہو چکی ہیں اس لئے ان کی سفارت بھی ختم ہو گئی۔ ابھی دنیا کے باخبر حلقوں میں اس امر پر تبصرہ و تنقید ہی ہو رہی تھی کہ آیا اسٹالن کا یہ اقدام جرمنی سے مفاہمت کی سمت پہلا قدم ہے یا صرف مہلت حاصل کرنے کا ایک طریقہ ہے کہ یورپ کی سیاسی بساط پر ایک اور مہرہ حرکت میں آیا۔

۱۰ مئی ۱۹۴۱ء کو ہٹلر کے نائب ہیس ایک فضائی جہاز میں اچانک انگلستان پہنچے مسٹر چرچل سے ہیس یہ کہنے تو کیوں جاتے کہ انگلستان پر حملہ ہونے والا ہے ظاہر ہے کہ کوئی باہم مفاہمت و صلح کا پیغام ہی لے کر گئے تھے۔ یہ امر ہنوز واضح نہیں ہوا کہ آیا برطانیہ اور جرمنی میں مفاہمت کی کوئی خفیہ گفت و شنید ہو رہی تھی جس کی تکمیل کے لئے ہیس انگلستان گئے اور روس پر جرمن حملہ ہو جانے کے بعد جب برطانیہ نے یہ دیکھا کہ گفت و شنید کا پوشیدہ مقصد پورا ہو گیا تو مذاکرات کو ختم کر دیا۔ یا مسٹر ہیس پہلی مرتبہ سیاسی مفاہمت کی سعی میں انگلستان آئے تھے ہیس کے انگلستان پہنچتے ہی یہ کہا جانے لگا کہ جرمنی اپنے مغربی محاذ کو محفوظ کرنے

کے لئے برطانیہ سے صلح کا کوشاں ہے اور روس پر حملہ ہونے والا ہے۔ یہ امر ہنوز صیغہ راز میں ہے کہ دراصل ہیس نے کیا شرائط پیش کیں لیکن ہیس کے مشن کے متعلق جو اہم بیانات واقعہ کے بہت بعد شائع ہوئے وہ حسب ذیل ہیں۔

جرمنی متعدد ممالک کو روس کے خلاف متحد کرنا چاہتا تھا۔ اس مقصد برآری کیلئے ہٹلر تمام دنیا کو یہ خوف دلاتا تھا کہ اگر روس کی مخالفت نہیں کی گئی تو تمام عالم میں بولشیوزم پھیل جائے گا۔ ۶ نومبر ۱۹۴۳ء کو اسٹالن نے ایک تقریر کے دوران میں جرمنی کی اس سیاست پر تنقید کرتے ہوئے کہا:۔

"قسطائی سیاستدان سمجھے کہ جیسا کہ فرانس میں ہوا تھا برطانیہ اور امریکہ میں بھی وہی ہتھیار کارگر ہو جائے گا یعنی ہیس اس لئے انگلستان روانہ کیا گیا تھا کہ برطانیہ اور امریکہ کو روس کی مخالفت پر آمادہ کرے۔ جرمنی کا اندازہ غلط ثابت ہوا۔ ان ممالک نے نہ صرف جرمنی کے ساتھ تعاون کرنے سے انکار کر دیا بلکہ روس سے متحد ہو کر جرمنی سے برسر پیکار ہو گئے۔"

۱۲ نومبر ۱۹۴۱ء کو مسٹر چرچل نے تقریر کے دوران میں کہا:۔

"ہر ہیس نے اس زمانہ میں متعدد بار اس قسم کی گفتگو کی کہ ہٹلر کا ارادہ برطانیہ پر حملہ کرنے کا نہ تھا بلکہ جرمنی برطانیہ کو بھوکا رکھ کر شکست دینا چاہتا تھا۔"

سوتھٹن کے نازی اخبار نے اکتوبر ۱۹۴۲ء میں تحریر کیا:۔

"ہیس کی پرواز دراصل ہٹلر کی اس سیاست کے بموجب تھی کہ برطانیہ سے صلح کر لی جائے۔ ہیس یہ شرائط لے کر گیا تھا کہ روس کا یوکرین اور کوہ قاف کا علاقہ جرمنی کو دیا جائے۔ سائبیریا پر جاپان کا قبضہ تسلیم کر لیا جائے باقی روس کو قوم و نسل کے اعتبار سے مختلف حصص میں تقسیم کر دیا جائے۔ برطانیہ کے پاس جو (مین ڈیٹ) تحویلی علاقے ہیں وہ اسی کے پاس رہیں گے خاص طور پر

مشرق وسطی کے علاقے۔ جرمنی ان علاقوں کی حفاظت کی ضمانت دے گا لیکن
جرمنی کو اس کی نو آبادیات واپس کر دی جائیں گی"۔

ہیس کے متعلق ہر امر ہنوز صیغہ راز میں ہے لیکن ہٹلر کی یہ خوش فہمی غلط تھی کہ جرمنی سے برطانیہ صلح کر کے روس کو تباہ کرا دے گا چونکہ روس کے بعد برطانیہ کو اپنی تباہی دکھائی دے رہی تھی۔ اس یقین کے بعد کہ ہیس کا مشن ناکامیاب رہا ہٹلر کا روس پر فوری حملہ اس لئے لازمی ہو گیا تاکہ پیشتر اس کے کہ روس اور برطانیہ مکمل طور پر امریکہ کی مدد سے تیار ہوں روس کو شکست دے کر برطانیہ پر ایسی شدید ضرب لگائی جائے کہ وہ جاں بر نہ ہو سکے۔ ہیس کی پرواز دنیا کے لئے ہنوز اچنبھا بنی ہوئی تھی اور اخبارات اس کے مشن کے متعلق قیاس آرائیوں میں مشغول تھے کہ ۷ جون ۱۹۴۱ء کو سر اسٹیفورڈ کرپس مذاکرات کے لئے برطانیہ بلائے گئے اور اس امر کا اظہار کر دیا گیا کہ برطانیہ کو یقین ہے کہ روس پر جرمن حملہ ہونے والا ہے۔ تمام دنیا جرمنی و روس کی جنگ کے امکانات پر بحث و مباحثہ کر رہی تھی لیکن روس اگرچہ حملہ کی مدافعت کے لئے پورا انتظام کر رہا تھا لیکن اس قسم کا کوئی اقدام نہیں کرنا چاہتا تھا کہ جرمنی کو حملے کے لئے بہانہ مل جائے چنانچہ ان افواہوں کی تردید میں ۱۳ جون ۱۹۴۱ء کو ماسکو کی نشر گاہ سے حسب ذیل سرکاری اعلان نشر ہوا۔

۱۔ جرمنی نے روس کے روبرو نہ کوئی نئے مطالبات پیش کئے ہیں اور نہ کسی نئے معاہدے کی خواہش ظاہر کی ہے۔

۲۔ روسی اطلاعات کے مطابق جرمنی کا ارادہ جرمن روسی معاہدے کی خلاف ورزی کرنے کا نہیں ہے اور ان افواہوں میں کوئی حقیقت نہیں ہے کہ روس پر جرمنی حملہ کرنے والا ہے۔ جرمنی کے شمالی و مشرقی علاقوں میں جو افواج کا اجتماع ہو رہا ہے وہ بلقان سے واپس ہونے والی افواج ہیں اور ان کا روسی و جرمن تعلقات سے کوئی واسطہ نہیں ہے۔

۳۔ روس اور جرمنی میں جو پیکٹ ہو چکا ہے روس اس کی پابندی کرتا رہے گا اس لئے

یہ افواہیں قطعی غلط ہیں کہ جرمنی کے خلاف روس جنگ کی تیاری میں مشغول ہے۔

۴۔ روس کے مغربی محاذ پر (ریزروسٹ RESER VEST) سرخ فوج کی جو قواعد وغیرہ ہو رہی ہے یہ ایک سالانہ رسم ہے اس کے متعلق یہ کہنا کہ یہ جرمنی کے خلاف روس کا اقدام ہے غلط ہے۔

سیاسی دنیا میں یہ جانتے ہوئے کہ اس قسم کے دروغ پر کوئی یقین نہیں کرتا جھوٹ بولا جاتا ہے۔ حکومت روس کے اس سرکاری بیان کا کسی کو یقین نہیں آیا۔ ایک ہی وقت میں جرمن افواج کا شمال مشرقی علاقوں میں موجود رہنا اور روسی افواج کا جرمن محاذ کے قریب نقل و حرکت کرنا اس امر کی علامات تھیں کہ حالات نہایت نازک ہو چکے ہیں حالات کی نزاکت پر دُنیا بحث و مباحثہ کر رہی تھی کہ ۲۲ جون ۱۹۴۱ء کو جرمن فوجیں روسی سرحد میں داخل ہو گئیں۔

جرمنی اور روس کی جنگ!

جرمنی نے بلا اعلان جنگ کئے پولینڈ، فن لینڈ، رومانیہ کی سمت سے روس کے اہم مقامات زیٹومیر، کیو، سبسٹاپول، کاناس پر حملہ کیا۔ حملہ کے ڈیڑھ گھنٹے بعد جرمن سفیر نے مسٹر مولوٹوف کو تحریری اعلان جنگ دیا۔ اسی روز صبح کے پانچ بجے ہٹلر اور گوبلز نے جرمن اقوام کے نام ایک بیان نشر کیا جس میں یہ بتایا گیا تھا کہ برطانیہ اور امریکہ کے تعاون سے روس کا جرمنی پر حملہ ہونے والا تھا۔ اس خطرے کا سد باب کرنے کے لئے جرمن حکومت نے یہی مناسب خیال کیا کہ روس کے جارحانہ اقدام سے قبل ہی اس پر حملہ کر دیا جائے چونکہ بعض مرتبہ حملہ آور ہونا مدافعت کی بہترین شکل ہوتی ہے اس نکتہ کے انکشاف کے بعد ہٹلر نے کہا۔

"جب ہماری بہادر افواج ۱۰ مئی ۱۹۴۰ء سے برطانیہ اور فرانس کی حربی طاقت پر شدید ضربیں لگا کر اس کو پارہ پارہ کرنے میں مشغول تھیں اس وقت سے روس اپنی حربی طاقت کو خطرناک نقطہ تک بڑھانے میں مشغول تھا۔ اگست ۱۹۴۰ء کے بعد میں نے جرمنی کے مشرقی علاقوں کے تحفظ کا انتظام کرنا شروع کر دیا تھا تاکہ بولشیوک کی جانب سے اگر خطرہ پیدا ہو تو اس کا انسداد ہو سکے

مشرقی محاذ پر روس کے خطرناک فوجی اجتماع کی وجہ سے کثیر جرمن افواج کو مشرق میں متعین کرنا پڑا اور اس طرح برطانیہ اور روس کی یہ سیاست کہ جرمن افواج اور خاص طور پر اس کا فضائی بیڑا (لٹوا خ) مشرق میں عضو معطل بنا رہے اور مغرب میں فیصلہ کن قدم نہ اٹھایا جاسکے کامیاب ہوتی رہی۔"

اسی روز دن کے گیارہ بجے مسٹر مولوٹوف نے باشندگان روس کی اطلاع کے لئے جرمنی کا اعلان جنگ اور اس کے اچانک حملے کے حالات نشر کئے اور جمہور کو اس امر کی تلقین کی کہ تنظیم اور بہادری سے جرمن حملہ کی مدافعت میں سرگرم ہو جائیں ایک دوسرے کے ارادوں پر شکوک کے تذکرے جو اب تک اشاروں کنایوں میں ہوتے تھے۔ ۲۲ جون ۱۹۴۱ء کو روس و جرمنی میں ان کا اعلان ببانگ دہل ہونے لگا۔ کل کے دوست آج ایک دوسرے کی جان کے دشمن ہو رہے تھے لیکن برطانیہ میں حالات مختلف تھے۔ انگریز مدبر دلوں میں اپنی کامیاب سیاست پر مسرور۔ جرمن و روس کے دست و گریباں ہونے سے مطمئن و شاداں لیکن چہروں پر سیاسی متانت و سنجیدگی کے پردے ڈالے ہوئے سرگرم عمل تھے اس ہی دن مسٹر ایڈن نے روس کے سفیر مسٹر مئسکی سے ملاقات کی اور تعاون کا ایک متفقہ لائحہ عمل فوراً اقرار پا گیا۔ شام کے نو بجے وزیر اعظم برطانیہ مسٹر چرچل نے فیصلہ کن بیان نشر کرتے ہوئے کہا:۔

اس جنگ میں ہم تین منزلوں سے گذر چکے ہیں پہلی منزل وہ تھی جبکہ فرانس اچانک طور پر زیر ہو گیا اور جرمنی کی تمام تباہ کن طاقت کا ہم کو تنہا مقابلہ کرنا پڑا دوسری منزل وہ تھی جب ہم نے جرمنی کے فضائی حملوں کو کامیاب طور پر روکا اور اس جزیرہ پر نازیوں کے لنگر انداز ہونے کے امکانات کو فنا کر دیا۔ تیسری منزل وہ تھی جب لینڈ لیز کے ماتحت امریکہ نے ہماری مدد کے لئے دو ارب پونڈ دیئے چوتھی منزل سے ہم اس وقت گذر رہے ہیں آج صبح چار بجے جرمنی نے روس پر حملہ کر دیا ہے۔ اگر روس کو فنا کرنے میں جرمنی کامیاب ہو گیا تو پچاس کروڑ

چینی اور پینتیس کروڑ ہندوستانی قعر مذلت میں پہنچ جائیں گے..... اب میں جرمنی اور روس کی جنگ کے متعلق برطانیہ عظمیٰ کا فیصلہ سناتا ہوں اور مجھے امید ہے یہ فیصلہ ہماری نوآبادیات کو بھی قبول ہو گا۔ مجھے ایک اعلان کرنا ہے کیا آپ لوگ اس اعلان کی نوعیت کی بابت شک کر سکتے ہیں؟ ہم نے آلاتی حربی و اقتصادی مدد جو ہمارے امکان میں ہے روس کو دینے کا وعدہ کیا ہے۔ مجھے اس امر کے متعلق اظہار خیال کرنے کی ضرورت نہیں کہ اس سلسلہ میں امریکہ کا کیا رویہ رہے گا لیکن میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہٹلر کو یہ خیال ہے کہ جرمنی کا یہ اقدام جمہوریتوں کو خاموش کر دے گا اور ان کی جنگی سرگرمیوں اور شدت میں کمی واقع ہو جائے گی تو اس کا یہ خیال قطعی غلط ثابت ہو گا۔ روس کا خطرہ ہمارا خطرہ ہے چونکہ روس کو شکست دینے کے بعد جرمنی برطانیہ کا رُخ کریگا"۔

۲۳ جون ۱۹۴۱ء کو دنیا کے تمام باخبر سیاسی حلقوں میں روس کی مدافعت کی اہلیت و استعداد پر چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ اکثر و بیشتر یہ خیال کیا جا رہا تھا کہ روس چند ماہ کا مہمان ہے اس اندازے کی صحت کے ثبوت میں روس اور فنلینڈ کی جنگ پیش کی جا رہی تھی برطانیہ میں بھی بیشتر سیاسی مدبروں کا اندازہ یہ ہی تھا تاہم اس وقت سیاست کا تقاضا تھا کہ روس کو ہر امکانی مدد دی جائے تاکہ وہ فرانس کی طرح فوراً خاکستر نہ ہو جائے بلکہ طویل مدت تک جرمنی سے برسرِپیکار رہے۔ اس سیاست کی بنیاد اس حقیقت پر تھی کہ تصادم کے بعد اختتام جنگ پر جرمنی اور روس میں سے بظاہر کسی فریق کو بھی فتح ہو وہ حقیقتاً برطانیہ ہی کی فتح ہو گی۔ اب برطانیہ کی وہی حیثیت تھی جو اس حملہ سے قبل روس کی تھی یعنی فسطائی حکومتوں اور سرمایہ دار جمہوریتوں میں طویل جنگ کے بعد جس فریق کو بھی فتح ہوتی وہ دراصل روس کی فتح ہوتی۔ عصر حاضر کی جنگوں کی خاص خصوصیت یہ ہے کہ ان میں جو شکست یافتہ ہو

وہ تو فنا ہو ہی جاتا ہے لیکن فاتح بھی نیم جاں ضرور ہو جاتا ہے اور جنگ کے بعد فاتح ہونے کے باوجود اس میں اتنی طاقت باقی نہیں رہتی کہ وہ ہمسایہ ممالک کے دست ہوس کو موڑ سکے روس کو مدد دینے کے لئے برطانیہ کا پیمانہ یہ تھا کہ اس کو صرف اس قدر مدد دی جائے کہ وہ فوراً دو زانو نہ ہو جائے بلکہ طویل مدت تک جرمنی کا مقابلہ کر کے خود نیم جاں ہو جائے اور جرمنی کو تباہ کر دے تاکہ جنگ کے اختتام پر روس میں اتنی طاقت باقی نہ رہے کہ وہ اس نظام کی جو برطانیہ وسط یورپ میں قائم کرنا چاہتا ہے کامیاب مزاحمت کر سکے چنانچہ اس پیمانہ کے مطابق برطانیہ نے روس کو امداد دینی شروع کی۔

۲۴ جون کو مسٹر ایڈن نے ایک اعلان کرتے ہوئے کہا کہ برطانیہ کے اقتصادی و فوجی مشن کی ماسکو روانگی کی تجویز روسی حکومت نے منظور کر لی ہے اور آئندہ روس سے تعلقات کی بنیاد مشترکہ تعاون کے اصول پر قائم کی جائے گی۔ اس اعلان پر اظہار مسرت و تشکر کرتے ہوئے ۳ جولائی کو اسٹالن نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"برطانیہ کا تاریخی اعلان جس میں روس کو امداد دینے کا وعدہ کیا گیا ہے نیز امریکہ کا امدادی وعدہ روسیوں کے دلوں میں جذبات تشکر پیدا کرتا ہے"۔

زمانہ کے تغیر و تبدل عجیب ہیں ۱۹۲۱ء کا ذکر ہے کہ برطانیہ روس کے باغی عناصر اور پولینڈ کو بولشیوک کے خلاف حربی امداد دے رہا تھا۔ روس کی مکمل اقتصادی ناکہ بندی کی جا رہی تھی لیکن ۱۹۴۰ء میں وہی برطانیہ روس سے ہم آغوش ہو رہا تھا۔ ان تمہیدی رسومات تشکر کی ادائیگی کے بعد ۱۲ جولائی ۱۹۴۱ء کو روس و برطانیہ کے درمیان ایک معاہدہ ہوا جسکی شرائط حسب ذیل تھیں:۔

۱۔ فریقین جرمنی کے خلاف ایک دوسرے کو مدد دینے کا وعدہ کرتے ہیں۔

۲۔ فریقین وعدہ کرتے ہیں کہ مشترکہ رضامندی کے بغیر دونوں میں سے کوئی بھی جرمنی سے صلح یا عارضی صلح کی گفت و شنید شروع نہیں کرے گا۔

اس معاہدے سے برطانیہ کا یہ خطرہ ظاہر ہوتا تھا کہ متعدد شدید شکستوں کے بعد روس کہیں جرمنی سے صلح کی گفت وشنید کا آغاز نہ کردے اور روس کا یہ خدشہ نمایاں تھا کہ روس کی شکستوں سے متاثر ہو کر برطانیہ اپنے ہنگامی مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے جرمنی سے نامہ وپیام نہ شروع کردے۔ دلوں میں اگرچہ ایک دوسرے کے کردار پر شک وشبہ ہی رہا لیکن اس معاہدے کے بعد روس کو بظاہر برطانیہ کے اتحادی ہونے کا فخر حاصل ہو گیا اور وہ اتحادی کے لقب سے پکارا جانے لگا۔

اتحادی ہونے کے باوجود روس کی سمت برطانیہ کی دورُخی سیاست کا ہر امر میں انکشاف ہوتا رہتا تھا۔ برطانیہ اگرچہ جرمنی کے خلاف روس کو امداد دینا چاہتا تھا۔ لیکن ساتھ ساتھ وہ حالات بھی پیدا کرنا چاہتا تھا جو دنیا میں اشتراکیت کا عروج اور روس کا وقار نہ بڑھنے دیں۔

اس سلسلہ میں چند واقعات نہایت دلچسپ ہیں ۶ جولائی ۱۹۴۱ء سے قبل بی۔ بی۔ سی اتوار کے روز شب کو ۹ بجے کی خبریں نشر کرنے سے قبل برطانیہ کے تمام اتحادیوں کے قومی نغمے یکجہتی اور ہمنوائی کے اعلان کے طور پر نشر کیا کرتا تھا۔ آغاز جنگ سے یہ دستور چلا آتا تھا لیکن ۶ جولائی کو سوویٹ روس کا قومی نغمہ انٹرنیشنل نشر نہیں کیا گیا۔ سوویٹ روس کی جانب سے برطانیہ اتنا محتاط تھا کہ وہ اشتراکی ملک کا نغمہ بھی انگریزی بولنے والی اور محکوم اقوام کے کانوں تک نہیں پہنچانا چاہتا تھا۔ جب دار العوام میں اس بندش کے متعلق سوال کیا گیا تو حکومت نے جواب دیا کہ روس ہنوز اتحادیوں کی تعریف میں نہیں آتا اس لئے اسکا قومی نغمہ نشر نہیں کیا گیا۔ ۱۲ جولائی کو روسی و برطانوی معاہدہ نشر ہونے کے بعد یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ چونکہ روس اب باقاعدہ اتحادی ہو گیا ہے اس لئے ۱۳ جولائی اتوار کے روز بی۔ بی۔ سی سے انٹرنیشنل ضرور نشر ہو گا لیکن حیرت کی کوئی انتہا نہیں رہی جب اتوار کے روز بجائے انٹرنیشنل کے روسی فوج کے خرام کا ایک نغمہ نشر کر دیا گیا۔ معاونین روس کو تحقیقات سے علم ہوا کہ محکمہ خارجہ نے بی۔ بی۔ سی سے انٹرنیشنل کا نغمہ نشر کرنا ممنوع قرار دے دیا ہے۔ اس

مسئلہ پر جب چہ میگوئیاں ہونے لگیں تو برطانوی حکومت نے روسی سفارت خانہ سے دریافت کیا کہ وہ کسی اور روسی نغمہ کو انٹرنیشنل کی بجائے پسند نہیں کریں گے مسٹر میسکی کا نفی میں جواب آنے پر برطانوی حکومت عجیب الجھن میں پڑ گئی اور آخر کار یہ فیصلہ ہوا کہ بی بی سی سے کسی دوسری قوم کا بھی قومی نغمہ نشر نہ کیا جائے ۱۶ جولائی ۱۹۴۱ء کو وزیر اطلاعات نے حکومت کی اس حکمت کا اعلان کر دیا۔

جنگ کے آغاز کو صرف ۲۳ روز گذرے تھے کہ جرمنی کی فاتح افواج شمال میں ماسکو کے دروازے سمولنسکی اور جنوب میں کوہ قاف کے دروازے اوڈیسا میں داخل ہو گئی تھیں اگست ۱۹۴۱ء میں حالات اتنے نازک ہو گئے تھے کہ کیو اور لینن گراڈ کے گرد و نواح میں شدید جنگ ہو رہی تھی اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ ان دونوں اہم ترین مقامات پر چند روز میں جرمنی پرچم لہرائے گا۔ جرمن حملے اس درجہ شدید اور تباہ کن تھے کہ روکے نہیں رکتے تھے کثیر روسی افواج جو خطرے کی مدافعت کے لئے لاکھوں کی تعداد میں بہترین روسی آلاتِ حرب سے آراستہ تھیں فاتح جرمن افواج کے سامنے سنگ و خشت سے زیادہ اہمیت نہیں رکھتی تھیں لیکن سنگ و خشت کے بھی فوائد ہوتے ہیں ان کا راستے میں ہونا افواج کی تیز خرامی میں تاخیر ضرور پیدا کر دیتا ہے اور اس تاخیر پر روس کی فتح و شکست کا انحصار تھا۔ ہٹلر نے اپنے زعم باطل میں یہ اندازہ لگایا تھا کہ اس کی ناقابل تسخیر افواج موسم سرما کی آمد سے قبل ہی روس کو مکمل شکست دے دیں گی اس لئے فوجوں کے لئے سردی کا ضروری انتظام غیر ضروری خیال کیا گیا تھا۔ روس کو فنلینڈ کی جنگ میں یہ تلخ تجربہ ہو چکا تھا کہ موسم سرما میں جب گز دو گز برف پڑا ہوا ہو۔ کہر نے نصف دن میں شب کی سی تاریکی پیدا کر رکھی تھی ان حالات میں نہ تیل کے انجن کے زور سے چلنے والے ٹینک۔ لاریاں وغیرہ کام دے سکتی ہیں اور نہ فضائی جہاز فوجی مستقروں پر کامیاب گولہ باری کر سکتے ہیں۔ روس کی تمام ترسعی یہ تھی کہ مشرقی علاقوں سے تمام حربی صنعت و حرفت کو یورال کے مشرق میں لے جا کر نصب کر دیا جائے اور جرمن افواج کا

اس انداز سے مقابلہ کیا جائے کہ موسم سرما آجائے اس حکمت عملی کے بموجب خارکوف ۔ کیو ڈون بیسن ۔ ماسکو لینن گریڈ سے جو فیکٹریاں لے جائی جاسکیں ان کو کوہ یورال کے مشرق میں لے جاکر نصب کر دیا گیا اور کروڑوں روسی مزدور رات دن ان مشینوں پر کام کرنے میں مشغول ہوگئے جن لوگوں نے نقل صنعت و حرفت کے چشم دید واقعات تحریر کئے ہیں وہ مزدوروں کی محنت و جانفشانی میں رطب اللسان ہیں ۔ انھوں نے لکھا ہے کہ اس زمانہ میں ہفتوں تک مشینوں سے لدی ہوئی ریل گاڑیوں ۔ لاریوں کا ایک نہ ختم ہونے والا جلوس مشرق کی سمت رواں تھا ۔ مزدور مشینوں کو شبنم یا برف سے بچانے کے لئے ان پر اپنے لبادے ڈال دیتے تھے اور خود سردی کے مصائب برداشت کرتے تھے ۔ ماسکو کے خطرے میں آجانے کے بعد سفارت خانوں کے کیبوشیو منتقل ہونے کے جو حالات سر اسٹیفورڈ کرپس کی خاتون سکرٹری نے قلم بند کئے ہیں ان میں ضمناً یہ بھی تحریر کیا ہے کہ پانچ سو میل کی مسافت طے کرنے میں ان کے پانچ روز صرف ہوئے ۔ چونکہ مشینوں ۔ کلوں اور آلات سے لدی ہوئی گاڑیاں رواں تھیں اور اس لئے ان کی گاڑی روک دی جاتی تھی ۔ روس وسعت سے فائدہ اٹھا کر مختلف مقامات کی تمام آبادی مویشی اور اشیاء منقولہ کو مشرق میں لے جا رہا تھا ۔ اور جو برقی مستقر وغیرہ مثلاً ڈنیپر کا برقی مستقر جو پہلے پنج سالہ پلان کا حاصل اور کروڑوں پونڈ صرف کر کے تیار ہوا تھا اس کو روسی اپنے ہاتھوں سے تباہ و برباد کر رہے تھے ۔ ہر کام کے لئے دستے بن گئے تھے ایک دستہ کا کام عورتوں کو دوسرے کا بچوں کو تیسرے کا مویشیوں کو ۔ چوتھے کا اناج کے ذخیروں کو حفاظت کی جگہ پہنچانا تھا ۔ غرضکہ مختلف دستوں کے مختلف کام سپرد تھے جو نہایت تنظیم کے ساتھ کئے جا رہے تھے ۔ فرانس کے سے مناظر کہ شہر کے خطرے میں آنے پر آبادی ایسی بے تحاشا بھاگی کہ فرانس کی فوجوں کی آزادانہ نقل و حرکت کو روک دیا روس میں پیش نہیں آئے ۔ ان روسی دستوں میں ایک کا یہ فرض تھا کہ شہر سے جو شے نہ لے جائی جاسکے اس کو قطعی اس قابل نہ چھوڑا جائے کہ دشمن کے کام آسکے ۔ چنانچہ بارود کے ذریعہ سے تمام عمارات و برقی و آبی مستقر

تباہ کئے جا رہے تھے۔

پہلی جنگِ عظیم میں جب روس پر جرمن حملہ ہوا اور روسی فوجیں مزاحمت کی تاب نہ لا سکیں تو زارِ روس کے وزیرِ جنگ نے روس کی پارلیمان ڈوما میں جنگی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا۔

"ہماری فتح کا انحصار روس کی وسعت۔ اس کی دشوار گزار دلدلوں۔ موسم سرما کی شدت اور سینٹ نیکو کی شفقت پر ہے"۔

شاید اس زمانہ میں اسٹالن سے لے کر فیکٹری کے مزدور تک کا قدرت کی ان فیاضیوں ہی پر بھروسہ تھا اور بس۔ اور حقیقت یہ ہے کہ روس کی نصف فتح اس کی وسعت ناقابلِ عبور دلدلوں اور موسمِ سرما کی شدت کی وجہ سے ہوئی۔ یہ روس کے وہ جنرل ہیں جنھوں نے نپولین کو شکست دی اور ہٹلر کو قبر کی آغوش میں سلایا۔ اس سلسلہ میں حسبِ ذیل ایک لطیفہ مشہور ہے۔

ہٹلر روس پر حملہ آور ہونے کے بعد نپولین کے مزار پر گیا اور اس کو چیکوسلاویہ ہنگری۔ پولینڈ۔ ناروے۔ ڈنمارک۔ بلجیم۔ فرانس کی فتوحات کا حال سناتا رہا۔ جب کبھی کسی نئے ملک پر حملہ آور ہونے کا ذکر کرتا تو قبر سے مرحبا و مبارکباد کی آواز آتی۔ آخر میں ہٹلر نے روس پر جرمن حملہ کا ذکر کیا۔ اس پر اس قبر سے بجائے مرحبا اور مبارکباد کے کھڑ بڑ کی آواز آنے لگی۔ کچھ توقف کے بعد ہٹلر نے کہا۔ روس پر حملہ کی خبر سن کر آپ خاموش کیوں ہو گئے۔ اس پر قبر سے جواب آیا۔ ہٹلر میں تیرے لئے قبر میں جگہ بنا رہا ہوں۔

روس کے جنرل سرما۔ جنرل وسعت۔ جنرل دلدل واقعی وہ جنرل ہیں جن کے سامنے کوئی طریقہ جنگ کام نہیں دے سکتا۔ جرمنی کا طریقہ جنگ جس کو بلٹز کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے عوام میں ایک ایسا موثر طریقہ جنگ متصور کیا جانے لگا تھا کہ گویا اس کا روکنا عناصر کی حرکت کو روکنے سے کہیں زیادہ دشوار ہو۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ اپنے فوجی افسرانِ اعلیٰ کی ناقابلیت اور فوج کی حربی کمزوری پر پردہ ڈالنے کے لئے اتحادیوں نے

جس طرح جرمنی کے پانچویں دستے کی تشہیر کی بلٹز کا ذکر بھی اس طرح کیا جیسے یہ کوئی مافوق الفطرت طریقۂ پیکار ہو۔ حالانکہ بلٹز وہی فرسودہ طریقہ جنگ ہے جس کا بنیادی اصول یہ ہے کہ بجائے تمام محاذ پر حملہ آور ہونے کے ایک نقطہ پر شدید ترین حملہ کیا جائے اور وہاں شگاف ڈال کر دشمن کی پشت پر نکل جایا جائے پھر دوسرے نقطہ پر حملہ ہو اور یہ ہی عمل جراحی کیا جائے۔ دونوں شگافوں کے درمیان جو فوج گھر جائے اس کو تہ تیغ کر دیا جاتے۔ جرمنی کے پاس چونکہ تیز رفتار ٹینک۔ لاریاں اور کثیر تعداد میں ذرائع رسل و رسائل تھے اس لئے وہ کسی ایک نقطہ پر فوراً کثیر تعداد میں افواج سامانِ حرب۔ آلاتِ جنگ جمع کر کے شدید حملہ کرتا تھا۔ اور روسی صفوں کو چیر کر دشمن کی پشت پر نکل جاتا تھا۔ اگر تمام مشرقی محاذ کو مجموعی حیثیت سے دیکھا جاتے تو روسی فوجیں جرمنوں کے مقابلہ میں اکثریت میں تھیں اور ستم ظریفی یہ تھی کہ بسا اوقات روسیوں کو یہ علم بھی ہوتا تھا کہ جرمن فلاں فلاں مقام پر حملہ کرنے والے ہیں لیکن اس کا کیا کیا جاتا کہ قبل اس کے کہ روس اپنے سست رفتار ٹینک۔ ہوائی جہاز۔ لاریوں میں افواج و سامانِ حرب لے کر اس نقطہ پر پہنچتا۔ جرمنی اپنے کثیر اور تیز رفتار ذرائع رسل و رسائل کی وجہ سے وہاں حملہ کر کے اس میں شگاف ڈال دیتا تھا۔ چونکہ دوسرے حریف ممالک آلاتی طور پر جرمنی کے مدمقابل نہ تھے اس لئے اس کا بلٹز کا طریقۂ جنگ ہر جگہ کامیاب ہوتا جاتا تھا۔ وقت کے عنصر پر بلٹز کی کامیابی کا دارومدار تھا اگر روس بھی آلاتی طور پر جرمنی کا مدِمقابل ہوتا اور جس نکتہ پر جرمنی آلات و افواج جمع کرتا اس سے زیادہ تیزی سے کثیر آلات و افواج مدمقابل لانے کی اہلیت رکھتا تو بلٹز کامیاب نہ ہوتی۔ روس کے حکمران طبقہ نے خطرے سے آگاہ کرنے والی زبانوں کو تراش دیا اور حزب اختلاف کے آلاتی ترقی کے پروگرام کا مذاق اڑانا۔ نیز ان کو طعن کے طور پر "آلاتی دیو" کا لقب دینا اور اس کے مقابلہ پر اسٹالن کا یہ غلط نظریہ کہ زراعتی روس کے لئے آلاتی ترقی اتنی ہی غیر ضروری ہے جتنا کہ ایک کسان کے لئے بجائے گائے کے گراموفون

خریدنا اسٹالن کا واحد ملک میں اشتراکیت کا نظریہ جس میں یہ نکتہ بھی بیان کیا گیا تھا کہ روس کے لئے آلاتی ترقی کی تیز رفتاری کا تعین دوسرے ترقی یافتہ ممالک کی تیز رفتاری کو مدنظر رکھ کر کرنا ضروری نہیں ہے لاکھوں روسیوں کی موت میں رونما ہو رہا تھا۔ اگر روس کا حکمران طبقہ اپنی ذات کے مفاد کو نظر انداز کر کے آلاتی پروگرام کو دو سال قبل جاری ہونے دیتا اور آلاتی ترقی کی رفتار کو تیز تر کر دیتا تو اس وقت روس حربی طور پر اتنا توانا ہوتا کہ جرمنی کو روس پر حملہ آور ہونے کی جرأت نہ ہوتی اور اگر جرمنی حملہ آور بھی ہوتا تو پولینڈ ہی کی سرزمین پر اس کو شکست فاش ہوتی۔ ۱۹۳۸ء میں تجربہ کار و جنگ دیدہ فیلڈ مارشلوں اور جنرلوں کے خون سے حکمران طبقہ نے جو ہولی کھیلی تھی وہ بھی رنگ لا رہی تھی۔ فیلڈ مارشل ٹخاچکی کی یہ تنقید کہ روس کی فوجی صنعتیں نہایت کمزور۔ کم رفتار اور فرسودہ قسم کے حربی آلات تیار کر رہی ہیں اور ان کمزور آلاتی ہتھیاروں سے ملک کی حفاظت کی ذمہ داری نہیں لی جا سکتی۔ درست ثابت ہو رہی تھی۔ آلاتی پستی کی وجہ سے روس کے پاس جرمن بلٹنز کا صرف یہ جواب تھا کہ مدافعت کرتے ہوئے پسپا ہوں یہاں تک کہ موسم سرما اور برطانوی و امریکی مدد آکر وہ کام کر دے جو واحد ملک میں اشتراکیت کا نظریہ پیش کرنے والے نہ کر سکتے تھے پسپائی میں یہ بھی قدرتی فائدہ تھا کہ جرمن محاذ گہرا اور طویل ہونا جاتا تھا۔ اس محاذ پر رسد پہنچانے کے لئے جرمنی کو ذرائع رسل و رسائل کو طویل کرنا پڑتا تھا۔ اس طرح روسی گوریلے رسد کو لوٹنے اور تباہ کرنے میں کامیاب ہو جاتے تھے۔ موجودہ طریقہ جنگ میں بروقت رسد کا نہ پہنچنا نہایت مہلک ثابت ہو سکتا ہے۔ اس لئے جرمنی کو اپنی فوج کا معتدبہ حصہ رسد کی حفاظت کے لئے وقف کرنا پڑ رہا تھا۔ جو فوج صف آرا ہو کر فیصلہ کن جنگ میں حصہ لیتی وہ پولیس کا کام کرنے لگی۔ رسد پہنچنے میں روسی گوریلوں نے مشکلات پیدا کیں تو جرمن اقدام بھی آہستہ ہو گیا۔

جنگ کے ابتدائی سال میں مارشل ورشیلوف اور مارشل بوڈینی پر ملکی حفاظت کی

ذمہ داری عائد کی گئی۔ ان دونوں کی فوجی قابلیت پر لینن وٹراٹسکی نے جو حقارت آمیز خیالات کا اظہار کیا تھا وہ اہل نظر سے پوشیدہ نہیں ہیں۔ اول تو آلات جنگ ناکارہ دوسرے افسر ناقابل۔ ملک تباہ نہ ہوتا تو اور کیا ہوتا۔ روس کے مغربی محاذ سے مارشل ویرلشلوف کے اخراج کے بعد مارشل تموشنکو مقرر ہوئے۔ مارشل موصوف نوعمر ہیں۔ پہلی جنگ عظیم میں ان کی عمر مشکل سے بیس سال ہوگی۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ ان کی پشت پر جو کچھ بھی عملی تجربہ تھا وہ فنیش جنگ کا تھا۔ اس معمولی سے عملی تجربہ کے بعد مارشل موصوف نے جس فوجی اہلیت کا ثبوت دیا اس کو قابل تعریف ہی خیال کرنا چاہیے۔ یہ امر غور طلب ہے کہ جنگ کے ابتدائی دو سال یعنی افتادگی کے زمانہ میں جب شکست پر شکست ہورہی تھی مارشل اسٹالن نے کبھی اپنے نام کو فوج سے منسوب نہیں کیا البتہ جنگ کے دو سال گذرنے کے بعد جب روسی افسران کو میدان جنگ کا خوب تجربہ ہوگیا۔ یورال کے کارخانوں سے تیز رو ٹینک۔ فضائی جہاز برق رفتار موٹریں آنے لگیں۔ بحر اطلانتک اور خلیج فارس سے کثیر برطانوی اور امریکی سامان حرب روس پہنچ گیا۔ اس وقت اخبارات میں یہ پڑھا گیا کہ روسی فوج کی کمان مارشل اسٹالن فرمارہے ہیں۔ اپنا اعزاز برقرار رکھنے کے لئے چالاک فطرتیں افتادگی میں منھ چھپا لیتی ہیں البتہ ان کا ناخن تدبیر اس وقت خوب کام کرتا ہے جب عقدہ بے گرہ ہوجاتا ہے۔

روس کی متواتر شکستیں صرف روسیوں ہی کو خون کے آنسو نہیں رلوارہی تھیں بلکہ جرمنی کے متواتر تباہ کن حملوں سے برطانیہ اور امریکہ کو یہ خوف پیدا ہوگیا کہ کہیں دو چار مزید شکستیں روس کی کمر ہمت نہ توڑ دیں۔ اس خطرناک امکان کا سدباب کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ روس کی ہمت افزائی کی جاتی اور اس کو جلد از جلد مدد کی امید دلائی جاتی۔ چنانچہ مسٹر چرچل اور مسٹر روزویلٹ میں خفیہ طور پر بحر اطلانتک میں مذاکرات کے لئے ملاقات ہوئی۔ چند روز تبادلۂ خیالات کے بعد ۱۴ اگست کو اعلان شائع ہوا جو "اطلانٹک چارٹر" کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس میں آئندہ نظام عالم کی تشکیل کے متعلق نہایت خوش کن باتیں کی گئی تھیں

اور بنی نوع کی اخوت محکوم ممالک کی آزادی۔ اقوام و افراد میں اقتصادی مساوات کا نہایت بلند آہنگی سے تذکرہ کیا گیا تھا دنیا حیرت میں رہ گئی جب کچھ عرصہ بعد ہر دو مدبروں نے اس اعلان کی تکذیب کر دی۔ قطع نظر اس امر کے کہ یہ چارٹر ایک دستاویز تھی یا صرف ایک نفسانی اعلان تھا۔ یہ امر واقعہ ہے کہ وزیر اعظم برطانیہ اور صدر امریکہ نے اپنی خفیہ بحری قیام گاہ سے اسٹالن کو ایک پیغام روانہ کیا جس میں یہ تجویز پیش کی گئی تھی کہ ماسکو میں مشترکہ کانفرنس منعقد کی جائے جس میں اس امر پر غور و خوض کیا جائے کہ روس کو کس طرح جلد زیادہ سے زیادہ سامان پہنچایا جائے۔ اس پیغام کے آخری چند جملے حسب ذیل ہیں :۔

"ہمیں اس امر کا کامل احساس ہے کہ ہٹلر کو شکست دینے کے لئے روس کی قوت مدافعت کو برقرار رکھنا اشد ضروری ہے۔ اس لئے ہماری یہ خواہش ہے کہ نہایت تعجیل کے ساتھ ایک پروگرام بن جائے جس کے مطابق روس کو ضروری اشیاء مہیا کی جائیں۔"

۱۶ اگست کو اسٹالن نے اس تجویز کا خیر مقدم کرتے ہوئے ایک شکریہ کا پیغام روانہ کیا اور اسی روز برطانیہ و روس میں معاہدہ ہو گیا جس کی رو سے برطانیہ نے روس کو ایک کروڑ پونڈ قرضہ دیا اور یہ قرار پایا کہ جب اس مالیت کا مال روس کو دیا جا چکے گا اس وقت مزید قرض کی بابت مذاکرات شروع ہو جائیں گے۔

جرمنی نے یہ دیکھ کر کہ یورال کے مشرق میں حربی صنعتیں قائم کی جا رہی ہیں اور ان کو خیبر کارخانوں کو ایران و باکو کے چشمے تیل مہیا کر رہے ہیں۔ نیز خلیج فارس سے برطانیہ سامان حرب پہنچا رہا ہے۔ یہ چاہا کہ ایران اور باکو پر قبضہ کر لیا جائے اس طرح روس کی صنعتی زندگی کی شہ رگ کاٹ دی جائے۔ چنانچہ جرمن کثیر تعداد میں در اصل ایران کے فسطائی عناصر کو جارحانہ اقدام میں مدد دینے کے لئے۔ لیکن بظاہر سیر و سیاحت کے بہانے ایران میں داخل ہونے شروع ہو گئے۔ برطانیہ ہندوستان کی حفاظت کو مد نظر رکھتے ہوئے اور اپنی مشرقی فیکٹریوں کے تحفظ

کے لئے روس اس خطرناک جرمن اقدام کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔ چنانچہ ۱۱ اگست ۱۹۴۱ء کو اتحادیوں نے ایران سے جرمن باشندوں کے اخراج کا مطالبہ کیا۔ ظاہر تھا کہ رضا شاہ پہلوی ایک خود مختار بادشاہ ہونے کی حیثیت سے غیر ممالک کے اس قسم کے مطالبہ کو تسلیم نہیں کر سکتا تھا۔ ایران کا غیر اطمینان بخش جواب آنے پر ۲۵ اگست کو برطانوی و روسی افواج ایران میں داخل ہو گئیں اور رضا شاہ بطور ایک سیاسی قیدی مدغاسکر روانہ کر دئے گئے۔ ۲۸ اگست کو ایران میں برطانیہ اور روس کے موافق ایک حکومت قائم کر دی گئی۔ اس طرح برطانیہ نے ہندوستان اور روس نے اپنی حربی صنعتوں کو جرمن خطرے سے محفوظ کر لیا۔ ایشیائی ممالک کی خود مختاریاں بھی عجیب ہیں۔ ان کی خود مختاری کا قیام مغربی ممالک کے آپس کی چشمک کی بنا پر ہے۔ ورنہ ان نام نہاد آزاد حکومتوں میں وہ حربی توانائی مفقود ہے جو کسی ملک کی خود مختاری برقرار رکھنے کے لئے ضروری ہوتی ہے۔

۹ ستمبر ۱۹۴۱ء کو روس و جرمنی کی نبرد آزمائی کو اسی روز گذر چکے تھے جرمن افواج کی تیز رفتاری اور روس کی پسپائی اگرچہ جاری تھی تاہم جس شدت سے روسی مدافعت کر رہے تھے اس سے یہ امید پیدا ہو گئی تھی کہ ہٹلر کا یہ اعلان کہ روسی مدافعت کا چند ہفتوں میں قلع قمع ہو جائے گا درست ثابت نہ ہو گا۔ جنگ کے طول پکڑ جانے میں اتحادیوں کی فتح مضمر تھی۔ ان ایام میں روسی حالات پر تبصرہ کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے دار العوام میں کہا:۔

"روسی فوجیں جس تنظیم اور خوبصورتی سے پسپا ہو رہی ہیں اس سے یہ امید پیدا ہو گئی ہے کہ ہٹلر کا یہ دعویٰ کہ روسی محاذ پر مختصر سی جنگ کے بعد جرمنی کو فتح ہو جائے گی غلط ثابت ہو گا۔ روس کی شدید مزاحمت کی بنا پر یہ قوی توقع ہو گئی ہے کہ ہٹلر کو شدت کی سردی میں بحر اطلانتک سے لیکر بحر اسود تک ایک طویل محاذ پر فوجیں رکھنی ہوں گی اور ان کے لئے سلسلہ رسد قائم کرنا ہو گا روسی افواج حملہ آور ہیں اس شکل میں اتنے طویل محاذ پر فوجیں اور ان کے لئے

رسد کا خاطر خواہ انتظام کرنا آسان کام نہیں ہے۔ جنگ کو اتنی روز گذر گئے ہیں
اس عرصہ میں ہم نے اپنے اتحادی کو جلد از جلد ضروری سامانِ حرب مہیا کرنے
کا انتظام کر دیا ہے جن مقامات میں روس کی حربی صنعت واقع تھی اور
کوئلہ اور لوہے کے ذخائر موجود تھے اگرچہ وہ تمام علاقے جرمنی کے تصرف
میں چلے گئے ہیں لیکن ان نامساعد حالات میں بھی روس نے ایک کروڑ پچاس
لاکھ سپاہی مسلح کر لئے ہیں۔ برطانوی۔ امریکی۔ روسی کانفرنس جو منعقد ہونے
والی ہے اس کا یہ کام ہوگا کہ روس کی اس کثیر فوج کو رسد اور سامانِ
حرب پہنچانے کا خاطر خواہ انتظام کرے۔"

جس کانفرنس کی طرف مسٹر چرچل نے اشارہ کیا تھا وہ ۲۸ ستمبر ۱۹۴۱ء کو منعقد ہوئی اس
میں یہ قرار پایا کہ برطانیہ اور امریکہ تیار شدہ سامانِ حرب روس روانہ کریں اور اس کے
تبادلہ میں روس ان دونوں ممالک کو خام اجناس دے۔ اس معاہدے کے مطابق جو جہاز
سامان حرب لے کر روس جاتے تھے وہ روس سے خام اجناس لے کر امریکہ و برطانیہ واپس
آتے تھے لیکن جس محاذ پر آلاتی ہتھیاروں کی لاکھوں کی تعداد میں ضرورت ہو وہاں سینکڑوں
کی تعداد میں پہنچیں تو یہ قلیل تعداد شکست کو فتح میں نہیں بدل سکتی۔ برطانوی اور امریکی
امداد اتنی قلیل تھی کہ روسی محاذ بدستور تشنہ تھا۔ یوکرین کا زرخیز علاقہ جہاں روسٹو اور کیو
جیسے اہم آلاتی شہر آباد تھے جرمن قبضہ میں چلا گیا تھا۔ ڈون بیسن BASIN کے کوئلے اور
لوہے کے ذخیرے بھی جرمنی کے ہاتھ میں جا چکے تھے۔ اگرچہ آلاتی ہتھیاروں کا معتدبہ
حصہ لینن گراڈ۔ ماسکو اور کیو کی حفاظت کے لئے وقف کر دیا گیا تھا لیکن اس پر بھی
یہ یقین نہیں کیا جا سکتا تھا کہ بولشیوک تہذیب وتمدن کے یہ تینوں گہوارے جرمنی کے مظالم و
بربریت سے بچائے جا سکیں گے ۲۱ اگست ۱۹۳۹ء کو مارشل وروشیلوف نے باشندگانِ
لینن گراڈ سے اپیل کی کہ اس یادگار شہر کی حفاظت میں اپنے خون کا آخری قطرہ تک بہا دیں۔

لیکن باوجود شدید روسی مزاحمت کے جو جرمن قدم بڑھتا تھا پیچھے نہیں ہٹتا تھا۔ جنوب کی سمت سے جرمن افواج شہر سے صرف تیس میل کے فاصلے پر رہ گئیں تھیں۔ آلاتی دور میں یہ قلیل فاصلہ کوئی اہمیت نہیں رکھتا۔ چنانچہ محصور باشندے شہر پر موت کا سایہ بڑھتا ہوا دیکھ رہے تھے۔ جب روس کے شمالی علاقوں میں شدید سردی کی آمد کا آغاز ہوا تو ۱۱ ستمبر کو جرمن جنرل فان لیب نے حکم دیا کہ خواہ کتنی ہی قربانی کرنی پڑے لینن گراڈ فتح کر لیا جائے تاکہ جرمن افواج شدید سردی سے امان پا سکیں۔ ۱۲ ستمبر کو پہلی شدید برف باری ہوئی جس نے جرمن دلوں میں ہراس اور روسی دلوں میں فتح کی امید پیدا کر دی عناصر قدرت مدد کو آ گئے تو روسیوں نے جرمن صفوں پر شدید حملے شروع کر دیئے لینن گراڈ کی فتح و شکست دونوں فریقوں کے لئے موت و حیات کا سوال تھا۔ چنانچہ خونخوار جنگ ہو رہی تھی۔ لمحہ بہ لمحہ جنگی توازن بدل رہا تھا۔ کبھی جرمنی کا پلہ بھاری معلوم ہوتا تھا تو کبھی روسیوں کا۔ ایک مرتبہ روسی پہلو اتنا دبا کہ جرمن فوجیں خاص لینن گراڈ میں داخل ہو گئیں اور فیکٹریوں کے مسلح مزدوروں کے دلیرانہ جارحانہ اقدام نے اُن کو پسپا ہونے پر مجبور کیا۔ جرمنوں نے اگرچہ لینن گراڈ کی ضرورت سے زیادہ قیمت دی لیکن مقصد میں کامیابی نہ ہوئی۔ البتہ جرمن افواج نے لینن گراڈ کا محاصرہ قائم رکھا۔ ۱۹ ستمبر کو جرمن افواج یوکرین کے دارالسلطنت کیو میں داخل ہو گئیں۔ ۳۰ اکتوبر کو ہٹلر نے فوجی مرکز سے اعلان کیا۔

"۴۸ گھنٹے سے مشرقی محاذ پر بہت بڑے پیمانے پر شدید رن پڑ رہا ہے برف باری ہونے سے قبل ہی ہم دشمن کو تباہ کر دیں گے اور ساتھ ہی برطانیہ کو بھی جس نے ہمارے خلاف سازشیں کر کے یہ جنگ شروع کی۔"

مشرق میں آٹھ سو میل کے طویل محاذ پر شدید جنگ ہو رہی تھی اور سب سے زیادہ خونخواری کا مظاہرہ ماسکو کے سامنے ہو رہا تھا۔ ۱۴ اکتوبر کو ماسکو کے محاذ پر حالات اس درجہ نازک

ہو گئے تھے کہ شہر صرف پینسٹھ (۶۵) میل رہ گیا تھا۔ روسی فوج کا جزیرہ "ریڈ سٹار" ان ایام کو حکومت روس کے لئے شدید خطرے کے "لمحے" پکار رہا تھا۔ ۱۸ اکتوبر کو برلن سے اعلان ہوا کہ ویازما اور برآئنسک کی جنگ میں جرمنی کو فتح ہوئی اور چھ لاکھ روسی قیدی۔ ایک ہزار دو سو ٹینک اور پانچ ہزار دو سو آلاتی بندوقیں مال غنیمت ہاتھ لگا۔ واقعی اس زمانے میں روس کی حربی طاقت پر کاری ضربیں پڑ رہی تھیں۔ کیلینن ٹولا۔ اوریل اور کلوگا یہ تمام ماسکو کے قرب وجوار میں اہم مقامات ہیں جو جرمنی کے قبضہ میں چلے گئے تھے۔ ۱۹ اکتوبر کو اسٹالن نے روسیوں کی ہمت افزائی کرتے ہوئے اعلان کیا:۔

"ماسکو کے تحفظ کے لئے آخری لمحہ تک لڑا جاتے گا"

اور چیف آف جنرل اسٹاف جنرل ژوکوف کو موسکو کی حفاظت کا کام سپرد کیا۔ روسی فوجیں بہادری سے لڑ رہی تھیں لیکن آلات کی قلت وخامی شکست میں رونما ہو رہی تھی۔ ایک مرتبہ حالات اتنے نازک ہو گئے کہ جرمن فوج نے ماسکو کے بیرونی مورچوں میں شگاف ڈال دیا۔ اور حسب دستور شہر میں داخلہ کی تمہید کے طور پر ماسکو پر شدید بمباری شروع کر دی۔ ۱۶ نومبر کو ماسکو پر دوبارہ جرمن حملہ پہلے سے بھی زیادہ شدید ہوا اور اتنے خطرناک حالات ہو گئے کہ اسٹالن اور دوسرے اکابرین خاص مسلح ریل گاڑی میں قیام کرنے لگے تاکہ اشد خطرے کے وقت فرار ہو سکیں۔ اس اضطراب اور پریشانی کا ذکر ۲ نومبر کو مسٹر مَنسکی نے اپنے ایک بیان میں اس طرح کیا:۔

"گذشتہ چند ماہ میں ہمیں نہایت مہیب مصائب سے گذرنا پڑا ہے اس قلیل عرصہ میں ہمارے پونے بیس لاکھ نوجوان سپاہی مقتول مجروح ولاپتہ ہو چکے ہیں۔ بہت وسیع علاقے اور ان کی کثیر آبادی دشمن کے قبضہ میں چلی گئی ہے۔ اگرچہ ہٹلر کا یہ دعویٰ غلط ہے کہ روس کی دو تہائی صنعت وحرفت

تباہ ہوگئی ہے لیکن صنعت وحرفت کا کچھ حصّہ ضرور تباہ ہو گیا ہے۔ ہمیں
کروڑوں باشندوں کو محفوظ مقامات پر لے جانا پڑ رہا ہے۔ دشمن کو کارآمد
اشیاء سے محروم رکھنے کے لئے ہمیں تمام اشیاء کو تاراج کرنے کی حکمت عملی
پر کاربند ہونا پڑ رہا ہے۔ سالہا سال کی شدید محنت ومشقت کے بعد جو حیرت
انگیز دنیا ہم نے آباد کی تھی آج ہم اس کو اپنے ہاتھوں سے خاکستر کرنے
پر مجبور ہیں۔ پنج سالہ پروگرام کے دَوران میں جو عظیم الشان کارخانے برق و
آب کے وسیع مستقر۔ دیدہ زیب وکشادہ عمارتیں وغیرہ تعمیر کی گئی تھیں آج
اُن کو خود اپنے ہاتھ سے خس وخاشاک بنایا جارہا ہے اور یہ ان شکستوں کا
سب سے تکلیف دہ پہلو ہے۔"

صرف روسی سفیر مقیم لندن ہی نہیں بلکہ تمام روس اس ناگہانی تباہی پر آنسو بہا رہا تھا۔ لیکن کیا کیا جاتا حالات مجبور کر رہے تھے کہ لہلہاتی کھیتیوں۔ فربہ مویشیوں۔ غلّے کے ذخیروں عمارتوں۔ کارخانوں۔ ریل کے اسٹیشنوں۔ برق وآب کے مستقروں۔ تارگھروں کو بالکل تباہ کر دیا جاتے تاکہ قبضہ کے بعد جرمن کسی شے سے استفادہ حاصل نہ کر سکیں۔ حزب اختلاف کے ہزاروں ممبروں کے سروں کا بدلہ آج کروڑوں روسی ادا کر رہے تھے۔ خونِ ناحق رنگ لا رہا تھا۔ اگر ۱۹۲۳ء میں حزب اختلاف کے مشوروں کو انفرادی وطبقاتی اغراض کی خاطر نظر انداز نہ کیا جاتا تو آج کشتِ محنت کو اپنے ہاتھوں سے تاراج نہ کرنا پڑتا اور دنیا کا رُخ بلا جنگ کے بدل جاتا۔ روس کی تباہ حالی کی تصویر کھینچنے کے بعد مسٹر ٹسنکی نے کہا:-

"فتح اس شکل میں ہو سکتی ہے کہ نازی حملہ کے خلاف برطانیہ اور روس مشترکہ محاذ
قائم کریں۔ ایک ایسا محاذ جہاں سامانِ حرب مشترکہ خیال کیا جائے اور حسب مقام
پر ضرورت ہو وہاں روانہ کیا جائے۔ میں یہ امر دُہرانا چاہتا ہوں کہ جرمنی کو صرف
برّی جنگ ہی میں مکمل شکست ہو سکتی ہے اور اتحادیوں کو اس برّی جنگ میں

مدد دینی چاہیے۔"

سیاسی زبان میں نہ صرف یہ کہ مسٹر ملنسکی نے برطانیہ کے جرمنی پر فضائی حملوں کو ناکافی بتایا بلکہ دوسرا محاذ قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ ۲۴ نومبر کو جبکہ جرمن حملے کی تیاریاں مکمل ہو چکی تھیں اس محاذ پر برف باری شروع ہو گئی جس نے روسیوں کے خون کو خنک کرنے کی بجائے اور گرم کر دیا۔ شکست میں فتح کی جھلک دکھائی دینے لگی تو افواج میں برف کی حرارت پیدا ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ۲۵ نومبر کو ماسکو سے اعلان ہوا "ماسکو کی جنگ اپنی آخری منزل پر پہنچ گئی ہے۔" ۲۶ نومبر کو اسٹالن نے ماسکو کی فوج کو ایک پیغام دیتے ہوئے کہا:-

"تم ثابت قدم رہنا۔ ہم حملے کو سہار لیں گے اور سہار سکتے ہیں..... دشمن فاتح کی حیثیت سے ماسکو سے نہیں گذر سکتا۔"

جب روسیوں نے کم ہمت کسی تور وسٹوف پر جرمنی کو شکست ہوئی اور اس اہم مقام پر قبضہ کرنے کے بعد فیلڈ مارشل ٹموشنکو ماسکو کی سمت بڑھا تاکہ اس شہر کے جرمن افواج کا دباؤ کم ہو جائے۔ روسٹوف کی فتح نے نہ صرف روس میں بلکہ تمام اتحادیوں میں امید کی لہر دوڑا دی یہ جرمن فوج کی پہلی اہم شکست تھی جس نے یہ ثابت کر دیا کہ جرمن فوج اپنی پوری طاقت صرف کر چکی ہے اور اب ان کی شکستوں کا آغاز ہونے والا ہے۔ روسٹوف کی شکست کا اثر زائل کرنے کے لئے ہٹلر نے ماسکو کو فتح کرنے کا تہیہ کر لیا اور فوج کو حسب ذیل حکم دیا:-

"حالات کا جائزہ لیتے ہوئے اور خاص طور پر اس امر کا خیال کرتے ہوئے کہ شدید سردی شروع ہو گئی اور ہمارے حربی آلات اور سپاہیوں کے گرم لباس وغیرہ اس شدید سردی کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ میں حکم دیتا ہوں کہ ماسکو مستقبل قریب میں فتح کر لیا جائے۔"

ہٹلر کے اس حکم کی تعمیل میں جرمنوں نے ماسکو پر از سر نو شدید حملے کرنے شروع کر دیئے اور اپنی پوری طاقت لگا دی۔ ۵ دسمبر کو حالات اس درجہ نازک ہو گئے کہ جرمنی نے ماسکو کے

بیرونی مورچوں میں شگاف ڈال دیا تھا۔ لیکن مرحبا روسی جمہوریہ انھوں نے کمزور ہتھیاروں سے وہ مقابلہ کیا کہ ۶ دسمبر کو یہ امر صاف دکھائی دینے لگا تھا کہ روسی حملہ آور ہیں اور جرمن مدافعت کر رہے ہیں۔ اب مشرقی محاذ کی بساط پلٹی ہوئی دکھائی دیتی تھی۔ جب ۸ دسمبر کو برلن سے یہ اعلان ہوا کہ شدید سردی کی وجہ سے مشرقی محاذ جنگ بند کردی گئی ہے تو گویا روسی فتح کا ثبوت بھی مل گیا جیسے خود پرست افراد کا قاعدہ ہوتا ہے ہٹلر نے اپنے غلط فوجی احکامات اور اندازوں کے تباہ کن نتائج کا ذمہ دار اکابر جنرلوں کو ٹھہرا کر ان کو کمان سے برخاست کر کے خود فوج کی کمان شروع کردی تو ہم پرست دنیا جو جرمنی کی فوجی طاقت سے مرعوب ہو چکی تھی اس تبدیلی سے معجزات کی توقع کرنے لگی اور عام خیال ہو گیا کہ اب چونکہ مافوق الفطرت ہٹلر نے فوجی امور کو خود اپنے ہاتھ میں لے لیا ہے اس لئے اب روس کا تختہ اُلٹنے ہی والا ہے۔ اس زمانے میں جاپان نے جرمنی کی درخواست پر امریکہ اور برطانیہ پر شدید حملے شروع کر دئے تا کہ ان دونوں ممالک کے روس کو سامانِ حرب پہنچانے میں کمی واقع ہو جائے ظاہر تھا کہ جب امریکہ و برطانیہ خود بڑے پیمانے پر دوسرے محاذوں پر جاپان سے نبرد آزما ہوں گے تو وہ مشرقی محاذ کی مدد نہ کر سکیں گے۔ اس طرح جرمنی کو روس کو تباہ کرنے کا سنہری موقع مل جائے گا۔ لیکن جاپان کی اس بلا واسطہ امداد کے باوجود روسی محاذ پر جرمنی ترقی نہ کر سکا اور ۲۵ دسمبر کو گوئبلز کو فوج کے لئے گرم کپڑوں کی اپیل جرمن قوم سے کرنی پڑی نیز جرمن قوم کو یہ یقین دلانا پڑا کہ اب موسم بہار میں روس ختم کر دیا جائے گا۔ برطانیہ نے روسی حکومت کی اشک شوئی اس طرح کی کہ فنلینڈ۔ ہنگری۔ رومانیہ جو روس کے خلاف برسرپیکار تھے ان کے خلاف ۶ دسمبر کو اعلانِ جنگ کر دیا۔ دسمبر کے اواخر میں مسٹر ایڈن روسی حکومت کی نبض دیکھنے ماسکو پہنچے جہاں برطانیہ اور روس کے وزرائے خارجہ اور مسٹر مولوٹوف اور کرپس کے درمیان جنگ کے متعلق مختلف امور پر کامیاب مذاکرات ہوتے اور واپسی پر مسٹر ایڈن کے ہمراہ روس کی تجارتی انجمن کے چودہ اکابرین بھی انگلستان آئے۔

اغلبِ خیال یہ ہے کہ روسی حکومت نے جمہور کی آڑ لے کر مسٹر ایڈن سے کہا ہوگا کہ روسی جمہور کو برطانیہ کے سامانِ حرب مہیا کرنے اور جنگی جوش کردار کی بابت شکوک ہیں نیز لندن میں ہیس کی موجودگی برطانیہ کی طرف سے غیر اطمینانی پیدا کر رہی ہے اسلئے مناسب ہے کہ مزدور انجمن کا ایک وفد آپ اپنے ہمراہ لے جائیں تاکہ وہ واپس آکر روسی جمہور کو چشم دید حالات بیان کرے اور ان کو برطانیہ کی نیک نیتی کا یقین دلا دے۔ دراصل اس زمانہ میں برطانیہ اور امریکہ کے بہت وسیع پیمانے پر روس کو آلاتی سامانِ حرب نہ دینے کی اور متعدد وجوہات کے علاوہ ایک وجہ یہ بھی تھی کہ روس کے آزمودہ اور تجربہ کار جنرل جنگی فوجی اہلیت اور قابلیت پر بھروسہ ہو سکتا تھا سیاسی اختلافات کی بناء پر قتل کر دیئے گئے تھے اور موجودہ جنرل نو عمر ناتجربہ کار تھے اس لئے ان کی بابت برطانیہ و امریکہ کو یہ شبہ تھا کہ بہت ممکن ہے کہ یہ شدید غلطیاں کریں۔ ان کو شکستوں پر شکستیں ہوں اور ہمارا مہیا کردہ سامانِ حرب جرمن قبضہ میں چلا جائے اور روس کے ختم ہونے کے بعد وہ ہمارے خلاف استعمال ہو لیکن سیاسی مصلحتوں کی بنا پر اس پوشیدہ وجہ کا اظہار نہیں ہو سکتا تھا۔ سامانِ حرب نہ پہنچنے پر روس کو یہ شبہ گزرتا تھا کہ شاید برطانیہ اور امریکہ کا صرف اخلاقی مدد دینے کا ارادہ ہے اور بس۔ انگلستان پہنچ کر وفد کو تمام اہم مقامات کا دورہ کرایا گیا۔ انگریزی جمہور نے ان کا بہت جوش و خروش سے خیر مقدم کیا۔ ۲۲ فروری ۱۹۴۲ء کو روس واپس ہو کر اس وفد نے جو کچھ دیکھا تھا بیان کر دیا اور روس کو برطانیہ کے قول و فعل پر قدرے اطمینان ہو گیا۔

۲۱ جنوری ۱۹۴۲ء کو سر اسٹیفورڈ کرپس سفارت کے عہدے سے مستعفی ہو کر ماسکو سے لندن واپس آ گئے۔ واپسی پر صاحب موصوف نے متعدد تقریریں کیں جس میں انھوں نے حسب ذیل امور کا انکشاف کیا:۔

۱۔ روس کی حربی طاقت اس موسم سرما کے اختتام پر اس سے دگنی ہو جائے گی جو جنگ کے

آغاز میں تھی۔

۲۔ ہٹلر کے روس پر حملہ آور ہونے کے اسباب وعلل کا ذکر کرتے ہوتے انھوں نے بیان کیا ہٹلر کو روس کی بڑھتی ہوئی حربی طاقت سے خطرہ پیدا ہو گیا تھا جرمن حکومت کو یہ خیال ہو گیا تھا کہ روس پر فوراً حملہ نہ کیا گیا تو شاید اشتراکی ہمسایہ کو شکست دینا ناممکن ہو جاتے۔ جرمن حملہ میں اب بھی کافی تاخیر ہو گئی۔ روس کے چند مدبرین کو جرمن حملہ کا یقین تھا لیکن اکثریت کا یہ خیال تھا کہ روس کو دبا کر گفت وشنید کے ذریعہ سے جرمنی صرف مزید خام اجناس لینے کی کوشش کریگا۔ تاکہ حربی طور پر جرمنی زیادہ تیار ہو جاتے۔

۳۔ میرا خیال ہے کہ روسی افواج ہٹلر کو اسی وقت شکست دے سکتی ہیں جب کہ ہم ان کو ہر امکانی مدد دیں۔

۴۔ جنگ کے بعد اگر یورپ کی تشکیل میں ہم نے روس کو شریک نہ کیا تو تمام دُنیا میں بدنظمی پھیل جائے گی۔

۵۔ سوویٹ روس کا ہرگز یہ ارادہ نہیں ہے کہ وہ یورپ کی دوسری سلطنتوں کے معاملات میں دخل دے۔

۶۔ میں نے جون ۱۹۳۹ء میں اپنی حکومت کو متنبہ کر دیا تھا کہ یکم ستمبر ۱۹۳۹ء کو جرمنی اور روس میں نون ایگریشن پیکٹ ہونے والا ہے۔ میرا خیال ہے کہ ۱۹۳۹ء میں اسٹالن نے نیک نیتی سے فرانس اور برطانیہ سے معاہدہ آشتی کرنے کی سعی کی جب اس کو اس سعی میں کامیابی نہیں ہوئی تو بجائے جرمنی سے تنہا برسرپیکار ہونے کے اسٹالن نے یہ ہی مناسب خیال کیا کہ جرمنی سے صلح کر لی جائے۔ ایک طرف اس نے جرمنی سے معاہدہ کیا دوسری سمت روس نے جنگی صنعتوں کو وسیع کرنا شروع کر دیا۔ چونکہ اسٹالن کو جرمن حملے کا کامل یقین تھا۔

حسبِ دستور موسم سرما روسیوں کا اہم ترین ممد و مددگار ثابت ہوا۔ ضروری سامان نہ ہونے کی وجہ سے روس کی شدید سردی میں نہ صرف یہ کہ بہت سے جرمن سپاہی مر گئے بلکہ ٹینک، لاریاں وغیرہ برف میں جم کر رہ گئیں۔ ان کو روسی گوریلوں (مسلح پیدل فوج) نے تباہ کر دیا۔ اس زمانہ میں جرمن رسد کے سلسلہ کو بھی بہت نقصان پہنچا۔ روسی گوریلے جرمن سامان رسد پر برابر شب خون مارتے رہتے تھے جو کچھ لے جا سکتے تھے لے جاتے باقی کو تباہ کر دیتے۔ ان وجوہات کی بنا پر جرمنی کا جارحانہ اقدام رُکا رہا اور روسیوں کو آلاتی ہتھیار تیار کرنے اور مزید فوج مسلح کرنے کا اچھا موقع مل گیا۔ نہ صرف یہ بلکہ موسم سرما میں جرمن افواج کو شکست دے کر ان سے چند مقامات واپس لے لئے گئے۔ لینن گراڈ اور ماسکو کو جو شدید خطرہ پیدا ہو گیا تھا وہ قدرے دور ہو گیا۔ مارشل تموشنکو کی افواج نے دریائے ڈونٹز کے میدان پر از سر نو قبضہ کر لیا اور روسی افواج سمولنسک سے صرف سو میل کے فاصلے پر رہ گئیں اس زمانہ میں ایک روسی اعلان میں بتایا گیا کہ ۹ جنوری ۱۹۴۲ء سے ۲۲ جنوری ۱۹۴۲ء تک روسی افواج نے دو ہزار سے زیادہ چھوٹے مقامات جرمنی سے چھینے اور کثیر مال غنیمت ہاتھ لگا۔ ۱۹ جنوری کو روسیوں نے موجائسک پر قبضہ کر لیا جس کے یہ معنی تھے کہ وسطِ روس میں جہاں ماسکو واقع تھا جرمن افواج کا زور ٹوٹ گیا تھا۔ کریمیا میں بھی روسی افواج نے جرمن اقدام روک دیا تھا۔ ۲ جنوری ۱۹۴۲ء کو اگرچہ جرمن افواج نے سباسٹاپول پر شدید حملے کئے لیکن روسیوں نے ہمیشہ ان کو پیچھے دھکیل دیا۔ اس لڑائی میں جرمنی کے چالیس ہزار سپاہی کام آئے لیکن روسیوں کی ان تمام کامیابیوں کے باوجود جرمنی کی حربی طاقت میں ہنوز کوئی کمی واقع نہیں ہوئی تھی۔ یہ صاف نظر آ رہا تھا کہ موسم سرما کے نقصان دہ تجربہ کے بعد ہٹلر ۱۹۴۲ء کے موسم بہار میں فیصلہ کن حملہ کرے گا تاکہ جنگ آئندہ موسم سرما سے قبل ختم ہو جائے۔ موسم بہار کے حملے کی کامیابی و ناکامی پر جرمنی کی قسمت کا فیصلہ تھا جس اقدام پر پوری قوم و ملک کی غلامی و آزادی کا دارومدار ہو۔ اس کی کامیابی کے لئے ہر امکانی

سعی کی جاتی ہے۔ چنانچہ جرمنی نے ۱۹۴۲ء کے موسم بہار کے لئے بہت وسیع پیمانہ پر تیاری کی۔ ان حالات میں روس کا یہ مطالبہ کرنا قدرتی تھا کہ اتحادی دوسرا محاذ قائم کریں چنانچہ ۲۵ مارچ ۱۹۴۲ء کو مسٹر مئسکی نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"موجودہ دور میں جیسا کہ اسٹالن نے کہا جنگ انجنوں کی جنگ ہوتی ہے۔ وقت و وسعت اور ان کے تحفظی اثرات معدوم ہو گئے ہیں۔ تیز رفتاری ایک ہمہ گیر قانون بن گیا ہے جن مہموں کی تکمیل میں پہلے کئی ماہ درکار ہوتے تھے اب وہ چند روز میں ختم ہو جاتی ہیں۔ موانع اور وسعتیں جو پہلے ناقابلِ عبور خیال کی جاتی تھیں وہ اب چند گھنٹوں میں طے ہو جاتی ہیں جو اقوام عصرِ حاضر کی ان تبدیلیوں کو پیش نظر رکھتیں اور ان کی تیزی رفتاری کے بموجب قدم نہیں اٹھاتیں ان کو اس تاخیر کا خمیازہ بھگتنا پڑے گا۔ یہ بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ کثرت آبادی۔ وسعت علاقہ۔ ذخائر معدنیات وغیرہ کی بہتات اور صنعت و حرفت کی افزائش از خود فتح کے ضامن نہیں ہو سکتے۔ فتح کا راز یہ ہے کہ دشمن کے خلاف ایک خاص مقام پر۔ خاص وقت میں کئی گنا زیادہ فوج و سامانِ حرب سے یک لخت پوری طاقت سے حملہ کیا جائے...... یہ گاتے رہنا کہ وقت ہماری طرف ہے بے معنی ہے۔ اگر دیکھا جائے تو اتحادیوں کے پاس اس وقت جرمنی سے بھی زیادہ فوج و سامانِ حرب موجود ہے۔ اب اس انتظار کی ضرورت نہیں کہ آخری سپاہی کی پتلون میں آخری بٹن ٹنک جائے۔ اس وقت حملہ ہو بلکہ جرمنی پر فوراً حملہ ہونا چاہیئے۔ صورتِ حالات خطرناک ہوتی جا رہی ہے۔ تاریخ لندن کی شاہراہوں کی طرح صاف و کشادہ راستہ نہیں ہوتی بعض اوقات اپنی خواہشات کے خلاف حالات کے جبر کے ماتحت لڑنا پڑتا ہے۔ اس وقت حملہ کا زرین موقع ہے اگر اتحادی واقعی

فتح چاہتے ہیں تو اس وقت ان کو تن، من، دھن کی بازی لگا دینی چاہیئے اس سلسلہ میں طریقہ کار کیا ہونا چاہیئے۔ اس امر کا فیصلہ کرنا اتحادی افواج کے افسرانِ اعلیٰ کا کام ہے۔ لیکن اہم نکتہ یہ ہے کہ دوسرا محاذ ۱۹۴۲ء میں قائم ہونا چاہیئے نہ کہ ۱۹۴۳ء میں اگر اتحادیوں نے میرے مشورے کو قبول کر لیا تو جرمنی کی کمر اسی سال توڑ دی جائے گی۔"

دُوسرا محاذ

رُوس و برطانیہ کی کشمکش!

روسی مدافعت جو کام نہ کرسکی اس کو قدرت نے باآسانی کردیا۔ قدرت کے جنرل موسم سرما فیلڈ مارشل وسعت۔ چیف آف جنرل اسٹاف دلدل۔ جرمنی کے خلاف ایسی سرگرمی سے نبرد آزما ہوتے کہ ۱۹۴۲ء کے آغاز میں ہٹلر کو اپنی فتح میں وہ یقین نہیں رہا تھا جو جنگ کے ابتدائی دو سال میں تھا۔ ۲۶ اپریل ۱۹۴۲ء کو ہٹلر نے رنج میں مایوس کن تقریر کے دوران میں کہا:۔

"مشرقی محاذ پر اس درجہ شدید سردی پڑی ہے کہ ایک سو چالیس سال سے ایسی طوفانی و تباہ کن سردی نہیں پڑی تھی۔ چند ہی روز میں درجہ حرارت نقطۂ انجماد سے ۴۷ درجہ کم ہو گیا اور شاید اس سے بھی کم۔ ہیبنوں سے وسطِ ایشیا اور کوہ قاف سے آتے ہوئے دستے خاص طور پر شب کے وقت ہماری صفوں پر حملہ کر رہے ہیں اور ان کو مشکل سے روکا جاتا ہے۔ اس وقت خاص طور پر رسد پہنچانے کا مسئلہ ہمارے زیرِ غور ہے چونکہ نہ تو جرمن سپاہی نہ ٹینک۔ نہ سڑک نہ انجن۔ نہ دیگر آلات و ہتھیار اس موسم

کو مدنظر رکھ کر تیار کئے گئے تھے اور ہماری افواج کی قسمت کا فیصلہ نقطہ رسد کے برقرار رکھنے پر ہے۔"

ایک ڈکٹیٹر دوران جنگ میں جس محتاط انداز سے خطرے کا اظہار کر سکتا تھا وہ ہٹلر نے اس تقریر میں کر دیا تھا۔ یہ تقریر مصلحت آمیز سیاسی زبان میں شکست کے امکانات کا اعتراف تھی۔ اب فتح کی تمام تر امید کا دارومدار اس امر پر تھا کہ موسم بہار میں روس کو شکست دے دی جائے تاکہ جنرل سرما سے ۱۹۴۳ء میں دوچار نہ ہونا پڑے۔ ہٹلر نے ایک بدمست جواری کی طرح ایک داؤ پر جرمن قوم کو لگا دیا۔ ہٹلر کی تیاریوں سے کسی مدبر کو اس امر میں شبہ کی گنجائش نہیں رہی کہ اس موسم بہار میں بجائے باران رحمت کے روس کی سرزمین پر خون کے سمندر امنڈیں گے۔

مشرقی محاذ پر خونریز جنگ ہونے کے امکانات قوی ہوئے تو چہار سمت سے روس کے اتحادیوں پر یہ زور دیا جانے لگا کہ روس کی عملی امداد فوراً ہونی چاہئے اس سلسلہ میں پہلی تقریر لارڈ بروک نے کرتے ہوئے کہا:۔

"اگر روسی فوجیں منتشر ہو گئیں اور ان کو یورال کے مشرق میں پناہ لینی پڑی تو ہماری فتح کی تمام امیدیں بھی منتشر ہو جائیں گی۔ جرمنی کے تصرف میں روس کے تمام جنگی ذرائع آجائیں گے اور وہ طویل جنگ جاری رکھ سکے گا اس وقت ہمارے لئے صرف ایک لائحہ عمل ہے۔ جرمنی پر بحری حملہ۔ برّی حملہ۔ فضائی حملہ کیا جائے۔"

چند روز کے بعد برطانیہ کے وزیر جنگ نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"قرائن بتا رہے ہیں کہ جرمنی روس پر اچانک اور ایک زبردست حملہ کر کے اس کو تہ و بالا کرنا چاہ رہا ہے۔ ہمیں ہر طرح روس کی مدد کرنی چاہئے تاکہ وہ اس حملہ کو سنبھال سکے۔"

۱۶ اپریل کو وزیر مزدوران مسٹر بیون نے تقریر کے دوران میں کہا:-

"موج کا رُخ بدلنے والا ہے۔ میں یہ تو نہیں بتا سکتا کہ ہم کب اور کس طریقہ پر روس کی مدد کریں گے لیکن یہ امر یقینی ہے کہ ہم آئندہ صرف مدافعت پر ہی اکتفا نہیں کریں گے بلکہ حملہ کی طرح ڈالیں گے"

وزیر ہند نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:-

"آئندہ چند ہفتے دنیا کے لئے ڈنکرک سے زیادہ فیصلہ کُن ہونگے اس وقت یہ فیصلہ ہوگا کہ ہمارے دشمن نے آخری تیر چھوڑ دیا یا ہنوز ہمیں طویل جنگ کی صعوبتیں برداشت کرنی ہوں گی"

برطانوی وزراء کے ان تمام بیانات سے یہ واضح ہو رہا تھا کہ مغربی یورپ میں اتحادی عنقریب دوسرا محاذ قائم کرنے والے ہیں۔ ہوا کا رُخ اس امر سے بھی معلوم ہوتا تھا کہ ۱۲ اپریل ۱۹۴۲ء بی۔بی۔سی نے انٹرنیشنل کا نغمہ نشر کرنا شروع کر دیا تھا۔ ۲۲ اپریل ۱۹۴۲ء کو لارڈ بیوربرک نے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"برطانیہ کے گوشے گوشے سے یہ آواز آرہی ہے کہ حملہ آور ہو، تاکہ روس کے شانوں سے بار کم ہو۔ مغربی محاذ کے قیام کا مطالبہ جمہور دل وجان سے کر رہے ہیں۔ اگر ہم نے مدد کی تو ۱۹۴۲ء میں فتح ہو سکتی ہے لیکن اگر روسیوں کو شکست ہو گئی اور انھوں نے دشمن کے سامنے ہتھیار ڈال دئے امداد کرنے کا یہ سنہری موقع پھر کبھی نہیں آئے گا۔ مجھے علم ہے کہ برطانیہ پوری طرح تیار ہے اور اگر چاہے تو مغربی محاذ قائم کر سکتا ہے"

برطانوی وزراء خاص حکمت عملی کے ماتحت اس قسم کی تقریریں کر رہے تھے ان تقریروں سے ان کے دو مقاصد تھے ایک یہ کہ مغربی محاذ قائم کرنے کی صرف دھمکی ہی جرمنی کو مغرب میں معتدبہ افواج رکھنے پر مجبور کر دے گی اور اس طرح روسی محاذ پر جرمنی کا فوجی دباؤ زیادہ

نہ ہونے پائے گا۔ دوسرے برطانوی مزدور زیادہ سامانِ حرب بنانے پر تیار ہو جاویں گے برطانیہ کی یہ سیاست کامیاب ہوئی۔ مغربی محاذ پر معتد بہ جرمن افواج معطل ہو گئیں اور مزید سامان روس روانہ کیا جانے لگا۔ مئی ۱۹۴۲ء کو مسٹر چرچل نے ہٹلر کو دھمکی دیتے ہوئے اعلان کیا:۔

"سوویٹ حکومت نے اس خطرہ کا اظہار کیا ہے کہ فتح سے ناامید ہونے پر جرمنی گیس استعمال کرے گا۔ ہمارا یہ مصمم ارادہ ہے کہ جب تک جرمنی اس خطرناک ہتھیار کو برسرِ کار نہیں لاتے گا ہم بھی اس کے استعمال سے اعراض کریں گے لیکن جرمنی کی بہیمیت کو دیکھتے ہوئے ہم نے گیس کی جنگ کا مکمل انتظام کر رکھا ہے۔ میں یہ امر واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ اگر ہمارے اتحادی روس کے خلاف گیس استعمال ہوئی تو برطانیہ اس کا جواب اس طرح دیگا جیسے کہ خود اس پر گیس کا حملہ ہوا ہو۔ اگر ہٹلر نے اس جرم کا ارتکاب کیا تو ہم اپنی بڑھتی ہوئی فضائی طاقت کو گیس کی جنگ کے لئے استعمال کریں گے"۔

اس پر جرمن ریڈیو نے جواب دیا کہ جرمنی کا ارادہ گیس استعمال کرنے کا نہیں ہے مسٹر چرچل کی یہ دھمکی بھی کارگر ہو گئی۔

برطانوی جمہور کو مغربی محاذ کے قیام کا انتظار کرتے چند ہفتہ ہی گذرے تھے کہ جمہور نے حکومت پر عملی نکتہ چینی کرنی شروع کر دی۔ اس زمانے میں انگلستان کی پارلیمان کا انتخاب ہوا۔ مسٹر چرچل کی پارٹی کے ممبر اور ان کے مدمقابل مسٹر براون نے دو مختلف نعروں پر انتخاب لڑا۔ کنزرویٹو ممبر کا یہ نعرہ تھا کہ "روس کو پوری مدد دینی چاہیئے" مسٹر براون کا نعرہ یہ تھا "روس کو پوری مدد نہیں دی جا رہی"۔ اس انتخاب میں مسٹر براون کامیاب ہوئے۔ حکومت کی سست رفتاری پر یہ جمہور کی عملی تنقید تھی۔ مزدور طبقہ برطانیہ

کے روس کو نیم امداد دینے پر غیر مطمئن تھا۔ تجارتی انجمن کے صدر مسٹر ہیر لیس نے ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء کو اپنے خطبۂ صدارت میں کہا:۔

"عام طور پر یہ یقین پیدا ہو گیا ہے کہ چونکہ روس ہماری جانب سے برسرپیکار ہے اس لئے ہماری فتح ہونی لازمی ہے۔ بلا ہماری کامل مدد کے تنہا روس اس جنگ میں کامیاب نہیں ہو سکتا۔ ہمیں برطانوی حکومت پر زور دینا چاہئے کہ وہ ایسا موثر قدم اٹھائے کہ ہٹلر کو مشرقی محاذ سے جرمن فوجیں ہٹانی پڑیں تاکہ روس کے شانوں سے جنگ کا بار کچھ کم ہو جائے"

نہ صرف مزدور طبقہ بلکہ انگریزی فوج کا مطالبہ تھا کہ جلد از جلد دوسرا محاذ قائم کر دیا جائے انگلستان کے ایک اخبار نے ایک خط شائع کیا جس پر چوّن ۵۴ برطانوی سپاہیوں کے دستخط تھے۔ اس خط میں ان فوجی نوجوانوں نے لکھا تھا:۔

"ہم چوّن ۵۴ برطانوی فوج کے سپاہی مطالبہ کرتے ہیں کہ مغرب میں برّی محاذ قائم کیا جائے تاکہ اتحادی مشترکہ سعی سے ۱۹۴۲ء میں ہٹلر کو شکست دیدیں ہمیں امید ہے کہ جو مزدور فیکٹریوں میں کام کر رہے ہیں وہ زیادہ سے زیادہ سامان حرب تیار کر کے ہماری مدد کریں گے اور ہم لوگ بھی فتح کی جد و جہد میں حصّہ لینے کے لئے بیتاب و مضطرب ہیں"

جب مختلف طبقات اور خاص طور سے فوج کے نوجوانوں کے مطالبات آنے شروع ہوئے تو حکومت کے لئے اس موضوع پر لب کشائی کرنی ضروری ہو گئی چنانچہ سر اسٹیفورڈ کرپس لارڈ پریوی سیل نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"ہر سمت یہ مطالبات ہو رہے ہیں کہ مغرب میں بری محاذ قائم کیا جائے۔ حکومت بھی یہ قدم اٹھانے کی اتنی ہی آرزومند ہے جتنے کہ آپ لوگ ہیں۔ آپ اور ہم میں یہ فرق ہے کہ آپ آزادی سے اس محاذ کے قیام کی بابت رائے زنی اور

گفتگو کر سکتے ہیں لیکن ہم ایسا نہیں کر سکتے۔ چونکہ ہم پر دو ذمہ داریاں ہیں
ایک یہ کہ محاذ قائم کرنے کے لئے مناسب وقت اور موقع تلاش کریں۔
مہم کا انتظام کریں۔ دوسرے یہ کہ اپنے فیصلہ کی دشمن کو خبر نہ ہونے دیں۔"

تین روز بعد کرپس نے تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"جرمنی پر برطانیہ جو فضائی حملے کر رہا ہے ان کی اہمیت کو بھی سمجھنا چاہئے یہ حملے نہ صرف جرمنی کی صنعتی سعی کو تباہ کر رہے ہیں بلکہ جرمن آبادی میں بدحواسی بھی پھیلا رہے ہیں۔ ہمارے اس جارحانہ اقدام کا سب سے اہم نتیجہ یہ ہے کہ جرمنی کی فضائی طاقت مغرب میں مقید ہو گئی ہے اور روس کو جرمنی کے فضائی حملوں سے کافی امن ملا ہوا ہے۔ ہماری رائے ہے کہ اس طریقہ کار سے ہم روس کو کافی مدد دے رہے ہیں اور یہی طریقہ امداد اس وقت تک جاری رکھنا چاہئے جب تک کہ پورے انتظام کے ساتھ یورپ کے کسی مقام پر لنگر انداز نہ ہو سکیں اس امر کی ہم کوشش کر رہے ہیں۔"

سر اسٹیفورڈ کی اس تقریر سے صاف پتہ چلتا تھا کہ محاذ قائم کرنے کا ارادہ نہ تھا۔ فی الحال وہ اپنے فضائی حملوں ہی کو کافی خیال کرتے تھے۔ موسم بہار میں ۱۰ جون ۱۹۴۲ء کو جرمن حملہ کا آغاز ہوا اور وہ پیش قدمی کرنے لگے۔ نہ صرف یہ کہ جو مقامات روس نے موسم سرما میں جرمنی سے واپس لے لئے تھے ان پر جرمن افواج نے از سر نو قبضہ کر لیا تھا بلکہ مزید اہم مقامات ان کے تصرف میں آ گئے تھے۔ ان حالات میں روس کی ہمت افزائی کرنے کے لئے برطانیہ نے روس سے بیس سال کے لئے ایک عہد نامہ کر لیا جس کی نوعیت قریب قریب وہی تھی جو پہلے عہد نامہ کی تھی۔ ۱۱ جون کو اس عہد نامہ کا اعلان کرتے ہوئے مسٹر ایڈن نے کہا:۔

"۱۹۴۲ء میں یورپ میں دوسرے محاذ کے قیام کے متعلق فریقین میں فیصلہ ہو گیا ہے"

ان مذاکرات میں مسٹر مولوٹوف. مسٹر ملنسکی مسٹر چرچل مسٹر ایڈن مسٹر ایٹلی اور فوجی ماہرین نے حصہ لیا۔ اس امر پر بھی تبادلہ خیالات ہوا کہ کس طرح ہوائی جہاز ٹینک اور آلاتِ حرب برطانیہ سے روس روانہ کیئے جائیں خیالات کی ہم آہنگی نے دونوں فریقین کو مطمئن کر دیا ہے۔"

عہدنامہ اور مسٹر ایڈن کے اس بیان سے سادہ لوح دنیا یہی سمجھی کہ ۱۹۴۲ء میں مغربی یورپ میں محاذ قائم ہو جاوے گا لیکن مسٹر ایڈن نے صرف یہی کہا تھا کہ فیصلہ ہو گیا ہے فیصلہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ محاذ قائم کیا جائے گا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کوشش کریں گے کہ اس سال محاذ قائم کریں لیکن کوئی وعدہ نہیں کرتے۔ مسٹر ایڈن کے اس بیان کے مختلف معنی ہو سکتے تھے۔ ۲۰ جون کو اس عہدنامہ کی خوشی کے جشن پر سر اسٹیفورڈ کرپس نے بحیثیت جنگی کابینہ کے نمائندے کے تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"وہ وقت قریب آرہا ہے جب ہم مغرب میں جرمنی پر حملہ آور ہوں گے لیکن کامیابی اس سعی کی جان ہے۔ ناکامی سے مشکلات میں اضافہ ہو جائے گا جیسے ہم تیاری میں مشغول ہیں ہٹلر بھی مصروف ہے۔ اور حملہ کا انحصار اس تیاری پر ہے جب مسٹر مولوٹوف یہاں تھے اس مسئلہ پر ان سے تبادلہ خیالات ہو چکا، اور میں آپ کو یہ یقین دلانا چاہتا ہوں کہ صاحب موصوف کو حالات کا اس سے کہیں زیادہ علم ہے جو میں آپ کو بتا سکتا ہوں۔"

برطانیہ میں روس کو امداد دینے کا جذبہ اتنا عام اور قوی تھا کہ جب مسٹر چرچل نے روسی صلیب احمر کے لئے دس لاکھ پونڈ کی اپیل کی تو مقررہ وقت میں بیس لاکھ پونڈ جمع ہو گیا لیکن اس سے یہ نہ خیال کرنا چاہیئے کہ اس زمانہ میں برطانیہ میں روس کی امداد دینے کے مخالف قطعی مفقود ہو گئے تھے۔ ۲۱ جون ۱۹۴۲ء کو لارڈ مور برک نے دوران تقریر میں کہا۔

"اس وقت ملک میں ایک گروہ روس کو سامانِ حرب روانہ کرنے کے خلاف ہے

اس گروہ کے قائدین روس کے خلاف تقریریں کرتے پھرتے ہیں۔ ان کا ایک رسالہ بھی نکلتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک کتاب بہت وسیع پیمانے پر خفیہ طور پر اسی گروہ کی طرف سے تقسیم ہو رہی ہے۔ کچھ لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہم روس کو جو سامان دے رہے ہیں۔ روس اس کے بدلے میں ہمیں کچھ نہیں دے رہا ہے میں یہ بتا دینا چاہتا ہوں کہ ہم روس کو ٹینک۔ بندوقیں۔ ہوائی جہاز۔ گولہ بارود اور خام اجناس وغیرہ روانہ کر رہے ہیں اور روس اس کے بدلے میں ہم کو لکڑی رال۔ چمڑہ اور اسی قسم کی دیگر اشیاء مہیا کر رہا ہے۔ حکومت نے اگرچہ دوسرا محاذ قائم کرنے کا وعدہ کیا ہے لیکن سوال عجلت کا ہے۔ دوسرے محاذ کے قیام میں غیر ضروری تاخیر نہیں ہونی چاہیئے اور ہم سب کو نہایت محنت اور تن دہی سے سامان حرب بنانے کی فیکٹریوں۔ بحری جہاز بنانے کے کارخانوں میں کام کرنا چاہیئے۔ اس امر میں شبہ کی گنجائش نہیں کہ گذشتہ موسم سرما میں اگر ہم روسیوں کی مدد کرتے تو جرمنی کو شکست ہو جاتی۔ اگر روسیوں کو موسم خزاں میں شکست ہو جاتی تو آج جرمنی انگلستان پر حملہ آور ہوتا۔"

جیسا کہ لارڈ بیوربرک نے بیان کیا یہ واقعہ تھا کہ اگر موسم سرما میں روسیوں کو مدد دی جاتی تو جرمنی کو شکست اور جنگ ختم ہو چکی ہوتی لیکن اس طرح برطانیہ کا صرف ایک مقصد پورا ہوتا یعنی جرمنی تباہ ہو جاتا لیکن دوسرا مقصد یعنی روس نیم جاں ہو جائے پورا نہ ہوتا۔ دونوں مقاصد جرمنی و روس کی جنگ کو طویل کرنے ہی سے پورے ہو سکتے تھے۔ شاید یہ وجہ تھی کہ موسم سرما میں محاذ قائم نہیں کیا گیا۔ اسی زمانہ میں برطانوی افواج کو لیبیا میں شکستیں ہونے لگیں جرمن فیلڈ مارشل رومل کا اقدام بڑھا تو مصر چند روزہ مہمان معلوم ہونے لگا مصر کی روئی مانچسٹر کی جان خطرے میں پڑ جاتے تو برطانیہ کیوں نہ مضطرب ہو۔ صرف یہی نہیں بلکہ مصر کی فتح کے بعد جرمنی و اٹلی کا تمام سُرخ سمندر اور میڈی ٹیرین سمندر پر تسلط ہو جانا اور

شہنشاہ برطانیہ کے تاج کا بے بہا نگین یعنی ہندوستان خطرے میں آجاتا۔ مشرق کی جانب سے برما فتح کرنے کے بعد جاپانی افواج ہندوستان کی سرحد تک پہنچ گئی تھیں۔ ان سب خطرات کو محسوس کرتے ہوئے برطانیہ کے لئے ہندوستان اور لیبیا کا محاذ مغربی یورپ کے محاذ سے زیادہ اہم ہوگیا تھا۔ برطانیہ کی عزیز ترین نوآبادیات خطرے میں آگئیں تو مضطرب ہوکر جون ۱۹۴۲ء کو مسٹر چرچل صدر روزویلٹ سے مشورہ کرنے امریکہ پہنچے اور طویل مذاکرات کے بعد انھوں نے اعلان کیا:۔

"ظاہر ہے کہ ہم اپنی خفیہ تجاویز کا اعلان نہیں کرسکتے لیکن یہ بیان کردینا ضروری ہے کہ جو تجاویز واشنگٹن کانفرنس میں قرار پائی ہیں۔ ان پر عمل درآمد کرنے سے روس پر جرمن حملہ کا دباؤ کم ہوجائے گا۔"

یہاں یہ امر قابل غور ہے کہ اس اعلان میں مغربی یورپ میں محاذ قائم کرنے کا ذکر تک نہیں تھا۔ اعلان کی اس کمی کو روس نے خاص طور پر محسوس کیا۔ اگرچہ اب روس کی اشک شوئی کرنے کے لئے اس کو ادھار پٹے کی شرائط پر سامان حرب دیا جانے لگا تھا۔ اور ایک کروڑ پونڈ قرضہ کے صرف ہوجانے پر برطانیہ نے دو کروڑ پچاس لاکھ پونڈ کا مزید قرضہ عنایت کردیا تھا لیکن یہ تمام سہولتیں دوسرے محاذ کا نعم البدل نہیں ہوسکتی تھیں جرمن اقدام تیزی سے جاری تھا۔ یکم جولائی کو روس کی بحر اسود کی مشہور بندرگاہ سیسٹاپول پر جرمن قبضہ ہوگیا اس کے یہ معنی تھے کہ بحر اسود پر جرمن تسلط اور کوہ قاف کو شدید خطرہ پیدا ہوگیا۔ چنانچہ اتحادیوں کے طریقہ امداد سے برافروختہ ہوکر جس میں تجارتی عنصر غالب تھا اور فوجی مدد مفقود تھی ۱۵ جولائی کو ماسکو ریڈیو نے کہا:۔

"دوسرا محاذ ضرور قائم ہونا چاہیے اگرچہ اس کے قیام میں برطانیہ اور امریکہ کو شدید قربانی ہی کیوں نہ دینی پڑے۔ اگر روسی محاذ نہ ہوتا تو ان ممالک کو ان قربانیوں سے جو ان کو مغربی محاذ قائم کرنے میں دینی پڑیں گی زیادہ قربانیاں کرنی ہوتیں

مشرقی محاذ پر جو جنگیں ہو رہی ہیں وہ در اصل نیو یارک اور لندن کے تحفظ کے لئے ہیں"

جب روسٹوف اور دریائے ڈون کے موڑ میں جرمن داخل ہو گئے اور روسی فوجیں پسپا ہوتی چلی گئیں تو مشرقی محاذ پر حالات نازک سے نازک تر ہو گئے اور ۳۱ جولائی سنہ ۱۹۴۲ء کو مسٹر ملسکی نے پارلیمان کے تمام ممبروں کے روبرو ان نازک حالات کو واضح طور پر بیان کر دیا ایک ملک کا سفیر پکار پکار کر یہ کہہ رہا ہو کہ اس کے ملک کی حالت نازک ہو چلی ہے خبریں بھی روسی افواج کی پسپائی کی آ رہی ہوں تو ان حالات میں درست واقعات معلوم کرنے ضروری ہوتے ہیں۔ چنانچہ ۱۲ اگست کو بظاہر اسٹالن سے مشورہ کرنے لیکن درحقیقت موسم بہار کے جرمن حملہ کی تندہی اور روس کی مدافعت کی طاقت کا اندازہ لگانے مسٹر چرچل اور صدر امریکہ کے نمائندے مسٹر ہاریمین ماسکو پہنچے اور ۱۵ اگست کو قاہرہ ہوتے ہوئے عازم لندن ہو گئے ان مذاکرات پر تبصرہ کرتے ہوئے پراودا نے تحریر کیا:۔

اُس مشاورتی کانفرنس کی یہ اہمیت تھی کہ آئندہ اتحادیوں کی تمام طاقت جنگ میں کام لائی جائے گی"

ابھی مسٹر چرچل مصر کے محاذ کے معائنہ میں مصروف تھے کہ ۱۹ اگست کو فرانس کے ایک مقام ڈپی پر برطانوی افواج نے لنگر انداز ہونے کی کوشش کی لیکن دشمن کے جارحانہ اقدام کی وجہ سے فوراً ہی واپس فرار ہونا پڑا۔ نہ معلوم یہ حملہ روس کو خاموش کرنے کے لئے کیا گیا تھا یا جرمنی کو دھوکا دینے کے لئے۔ بہت ممکن ہے کہ دونوں مقصد ہوں۔ ڈپی کی ناکامی کے بعد برطانیہ روس سے یہ کہہ سکتا تھا دیکھو ہم نے تو مغرب میں محاذ قائم کرنے کی کوشش کی لیکن کیا کیا جائے یہ محاذ قائم کرنا بہت ہی دشوار ہے تمہیں بحری جنگ کا تجربہ نہیں تم نہیں سمجھ سکتے کہ یورپ پر سمندری راستے سے فوج کشی کرنی کتنی دشوار ہے اور اس قسم کے حملے اور شکستیں بجائے اچھے نتائج پیدا کرنے کے مضر نتائج پیدا کریں گے

دشمن کے ہاتھ مزید سامانِ حرب لگ جائے گا جو وہ مشرقی محاذ پر استعمال کرے گا۔ دوسرے دشمنوں کے دل بھی بڑھ جائیں گے ہماری شکستیں روسی افواج میں شکستہ ذہنیت پیدا کردیں گی۔ اس لئے یہی مناسب ہے کہ بجائے یورپ کے افریقہ میں دوسرا محاذ قائم کیا جائے اصل مقصد پہلے مصر وہندوستان کو محفوظ کرنا تھا۔ روس کی امداد ایک اضافی شے تھی شاید ڈیپی کے حملے سے جرمنی کو یہ دھوکا دینا مقصود ہو کہ اتحادیوں کا ارادہ جلد از جلد یورپ میں محاذ کرنے کا ہے تاکہ وہ اپنی مزید افواج مغرب میں اور آبدوز کشتیاں۔ انگلش چینل اور شمالی سمندر میں لے آئے اور افریقہ کے سمندری راستے میں برطانیہ کو آبدوز کشتیوں سے دوچار نہ ہونا پڑے۔ اس قسم کے اقدامات کی بابت یقینی طور پر کچھ کہا نہیں جاسکتا شاید ایک مدت بعد یہ راز فاش ہو کہ ڈیپی پر لنگرانداز ہونے کی کیوں کوشش کی گئی تھی بلطانیہ لیبیا کے محاذ کا معائنہ کرنے کے بعد لیکن در اصل افریقہ میں برطانوی وامریکن افواج کے لنگر انداز ہونے کے انتظامات اور ان کی نقل وحرکت کی بابت مشورہ کرکے ۲۶ اگست کو وزیر اعظم برطانیہ لندن واپس آگئے اور ۸ ستمبر ۱۹۴۲ء کو مسٹر چرچل نے ماسکو کے مشاورتی کانفرنس کے متعلق تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"میں یہ عرض کروں کہ روسیوں کا یہ خیال ہے کہ برطانیہ اور امریکہ اس امر کی کافی سعی نہیں کررہے ہیں کہ مشرقی محاذ سے جرمن افواج کا دباؤ کم ہو جائے۔ ان کے لئے یہ رائے قائم کرنا کوئی تعجب خیز امر نہیں ہے چونکہ ان پر شدید حملے ہورہے ہیں جن کو وہ نہایت مستعدی سے روک رہے ہیں ـــــ ہمارے خلاف مغرب میں چالیس یا پچاس جرمن ڈویژن ہیں لیکن ہٹلر نے مشرقی محاذ پہ ان چالیس ڈویژنوں کی کمی کو فنیش۔ ہنگارین۔ رومانین۔ اطالوی ڈویژنوں کو روانہ کرکے پورا کرلیا ہے...... ہمارے لئے روسیوں کو بحری مہم کی مشکلات سمجھانا مشکل ہے۔ ہم سمندری جانور ہیں امریکہ بحری جانور ہے۔ روس بری جانور ہے

لیکن خوش قسمتی سے ہم تینوں فضائی جانور ہیں میرے لئے یہ ممکن نہیں ہے
کہ اتحادی جنگ کے سلسلے میں جو سعی کر رہے ہیں اس کا تفصیل سے ذکر کروں
لیکن یہ عرض کرنا ضروری خیال کرتا ہوں کہ ہم نے روسی قائدین کو یہ یقین
دلا دیا ہے کہ بغیر اس امر کا خیال کئے کہ ہمیں کتنی دشواری اور نقصان ہوتا ہے
ہم جلد از جلد روس کو مدد دیں گے۔"

جب مسٹر چرچل مشاورتی کانفرنس کی کارروائی کے متعلق تقریر کرنے اٹھے تھے اس وقت دار العوام کی ہر نشست پُر تھی لیکن وزیر اعظم کو تقریر کرتے ہوئے ایک گھنٹہ ہی گذرا تھا کہ معدودے چند ممبروں کے سوا سب مسٹر چرچل کی لفاظی سے دل برداشتہ ہو کر اپنے گھروں کو واپس ہو گئے تھے۔ حقیقت یہ تھی کہ ممبر دوسرے محاذ کے قیام کی بابت ماسکو کانفرنس کا فیصلہ معلوم کرنے آئے تھے نہ کہ مسٹر چرچل کی فصاحت و بلاغت کی داد دینے۔ اگرچہ اس مشاورتی کانفرنس پر بحث و مباحثہ کرنے کے لئے دو روز مقرر ہوئے تھے لیکن دار العوام کے ممبر حکومت کے لفظی و کاغذی طریقہ جنگ سے اتنے بددل ہو گئے تھے کہ ان کو منافقانہ بحث و مباحثہ میں حصہ لینے کا یارا نہیں رہا تھا۔ ستمبر ۱۹۴۲ء میں مشرقی محاذ پر اس درجے خونریز جنگ ہو رہی تھی کہ روزانہ چھ سات ہزار روسی سپاہی قتل ہو رہے تھے۔ ۱۱ ستمبر کو نوورو سک پر جرمن قبضہ ہو گیا۔ ستمبر کے اواخر میں جرمن فوجیں اسٹالن گراڈ اور موزڈوک کے گرد و نواح میں پہنچ گئی تھیں اور گروزنی کے تیل کے چشمے جو روس کی فوجی توانائی کی جان تھے خطرے میں آ گئے تھے۔ عصر حاضر کی آلاتی جنگ میں اگر تیل کے منبع و ذخائر ہاتھ سے نکل جائیں تو فتح کی امید خواب و خیال ہو جاتی ہے۔ جرمن افواج کے ناقابل برداشت حملوں نے روس کی حالت بہت نازک کر دی تھی۔ جرمن فتوحات کا ذکر کرتے ہوئے ۳۰ ستمبر کو ہٹلر نے یہ اعلان کیا کہ روس کا جتنا علاقہ فتح کرنا مقصود تھا وہ جرمن افواج نے فتح کر لیا ہے
اس اعلان کے بعد ہٹلر نے کہا:۔

ہم دریائے والگا تک پہنچ گئے ہیں اور اسٹالن گراڈ پر فوج کشی کر رہے ہیں یقین رکھیئے ہم اس مقام کو ضرور تسخیر کریں گے۔ ایک مرتبہ اسٹالن گراڈ میں داخل ہو جانے کے بعد کوئی طاقت نہیں جو وہاں سے ہمارا اخراج کر سکتی ہے"۔

جرمن افواج کا اسٹالن گراڈ پر حملہ گویا روس کی شہ رگ پر حملہ تھا۔ جرمنی کا اس اقدام سے مقصد روس کو دو حصّوں میں منقسم کر دینا تھا۔ ایک شمالی روس جو قدرت کی فیاضیوں سے محروم تھا اور دوسرا جنوبی روس جو لوہے۔ کوئلہ۔ تیل اور زرخیز و شاداب علاقوں سے مالا مال تھا اگر جرمن جنوبی روس پر پوری طرح قابض ہو جاتے تو روس کی شکست لازمی تھی۔ ان خطرناک حالات میں بھی دوسرا محاذ قائم نہ ہونے پر روس اور برطانیہ کے جمہور میں یہ بدگمانی زیادہ عمیق ہو گئی کہ برطانیہ کا ارادہ صرف فضائی حملوں اور سامانِ حرب سے مدد دینے پر اکتفا کرنے کا ہے جس کا مخالفت کے خوف سے حکومت صاف طور پر اظہار نہیں کرنا چاہتی۔ انگلستان اور امریکہ میں جو گروہ دوسرے محاذ کا مخالف تھا وہ یہ کہہ رہا تھا۔ امریکہ اور برطانیہ بھی تو جاپان سے لڑ رہے ہیں۔ جاپانی خونخواری کا ہم تنہا شکار بن رہے ہیں روس بھی تو ہمارا اتحادی ہوتے ہوئے جاپان کے خلاف دوسرا محاذ قائم نہیں کر رہا۔ آخر ہم سے اتنا شدید مطالبہ کیوں کیا جا رہا ہے کہ ہم فوراً مغربی یورپ میں محاذ قائم کریں۔ اگرچہ مغربی جرمنی پر شدید فضائی حملے اور روس کو سامانِ حرب کی امداد اپنی جگہ کافی اہم تھی لیکن یہ دوسرے محاذ کا نعم البدل نہیں ہو سکتے تھے اس زمانہ میں نہ صرف جرمن افواج مصر کے لئے خطرہ بنی ہوئی تھیں بلکہ جاپان ہندوستان کی مشرقی سرحدوں میں داخل ہو گیا تھا ظاہر تھا کہ برطانیہ اور امریکہ جاپانی اقدامات کا روکنا دوسرا محاذ قائم کرنے سے زیادہ ضروری خیال کرتے تھے ان حالات میں اسٹالن خاموش نہیں رہ سکتا تھا چنانچہ جیسا سیاسی دستور ہوا کرتا ہے کہ جب سیاسی اکابرین اظہار خیال کرنا چاہتے ہیں تو کسی اہم اخباری نمائندے سے اس موضوع پر سوال کرا دئے جاتے ہیں اور وہ اس کا جواب دیتے ہیں

اس دستور کے مطابق ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے مقیم ماسکو نے اسٹالن سے چند سوالات کیے جن کے جوابات اس کو موصول ہو گئے۔ وہ سوالات و جوابات حسب ذیل ہیں۔

سوال۔ موجودہ حالات میں دوسرے محاذ کو اہمیت کے لحاظ سے کیا درجہ حاصل ہے۔

جواب۔ دوسرے محاذ کی بہت اہمیت ہے یہ کہنا درست ہوگا اس کی اہمیت اول درجہ کی ہے۔

سوال۔ اتحادیوں کی امداد کس حد تک موثر ثابت ہو رہی ہے اور آپ کے خیال میں اس کو زیادہ موثر بنانے کے لئے کیا تدابیر اختیار کی جا سکتی ہیں۔

جواب۔ اگر ہم اسی طرح موازنہ کریں کہ روس نے تمام جرمن افواج کے حملہ کا بار اپنے شانوں پر لے کر اتحادیوں کی کتنی زبردست مدد کی ہے تو اتحادیوں کی جانب سے سوویٹ یونین کو جو مدد ملی ہے وہ غیر موثر معلوم ہوتی ہے اس امداد کو زیادہ حقیقی بنانے کے لئے صرف اس امر کی ضرورت ہے کہ اتحادی اپنا وعدہ (دوسرا محاذ) مکمل طور پر اور بر وقت پورا کریں۔

سوال۔ روس کی دفاعی اہلیت کی کیا حالت ہے۔

جواب۔ میرے خیال میں روس میں جرمن ڈاکو کی مدافعت کی اتنی ہی قوت ہے جتنی کہ سلطانی جرمنی اور دیگر جنگ آزما ممالک میں دنیا کو غلام بنانے کی قوت ہے۔

اسٹالن کے ان جوابات سے صاف طور پر یہ مترشح ہوتا ہے کہ دوسرے محاذ کے قیام میں اتحادی جو تاخیر کر رہے تھے وہ اس سے نالاں تھا۔ اگرچہ حالات نے اتحادیوں کو روس سے ہم آغوش ہونے پر آمادہ کر دیا تھا لیکن ان کی اشتراکی ملک سے دیرینہ نفرتیں ہنوز باقی تھیں اور وہ رنگ لا رہی تھیں۔ ایسوسی ایٹڈ پریس کے نمائندے اور اسٹالن میں جو خط و کتابت ہوئی وہ دنیا کے تمام اخبارات میں شائع ہوئے اور تمام دنیا میں اس پر اظہار خیال ہوا لیکن جب مسٹر گرین وڈ نے دار العوام میں اسٹالن کے بیان کے متعلق مسٹر چرچل

سے استفسار کیا تو موصوف یہ کہہ کر خاموش ہو گئے کہ حکومت برطانیہ اس خط و کتابت کے متعلق بیان دینے کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ اسٹالن کی اس خط و کتابت پر اخبار ٹائمز نے اداریہ لکھا:۔

"مسٹر اسٹالن کی پریس کے نمائندے سے یہ خط و کتابت تشویش کن ہے اور بظاہر اس مقصد کے لئے کی گئی ہے تاکہ تشویش و اضطراب پھیلے جو اتحادی اپنی حیات کے لئے مشترکہ دشمن سے نبرد آزما ہوں ان میں اختلافی مسائل پر اس طرح علانیہ طور پر ردّ و کد ہونا جو دشمن کے علم میں آئے یہ ظاہر کرتی ہے کہ اتحادیوں کے آپس کے تعلقات اور تنظیم میں کچھ خامی ہے۔"

اخبار اسٹیٹسمین اور نیشنل کے نامہ نگار مقیم ماسکو نے اطلاع دی:۔

"دوسرے محاذ کے متعلق غیر ضروری موشگافیاں، سامان حرب پہنچانے کی غیر اطمینانی صورت، سامان حرب کی کمی اور اس کی خراب قسم جیسا کہ ان سست رفتار ہوائی جہازوں سے ثابت ہوتا ہے جو برطانیہ نے اسٹالن گراڈ کے محاذ پر روانہ کئے برطانوی اخبارات کی دوسرے محاذ کی بابت کم اور غیر جانبدارانہ طرز تحریر دارالعوام میں روس کے متعلق سوالات پر برطانوی وزراء کا یہ جواب "جو کچھ بیان کر دیا گیا ہے اس میں مجھے مزید اضافہ کرنے کی ضرورت نہیں" ان سب امور سے روسی جمہور متاثر ہو کر یہ خیال کرتے ہیں کہ جو لوگ اس سال دوسرا محاذ قائم کرنے میں تاخیر کر رہے ہیں وہ دوسرے سال بھی تساہل برت سکتے ہیں۔"

روس اور برطانیہ میں ہنوز اسٹالن کی خط و کتابت سے سیاسی فضا مکدر تھی کہ برطانیہ کے بحری محکمہ نے اعلان کیا:۔

"سامانِ حرب سے لدا ہوا تجارتی بیڑا روس کی شمالی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا ہے

اگرچہ دشمن نے آبدوز کشتیوں اور ہوائی جہازوں کے ذریعہ سے اس کنوائے کو نقصان پہنچانے کی سعی کی تاہم یہ بیڑہ جو امریکی۔ روسی۔ برطانوی جہازوں پہ مشتمل تھا بلا نقصان اٹھائے روس جا پہنچا ہے۔"

اس تجارتی بیڑے کی وسعت پر روشنی ڈالتے ہوئے مسٹر ایڈن نے بیان کیا:۔

"تجارتی کنوائے اتنا زبردست تھا کہ اس کی حفاظت کے لئے پچھتر بحری جہاز ہمراہ تھے۔"

اس سے زیادہ سامانِ حرب اس سے قبل کبھی روس روانہ نہیں کیا گیا سامانِ حرب کی فراہمی اگرچہ اپنی جگہ خاص اہمیت رکھتی ہے لیکن یہ وہ اثر مترتب نہیں کر سکتی تھی جو دوسرا محاذ کرتا۔ یہ ایک تجارتی معاملہ تھا اور روس یہ چاہتا تھا کہ اتحادی خون سے مدد کریں چنانچہ ۶ نومبر ۱۹۴۲ء کو اسٹالن نے ایک اہم موقع پر تقریر کرتے ہوئے کہا:۔

"دوسرا محاذ قائم نہ ہونے کا یہ نتیجہ ہے کہ جرمنی اور اس کے اتحادیوں نے روس کے خلاف دو سو چالیس ڈویژن صف آرا کر دیئے ہیں جرمنی کی باقی ماندہ ڈویژن مفتوح ممالک میں امن قائم رکھنے کے فرائض ادا کر رہی ہیں بمصر اور لیبیا کے محاذ پر اتحادیوں نے ضرور حملہ کیا ہے لیکن ان محاذوں پر صرف چار جرمن اور گیارہ اطالوی ڈویژن مصروف بہ پیکار ہیں۔ اس کے یہ معنی ہوئے کہ روس دو سو چالیس ڈویژنوں کے مقابلہ میں تنہا لڑ رہا ہے اور امریکہ و برطانیہ مشترکہ طور پر صرف پندرہ ڈویژنوں سے دوچار ہو رہے ہیں۔"

یہ تحلیل کرنے کے بعد اسٹالن نے کہا:۔

"فرض کیجئے کہ جیسا پہلی جنگِ عظیم میں تھا۔ یورپ میں دوسرا محاذ قائم ہو جاتا ہے۔ فرض کیجئے کہ جرمنی کے ساٹھ ڈویژن اور جرمن معاونین کے بیس ڈویژن دوسرے محاذ پر مشغول بہ پیکار رہتے۔ اس شکل میں مشرقی محاذ پر جرمنی کی حربی

طاقت کیا رہ جاتی ؟ ظاہر ہے کہ مشرقی محاذ پر جرمنی کی حالت بہت خستہ ہو جاتی۔ جرمن افواج کے خاتمہ کی ابتداء ہو چکی ہوتی چونکہ اس صورت میں روسی افواج۔ پسکوف۔ پنسک۔ اوڈیسا کے مقامات پر ہوتیں۔ اس کا یہ مطلب ہوتا کہ اس موسم بہار میں جرمن افواج لب دم ہوتیں۔ جرمنی تباہی سے اس لئے بچا ہوا ہے چونکہ اس کے خلاف یورپ میں دوسرا محاذ قائم نہیں کیا گیا اکثر یہ دریافت کیا جاتا ہے کہ کیا اتحادی دوسرا محاذ قائم کریں گے۔ ہاں جلد یا تاخیر سے دوسرا محاذ قائم کیا جائے گا۔ لیکن وہ اس لئے قائم نہیں کیا جائے گا کہ روس کو اس کی ضرورت ہے بلکہ اس لئے چونکہ اس کا قیام اتحادیوں کے اپنے لئے ضروری ہے۔ اتحادیوں کو یہ صاف طور پر روشن ہے کہ فرانس ختم ہو چکا ہے اور ان کا دوسرا محاذ قائم نہ کرنا تمام اتحادیوں کے لئے پیام اجل ثابت ہو سکتا ہے۔ اس امر سے انکار کرنا کہ ہمارے اور اتحادیوں کے سیاسی تخیلات اور ملکی دستور میں فرق ہے مضحکہ خیز ہوگا لیکن کیا ان اختلافات کی بناء پر ہم اتحادیوں کو اس اقدام سے پرہیز کرنا چاہتے جو ہم سب کو تسلطاتی غلامی سے بچائے۔ یہ اختلافات ہمارے اتحاد و تعاون کی راہ میں حائل نہیں ہونے چاہئیں۔"

جیسا مندرجہ بالا تقریر سے ظاہر ہے سٹالن کی دوسرے محاذ کے قیام سے یہ مراد تھی کہ جرمنی کے مغربی محاذ پر اتنے وسیع پیمانے پر حملہ کیا جائے کہ اس کو روسی محاذ سے اسّی ڈویژن منتقل کرنے پڑیں۔ اس نے تلخ الفاظ میں یہ بھی کہہ دیا کہ اتحادیوں کو روس کا مفاد مدنظر نہیں ہے بلکہ اگر دوسرا محاذ قائم ہوا تو وہ اس خطرے کی بناء پر ہوگا کہ روس کی شکست کے بعد برطانیہ پر حملہ ہونا یقینی تھا۔ دبے الفاظ میں اسٹالن نے یہ بھی کہہ دیا کہ اس خطرے کی بناء پر کہ جنگ کے بعد روس وسط یورپ میں اشتراکی نظام

نہ قائم کرنے اتحادیوں کو دست تعاون نہیں کھینچنا چاہئے۔ چونکہ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ فسطائی غلامی کی لعنت کا طوق ہماری سب کی گردنوں میں پڑجائے گا۔ بیدار مغز لوگ تحریر و تقریر پر نہیں جاتے بلکہ حالات کی منطق کو دیکھتے ہیں مسٹر چرچل کو یہ علم و یقین تھا کہ روس مدافعت کر سکتا ہے اور کرے گا اور مشرقی محاذ پر جنگ طول پکڑے گی۔ چنانچہ اسٹالن کی اس تلخ لیکن بصیرت افروز تقریر کا جواب دیتے ہوئے مسٹر چرچل نے دار العوام میں کہا۔

"وزیر اعظم اسٹالن نے اپنی تقریر میں جو یہ گلہ کیا ہے کہ جرمن حملہ کا تمام بار روس پر ہے مجھے اس سے اتفاق ہے...... روسیوں کو اس وقت جو شدید مشکلات درپیش ہیں اور غیر متناہی طور پر جرمن حملہ کا پورا دباؤ جو مشرقی محاذ پر ہے اس کے متعلق اسٹالن نے جو کچھ کہا ہے وہ درست ہے۔ روسی فوجیں حملہ کا زور اور وقت کا خطرہ برداشت کر رہی ہیں۔ ان وجوہات کی بناء پر میں خیال کرتا ہوں کہ روسیوں کے لئے یہ قدرتی امر ہے اور اس کا ان کو حق بھی ہے کہ وہ ترش و برہنہ الفاظ میں اپنے خیال کا اظہار کریں جیسا کہ اسٹالن نے کیا ہے۔

ان چند جملوں کے بعد دوسرا محاذ قائم کرنے میں جو مشکلات و خطرات حائل تھے مسٹر چرچل نے ان پر روشنی ڈالی اور واضح طور پر اعلان کر دیا کہ ۱۹۴۲ء کے موسم گرما یا موسم خزاں میں دوسرا محاذ قائم نہیں کیا جا سکتا اس وضاحت کے بعد برطانیہ کے وزیر اعظم نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:-

"یہ سوال کیا جا سکتا ہے۔ جب ۱۹۴۲ء میں محاذ قائم کرنے کے امکانات نہیں تھے تو ہم نے روسیوں کو غلط امید کیوں دلائی۔ ہم روس اور امریکہ کے ساتھ سرکاری بیان شائع کرنے پر کیوں راضی ہوتے جس میں یہ وعدہ کیا گیا تھا کہ ۱۹۴۲ء میں یورپ میں دوسرا محاذ قائم کر دیا جائے گا۔ میں صاف طور پر عرض کر دوں

کہ دشمن کو دھوکا دینے کے لئے اگر جمہور کو مغالطے میں ڈال دیا جائے تو میں اس حکمت عملی میں کوئی مضائقہ نہیں سمجھتا۔ البتہ یہ میرا عقیدہ ہے کہ کوئی ایسا امر نہ کرنا چاہیئے کہ اپنے اتحادی دھوکے میں پڑ جائیں۔ ہمیں اپنے اتحادیوں سے کوئی ایسا وعدہ نہ کرنا چاہیئے جس کو ہم ایفا نہ کر سکیں اور مجھے یقین ہے کہ ہم اس اخلاقی معیار پر درست اتریں گے۔ برطانیہ نے روس سے جو معاہدے کئے وہ تحریری تھے یا زبانی جن کو بعد میں تحریر میں لایا گیا۔ یکم جون کو میں نے روسی حکومت کو ایک تحریری دستاویز دی جس میں یہ امر صاف طور پر واضح کر دیا گیا تھا کہ ہم ۱۹۴۲ء میں دوسرا محاذ قائم کرنے کی کوشش ضرور کریں گے لیکن پختہ وعدہ نہیں کرتے۔ خواہ ہمارا ارادہ اگست دسمبر کے ماہ میں یورپ پر حملہ آور ہونے کا تھا یا نہ تھا لیکن روسی مفاد کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ ضروری تھا کہ جرمنی کو یہ یقین دلایا جائے کہ ان ماہ میں حملہ آور ہوں گے اس حکمت عملی سے ہم نے جرمن افواج کو بجائے مشرقی محاذ پر روانہ ہونے کے فرانس بلجیم اور ہالینڈ میں رہنے پر مجبور کر دیا۔"

مسٹر چرچل کے اس بیان سے تمام دنیا حیرت میں رہ گئی۔ عام یقین تھا کہ برطانیہ ۱۹۴۲ء میں مغربی محاذ قائم کرنے کا وعدہ کر چکا ہے اور اس سال محاذ ضرور قائم کیا جائے گا۔ اب یہ انکشاف ہوا کہ کوئی پختہ وعدہ نہ تھا بلکہ صرف مصلحتاً امید دلائی گئی تھی جب مسٹر چرچل کا یہ اعلان ہوا تو عام طور پر روس میں یہ دریافت کیا جانے لگا کہ کیا برطانیہ جنگ سے بہت حد تک محفوظ رہنے کے باوجود اتنے طویل عرصہ میں اس درجہ تیاری نہ کر سکا کہ یورپ میں محاذ قائم کر سکتا؟ کیا برطانیہ واقعی اس قدر کمزور ہے؟ درحقیقت مہذب پیرائے میں روسی یہ کہہ رہے تھے کہ یہ غیر ممکن ہے کہ جنگ کی ہولناکیوں سے ایک طویل مدت تک امن ملنے کے باوجود برطانیہ دوسرا محاذ قائم کرنے کی تیاری نہ کر سکے۔ برطانیہ اتنا کمزور نہیں ہے۔ برطانیہ محاذ قائم

کر سکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا۔ برطانیہ کی یہ سیاست ہے کہ جب تک روس و جرمنی پوری طرح تباہ نہ ہو جائیں اس وقت تک محاذ نہ قائم کیا جائے؟ ان بدگمانیوں کو روسی عوام و خواص مختلف الفاظ میں زبان پر لا رہے تھے لیکن برطانیہ خوب سمجھ رہا تھا کہ حالات کی منطق اس قرینہ کی ہے کہ خواہ برطانیہ دوسرا محاذ قائم کرے یا نہ کرے روس کوئی ایسا قدم نہیں اٹھا سکتا جو برطانیہ کے مفاد کے خلاف ہو۔ سیاسی دنیا میں اتحادی ایک دوسرے کی اس وقت تک امداد کرتے ہیں جب تک یہ خدشہ رہتا ہے کہ اگر امداد نہ دی تو دوسرا فریق نقصان پہنچا سکتا ہے اگر ایسے حالات پیدا ہو جائیں کہ دوسرا فریق ترکی بہ ترکی جواب نہ دے سکے تو پہلا فریق امداد سے پہلوتہی کرنے لگتا ہے۔ اس وقت حالات کی نوعیت یہ تھی کہ برطانیہ کی امداد کا روس محتاج تھا۔ برطانیہ روسی امداد سے بے نیاز تھا۔ روس اور جرمنی خون کے سمندر میں اتنی دور نکل گئے تھے کہ ان کا آشتی کے کنارے پر واپس آنا غیر ممکن ہو گیا تھا۔

سُرخ فوج کی فتوحات

جرمن افواج ہزاروں روسی بستیوں کو بے چراغ۔ لاکھوں روسیوں کو بے خانماں کر لے کے بعد اسٹالن گراڈ کے گرد و نواح میں تو پہنچ گئیں لیکن جرمنی کو اس کی قیمت بہت گراں ادا کرنی پڑی۔ روسیوں کی بہادرانہ مدافعت یہ تو نہ کر سکی کہ جرمن اقدام رک جاتا البتہ روسی افواج نے یہ کر دکھایا کہ جرمن پیش قدمی میں تاخیر پیدا کر دی اور ان کے پروگرام کو درہم برہم کر دیا موسم سرما کی آمد سے قبل جرمن اسٹالن گراڈ میں داخل نہ ہو سکے عوام اس تاخیر کو معنی خیز نہیں سمجھتے تھے جرمنی سے حسن ظن کی بنا پر عام طور پر یہ خیال تھا کہ اس محاذ پر صرف وقت کا سوال ہے۔ اسٹالن گراڈ کا تسخیر ہو جانا یقینی ہے ہٹلر کی عقیدت مند دنیا کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اسٹالن گراڈ تو در کنار روس کی اشتراکی حکومت چند روزہ مہمان ہے لیکن مرحبا ان جاں نثاران اشتمالیت پر جنھوں نے اس محشر ستاں میں جرأت و استقامت تدبیر و تعمیر کے وہ جوہر دکھائے کہ دنیا انگشت بدنداں رہ گئی۔ ان جاں بکف نوجوانوں کی قربانی رائگاں نہ گئی جرمن پیشقدمی کی رفتار اس درجہ کم ہو گئی کہ جرمن قوم سست رفتاری کے متعلق سوال کرنے لگی۔ جب ہر طرف سے یہ دریافت کیا جانے لگا کہ اسٹالن گراڈ اب تک تسخیر کیوں نہ ہو سکا تو برلن نے یہ توجیہ پیش کی کہ موسم سرما کے طریقہ جنگ میں جرمن افواج نسبے

روسی افواج زیادہ ماہر ہیں۔ ان میں جانوروں کی مانند موسم کی سختی برداشت کرنے کی اہلیت ہے وہ جانوروں کی طرح کہرے اور تاریکی میں آسانی سے راستے معلوم کر لیتے ہیں ان کو جنگلات کے ایسے خفیہ راستے معلوم ہیں جن کا جرمن افواج کو علم نہیں۔ اس کا یہ نتیجہ ہوتا ہے کہ وہ جرمن دستوں پر اچانک حملہ کرنے اور ان کی پیش قدمی روکنے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اس توجیہ سے جرمن قوم خاموش تو ہو گئی لیکن اس کا دل مطمئن نہ ہوا۔ جب چند ہفتے بعد روسی مدافعت شدید حملوں میں تبدیل ہونی شروع ہوئی تو جرمن جمہور نے پھر پریشان کن سوالات کرنے شروع کر دیئے۔ اس مرتبہ جرمن اخبارات کو یہ کہنا پڑا کہ روسی افواج اعلیٰ قسم کے آلاتِ جنگ سے آراستہ ہیں۔ حکومت روس کے ستر ہوائی جہاز تیار کرنے کے کارخانے ہر ماہ پندرہ سو ہوائی جہاز تیار کر رہے ہیں جو اسٹالن گراڈ پر برسر کار لائے جا رہے ہیں۔ ابھی نازی اخبارات اس قسم کی متعدد خبروں سے جرمن قوم کو پسپائی کی خبر سنانے کے لئے نفسیاتی طور پر تیار کر رہے تھے کہ ۱۹ نومبر کو ماسکو ریڈیو نے اسٹالن گراڈ اور دریائے ڈون پر زبردست روسی فتوحات کا اعلان کیا۔ اس اعلان کے چار روز بعد برلن نے بھی سرکاری طور پر اس امر کا اعتراف کر لیا کہ ان دونوں محاذوں کے چند مقامات پر روسیوں نے جرمن صفوں کو منتشر کر دیا۔ جب چند ہفتے بعد تمام مشرقی محاذ سے روسی پیش قدمی اور جرمن پسپائی کی خبریں آنے لگیں تو اس کی توجیہ جرمن ہائی کمانڈ نے اس طرح کر دی کہ رومانیہ اور اطالیہ کی افواج کی پست ہمتی ہے جس کی وجہ سے تمام جرمن افواج کو پسپا ہونا پڑا۔ آئندہ تمام محاذ پر صرف جرمن فوج ہی روس کے خلاف صف آرا ہو گی اب یہ توقع رکھنی چاہیئے کہ دسمبر میں روس کی بساط پلٹ دی جائے گی۔ حقیقت یہ تھی کہ متعدد محاذ قائم ہو جانے سے مشرقی محاذ پر جرمنی کی آلاتی برتری ختم ہوتی جا رہی تھی اور اسی نسبت سے شکست کے امکانات زیادہ نمایاں ہوتے جا رہے تھے یہاں تک کہ دسمبر کا آغاز شروع ہو گیا لیکن جس نوید کا ہر جرمن منتظر تھا وہ نہ آئی۔ دراصل جرمن پسپائی کی وہ وجوہات

نہ تھیں جو نازی اخبارات ہٹلر کی الوہیت میں ایمان رکھنے والی دنیا کو سُنا رہے تھے بلکہ اُس کی حسب ذیل چار اہم وجوہات تھیں۔

(۱) مصر میں جرمن افواج کے تشویش کن اقدامات اور ہندوستان کے لئے شدید خطرہ پیدا ہو جانے پر برطانیہ و امریکہ شمالی افریقہ میں محاذ قائم کرنے پر مجبور ہو گئے ۸ نومبر کو اتحادیوں کی کثیر افواج افریقہ کے مغربی ساحل پر لنگر انداز ہوئیں اور انھوں نے فرانس کے مقبوضات پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ اس اقدام کا یہ نتیجہ ہوا کہ جرمنی کو اپنے ہوائی بیڑے سامان حرب اور فوج کا معتد بہ حصہ افریقہ، جنوبی فرانس اور اٹلی کو روانہ کرنا پڑا تا کہ اگر اتحادی بحر روم کو عبور کر کے سرزمین یورپ پر محاذ قائم کرنا چاہیں تو ان کو روکا جا سکے۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ مشرقی محاذ کمزور ہو گیا اور جرمن افواج روسیوں کے شدید حملوں کی تاب نہ لا سکیں۔

(۲) جنگ کے طول پکڑنے کی وجہ سے روس برطانیہ اور امریکہ کو کثیر تعداد میں آلات اور سامان حرب تیار کرنے کا زریں موقع مل گیا۔ اب ہر لمحہ اتحادیوں کی فوجی قوت بڑھ رہی تھی اور جرمنی کمزور ہوتا جاتا تھا۔ اتحادیوں کی ہوائی طاقت لفٹ وافے سے نمایاں طور پر زیادہ ہو چکی تھی۔ اتحادی بمبار طیارے جرمنی اور اس کے مفتوح ممالک کے حربی کارخانوں صنعتی مستقروں کو مسمار کرنے میں دن رات مشغول تھے۔ جرمنی کی ہوائی طاقت کمزور ہو جانے کی وجہ سے سامان حرب تیار کرنے کے کارخانے تباہ کئے جا رہے تھے ان کارخانوں کی تباہی سے جرمنی کی حربی طاقت کمزور ہوتی جا رہی تھی۔

(۳) افریقہ میں محاذ کے قیام کا ایک اثر یہ بھی ہوا کہ اطالیہ کو اپنی تمام افواج روسی اور بلقانی محاذوں سے واپس بلانی پڑیں نیز جرمن کارخانوں میں جو اطالوی مزدور کام کر رہے تھے ان کو بھی فوجی خدمت سے وطن واپس بلانا پڑا اس سے جرمنی کو مزید مشکلات کا سامنا کرنا پڑ گیا لیکن افریقی محاذ سے دوسرے مہلک اثرات بھی ہوئے۔ جرمنی کے مفتوحہ ممالک میں یہ یقین پیدا ہو گیا کہ جرمنی کی شکست اب صرف وقت کا سوال ہے۔ اس یقین نے

مفتوحہ ممالک کے جمہور کو جرمنی سے باغی کر دیا اور ان ممالک کے سامانِ حرب تیار کرنے کے کارخانوں میں قوم پرست مزید نقصانات کرنے لگے۔ ان ممالک سے جرمنی کے لئے مزید خام اجناس اشیائے خوردنی کے دستیاب ہونے میں بھی مشکلات پیدا ہو گئیں۔ ان تمام امور کا جرمنی کے داخلی محاذ پر تخریبی اثر ہوا۔

(۴) جرمن افواج کے اسٹالن گراڈ پر اقدام نے جرمنی کے رسد کے ذخیروں کو حملہ آور فوجوں سے بہت دور کر دیا۔ جرمنی کی حملہ آور فوجوں کے پاس جس راستے سے سامان رسد پہنچتا تھا وہ بھی سو میل لانبا ہو گیا۔ اس طول طویل راستے کو روسی گوریلوں کے حملوں سے محفوظ رکھنا بھی مشکل ثابت ہو رہا تھا۔ گوریلے کاروانِ رسد پر شب خون مارتے تھے اس طرح اسٹالن گراڈ کے محاذ پر رسد پہنچنے میں تاخیر ہو جاتی تھی۔ مسلسل رسد کا نہ پہنچنا محاذ کے لئے تباہ کن ثابت ہو رہا تھا۔

مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر مشرقی محاذ پر جرمن افواج کی حالت تشویشناک ہو گئی تھی لیکن جرمن ہائی کمانڈ اپنی قوم کی قوت مدافعت برقرار رکھنے کے لئے یہ اعلان کر رہی تھی کہ وسط دسمبر میں مشرقی محاذ پر شدید جرمن حملہ کا آغاز ہو گا اور روسی افواج کا شیرازہ پریشان کر دیا جائے گا۔ نازی جرمنی اپنے فوجی زعما کے ان اعلانات سے قدرے مطمئن ہو گئے لیکن جب ۱۶ دسمبر کو نوید فتح کے بجائے نازی جرمنی نے برلن ریڈیو پر یہ جاں گسل خبر سنی کہ روسیوں نے دریائے ڈون کے محاذ پر پچاس میل کا شگاف ڈال دیا ہے تو ان پر یاس کا عالم طاری ہو گیا۔ اس یاس اور ناامیدی کو دور کرنے کے لئے ۲۷ دسمبر کو برلن سے اعلان ہوا کہ جرمن افواج نے جوابی حملے شروع کر دیے ہیں لیکن چند روز بعد جب ان جارحانہ اقدامات سے دشمن کی پیش قدمی پر کوئی نمایاں اثر معلوم نہ ہوا تو جرمن دلوں پر مایوسی و افسردگی چھا گئی۔ کہتے ہیں مصیبت تنہا نہیں آتی۔ مشرقی محاذ پر جرمن افواج پر شدید ضربیں لگ رہی تھیں کہ روسیوں کا زبردست ترین جنرل موسم سرما آ پہنچا۔ روس میں امیدِ فتح کی ایک لہر دوڑ گئی اور

جرمن افواج پر شکستہ دلی نے تسلط جما لیا موسم سرما شروع ہوا ہی تھا کہ درجہ حرارت نقطہ انجماد سے تیس درجہ کم ہو گیا۔ روسی افواج اس سردی کی عادی تھیں اور ان کے پاس سردی سے محفوظ رہنے کا ضروری سامان بھی تھا اس کے برخلاف جرمن افواج نہ اس قسم کی شدید سردی کی عادی تھیں اور نہ وہ سردی سے بچنے کے لئے ضروری سامان سے آراستہ تھیں اس فروگذاشت کی یہ وجہ تھی کہ جرمن فوجی زعما کو اپنے زعم باطل میں یہ یقین تھا کہ وہ موسم سرما کی آمد سے قبل ہی اسٹالن گراڈ پر قبضہ کر لیں گے۔ اس لئے محاذ پر فوج کے لئے گرم لباس اور سامان حرب کو موسم سرما کی مناسبت سے لانا ضروری خیال نہیں کیا گیا تھا گزوں گہرے برف میں جرمن مشین گنیں۔ توپیں۔ لاریاں۔ ٹینک اس طرح پھنس کر رہ گئے جیسے شکاری کے جال میں طیور۔ ایک طرف جرمن فوج کے لئے برف کی کثرت قہر بنی ہوئی تھی۔ دوسری جانب روسی پیدل اور گھوڑے سوار فوج نے حملے کرنے شروع کر دیتے تھے روسی ہائی کمانڈ نے برف باری سے فائدہ اٹھا کر اپنی تازہ فوجوں کے ذریعہ سے اسٹالن گراڈ کے محاذ پر جرمن کو احاطہ میں لینا شروع کر دیا۔ اس تدبیر میں روسی افواج کو اتنی زبردست کامیابی ہوئی کہ جنوری ۱۹۴۳ء میں باخبر فوجی ماہرین یہ کہنے لگے تھے کہ اسٹالن گراڈ پر جرمن جنرل پولیس کی جد وجہد بے معنی ہو چکی ہے۔ جرمن افواج روس کے آہنی حلقہ میں پھنس چکی ہیں۔ اب ان کی رہائی محال ہے۔ ماہرین کا اندازہ درست تھا حالات اس درجہ نازک ہو چکے تھے کہ جنرل پولیس کو ہوائی جہاز میں آ کر ہٹلر سے یہ کہنا پڑا کہ پچاس فیصدی فوج کے رہائی پانے کے اب بھی امکانات ہیں اور یہ دانائی ہو گی کہ فوج کو بچا لیا جائے فوج کے کئی افسروں نے جنرل پولیس کی تائید کی لیکن ہٹلر نہ مانا اور جنرل پولیس کو بے نیل و مرام اسٹالن گراڈ واپس جانا پڑا۔ وہاں پہنچ کر اس نے اپنی بہادرانہ مدافعت جاری رکھی جرمن افواج نے اپنی ضرب المثل بہادری اور جانفشانی کے جوہر دکھائے اور سرخ فوج نے اپنے نصب العین یعنی اشتمالیت کی سرخ روئی برقرار رکھنے کے لئے اسٹالن گراڈ کی سرزمین کو

اپنے خون سے سُرخ کر دیا۔ فیکٹریوں کے گوشے گوشے مکانوں کے کمروں اور چھتوں، سڑکوں کے چپہ چپہ پر ایک دو روز نہیں بلکہ مسلسل ہفتوں تک ایک کھیانک جنگ دست بدست ہوتی رہی جس معرکہ میں صرف فتح و شکست کا معاملہ نہ ہو بلکہ قوم کی زندگی اور موت کا سوال ہو وہ معرکہ انسانی بہمیت کے کیسے کیسے جاں گسل اور روح فرسا مناظر پیش کرتے ہیں ان کا نقشہ مورخ کا قلم نہیں کھینچ سکتا بلکہ حساس لوگوں کے تخیل کی قوت اس کمی کو خود ہی پورا کر لیا کرتی ہے۔ چند ہفتے بعد حالات اس درجہ خراب ہو گئے کہ جرمن افواج کو فضائی جہازوں کے ذریعہ سے جو رسد پہنچائی جا رہی تھی اس میں بھی دشواریاں پیدا ہو گئیں۔ اب ہوائی جہازوں کے اُترنے کا بھی کوئی انتظام باقی نہیں رہا تھا۔ اشیائے خوردنی وغیرہ بوریوں میں بھر کر اوپر سے پھینکی جانے لگیں تھیں۔ غلط اندازہ کی وجہ سے ان میں سے بھی بہت سی بوریاں روسی صفوں میں آ گرتی تھیں اور روسی نوجوانوں کے لئے دعوتِ شیراز مہیا ہو جاتی تھی۔ ظاہر تھا کہ جہاں اس درجہ حالت خراب ہو جائے کہ رسد اوپر سے پھینکی جانے لگے وہاں مدافعت قائم نہیں رہ سکتی تھی۔ چنانچہ ۲ فروری ۱۹۴۳ء کو تین لاکھ جرمن افواج نے ہتھیار ڈال دئے اور جنرل پولس مع دیگر آٹھ جنرلوں کے گرفتار کر لئے گئے۔ اس جنگ میں ایک لاکھ بیس ہزار لاریاں۔ سات ٹینک اور پانچ ہزار بار برداری اور دیگر قسم کے ہوائی جہاز اور بہت سا سامانِ حرب بطور مالِ غنیمت روسیوں کے ہاتھ لگا۔

اسٹالن گراڈ اور افریقہ کے محاذوں پر محوری طاقتوں کی شکستوں اور کثیر نقصانات نے ان کو سخت مجروح کر دیا تھا۔ برلن اور روم خطرہ کے احساس سے مضطرب تھے۔ اب فوج اور جمہور میں محوری فتح کا وہ آہنی یقین نہیں رہا تھا جو ان ہمت شکن شکستوں سے پیشتر تھا۔ محوری جمہور میں شکست کے امکانات اور اپنے اہل و عیال و مال و دولت کو کسی محفوظ مقام پر پہنچانے کے تذکرے سنجیدگی سے لیکن دبی زبان میں ہونے شروع ہو گئے تھے جرمنی و اطالیہ میں فوج کے لئے نوجوانوں کی کمی محسوس ہونے لگی تھی۔ برلن اور روم میں معمر عوام

اور نوعمر طالب علموں کو مختصر سی فوجی تعلیم و تربیت کے بعد محاذ جنگ کے لئے روانہ کرنے پر مجبور ہو گئے تھے۔ مزدوروں کے کام کرنے کے اوقات زیادہ طویل تھے لیکن اُن کے روزینہ میں تخفیف کر دی گئی تھی۔ محوریوں کی شکست کے امکانات جس رفتار سے قوی ہوتے جاتے تھے ان کے مفتوحہ ممالک میں آزادی کی لہر دوڑتی جاتی تھی اور اسی نسبت سے مزدوروں۔ سامانِ حرب۔ خام اجناس۔ اشیائے خوردنی کی جو امداد جرمنی و اطالیہ کو ان ممالک سے ملتی تھی وہ بند ہو رہی تھی۔ ان حالات میں یہ امر تعجب خیز نہیں کہ محوری سلطنتوں میں شکست خوردہ ذہنیت عام ہوتی جا رہی تھی اور جو جمہور مختصر سی فوجی قواعد کے بعد محاذ پر جاتے تھے وہ اس تخریبی ذہنیت کے جراثیم اپنے ہمراہ فوجی صفوں میں لے جاتے تھے جن کے مہلک اثرات سے تمام محاذ متاثر ہو رہا تھا۔ جب جمہور نے باآواز بلند شکست کے امکانات پر چہ میگوئیاں شروع کیں تو نازی پارٹی نے اس نفسیاتی وبا کو اپنے رسوائے عالم ظلم و تشدد سے دبانا چاہا۔ اس سلسلہ میں عوام پر کڑی نگرانی ہونے لگی اور ان کو مرعوب کرنے کے لئے چند یہودیوں کو سبوتاج اور حزن و یاس پھیلانے کے جرم میں نذر دار و رسن کر دیا گیا۔ نازی پارٹی کی ان دہشت انگیزیوں سے ہراساں ہو کر خاموش ہو جانے کی بجائے جمہور اپنے ہائی کمانڈ کی فوجی حکمت عملی پر شبہ کا اظہار اور سیاسی طریقہ کار پر نکتہ چینی زیادہ بلند آواز سے کرنے لگے۔ حقیقت یہ تھی کہ عوام کی تنقید خاص حالات کے ماتحت تھی اور جب تک وہ حالات نہ بدلیں دہشت انگیزیوں سے ان کو خاموش کرنا غیر ممکن تھا۔ یہ شکستہ دلی اور نکتہ چینی جرمنی کو مشرقی محاذ پر زبردست فتح ہونے کی شکل میں ہی ختم ہو سکتی تھی۔ اس کا جرمن ہائی کمانڈ کو بھی احساس تھا چنانچہ جرمنی نے روس پر اسٹالن گراڈ سے بھی زیادہ خونخوار حملہ کرنے کی تدابیر کرنی شروع کر دیں۔

اپنے گرتے ہوئے وقار کو قوم کی نظروں میں از سر نو بلند کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ محوری اکابرین روس پر ایسی شدید ضرب لگائیں کہ وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائے چنانچہ

موسم سرما کے اختتام پر یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ موسم بہار میں روس کی سرزمین پر لالۂ خونیں اُگے گا اور سُرخ فوج کو اپنے خون سے اس کی آبیاری کرنی پڑے گی۔ مشرقی محاذ کو مستحکم کرنے کے لئے اب روزینہ میں اضافہ کر دیا گیا۔ اور جرمن ریڈیو نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ جب تک جنگ جاری ہے عافیت بے صلح مصیبت ہو گی۔ اس زمانہ میں ڈاکٹر گوئبلز نے اپنے اخبار کے افتتاحیہ میں تحریر کیا:۔

"مکمل جنگ کا نتیجہ یا مکمل فتح ہو سکتی ہے یا مکمل شکست موجودہ جنگ کی نوعیت بیشتر کی جنگوں کی طرح نہیں جن میں پچاس یا پچھتر فیصدی فتح ہو سکتی ہے اس جنگ میں قوم و ملک کی موت و حیات کا سوال ہے۔ یہ جنگ سَو فی صدی ہی جیتی جا سکتی ہے اگر فتح ہوتی ہے تو سب کچھ ہے ورنہ کچھ باقی نہیں رہتا۔ جمہور کو دوران جنگ میں امن کے زمانہ کی سی آسائشوں کی توقع نہیں رکھنی چاہیئے۔ ملک کے داخلی محاذ کو مستحکم رکھنے کے لئے پوری طرح جدّو جہد کرنی اور خارجی محاذ پر جرمنی کی تمام طاقت بر سر کار لانا دونوں باتیں فتح کے لئے ضروری ہیں۔ ہم اسٹالن گراڈ اور افریقہ کی جنگوں اور شمالی اطالیہ و رائن لینڈ پر دشمنوں کی شدید بمباری میں یہ دیکھ رہے ہیں کہ دشمن تباہی کے شعلوں کو نیا رُخ دے رہا ہے بیشتر اس کے ان شعلوں کی لپٹیں ہمیں خاکستر کریں ہم سب جرمنوں کو انفرادی آرام و آسائش کو خیر باد کہہ کر تمام عمل و توجہ جنگ پر مرکوز کرنی چاہیئے"۔

اسٹالن گراڈ کے بعد جرمن ہائی کمانڈ نے اوریل سے کرسّک تک کے نسبتاً مختصر محاذ پر عظیم الشان صف آرائی شروع کر دی۔ اس صرف دو سو میل کے محاذ پر جس کثیر تعداد میں آلات و سامانِ حرب لایا گیا اور بہترین نازی افواج صف آرا کی گئیں ان سب قرائن سے یہ مترشح ہو رہا تھا کہ جرمنی نے جان و تن کی بازی لگا دی ہے جرمن ریڈیو اعلان کر رہا تھا

کہ اس محاذ پر جولائی ۱۹۴۳ء میں دوسری جنگِ عظیم کا فیصلہ ہو جائے گا۔ یورپ کے باخبر فوجی مبصرین کی یہ رائے تھی کہ یہ فیصلہ کُن جنگ ہوگی۔ اسٹالن گراڈ کی طرح اگر اس محاذ پر بھی جرمنی کو شکست ہو گئی تو وہ فوجی اعتبار سے خطرناک طاقت نہیں رہے گی اور جلد ہی دوزانو ہو جائے گی اس جنگ میں جرمن کامیابی کا دارومدار ان کی نئی ایجاد ٹائیگر ٹینک پر تھا افریقہ کی جنگ میں یہ نہایت کامیاب ثابت ہوئے تھے اور جرمن ہائی کمانڈ کو یقین تھا کہ اس جنگ کی فتح کا سہرا ان نو ایجاد ٹینکوں کے سر رہے گا۔ چنانچہ ہزاروں کی تعداد میں یہ ٹینک اس محاذ پر بھی صف آرا کر دئیے گئے۔ ہارتے ہوئے جواری کا یہ قاعدہ ہوتا ہے کہ وہ ہر داؤ کو بڑھاتا جاتا ہے کہ جائے تو سب جائے اور آئے تو سب آئے۔ یہی ہٹلر کی نفسیاتی کیفیت ہو گئی تھی اس محاذ پر اس نے جرمن کی تمام فوجی طاقت کو صف آرا کر دیا تھا اور اپنے لئے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ یا تخت یا تختہ جرمن افواج کی تیاری سے سُرخ فوج بھی سمجھ گئی کہ یہ جنگ خونخواری میں اپنی نظیر آپ ہی ہوگی اور اسٹالن گراڈ کا معرکہ اس جنگ کے مقابلہ میں بے رنگ ہوگا۔ چنانچہ روسیوں نے بھی نبرد آزمائی کا مکمل انتظام کیا۔ ابھی دُنیا اس ہونے والی جنگ کی نزاکت، شکست و فتح کے امکانات اور ان کے نتائج پر غور کرنے میں مصروف تھی کہ ۵ جولائی ۱۹۴۳ء کو صبح ۴ بجکر ۳۰ منٹ پر اس یادگار جنگ کا آغاز ہوا۔ توپوں کے گولوں۔ ٹینکوں کے تصادم۔ فضائی بمباری اور مشین گنوں سے گولیوں کی بارش نے اس محدود محاذ کو دوزخ کا نمونہ بنا دیا۔ منتظر دنیا نے ۶ جولائی کو یہ خبر سُنی کہ بیلو گراڈ کے مقام پر جرمن افواج نے سرخ فوج کو پسپا کر دیا۔ روسیوں نے بھی پسپائی کا اعتراف کیا لیکن یہ کہا کہ جرمنی کو اس حقیر پیش قدمی کی قیمت بہت ادا کرنی پڑی ہے۔ ۷ جولائی کو جرمن افواج کی پیش قدمی جاری رہی لیکن ۸ جولائی کو یہ صاف نظر آنے لگا تھا کہ یہ تو ممکن ہے کہ جرمن پیش قدمی جاری رہے لیکن نازی ہائی کمانڈ کی یہ اُمید بر نہیں آسکتی کہ یک لخت ایک شدید حملہ کر کے روسی مدافعت کو پارہ پارہ کر دیا جائے۔ ایک ہفتہ تک شب و روز اس میدان کارزار پر دونوں فریق ایک دوسرے پر آگ برساتے رہے۔ دُنیا کی تاریخ میں کبھی ایسی

تباہ کن جنگ نہیں ہوئی تھی۔ جرمن ریڈیو نے اس جنگ کی تباہ کاری کا ذکر کرتے ہوئے کہا۔

"بہت جلد ہی یہ جنگ دیوانہ وار شروع ہوگئی۔ ایک ایسی دیوانہ جنگ جو تمام دوران جنگ میں کبھی نہیں لڑی گئی تھی۔ یہ سب سے زیادہ مہیب جنگ ہے موت تمام محاذ پر اپنا سایہ ڈال رہی ہے۔ شب و روز گولے پھٹ رہے ہیں جو صف آراء ہیں ان کے لئے نیند حرام ہوگئی ہے۔ کانوں نے سننا۔ زبانوں نے بولنا۔ دماغوں نے خیال کرنا ترک کر دیا ہے کس قیامت کا شور و شغب ہے ایسا محسوس ہوتا ہے کہ انسان کی پیدا کردہ تباہی کی طاقتوں نے قدرت کی طاقتوں پر قابو پالیا ہے۔"

کئی روز کی ہولناک جنگ کے بعد اوریل اور بیلوگراڈ کے مقامات پر جرمن افواج دس اور تیس میل روسی صفوں میں داخل ہوگئیں لیکن یہ فتوحات جو سامان و جان کی کثیر قربانی کے بعد حاصل ہوئی تھیں دیرپا ثابت نہیں ہوئیں۔ چونکہ چند روز بعد ہی سرخ فوج نے کامیاب مدافعت ختم کر کے شدید جارحانہ کارروائی شروع کر دی۔ یہ روسی حملہ غیر متوقع طور پر زود اثر ثابت ہوا اور ۲۳ جولائی کو روسی ہائی کمانڈ نے یہ اعلان کر دیا کہ تمام مفتوحہ مقامات جرمنی سے واپس چھین لئے گئے ہیں۔ اگست کے پہلے ہفتہ میں سرخ فوج کا اوریل۔ بیلوگراڈ کرش کے مقامات پر قبضہ ہوگیا جس تیزی سے سرخ فوج پیش قدمی کر رہی تھی اس سے صاف ظاہر ہو جاتا ہے کہ جرمن مدافعت کمزور پڑ چکی تھی اور اب جو کچھ نبرد آزمائیاں ہو رہی تھیں ان کی غرض و غایت یہ تھی کہ سامان حرب اور باقی ماندہ جرمن فوج بلا شدید نقصان اٹھائے دوسرے مضبوط فوجی مستقر تیار کرے تاکہ دشمن کو روکا جا سکے۔ روسی پیش قدمی کے دوران میں جرمن افواج اور سرخ فوج میں گاہ بگاہ تصادم ہو جاتا تھا۔ سرخ فوجیں برآنسک اور خارکوف کی سمت برابر کوچ کر رہی تھیں اور جرمن ہائی کمانڈ کے لئے اب حقیقت پر پردہ ڈالنا ناممکن ہوگیا تھا چنانچہ برلن ریڈیو نے اب روسیوں کی بڑھتی ہوئی فوجی طاقت کا

اعتراف کر لیا اور جرمن اخبارات نے صاف الفاظ میں یہ کہنا شروع کر دیا کہ روس کی فوجی طاقت اب بہت زیادہ ہو گئی ہے۔ ۱۰ ستمبر کو ہٹلر نے ایک تقریر کے دوران میں مبہم الفاظ میں اس امر کا اعتراف کرتے ہوئے کہا:۔

"فوجی ضرورت کے ماتحت ہمیں مشرقی محاذ پر پسپا ہونا پڑ رہا ہے۔"

۱۰ ستمبر کو پسپائی کی وجہ بیان کرتے ہوئے جرمن ہائی کمانڈ نے ایک اعلان کیا جس کا خلاصہ یہ تھا:۔

"مشرقی محاذ کا طول و عرض اس لئے کم کیا جا رہا ہے تاکہ تمام فوجی طاقت ایک جگہ مرکوز ہو جائے اور بہتر طریقہ پر مدافعت کی جا سکے۔ سرخ فوج اور گوریلوں کی جارحانہ کارروائی سے جرمن افواج کی بہت بڑی تعداد زخمی ہو چکی ہے ہمارے نضائی بیڑے کو وطن کا تحفظ کرنا پڑ رہا ہے اس لئے اس کو کامل طور پر مشرقی محاذ پر استعمال نہیں کیا جا سکتا۔ جرمنی سے اس کے اتحادیوں نے غداری کرنی شروع کر دی ہے یورپ کے جنوب اور جنوب مغرب میں حالات نازک ہو گئے ہیں۔ شمال مغربی یورپ میں ہمارے مفتوحہ ممالک میں بدامنی شروع ہو گئی ہے اس لئے یہ ضروری ہے کہ مشرقی محاذ کے طول و عرض کو کم کر دیا جائے۔"

ان معرکوں میں روس کی کامیابی کی بڑی وجہ یہ تھی کہ روسی ہائی کمانڈ نے دور بینی سے کام لے کر روس کے ہر موسم کے لئے ایک جدا فوج اس موسم کی ضرورت ملحوظ رکھتے ہوئے مسلح کی تھی مثلاً بارش کے موسم کے لئے جب ناہموار و کچی سڑکیں ندی نالوں اور دلدلوں میں بدل جاتی ہیں روسیوں نے اسپ سوار فوج تیار کی تھی۔ توپوں مشین گنوں وغیرہ کو بھی گھوڑے کھینچتے تھے۔ دلدلوں میں یہ اسپ سوار فوج جرمنی کی موٹر سوار فوج کی نسبت زیادہ تیزی سے نقل و حرکت کر سکتی تھی۔ نقل و حرکت میں تیزی کے یہ معنی تھے کہ جارحانہ اقدام کی

ابتدا کرنے کا موقع ہمیشہ روس کو ملتا تھا اور ہر سمت سے وہ جرمن افواج پر حملہ آور ہو رہے تھے۔ روسیوں نے یہ بھی انتظام کیا تھا کہ شدید سردی میں موٹروں ٹینکوں کے انجن بند نہ ہونے پائیں۔ انھوں نے تمام آلاتِ حرب کو سفید رنگ لیا تھا۔ فوج کی سفید وردیاں مہیا کی تھیں تاکہ دشمن کو برف میں بڑھتے ہوئے روسی دستے دکھائی نہ دیں۔ روسی کمانڈر کی اس قسم کی متعدد جدتیں نہایت مفید نتائج پیدا کر رہی تھیں۔ روس کی پیش قدمی باقاعدہ شروع ہو گئی تھی ہر روز نئے مقامات پر قبضہ کیا جا رہا تھا۔ برلن ریڈیو یہ کہہ رہا تھا کہ جرمن افواج   فوجی ضرورت کے مطابق پسپا ہو رہی ہیں ماسکو ریڈیو یہ بیان کرتا تھا کہ دشمن کو شدید نقصان کے ساتھ پیچھے دھکیلا جا رہا ہے۔ ایک طرف مشرقی محاذ پر روسی افواج ڈینپر پر پہنچ گئی تھیں۔ دوسری طرف برطانیہ نے مغربی یورپ پر شدید بمباری شروع کر دی تھی۔ بلجیم۔ ہالینڈ۔ فرانس میں جرمنی کے لئے اسلحہ بنانے کے کارخانوں کو خاص طور پر تباہ کیا جا رہا تھا۔ اس بمباری سے جرمن ہائی کمانڈ کو یہ گمان بھی ہو گیا تھا کہ یہ اقدام مغربی یورپ میں دوسرا محاذ قائم کرنے کا پیش خیمہ ہے اس لئے جرمنی کی معتدبہ فوج اور فضائی طاقت مغرب میں مقید ہو کر رہ گئی تھی۔ اس طرح روس کو برطانیہ کی بمباری سے کافی مدد مل رہی تھی۔ ۲۱ ستمبر کو اس بلاواسطہ امداد کا ذکر کرتے ہوئے مسٹر چرچل نے پارلیمان میں کہا۔

"اثرات کے اعتبار سے دوسرا محاذ قائم کیا جا چکا ہے اگر شمال مغرب میں جنگ ہنوز شروع نہیں ہوئی نہ کوئی یہ بتا سکتا ہے کہ کب ہو گی اور نہ میں اس کی طرف اشارہ کرنا چاہتا ہوں لیکن حقیقت یہ ہے کہ دوسرا محاذ وجود میں آ گیا چونکہ دشمن اس کا انتظام کرنے پر مجبور ہو گیا ہے۔ جب ہم اور ہمارا ساتھی امریکہ مناسب وقت اور موقع خیال کرے گا اس وقت اس دوسرے محاذ پر جارحانہ کارروائی شروع کر دی جائیگی اور مغربی اور جنوبی یورپ پر بیک وقت فوج کشی کی جائے گی۔"

مشرقی محاذ پر جرمن افواج کا دباؤ کم ہوا تو روسی پیشقدمی میں اور تیزی پیدا ہو گئی۔ ان حالات میں جرمن قوم کا شکستہ دل ہو جانا قدرتی امر تھا۔ اب ہٹلر کو اپنی پارٹی کے ستون اوّل یعنی ہملر کو جرمن

قوم کے ہراس کو ہمت میں مبدل کرنے پر مقرر کرنا پڑا۔ جرمن ریڈیو نے اس نئے تقرر پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا:۔

"ہملر کی شخصیت میں وہ تمام جوہر موجود ہیں جو ہم میں تنظیم و یکجہتی پیدا کردیں گے اور ملک کے داخلی محاذ کو مضبوط بنادیں گے۔"

نازی پارٹی کے اخبار نے تحریر کیا:۔

"ہملر کے تقرر کا یہ مفہوم ہے کہ بزدلوں ہراس زدوں کو جرمنی کے فتح کی راہ سے خس وخاشاک کی طرح ہٹادیا جائے۔"

گوئبلز نے ایک تقریر کے دوران میں کہا:۔

"جرمن جمہور پر اس امر کا انحصار ہے کہ وہ اس جنگ میں فاتح ہونگے یا مفتوح.... یہ جنگ آخری جنگ ہے۔"

ہملر کا تقرر اس امر کی دلیل تھا کہ جرمن قوم میں ہراس و شکستہ دلی عام ہو چکی تھی نہ صرف یہ ہی بلکہ یہ خطرہ پیدا ہو گیا تھا کہ کہیں فوج نازی پارٹی کے خلاف بغاوت نہ کرے۔ تقریر و تحریر سے ہنگامی طور پر قوم میں دشمن کے خلاف نبرد آزمائی کا شدید جذبہ پیدا کیا جاسکتا ہے لیکن اگر اس جذبہ کی پشت پر آلات و سامانِ حرب نہ ہو تو صرف یہ جذبہ شکست و فتح میں تبدیل نہیں کرسکتا جرمن ہائی کمانڈ تقریر و تحریر کے ذریعہ سے جرمن قوم کے داخلی محاذ کو مستحکم کرنے کی سعی کررہی تھی لیکن یہ سب سعی لاحاصل ثابت ہو رہی تھی۔ جرمن قوم کے پیر اکھڑ چکے تھے۔ مشرقی محاذ پر معرکے ہو رہے تھے لیکن نسبتاً چھوٹے پیمانے پر۔ ان معرکوں میں گاہ بگاہ جرمن افواج روسیوں کو پسپا ہونے پر مجبور کردیتی تھیں لیکن مجموعی طور پر روسیوں کی پیش قدمی برابر جاری تھی۔

اٹلی کا زوال

مسولینی کی تباہی اگرچہ روس کے اتحادیوں کے ہاتھ سے عمل میں آئی لیکن اطالیہ کی شکست کا مشرقی محاذ پر بھی مفید اثر پڑا اس لئے تصویر کو پورا کرنے کے لئے یہاں اس فسطائی تائید کے زوال کی مختصر سی داستان بیان کر دینا خالی از دلچسپی نہ ہوگا۔

۸ نومبر ۱۹۴۲ء کو افریقہ کے مغربی ساحل پر امریکہ اور برطانیہ کی کثیر افواج کا لنگر انداز ہونا اطالیہ کے افریقی مقبوضات کے لئے پیامِ اجل تھا۔ افریقہ میں اطالوی تو کیا لڑتے البتہ جنرل رومل کی افریقی فوج نے سات ماہ تک اتحادیوں کو روکے رکھا اور اُن کو سرزمینِ یورپ پر لنگر انداز نہ ہونے دیا۔ جنرل رومل کی قابلِ داد نقل و حرکت نے امریکی افواج کو صحراؤں میں پریشان تو بہت کیا لیکن آخر کار جرمن اور اطالوی افواج کو افریقہ کے ساحل کو خیر باد ہی کہنا پڑا اور ۹ جولائی ۱۹۴۳ء کو صبح کے ۵ بجے امریکی و برطانوی افواج جزیرہ سسلی پر لنگر انداز ہونی شروع ہو گئیں۔ اطالوی فوج جو حبش کے بے دست و پا انسانوں کی بھیڑ پر فتح حاصل کر کے اپنے آپ کو جری و بہادر خیال کرنے لگی تھی لرزہ براندام ہونی شروع ہو گئی۔ سسلی میں نام نہاد مدافعت ہوئی ورنہ اکثر شہر بلا مدافعت کے جمہوریتوں کے حلقہ بگوش ہو گئے۔ ان اندوہگیں حالات میں ہٹلر اور مسولینی میں ملاقات

ہوئی لیکن دُنیا کو یہ نہیں بتایا گیا کہ ان دونوں نے آئندہ کے لئے کیا لائحہ عمل مقرر کیا اس ملاقات کے بارے میں سرکاری طور پر صرف یہ اعلان ہوا کہ اہم فوجی معاملات پر تبادلۂ خیالات ہوا۔ لیکن اب اس قسم کے مبہم اعلانات باعثِ سکون نہیں رہے تھے خود فسطائی زعما میں شدید اختلافات رونما ہو گئے تھے۔

مسولینی نے ۲۵ جولائی کو ہٹلر سے مشاورتی کانفرنس کی روئداد سُنانے کے لئے گرانڈ فیسٹ پارٹی کا اجلاس منعقد کیا۔ اس اجلاس میں بجائے اس کے کہ اکابرین مسولینی کی داستانِ غم سُن کر دو آنسو بہاتے انھوں نے قائد کے طریقۂ کار اور حکمتِ عملی پر شدید تنقید شروع کر دی۔ اس اجلاس میں خوب ہنگامہ آرائی ہوئی اور کاؤنٹ گرانڈی کی یہ تجویز کہ مسولینی کو افواج کی کمان شہنشاہ کے سپرد کر دینی چاہیئے آٹھ رائے سے منظور کر لی گئی۔ اگلے روز مسولینی شہنشاہ اطالیہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور جب اجلاس کی کارروائی کی روئداد سُنا کر محل سے واپس ہو رہا تھا تو گرفتار کر کے ایک قلعہ میں نظر بند کر دیا گیا۔ شہنشاہ کے حکم سے مارشل باڈوگیلو وزارت کی کرسی پر فائز کر دیئے گئے۔ اس تبدیلی سے تمام ملک میں اطمینان و مسرت کی ایک لہر دوڑ گئی۔ باڈوگیلو نے برسرِ اقتدار آتے ہی فسطائی پارٹی غیر آئینی قرار دے کر اس کے مرکزی دفتر پر قبضہ کر لیا۔ اس سلسلہ میں تعجب خیز امر یہ ہے کہ ملک کے کسی گوشے میں فسطائی پارٹی نے نئی حکومت کے اس طریقۂ کار پر صدائے احتجاج بلند نہیں کی اور چشم زدن میں فسطائیت خواب و خیال ہو گئی۔ اب اطالوی قوم کی تمام تمناؤں کا مرکز صلح تھا اور باڈوگیلو اس کے لئے کوشاں تھا۔

ہٹلر کو جب اِن تشویش ناک واقعات کا علم ہوا تو اس نے جنرل رومل کو مشرقی اطالیہ پر قابض ہو جانے کے احکامات جاری کر دیئے تاکہ جمہوریتوں کے اقدام کو روکا جائے حسنِ اتفاق کہ جنرل کیسلرنگ کے روم پر قبضہ کرنے سے چند گھنٹے پہلے بادشاہ امیول اور مارشل باڈوگیلو وہاں سے فرار ہو کر اتحادیوں کی حفاظت میں سسلی پہنچ چکے تھے۔ چند روز بعد شہنشاہ

کے اشارہ پر اطالیہ کا بحری بیڑا بھی جزیرہ مالٹا میں اتحادیوں کی حفاظت میں آ گیا۔ شاید بادشاہ کے سسلی میں پناہ لینے سے زیادہ اس بحری بیڑے کا بخیر و عافیت مالٹا پہنچ جانا اتحادیوں کے لئے زیادہ مسرت کا باعث ہوا مجوزہ پروگرام کے مطابق ۸ اور ۹ ستمبر کے مابین شب کو اتحادی افواج سرزمین اطالیہ پر لنگر انداز ہو گئیں اور اسی روز مارشل باڈوگیلو نے عارضی صلح کی تیرہ شرطیں قبول کر لیں۔ ان شرائط میں اگرچہ ایک شرط یہ بھی تھی کہ مسولینی کو اتحادیوں کے سپرد کر دیا جائے گا لیکن دنیا کی حیرت کی کوئی انتہا نہ رہی جب ۱۲ ستمبر کو جرمن ریڈیو نے یہ اعلان کیا کہ مسولینی کو آزاد کرا دیا گیا ہے۔ دوسرے روز اتحادیوں نے بھی اس خبر کی تصدیق کر دی۔ واقعہ یہ ہوا کہ کوہ ابروخی پر ایک ہوٹل میں مسولینی کو نظر بند کر دیا گیا تھا۔ وہاں جرمن پیراشوٹ اترے اور ہوٹل کے سنتریوں کو زخمی کر کے مسولینی کے کمرے میں داخل ہو گئے وہاں سے اس کو نکالا۔ ایک ہوائی جہاز میں سوار کرایا اور اس کو اپنے ہمراہ جرمنی لے آئے۔ اگرچہ مسولینی کی اس غیر متوقع رہائی پر دنیا میں سنسنی پھیل گئی اور دنیا جرمن جسارت اور حسن و تدبر کی داد دیئے بغیر بھی نہ رہ سکی لیکن اس رہائی کا اطالیہ کے سیاسی حالات پر کوئی خاص اثر نہیں ہوا۔ ۱۵ ستمبر کو اگرچہ جرمن ریڈیو سے مسولینی نے اپنے ہم وطنوں کو خطاب بھی کیا لیکن بے سود۔ اطالوی قوم اب مسولینی کی سالاری میں ہٹلر کی بساطِ سیاست پر مہرہ بننے کے لئے تیار نہیں تھی تاہم مسولینی نے ایک فسطائی جمہوریت اور اس کابینہ کا اعلان کر دیا اور وہ اس نئی جمہوریت کی تنظیم میں کوشاں رہا یہاں تک کہ شمالی اطالیہ میں اچانک طور پر مخالف ہم وطنوں کے ہاتھوں میں پڑ گیا۔ ان مخالفین نے رسمی مقدمے کے بعد مسولینی اور اس کی معشوقہ کے گولی مار دی۔

اتحادیوں کے اختلافات

یورپ کی مہذب اقوام وسیع سلطنتوں کی مالک ہونے کے باوجود اس فکر میں غلطاں پیچاں رہتی ہیں کہ دوسری حکومتوں کا اثر کس طرح زائل کیا جائے۔ ان کے وقار کو کس طرح صدمہ پہنچایا جائے۔ ان کو دوسرے ممالک سے کس طرح بے دخل کیا جائے۔ اُن کی سیاسی اقتصادی و فوجی طاقت پر کس طرح ضرب لگائی جائے اور جن علاقوں کو غصب کر لیا گیا ہے اس پر اپنا قبضہ کس طرح برقرار رکھا جائے۔ جرمنی کے خلاف روس۔ برطانیہ۔ امریکہ کا اتحاد ان تینوں کے وقتی مفاد کی بنا پر تھا اور اس مفاد میں تضاد تھا جو ایک کے لئے آبِ حیات تھا اور دوسرے کے لئے سمِ قاتل۔ اس لئے کسی ایک لائحہ عمل کو سب فریق متفقہ طور پر قبول نہیں کر سکتے تھے۔ ان حالات میں ہر اہم مسئلہ پر اختلافات کا رونما ہو جانا قدرتی تھا۔ روس نہ صرف پولینڈ اور بالٹک کی ریاستوں کو ہضم کرنا چاہتا تھا بلکہ اس کی یہ خواہش تھی کہ بلقان اور وسط یورپ اور ایشیا میں بھی اسی کا اقتدار ہو جائے۔ برطانیہ کے لئے روس کے یہ ارادے اور اقدامات خطرناک تھے اس لئے برطانیہ ان کا سدِباب کرنا چاہتا تھا۔ اس سلسلہ میں پولینڈ کا واقعہ نہایت دلچسپ ہے۔ پولینڈ پر جرمن قبضہ کے بعد پولش اکابرین کی ایک عارضی پولش حکومت لندن میں قائم ہو گئی تھی جو پولینڈ کے جرمن چنگل سے رہائی

پالنے کے بعد اس کی دعوے دار تھی کہ اس کو پولش حکومت کی تشکیل کا حق پہنچتا۔ تھا یہ عارضی حکومت بجائے روسی اثر قبول کرنے کے برطانیہ کا آلۂ کار بنی رہتی ، روس کے لئے وہی سیاسی پیچیدگیاں پیدا ہو جاتیں جو جنگ سے قبل تھیں چنانچہ اپنے مفاد کو مد نظر رکھتے ہوئے اس عارضی پولش حکومت کے مدمقابل روس نے پولینڈ کے گرفتار شدہ فوجی افسروں کی ایک پولش حکومت ماسکو میں تشکیل کی اور گرفتار شدہ پولش سپاہیوں کی ایک فوج بھی منظم کر لی۔ یہ روس کا برطانیہ کو دنداں شکن جواب تھا بساطِ سیاست پر اگر لندن والی عارضی پولش حکومت برطانیہ کا مہرہ تھا تو ماسکو والی عارضی پولش حکومت روس کا مہرہ تھی۔ اس آپس کی کشمکش کا نتیجہ وارسا میں بسنے والوں کی موت میں رونما ہوا۔ یہ افسانہ یوں ہے کہ جب روسی افواج پولینڈ میں داخل ہوئیں تو برطانیہ کو لندن والی پولش حکومت کو پولینڈ میں برسر اقتدار لانے کا فکر لاحق ہو گیا۔ اس سلسلہ میں برطانیہ نے پولینڈ میں ایسا انتظام کرنا چاہا کہ جرمن افواج کے پولینڈ سے فرار ہوتے ہی وارسا میں لندن والی پولش حکومت برسر اقتدار آجائے۔ برطانیہ کی سیاست یہ تھی کہ ایک مرتبہ ایسا ہو جائے پھر ہماری آئینی و سیاسی حیثیت مضبوط ہو جائے گی اور اپنی پروردہ عارضی حکومت کو ہم روس سے منوا سکیں گے۔ اس تدبیر کے ماتحت برطانیہ نے یہ انتظام کیا کہ روسی افواج کے وارسا کے قریب پہنچنے پر دارالسلطنت میں بغاوت ہو اور وہ عناصر برسر اقتدار آجائیں جو لندن والی عارضی حکومت کو تسلیم کر لیں تاکہ بیشتر اس کے کہ روسی افواج خاص وارسا میں داخل ہوں اور اپنی مجوزہ حکومت کی تشکیل کریں۔ ایک پولش حکومت پہلے ہی سے موجود ہو۔ چنانچہ جب روسی افواج وارسا کی سمت بڑھیں تو مقرر کردہ حکمت عملی کے مطابق وہاں بغاوت شروع ہو گئی۔ اسٹالن نے یہ چال چلی کہ وارسا پر اقدام روک دیا اور روسی افواج کا رُخ جنوبی یورپ کی سمت کر دیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وارسا میں بغاوت کرنے والے جرمنوں کی سنگینوں کا شکار ہو گئے۔ اس طرح روس نے جرمنوں کے ہاتھ سے برطانیہ کی امیدوں کا خاتمہ کرا دیا۔

ہٹلر کے نائب ہیس کے اچانک طور پر انگلستان آنے نے دُنیا میں تو سنسنی پیدا کی تھی لیکن روس کو بھی متوحش کر دیا تھا۔ روس کو یہ خیال پیدا ہوا کہ کہیں ہیس کی وساطت سے برطانیہ جرمنی میں ایسی حکومت نہ قائم کر دے جو ایک نسل بعد پھر روس پر حملہ آور ہو جائے چنانچہ روس نے بھی گرفتار شدہ جرمن جنرلوں کے ماتحت ایک آزاد جرمن حکومت کی تشکیل کر لی مقصد یہ تھا کہ اگر برطانیہ نے ہیس کی وساطت سے برلن میں اپنی حسب مطلب حکومت قائم کرنی چاہی تو روس بھی آزاد جرمن کمیٹی کا مہرہ بڑھائے گا۔ یہ ہیس اور آزاد جرمن کمیٹی کا معاملہ بھی تلخی کا باعث بنا ہوا تھا۔ اس کے علاوہ بلقان کے معاملہ میں بھی چشمک جاری تھی۔ برطانیہ یہ طرح ڈال رہا تھا کہ بلقانی ریاستوں کی ایک فیڈریشن بنا دی جائے اس تحریک کے دو مقصد تھے۔ ایک یہ کہ اس فیڈریشن کو روس کے خلاف استعمال کیا جائے۔ دوسرے برطانیہ کو یہ خطرہ تھا کہ علیحدہ علیحدہ ریاستوں کو روس بآسانی ہضم کر جائے گا۔ اس کا سد باب کرنے کے لئے ان سب کو ایک سیاسی زنجیر میں منسلک کر دو تاکہ روس ان پر اپنی حرص آگیں نگاہیں نہ ڈال سکے۔ روس برطانیہ کے ان اقدامات میں خطرہ محسوس کرتا تھا اور ان کی مخالفت کر رہا تھا۔ غرض ہر موڑ پر برطانیہ اور روسی مفاد میں تضاد پیدا ہو رہا تھا اور سُلجھانے کی سعی بجائے تعلقات کو خوشگوار کرنے کے تلخی پیدا کر رہی تھی۔

اٹلی کی فتح کے بعد اس کے متعلق برطانیہ و امریکہ نے کانفرنس منعقد کی۔ اس میں روس کو مدعو نہ کرنا ماسکو کو ناگوار گذرنا چاہئے تھا اور گذرا۔ اسٹالن کی پیشانی پر شکن دیکھ کر مسٹر چرچل کو ٹبک گئے۔ مسٹر روز ویلٹ سے مشورہ کیا اور وہاں سے واپسی پر بحیرۂ روم کے متعلق معاملات کی بابت ایک کمیشن مقرر کرنے کا اعلان کیا۔ نیز یہ بھی بتایا کہ پہلے روس۔ برطانیہ امریکہ کے وزراء خارجہ کی کانفرنس منعقد ہو گی جس میں دیگر امور کے علاوہ بحیرۂ روم کے تمام معاملات معرض بحث میں لاتے جائیں گے۔ اس کے بعد سال کے اواخر میں روز ویلٹ اسٹالن اور چرچل تبادلۂ خیالات کریں گے۔ اس اعلان کے مطابق اکتوبر کے دوسرے ہفتہ میں

وزراء خارجہ کی کانفرنس کا اجلاس ماسکو میں شروع ہوا اور ۳۰ اکتوبر کو ختم ہو گیا۔ اتحادیوں کی آپس کی بدگمانیوں کا اندازہ اس امر سے ہو جاتا ہے کہ ابھی کانفرنس کا افتتاح بھی نہیں ہوا تھا کہ روس کے سرکاری اخبار پراؤدا نے ایک مقالہ میں برطانیہ اور امریکہ کے وزرائے خارجہ کو انتباہ کرتے ہوئے کہا کہ اس کانفرنس کا مقصد صرف ان فوجی تدابیر پر تبادلۂ خیالات کرنا ہوگا جن سے جرمنی کی جلد از جلد شکست ہو جائے۔ اس کانفرنس کو یہ حق نہیں ہوگا کہ وہ بالٹک کی ریاستوں کی سرحد کے تعین کی بابت گفت و شنید کرے یہ اشارہ کرنے کے بعد پراؤدا نے تحریر کیا:۔

"یہ امر فراموش نہیں کرنا چاہیئے کہ بین الاقوامی حالات کو خوش گوار رکھنے کیلئے جرمنی کو جلد از جلد شکست دینا لازمی ہے۔ برطانوی اخبارات نے اس اہم اور بنیادی امر پر خاموشی اختیار کر رہی ہے کہ برطانیہ کب وہ اقدامات کرنے والا ہے جس سے ہٹلر کو جلد شکست ہو جائے......
یہ امر بخوبی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ جس طرح اس کانفرنس میں امریکہ کی سرحد یا "کیلی فورنیا" کی سیاسی حیثیت پر بحث نہیں ہو سکتی اسی طرح روسی سرحد اور بالٹک ریاستوں کی حیثیت بھی معرض بحث میں نہیں لائی جا سکتی۔"

عام زبان میں پراؤدا نے یہ کہا کہ مغرب میں دوسرا محاذ قائم نہ کرنے کے صرف یہ معنی ہیں کہ برطانیہ بالواسطہ جرمنی کی مدد کر رہا تھا تاکہ وہ روس کے خلاف برسرپیکار رہے یہ حکمت عملی روس و برطانیہ کے تعلقات خراب کر دے گی۔ برطانیہ کو یہ بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ جو ممالک روس نے اپنا خون بہا کر فتح کئے ہیں ان کی واپسی کا سوال پیدا نہیں ہوتا اس بدگمانیوں سے لبریز فضا میں کانفرنس منعقد ہوئی اور طویل بحث و مباحثہ کے بعد کانفرنس نے متعدد اعلانات شائع کئے حسب دستور ان اعلانات میں نہایت دل خوش کن جذبات

کا فصیح و بلیغ الفاظ میں اظہار کیا گیا تھا پہلے اعلان کے چند اہم نکات یہ ہیں:۔

۱۔ اتحادیوں کا اشتراکِ عمل خود اُن کی حکومتوں کے مفاد کے لئے ضروری ہے۔ دورانِ جنگ میں جو مختلف فیہ مسائل رونما ہوں اُن کو سلجھانے کے لئے ایک کمیشن کا تقرر کیا جائے گا۔

۲۔ اطالیہ میں جمہوری حکومت قائم ہوگی اور ایک کمیشن جس میں برطانیہ۔ امریکہ اور روس کے نمائندے ہوں گے اطالیہ کے معاملات پر نظر رکھے گا۔

۳۔ جن نازی فوجی افسروں نے مظالم کئے ہیں ان کو اس ملک کی حکومت کے سپرد کر دیا جائے گا جس ملک میں مظالم کئے گئے ہیں تاکہ اس ملک کے قانون کے مطابق اُن کو سزا دی جائے۔

دوسرا اعلان دُنیا کے امن کے تحفظ کی بابت تھا جس میں سات نکات بیان کئے گئے تھے جن میں سے چند اہم نکات حسبِ ذیل ہیں:۔

۱۔ ایک بین الاقوامی ادارہ قائم کیا جائے گا جس میں دُنیا کی تمام چھوٹی بڑی حکومتیں شریک ہوں گی۔ ان کے حقوق مساوی ہوں گے اور یہ دنیا میں امن قائم رکھنے کی ذمہ دار ہوں گی۔

۲۔ جنگ کے اختتام پر حکومتیں اپنی افواج کسی دوسرے ملک میں داخل نہیں کریں گی جب تک ان کا مقصد امن قائم کرنا نہ ہوگا اور ایسا بھی آپس کے مشورہ کے بعد ہو سکتا ہے۔

باقی اعلانات اطالیہ۔ آسٹریا اور جرمن مظالم کی بابت تھے۔

وزرائے خارجہ کی اس کانفرنس نے اسٹالن۔ روزویلٹ اور چرچل کے درمیان مشاورتی کانفرنس کا راستہ صاف کر دیا چنانچہ ۲۷ نومبر کو طہران میں ان اکابرین کا اجتماع ہوا۔ اس کانفرنس میں کیا گفتگو ہوئی دنیا ہنوز اس سے بے خبر ہے۔ اِن دنوں طہران میں

جو پارٹیاں ہو رہی تھیں۔ ان کے افسانوں سے اخبارات جمہور کو بہلا رہے تھے۔ اخبارات بہت دلچسپ طریقہ پر یہ بیان کرنے میں مصروف تھے کہ مسٹر چرچل نے شہنشاہ برطانیہ کا ہدیہ جو ایک تلوار تھی مارشل اسٹالن کو کس طرح پیش کی اور اس کا استمالی اسٹالن نے کس انداز سے خیر مقدم کیا یا نہایت رنگین طریقہ پر یہ بیان کیا جا رہا تھا کہ مسٹر چرچل کی انہتّرویں سالگرہ جو طہران میں ہوئی اس پر انھیں کس کس نے کیا کیا تحفے دیئے اور ضیافت میں کیا کیا کھانے دسترخوان پر آئے۔ غرض کہ اخبارات طہران کے سیاسی بحث ومباحثہ کے علاوہ ہر قسم کی لغویات سے بھرے ہوتے تھے۔ البتہ یکم دسمبر ۱۹۴۳ء کو اس کانفرنس کے اختتام پر تینوں اکابرین نے مشترکہ حسبِ ذیل اعلان شائع کیا:۔

"ہم صدر امریکہ، وزیرِ اعظم برطانیہ اور وزیرِ اعظم روس چار روز سے اپنے حلیف ایران کے ایک شہر طہران میں بحث ومباحثہ میں مشغول تھے۔ ہم ایک مشترکہ لائحہ عمل کی تشکیل دینے میں کامیاب ہو گئے ہیں۔ ہمارا یہ مستحکم ارادہ ہے کہ جنگ اور صلح میں ہم متحد رہیں گے جن کے لائحہ عمل کی بابت یہ فیصلہ ہو گیا ہے کہ ہم مغرب، مشرق اور جنوب سے جرمنی پر حملہ آور ہوں گے...... ہمیں اس امر کا پورا احساس ہے کہ دنیا میں آئندہ امن قائم رکھنے میں ہماری موجودہ حکمتِ عملی کو بہت دخل ہو گا اس لئے ہمارا طریقہ کار ایسا ہونا چاہیئے کہ کئی نسلوں تک دنیا جنگ و جدال سے محفوظ ہو جائے۔ ہم نے مستقبل کے سیاسی مسائل پر غور کیا ہے۔ ہم امن کے قیام کے لئے دنیا کے تمام چھوٹے بڑے ممالک کو جن کے عوام صلح اور امن کے جویا ہیں اپنا شریک کار کریں گے...... تبادلہ خیالات سے ہمیں اس دن کے قریب تر آنے کی امید ہو گئی ہے جبکہ تمام اقوامِ عالم آزادی سے اپنی ضمیر کی روشنی میں زندگی کے لئے خود اپنا دستور تیار

کریں گی اور آرام وچین کی زندگی گزاریں گی۔"

اس اعلان کے بعد ایران کے متعلق ایک اور اعلان شائع ہوا جس میں صاف طور پہ کہا گیا تھا۔

"امریکہ۔ برطانیہ اور روس پیشتر کی طرح اب بھی ایران کی اس خواہش کی تائید کرتے ہیں کہ ایران کی خودمختاری۔ حکومت اور ملکی حدود کو برقرار رکھا جائے۔"

روس اور برطانیہ کا یہ بلند آہنگ اعلان اور ان دونوں کے اس طرزِ عمل میں جو ایران اور انڈونیشیا میں روا رکھا جا رہا ہے بعد المشرقین ہے کسی ستم ظریف نے کیا خوب کہا ہے۔ جنگ کے بعد صلح کے متعلق مشاورتی کانفرنسیں اتنی تباہ کن ثابت ہوتی ہیں کہ جنگ کو ہمیشہ کے لئے بند کر دینا چاہیئے۔

نازی جرمنی کی شکست!

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے برطانیہ کی تو دلی تمنا یہ تھی کہ روس کے ساتھ جرمنی اتنی طویل مدت تک دست و گریباں رہے کہ روس نیم جاں ہو جائے یعنی فتح کے بعد وہ اپنے اثر سے دنیا میں اشتمالیت کو عام نہ کر سکے اور دنیا کا ہر ملک برطانیہ اور امریکہ کی سرمایہ دارانہ سیاست کو مثل ایک باجگزار کے بلا چون و چرا قبول کر لے لیکن جنگ کے آخری دو سالوں میں حالات کچھ اس طرح بدلے کہ جرمنی کی طاقت برقرار رکھنے میں برطانیہ کو خود اپنی موت دکھائی دینے لگی۔ رومل کی مصر پر یورش اور ہندوستان میں جاپان و جرمن افواج کے اتصال کے خطرے نے برطانیہ اور امریکہ کو افریقہ میں محاذ قائم کرنے پر مجبور کیا۔ محاذ سراسر برطانوی مفاد کو مدنظر رکھ کر قائم کیا گیا تھا لیکن اس سے یہ ضمنی فائدہ روس کو بھی ہوا کہ جرمنی کو اپنی ہوائی طاقت فوج اور سامان حرب کو مشرقی محاذ سے ہٹا کر افریقہ۔ اطالیہ اور جنوبی فرانس لے جانا پڑا تاکہ سرمایہ دار جمہوریتوں کی پیش قدمی سے جو خطرات پیدا ہو گئے تھے ان کا سدباب کیا جاتے۔ اس طرح مشرقی محاذ پر جرمن دباؤ کم ہو گیا۔

برطانیہ کو مدت سے یہ خبریں موصول ہو رہی تھیں کہ جرمن سائنسداں

عجیب و غریب جنگی آلات ایجاد کرنے میں مشغول ہیں۔ اتحادیوں کو یہ علم بھی تھا کہ ایٹم بم بنانے کی سعی بڑی شد و مد سے جاری تھی۔ ان خبروں کی تائید اس امر سے ہو رہی تھی کہ جرمنی کے روکٹ بم ۷ نمبر ا نمبر ۲ نے انگلستان میں تباہی مچانی شروع کر دی تھی اور برطانوی حکومت لندن سے بچوں اور عورتوں کو محفوظ مقامات پر منتقل کرنے پر مجبور ہو گئی تھی۔ برطانیہ کو ان نو ایجاد تباہ کار آلات سے مفر غیر ممکن معلوم ہو رہا تھا۔ ان کا سدِ باب اسی طرح ممکن تھا کہ برطانیہ جرمنی کے صنعتی شہروں اور سامانِ حرب بنانے کے کارخانے مسمار کر دے تاکہ یہ آلات اتنی کثیر تعداد میں اتنی جلدی تیار نہ ہونے پائیں کہ برطانوی فتح کو شکست میں تبدیل کر دیں۔ ان حالات میں برطانیہ جرمنی کے صنعتی مستقروں۔ سامان حرب بنانے کے کارخانوں۔ ریل کی پٹڑیوں اور ہوائی جہازوں کے مستقروں پر بے تحاشا بمباری کر رہا تھا۔ برطانیہ کی اس بمباری سے غیر ارادی طور پر روس کو بھی فائدہ ہوا۔ حقیقت یہ تھی کہ اس وقت برطانیہ کی جنگی تدابیر میں تضاد واقع ہو گیا تھا۔ اگر جرمنی کو تباہ نہیں کرتے تب اس کے نو ایجاد آلات سے برطانیہ کو شدید خطرہ تھا اور تباہ کرنے کی صورت میں ان کی روسی سیاست ناکامیاب ہوتی جا رہی تھی۔ چونکہ جرمنی کی جانب سے شدید اور فوری خطرہ تھا اس لئے برطانیہ کے لئے جرمنی کی تباہی زیادہ سود مند تھی۔ اس مصلحت کے مدنظر برطانیہ نے مغربی یورپ پر شدید بمباری جاری رکھی۔ اس کا یہ اثر ہوا کہ جرمنی کے سامانِ حرب تیار کرنے میں معتد بہ کمی واقع ہو گئی اور مشرقی محاذ پر جرمن افواج کی حالت اس درجہ خستہ ہو گئی کہ دوسرے مغربی محاذ کی عدم موجودگی میں بھی مشرقی محاذ پر جرمنی کا قلع قمع صرف وقت کا سوال رہ گیا تھا۔ مشرقی محاذ پر جرمن افواج کی نزاکت کا اندازہ اس امر سے ہو سکتا ہے کہ جرمنی کے کل تین سو ڈویژن میں سے ایک سو ڈویژن یعنی گیارہ لاکھ فوج دوسرے محاذ کی مدافعت کے لئے مقرر کر دی گئی تھی نہ صرف

یہ ہی بلکہ جنرل رومل کے مشورہ سے پچاس مزید ڈویژن مشرقی محاذ سے شمالی فرانس کی مدافعت کے لئے بلائے گئے تھے۔ دس جرمن ڈویژن فن لینڈ میں مقید ہو کر رہ گئے تھے۔ چالیس ڈویژن اطالیہ جنوبی فرانس اور یورپ کے دوسرے ممالک میں بکھرے ہوتے تھے۔ اب مشرقی محاذ پر صرف ایک سو ڈویژن رہ گئے تھے۔ جرمن افواج کی یہ تعداد نسبتی طور پر اتنی کم تھی کہ ان کے لئے روسی افواج کی پیش قدمی روکنا ناممکن تھا اس زمانہ میں روس بہت تیزی سے بڑھ رہا تھا۔ یہ صاف دکھائی دینے لگا تھا کہ اگر روسی پیشقدمی نہیں روکی گئی تو وہ چند مہینوں میں تمام مغربی یورپ پر چھا جائے گا اور روس کے زیر اثر کمیونسٹ حکومتیں برسر اقتدار آجائیں گی۔ یہ برطانیہ کے لئے نہایت خطرناک صورت تھی۔ ان حالات میں برطانیہ کے لئے یہ ضروری ہو گیا کہ روسی پیشقدمی روکے۔ یہ اسی وقت ہو سکتا تھا کہ دوسرا محاذ قائم کیا جائے۔ ان حالات میں برطانیہ نے بھی دوسرا محاذ قائم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔

برطانیہ نے اس سلسلہ میں پہلا قدم یہ اٹھایا کہ ۱۷ اپریل ۱۹۴۴ء کی شب سے انگلستان اور دوسرے ممالک کے درمیان سفیروں۔ سیاسی افراد کی آمد و رفت ممنوع قرار دے دی۔ نیز یورپ جانے والی عام ڈاک اور دوسرے ممالک کے سفیروں کے خفیہ مراسلات پر سنسر لگا دیا۔ یہ سب اس لئے کیا جا رہا تھا کہ دوسرے محاذ کے متعلق انگلستان جن تیاریوں میں مشغول تھا ان کی اطلاع دشمن کو نہ ہونے پائے۔ اب دنیا کے گوشے گوشے میں یہ سوال کیا جا رہا تھا کہ دوسرا محاذ کس تاریخ کو قائم کیا جانے والا ہے لیکن اس کا جواب دنیا میں چند ہستیوں کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا البتہ چند علامتیں ایسی ضرور تھیں جن سے عوام اندازہ لگا رہے تھے کہ اب دوسرا محاذ قائم ہونے میں زیادہ تاخیر نہیں ہو گی مثلاً یکم مئی ۱۹۴۴ء کو مشرقی فرانس بلجیم اور مغربی جرمنی پر اس قسم کی شدید بمباری شروع ہو گئی تھی جو کسی مقام پر لنگر انداز ہونے سے قبل کی جاتی ہے ایک ماہ کے قریب یہ بمباری جاری رہی۔ دنیا دوسرے محاذ کے انتظار میں اکتا رہی تھی کہ ۶ جون کو

صبح کے ۹ بجے برطانیہ کے فوجی مرکز سے حسب ذیل مختصر سا بیان شائع ہوا:۔

"جنرل آئزن ہاور کی کمان میں اتحادیوں کا بحری بیڑا جس کی مدد کے لئے کثیر فضائی بیڑا موجود تھا آج فرانس کے مشرقی ساحل پر لنگر انداز ہو گیا اور اتحادی افواج فرانسیسی سرزمین پر اُتر گئیں۔ اس مہم میں چار ہزار بڑے بحری جہازوں اور ہزاروں چھوٹے جہازوں نے حصہ لیا۔"

۶ر جون ۱۹۴۴ء کی شب کو اتحادیوں کی ایک ہزار فوج ہوائی جہازوں اور پیراشوٹ کے ذریعہ سے نارمنڈی میں دشمن کی صفوں کی پشت پر اُتر گئی۔ رات کے بارہ بجے سے صبح کے آٹھ بجے تک پانچ ہزار ٹن بم فرانسیسی ساحل کے استحکامات پر گرائے گئے۔ برطانیہ کے بحری جہازوں نے سمندر سے گولہ باری کی۔ اس روز برلن ریڈیو نے اعلان کیا "دشمن جربرگ سے لاہوورتک کے ۱۶ میل لانبے محاذ کے بارہ مقامات پر لنگر انداز ہو گیا ہے۔ اتحادی افواج دریائے اورن کے قریب ۱۳ میل اندر داخل ہو گئی ہیں اور جہاں بہت خوں ریز جنگ ہو رہی ہے۔"

۷ر جون کو مشرقی فرانس پر بھاری سامانِ حرب یعنی ٹینک توپیں وغیرہ اتار دی گئی تھیں فضائی مستقر تعمیر ہونے شروع ہو گئے تھے اور کثیر افواج لنگر انداز ہو گئی تھیں۔ جرمن ریڈیو نے اتحادی پیشقدمی کا اعتراف کرتے ہوئے کہا کہ مشرقی فرانس پر آٹھ اور تیرہ کے درمیان اتحادی ڈویژن لنگر انداز ہو چکے ہیں اور اتحادی افواج ۳۰ یا ۴۰ میل ملک کے اندر داخل ہو گئی ہیں۔ دو دن میں افواج کین تک پہنچ گئیں اور جنرل آئزن ہاور اور رومل کی افواج میں شدید تصادم شروع ہو گیا۔ اگرچہ جرمن اتحادی اقدام کو روکنے میں بہت بہادری دکھا رہے تھے لیکن جنگ کے عام تیور یہ بتا رہے تھے کہ جرمن افواج میں وہ قوت باقی نہیں رہی جس سے غیر متوقع نتائج کی امید کی جا سکے۔ کین پر چار روز تک گھمسان کا رن پڑا۔ جرمن افواج نے اپنی ضرب المثل شجاعت کے جوہر دکھائے۔ رومل اپنے تجربہ اور فوجی بصیرت کو مکمل طور پر کام

میں لایا لیکن اب اتحادیوں کی فوجی طاقت جرمنوں کے مقابلہ میں اتنی زیادہ ہو چکی تھی کہ فیلڈ مارشل رومل کا حسنِ تدبر اور جرمن افواج کے نوجوانوں کی بہادری جنگ کے تباہ کن انجام کو فتح میں نہیں بدل سکتے تھے۔ ۱۲ جون کو جنرل منٹگمری نے فرانسیسی ساحل کی جنگ میں کامیابی کا اعلان کر دیا اور ۱۶ جون تک حالات اتنے اطمینان بخش ہو گئے کہ شہنشاہ برطانیہ نارمنڈی محاذ کے معائنہ کے لیے تشریف لے گئے اور بخیریت واپس ہو گئے۔

چار سال کی متواتر جدوجہد کے بعد اب جرمنی کی قوت مدافعت بڑی تیزی سے اپنے آخری سانس ختم کر رہی تھی اور ہٹلر کی سعی صرف اس امید موہوم پر جاری تھی کہ جرمن سائنسدان شاید کوئی ایسا آلہ جنگ ایجاد کرنے میں کامیاب ہو جائیں جو جنگ کا نقشہ پلٹ دے اس امید موہوم کے سہارے نازی اکابرین زندگی کی مہلت پوری کر رہے تھے۔

جنگ کے ابتدائی سالوں میں جرمن اکابرین کو علم بھی نہ تھا کہ موجودہ صدی کی تاریخ میں جرمنی کی شکست ایک اہم باب ہو گا لیکن ۱۹۴۴ء میں دوسرے محاذ کے قیام کے بعد جرمنی کی فتح کے متعلق حسن ظن رکھنا تو درکنار اس کے متعلق یہ گمان تک باقی نہ رہا کہ اتحادی اس شکست خوردہ حریف سے باعزت شرائط پر صلح کے لئے بھی تیار ہو جائیں گے مشرقی محاذ پر روسی افواج کی شدید ضربیں اور مغرب میں اتحادیوں کی جارحانہ کارروائیاں جرمن مدافعت کا قلع قمع کرنے میں دن رات سرگرم تھیں۔

۱۶ جنوری ۱۹۴۴ء کو سرخ افواج یوکرین کے دارالسلطنت کیو سے گذر کر پولینڈ کی ۱۹۳۹ء والی سرحد میں داخل ہو گئی تھیں۔ ۳ فروری ۱۹۴۴ء کو مارشل اسٹالن نے ایک اعلان کے دوران میں بتایا کہ ڈنیپر کی جنگ میں ایک لاکھ جرمنی قیدی گرفتار کیے گئے۔ بحر اسود اور لینن گراڈ کے محاذوں پر بھی افواج باقاعدہ پسپا ہو رہی تھیں۔ سرخ فوج بالٹک کی ریاستوں میں داخل ہو گئی تھی اور اس کا رخ ڈنزگ کی سمت ہو چکا تھا۔ اب روس نے جرمنی کے حلیف ممالک پر بھی یورش کرنی شروع کر دی تھی۔ ۲۶ فروری کو فنلینڈ پر

فضائی حملہ سے تباہی کا باب کھولا گیا اور ۱۹ مارچ کو سرخ افواج رومانیہ کے مشرقی علاقہ بسرابیا میں داخل ہوگئیں۔ اس روسی اقدام کی مدافعت کے لئے جرمنی نے یہ قدم اٹھایا کہ ہنگری پر قبضہ کر لیا اور بلغاریہ کے اہم مقامات بھی اپنے تصرف میں لے لئے۔ جرمن ہائی کمانڈ کا خیال تھا کہ وہ اس طرح جنوبی جرمنی کو روسی حملہ سے محفوظ کر سکیں گے لیکن ہٹلر کی یہ تدابیر روسی اقدام کو نہ روک سکیں اور جرمنی کے اہم مورچے اس طرح تسخیر ہوتے چلے گئے جیسے مصنوعی جنگ ہو رہی ہو۔ ۱۵ اگست کو جو چھ ہفتے ختم ہوئے ان میں روسی افواج نے ایک لاکھ تئیس ہزار مربع میل سے جرمن افواج کو باہر نکال دیا۔

مغربی محاذ پر بھی جرمن افواج کو شدید شکستیں ہو رہی تھیں۔ حالات اس درجہ نازک ہوگئے تھے کہ جرمن ہائی کمانڈ ہٹلر کے فوجی اختیارات سلب کرنے پر آمادہ ہوگئی تھی۔ یہ جذبہ ایک شدید شکل میں ۲۱ جولائی ۱۹۴۴ء کو ہٹلر کی زندگی پر حملہ کی شکل میں رونما ہوا نازی جرمنی کا قائد اعظم ایک فوجی مشاورتی کانفرنس میں مشغول تھا کہ اس کے قریب ایک بم پھٹا۔ ہٹلر زخمی ہوا لیکن اس کے کوئی کاری زخم نہ آیا۔ اب ہٹلر نے یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ جنگ کا آخری ہفتہ فیصلہ کن ہوگا۔ اس اعلان سے اس کا مقصد تو یہ تھا کہ جرمن قوم اس مغالطہ میں پڑی رہے کہ آخری ہفتہ تک کوئی نہایت ہی تباہ کن ہتھیار بر سر کار لایا جائیگا جس سے دشمنوں کی افواج تباہ ہو جائیں گی اور مدافعت جاری رکھیں لیکن ہٹلر کی الوہیت میں یقین رکھنے والے اس کے اس اعلان کو بہت اہمیت دے رہے تھے اور ان کو یہ یقین تھا کہ جنگ کے آخری ہفتے میں جرمنی کو فتح اور اتحادیوں کو شکست ہو جائے گی۔ جس فوج کی ہائی کمانڈ میں مایوسی اس درجہ عمیق ہو جائے کہ وہ اپنے قائد کو ہلاک کرنے کا اقدام کرے۔ وہ اگر جبراً بر سر پیکار بھی رکھی جاتے تو کوئی مفید نتائج پیدا نہیں کر سکتی۔ چنانچہ مغربی محاذ پر اتحادیوں کو شاندار کامیابیاں ہو رہی تھیں۔ ۲۳ اگست کو اتحادی افواج پیرس میں داخل ہوگئیں تھیں اور جرمن افواج کو تہہ تیغ کر رہی تھیں۔

اب جرمنی کے اتحادیوں نے نہ صرف روس اور برطانیہ کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دیا تھا بلکہ وہ اُن کے شریک کار بن کر جرمنی پر حملہ کرنے کے لئے تیار تھے۔ ۲۵ اگست کو رومانیہ نے جرمنی کے خلاف اعلان جنگ کر دیا اور اسی روز فن لینڈ نے ماسکو سے صلح کی درخواست کی۔ ۳۰ اگست کو اتحادی افواج ہنگری میں داخل ہو گئیں جس تیزی سے مشرقی محاذ پر روسی فوجیں بڑھ رہی تھیں مغربی محاذ پر اسی تیزی سے اتحادی افواج یلغار کر رہی تھیں۔ ایک دن میں ۷۳ میل کا سفر طے کر کے ۳ ستمبر کو اتحادی افواج نے بلجیم کے دارالسلطنت برسلس پر قبضہ کر لیا۔ تمام فوج کا سامانِ حرب کے ساتھ ۷۳ میل کی یلغار کے بعد دشمن پر اچانک حملے میں کامیاب ہو جانا اس امر کی علامت تھی کہ عام جرمن مدافعت ختم ہو چکی تھی۔ ان حالات کے تحت جرمن ہائی کمانڈ نے خاص خاص مقامات نبرد آزمایوں کے لئے مقرر کر دئے تھے باقی علاقوں کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ چنانچہ ۱۱ ستمبر کو امریکی افواج جرمن سرحد میں داخل ہو گئیں اور جرمنی کی جنگ کا آغاز ہو گیا۔ اس پیش قدمی میں سب سے زیادہ خوں ریز جنگ دریائے رائن کے کنارے ارنہم کے مقام پر ہوئی۔ یہاں بھی مشل اور یل کے گھمسان کے معرکے ہوئے لیکن آخر کار جرمن افواج کو پسپا ہی ہونا پڑا اور اتحادی افواج دریائے رائن کے مشرقی کنارے پر پہنچ گئیں۔ اکتوبر میں وارسا کو فتح کرنے کے بعد سُرخ فوج بھی مشرقی پروشیا میں داخل ہو گئی تھی اور چار سو جرمن مقامات پر قبضہ کر لیا تھا جیسا کہ ظاہر ہے۔ جرمنی مکمل طور پر اتحادیوں کے آہنی حلقہ میں آگیا تھا اور یہ حلقہ روز بروز تنگ ہوتا جاتا تھا۔ اب دوسری جنگ عظیم کی تاریخ اتحادی دو بڑی پیش قدمیوں اور جرمن پسپائی کی ایک داستان بن کر رہ جاتی ہے جس کا مفصل بیان اس لئے غیر ضروری ہے کہ وہ تاریخوں اور مقامات کے ناموں کا ایک مجموعہ ہے اور بس۔ اس پنج سالہ جنگ عظیم کا اختتام ۲ مئی ۱۹۴۵ء کو ہوا جبکہ اسٹالن نے ماسکو ریڈیو سے برلن کی فتح کا اعلان نشر کیا اور دُنیا نے اطمینان کا سانس لیا۔

گذشتہ زمانہ میں افراد واقوام اور مذاہب کو عروج تک پہنچنے اور پھر رو بہ زوال ہوتے صدیاں لگا کرتی تھیں لیکن اب سائنس کی برکت سے یہ عروج وزوال کا تماشہ چند سال میں ختم ہو جاتا ہے۔ سائنس کی ترقی اگر اسی طرح جاری رہی تو قوی امید ہے کہ وہ ایٹم بم اور اسی قسم کے دوسرے تباہ کن آلات کو عام کر کے یہ ممکن کر دے گی کہ عروج وزوال کا قضیہ چند روز ہی میں ختم ہو جایا کرے۔ اگرچہ تباہی زیادہ ہو گی لیکن مصیبت چند روزہ ہی ثابت ہو گی۔ کیا عجب ہے کہ اس خوف سے کہ تمام بنی نوع انسان تباہ نہ ہو جائے۔ انسان اخوت کے زرّین اصول پر پہلے سے زیادہ مستحکم طور پر ایمان لے آئے اور دُنیا ہابیل اور قابیل کی یادگار منانے کی رسم کہن کو فراموش کر دے۔

۔۔ کتبہ عبدالسلام کجھادی ۔۔